

جلد پنجم

# حسن الہدایہ

ترجمہ و شرح اردو

## ہدایہ

از باب طلاق المریض  
تا  
باب العبد یعتق بعضہ

تصنیف

شیخ الاسلام ڈاکٹر ابوالحسن علی ابن ابی بکر فضائی مرغینانی

تألیف و تخریج

مفتی عبدالحکیم قاسمی بستوی، مبین مفتی، ایم ایم ایف

تسمیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب



MAKTABA-E-SUNNAT

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر عتقی سنٹر، اردو بازار لاہور  
فون: 042-37224228-37221395

فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَتَمَّدَ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

# اَسْنُ الْهِدَايَةِ

ترجمہ و شرح اردو

## هَدَايَاتُ

جلد پنجم

از باب طلاق المريض تا باب العبد يعق بعضه

تصنيف

شيخ الاسلام محمد بن ابوالحسن علي بن بابي بكر فغان مرغيناني

تسهيل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

بہ تجرید و تفسیر

مفتی عبدالحکیم قاسمی بستوی مبین مفتی دارالعلوم دیوبند

مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر مغربی سسٹریٹ، اٹک و بازار لاہور  
فون: 042-37224228-37355743



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ..... **اَسْنُ الْهِدَايَةِ** (جلد پنجم)

مصنف: ..... شیخ الاسلام علامہ ابوالحسن علی ابن ابی بکر نقشبندی

ناشر: ..... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ..... لعل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت،  
طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔  
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں  
تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ از الہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے  
لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

# حَسَنُ الْهِدَايَةِ

ترجمہ و شرح اردو

## هَدَايَةُ

جلد پنجم

از باب طلاق المریض تا باب العبد یعتق بعضہ

تصنیف

شیخ الاسلام محمد بن ابوالحسن علی ابن ابی بکر بغدادی مرغینانی

تہنیل عنوانات و تخریج

مولانا صہیب اشفاق صاحب

لہجہ دکنیہ

مفتی عبدالمکرم قاسمی بستوی عین منہی دار العلوم دیوبند

مکتبہ رحمانیہ



اقرأ سنہ عشرین سنہ ۱۴۲۰ھ دارالافتاء لاہور  
فون: 042-37224228-37355743

MANTARA-E-MUNAWWAR



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: ..... اسن الہدایہ (جلد نم)

مصنف: ..... شیخ الاسلام ابو الحسن علی ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما

ناشر: ..... مکتبہ رحمانیہ

مطبع: ..... لعل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت،  
طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔  
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں  
تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے  
لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

## فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۹	طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت	۱۱	<b>باب طلاق المریض</b>
۵۰	طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت	۱۲	مرض وفات میں دی گئی طلاق
۵۱	مطلقہ رجعیہ کے احکام		مطلقہ کی وہ صورت جب وہ عدت میں ہوتے ہوئے بھی
۵۳	طلاق رجعی سے وطی کا حرام نہ ہونا	۱۴	وارث ترک نہیں ہوگی
۵۴	<b>فصل فیما تحل بہ المطلقۃ</b>	۱۵	مرض الموت میں طلاق کی ایک صورت
//	طلاق بائن کا بیان	۱۸	مرض الموت میں طلاق کا ضابطہ اور اصول
۵۶	تین طلاق کی حرمت کا بیان	۲۲	مرض الموت کی طلاق معلق
۵۸	حلالہ میں زوج مراہق کا حکم	۲۵	عام مرض میں طلاق دینا
۵۹	حلالہ کے چند احکام	۲۶	مرض الموت کی مطلقہ کا ارتداد یا مطاوعت ابن زوج
۶۱	مسئلہ عدم	۲۸	ایلاء مرض
۶۲	مطلقہ ثلاث اپنے دوبارہ پاک ہونے کی اطلاع دے	۲۹	طلاق رجعی مانع عن الارث نہیں
۶۳	<b>باب الإیلاء</b>	۳۰	<b>باب الرجعة</b>
۶۵	ایلاء کی تعریف اور حکم	۳۱	رجوع عن الطلاق کی حیثیت اور شرائط
۶۶	مدت ایلاء گزار دینے کا حکم	۳۲	رجوع کا طریقہ
۶۸	ایلاء کی قسم کا بیان	۳۳	رجوع پر گواہ بنانا
۶۹	چار ماہ کے ایلاء کی حیثیت	۳۵	عدت کے بعد رجوع فی العدة کا دعویٰ کرنا
۷۰	چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم	۳۶	عدت کے بعد رجوع فی العدة کا دعویٰ کرنا
//	چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم	۳۸	مذکورہ بالا مسئلہ میں باندی کی صورت
۷۱	ایک دن کے استثناء کے ساتھ پورے سال کی قسم کھانا	۴۱	عدت کب ختم ہوتی ہے
۷۲	ایلاء کی ایک مخصوص صورت	۴۳	حائضہ مطلقہ غسل میں کوئی عضو بھول گئی
۷۳	قسم کی مختلف صورتیں جو ایلاء بنتی ہیں	۴۶	حاملہ سے رجوع کرنا جبکہ شوہر وطی کا منکر ہو
۷۴	مطلقہ سے ایلاء کرنا		خلوت کے بعد انکار وطی سے رجوع کے ساقط ہونے کا
۷۵	اجنبی عورت سے ایلاء کرنا	۴۷	بیان

۱۰۴	صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا	۷۶	جن صورتوں میں جماع نہیں ہو سکتا ان میں مولیٰ رجوع
۱۰۵	<b>باب الظہار</b>	۷۸	عن الاملاء کیسے کرے
۱۰۶	ظہار تعریف اور حکم	۸۰	”انت علی حرام“ کہنے والے کے حکم کی تفصیل
۱۰۷	کفارہ دینے سے پہلے جماع کرنے کا حکم	<b>باب الخلع</b>	
۱۰۸	ظہار کے مشبہ باعضاء جسمانی	۸۱	خلع کی تعریف اور حکم
۱۰۹	محرمات سے تشبیہ دینا	۸۲	شوہر کے لیے خلع کا مال لینا
۱۱۰	بیوی کے کسی ایک جزء کو تشبیہ دینا	۸۳	شوہر کے لیے خلع کا مال لینا
۱۱۱	”توجھ پر میری ماں کی طرح ہے“ کہنے کا حکم	۸۴	شوہر کے لیے خلع کا مال لینا
۱۱۲	”انت علی حرام کامی“ کا حکم	۸۵	طلاق علی المال
۱۱۳	چند الفاظ ظہار	۸۶	غیر متقوم شے کو بدل خلع بنانا
۱۱۴	ظہار صرف بیوی سے ہی ہوتا ہے	۸۸	بدل خلع کیا ہو؟
۱۱۵	ظہار کی ایک خاص صورت	۸۹	بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت
۱۱۶	سب بیویوں سے بیک وقت ظہار کرنا	۹۰	بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت
۱۱۷	<b>فصل فی الکفارة</b>	۹۱	بدل خلع کو بدل خلع بنانا
۱۱۸	کفارہ ظہار	۹۳	”طلقنی ثلاثا علی الف“ کی تفصیل
۱۱۹	ظہار میں کفارے کے لیے وہی سے پہلے ہونے کی شرط	۹۴	”طلقنی نفسک ثلاثا بالف“ کا حکم
۱۲۰	کفارے میں جائز غلام کی تفصیل	۹۶	طلاق علی المال کی ایک صورت
۱۲۱	کفارے میں ادائیگی کے لیے نا کافی غلام کا بیان	۹۷	انت طالق و علیک الف یا انت حر و علیک
۱۲۲	کفارے میں ادائیگی کے لیے نا کافی غلام کا بیان	۹۸	الف کہنے کا حکم
۱۲۳	مکاتب کو کفارے میں آزاد کرنا	۱۰۰	طلاق علی المال میں خیار کی شرط لگانا
۱۲۴	باپ بھائی کو کفارے کی نیت سے خریدنا	۱۰۱	طلاق علی المال کو قبول کرنے میں اختلاف کے وقت قول معتبر
۱۲۵	مشترک غلام کے ایک حصے کو آزاد کرنا	۱۰۲	مبارات کا بیان
۱۲۶	اپنے ہی غلام کو آدھا کر کے آزاد کرنا	۱۰۳	چھوٹی بچی کے لیے اسی کے مال سے خلع لینا
۱۲۷	مذکورہ بالا مسئلہ کا شرع اختلاف	۱۰۴	باپ کو بدل خلع کا ضامن بنانا
۱۲۸	کفارے میں روزے رکھنا	۱۰۵	صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا
۱۲۹	کفارے کے روزوں کے دوران جماع کرنے کا حکم	۱۰۶	صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا
۱۳۰	غلام کے لیے کفارہ ظہار	۱۰۷	

۱۵۸	<b>باب العین وغیرہ</b>	۱۳۰	کفارے میں کھانا کھلانا
۱۵۹	عنین کے احکام	۱۳۱	کفارہ میں ملی جلی اجناس سے کھانا کھلانا
۱۶۰	عنین کے باب میں قاضی کی تفریق کی حیثیت	//	کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کھانا کھلانے کا حکم دینا
۱۶۱	شوہر کے اپنے عنین ہونے کا انکار کرنے کی صورت	۱۳۲	ساتھ مسکینوں کو تملیک کے بغیر کھانا کھلانا
۱۶۲	محبوب اور خصی کے احکام	۱۳۳	مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک اور صورت
	مہلت کے بعد عنین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے	//	ایک ہی مسکین کو کھانا کھلا دینا
۱۶۳	اور بیوی انکار کرتی ہو	۱۳۴	دوران اطعام جماع کرنا
	مہلت کے بعد عنین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے	۱۳۵	دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی
۱۶۴	اور بیوی انکار کرتی ہو	۱۳۵	دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی
۱۶۵	عورت کے عیوب کی وجہ سے عدم فسخ کا بیان	۱۳۷	دو مختلف کفاروں کی بیک وقت ادائیگی
۱۶۶	جب وعنہ کے علاوہ شوہر میں کسی دوسرے عیب کا حکم	۱۳۹	<b>باب اللعان</b>
۱۶۷	<b>باب العدة</b>	۱۴۰	لعان کی حقیقت اور حیثیت
۱۶۸	حائضہ آزاد عورت کی عدت طلاق	۱۴۲	تہمت لگانے کے بعد لعان نہ کرنے والے خاوند کا حکم
۱۶۹	غیر حائضہ اور حاملہ کی عدت طلاق	۱۴۳	لعان سے فرار اختیار کرنے والی بیوی کے لیے حکم
۱۷۰	باندی کی عدت طلاق	۱۴۴	شوہر کا اہل شہادت نہ ہونے کی صورت
۱۷۱	عدت وفات زوج	۱۴۵	عورت کے اہل شہادت نہ ہونے کی صورت
۱۷۳	طلاق اور وفات کی عدت جمع ہو جانے کی صورت	۱۴۶	لعان کا طریقہ
۱۷۴	دوران عدت باندی کا آزاد ہو جانا	۱۴۷	لعان کے بعد علیحدگی کا بیان
۱۷۵	آئیسہ کو حیض آ جانے کا عدت پراثر	۱۴۹	لعان کے بعد دوبارہ شادی کا حکم
۱۷۶	حائضہ کے آئیسہ بننے کا عدت پراثر	//	نفی ولد کی تہمت کا لعان
//	مککوہ فاسدہ اور موطوءۃ بالشہیۃ کی عدت	۱۵۰	زنا اور نفی ولد کی وجہ سے کیا جانے والا لعان
۱۷۷	اُمّ ولد کی عدت وفات	۱۵۱	شوہر کے تہمت سے رجوع کر لینے کا حکم
۱۷۹	تابالغ کی حاملہ بیوی کی عدت وفات	۱۵۲	تہمت کے بعد لعان واجب نہ ہونے کی صورتیں
۱۸۰	حالت حیض کی مطلقہ کی عدت	۱۵۳	حمل کی نفی کرنے کا حکم
	معتدہ وطی بالشہیۃ کا شکار ہوئی تو دونوں عدتوں کے	۱۵۴	حمل کی نفی کرنے کا حکم
۱۸۱	تداخل کی بحث	۱۵۵	نفی ولد کی مدت
	معتدہ وطی بالشہیۃ کا شکار ہوئی تو دونوں عدتوں کے	۱۵۷	جزواں بچوں میں سے ایک کی نفی کرنا

۲۰۹	معتدہ کے اپنی عدت کے گزر جانے کا اقرار کرنے کے بعد بچہ جننا	۱۸۲	تداخل کی بحث
۲۱۰	معتدہ عن طلاق کے بچے کا ثبوت نسب	//	عدت کی ابتداء کا وقت
۲۱۱	معتدہ وفات کے بچے کا ثبوت نسب کا طریقہ	۱۸۳	نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء کا وقت
۲۱۲	منکوحہ کے بچے کے ثبوت نسب کی مدت	۱۸۴	عدت پوری ہو جانے میں اختلاف کے وقت قول معتبر
۲۱۳	مدت نکاح میں اختلاف کے وقت قول معتبر کا بیان	۱۸۵	عدت طلاق میں نکاح ہو کر دوبارہ طلاق ملنے والی عورت کی عدت کی بحث
۲۱۴	طلاق کے معلق بالولادة ہونے کی صورت میں ایک عورت کی ولادت کی گواہی	۱۸۷	ذمیہ اور حربیہ کی عدت
۲۱۵	مذکورہ بالا صورت میں شوہر کے اقرار حمل کا اثر	۱۸۹	فصل: ان چیزوں کا بیان جن کا کرنا یا نہ کرنا معتدہ عورتوں کے لیے ضروری ہے
۲۱۶	اکثر مدت حمل	۱۹۰	عدت میں سوگ اور ترک زینت
۲۱۷	باندی بیوی کو طلاق دینے کے بعد خریدنے کی صورت میں ثبوت نسب	۱۹۲	سوگ کی وضاحت
۲۱۸	ام ولد بننے کی ایک صورت	۱۹۳	کافر عورت کے لیے سوگ کا حکم
۲۱۹	بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک معتدی ہوگا یا نہیں	۱۹۴	ام ولد اور منکوحہ فاسدہ کے لیے عدم حداد کا حکم
۲۲۰	بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک معتدی ہوگا یا نہیں	//	معتدہ کو پیغام نکاح دینا
۲۲۱	باب حضانتہ الولد و من احق بہ	۱۹۵	معتدہ کے لیے گھر سے نکلنا
۲۲۲	زوجین میں سے پرورش کا زیادہ حقدار	۱۹۷	عدت کس گھر میں گزاری جائے
۲۲۳	ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا	//	خاوند کے گھر میں رہنا ممکن نہ ہونے کی صورت
۲۲۴	ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا	۱۹۸	عدت میں شوہر کے ساتھ رکھا جانے والا روپیہ
۲۲۵	شادی کرنے سے حق حضانت کا سقوط	۱۹۹	شوہر کے گھر میں عدت نہ گزارنے کا ایک عذر
۲۲۶	حضانت کے حقدار مردوں کا بیان	۲۰۰	حالت سفر میں بیوہ ہو جانے والی کی عدت
۲۲۷	لڑکے کی مدت حضانت کا بیان	۲۰۱	حالت سفر میں بیوہ ہو جانے والی کی عدت
۲۲۸	لڑکی کی مدت حضانت	۲۰۲	باب ثبوت النسب
۲۲۹	لڑکی کی مدت حضانت	//	اثبات نسب کی ایک مثال
//	باندی کے لیے حق حضانت	۲۰۳	مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب
۲۳۰	ذمیہ کے لیے حق حضانت	۲۰۴	بائندہ کے بچے کا ثبوت نسب
۲۳۱	حضانت میں بچے کے اختیار کا مسئلہ	۲۰۵	مطلقہ صغیرہ کے بچے کا ثبوت نسب
		۲۰۶	معتدہ وفات کے بچے کا ثبوت نسب

۲۶۵	معتدہ وفات کا نفقہ	۲۳۲	فصل: یہ نسل بچے کو شہر سے باہر گاؤں وغیرہ لے جانے کے بیان میں ہے
۲۶۶	ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی	۲۳۳	مدت حضانت بچے کو اس کے باپ کے شہر سے منتقل کرنا
۲۶۷	ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی	۲۳۵	باب النفقة
۲۶۸	فصل ای هذا فصل فی نفقة الاولاد	۲۳۶	بیوی کے حق نفقہ کا بیان
//	چھوٹے بچوں کا خرچ	۲۳۷	نفقہ کی تعیین کا معیار
۲۶۹	شیر خوار کا خرچ	۲۳۹	مہر کی وصولی سے پہلے تسلیم نفس نہ کرنے والی کا نفقہ
۲۷۰	شیر خوار کا خرچ	//	ناشرہ اور غیر ممکنہ کا نفقہ
//	اپنی بیوی یا معتدہ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا	۲۴۰	صغیرہ غیر معصومہ کا نفقہ
۲۷۱	اپنی بیوی یا معتدہ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا	۲۴۲	قیدی بیوی کا نفقہ
۲۷۲	بغیر اجرت دودھ پلانے والی ماں دایہ سے زیادہ حقدار ہے	۲۴۳	مریضہ کا نفقہ
۲۷۳	مختلف الدین بچے کا نفقہ	۲۴۴	مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ
	فصل ای هذا فصل فی نفقة الاباء	۲۴۵	مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ
۲۷۴	والا جداد والخدم	۲۴۶	نفقہ نہ دے سکنے والے کا حکم
۲۷۵	بیوی بچوں کے علاوہ دیگر نفقات واجبہ	۲۴۸	شوہر کی مالی حالت بدلنے پر نفقہ پر اثر
۲۷۶	اختلاف دین مانع وجوب نفقہ کب بنتا ہے	۲۴۹	کافی عرصہ کے بعد پچھلے نفقے کا مطالبہ کرنا
۲۷۸	مختلف الدین بھائی کا نفقہ	۲۵۰	نفقہ واجب کی ادائیگی سے پہلے خاوند کی موت کی صورت
۲۷۹	والدین کا نفقہ	۲۵۱	پیشگی نفقہ دینے والے کی موت کی صورت
۲۸۰	جمع نفقات واجبہ اور وجوب کی شرائط	۲۵۲	غلام خاوند کے ذمے آنے والا نفقہ
۲۸۱	ذوی الارحام کے نفقات کی مقدار	۲۵۳	باندی کا نفقہ
۲۸۲	بالغ لڑکی اور اپنا حج لڑکے کا نفقہ	۲۵۴	فصل ای هذا فصل فی بیان السکنی
۲۸۳	تنگ دست آدمی پر واجب ہونے والے نفقات	۲۵۵	عورت کا حق سکنی
۲۸۵	غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا	۲۵۶	بیوی کے میکے والوں سے ملاقات کا حق
۲۸۷	غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا	۲۵۷	زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی
//	غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا	۲۵۹	زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی
۲۸۸	مدت خالیہ عن النفقة کا بیان	۲۶۲	فصل
۲۸۹	فصل: غلام اور حیوانات وغیرہ کا نفقہ	۲۶۳	مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنی کی بحث
۲۹۰	غلام اور باندی کا نفقہ		



## کتاب العتاق

یہ کتاب احکام آزادی کے بیان میں ہے

۱ عتاق کی شرعی حیثیت

۲ عتاق کی شرائط

۳ الفاظ عتاق

اپنے غلام کو "اے آزاد!" کہہ کر پکارنے کا حکم

۴ عتاق کو جزو بدن کی طرف مضاف کرنا

۵ عتاق کو جزو بدن کی طرف مضاف کرنا

"لا ملک لی علیک" کے الفاظ کا حکم

۶ کنایات عتاق

۷ کنایات عتاق

۸ غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا

اپنے غلام کو "مولیٰ" کہنے کا حکم

۹ اپنے غلام کو بیٹا یا بھائی کہہ کر پکارنا

اپنے غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا

۱۰ اپنے غلام باندی کو اپنا ماں باپ قرار دینا

۱۱ باندی کو الفاظ طلاق سے آزاد کرنا

۱۲ چند الفاظ عتاق

### فصل: عتاق غیر اختیاری کا بیان

۱۳ قریبی رشتہ دار کے مملوک ہوتے ہی آزاد ہو جانے کا بیان

۱۴ اللہ کے لیے یا جھوٹے خداؤں کے لیے آزاد کیے جانے

۱۵ والے غلام کا حکم

۱۶ مکروہ و سکران کا عتاق

۱۷ عتاق معلق

۱۸ دارالحرب سے بھاگ کر آنے والا غلام

۱۹ عتاق میں حاملہ باندی کے حمل کی مختلف صورتیں

۲۰ باندی کی اولاد کا حکم

۲۱ باندی کی اولاد کا حکم

۲۲ آزاد عورت کی اولاد کا حکم

### باب العبد یعتق بعضہ

۲۳ اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرنے کا حکم

۲۴ مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کرنے کے احکام

۲۵ مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج

۲۶ مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج

۲۷ مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج

۲۸ دو مالکوں کے عتاق معلق کی ایک صورت

۲۹ دو مالکوں کے عتاق معلق کی ایک صورت

۳۰ دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی

۳۱ سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم

۳۲ دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی

۳۳ سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم

۳۴ دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی

۳۵ سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم

۳۶ تین مالکوں کے درمیان مشترک غلام کا مسئلہ

۳۷ دو شریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف

۳۸ ہونے کی صورت

۳۹ دو شریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف

۴۰ ہونے کی صورت

## بَابُ طَلَاَقِ الْمَرِيضِ

یہ باب مریض کی طلاق کے احکام کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے غیر مریض یعنی تندرست اور صحیح شخص کی طلاق کے احکام و مسائل کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے مریض کی طلاق کے مسائل بیان کر رہے ہیں اور اسے طلاق الصحیح کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صحت اصل ہے اور مرض عارض ہے اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اصل عارض پر مقدم ہوتا ہے، اسی لیے پہلے اصل کو بیان فرمایا اور اب یہاں سے عارض کو بیان کر رہے ہیں۔ صاحب بنابہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ المرض معنی یزول بحولہ فی بدن الحی اعتدال الطباع یعنی ہر وہ چیز جو زندہ شخص کے بدن میں داخل ہونے کے بعد اس کی طبیعت اور اس کا مزاج و مذاق بدل دے اس کا نام مرض ہے اور اسی مرض سے مریض مشتق ہے۔ (بنابہ ۲۰۴/۵)

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَانًا قَمَاتٍ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرَثَتُهُ، وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمۃ اللہ علیہ لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ، لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهَذَا الْعَارِضِ، وَهِيَ السَّبَبُ، وَلِهَذَا لَا يَرِثُهَا إِذَا مَاتَتْ، وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ إِرْثِهَا فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ، وَالزَّوْجُ قَصْدُ إِبْطَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَأْخِيرِ عَمَلِهِ إِلَى زَمَانِ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَقَدْ أَمَكْنَا، لِأَنَّ النِّكَاحَ فِي الْعِدَّةِ يَبْقَى فِي حَقِّ بَعْضِ الْأَثَارِ فَجَازَ أَنْ يَبْقَى فِي حَقِّ إِرْثِهَا عَنْهُ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْإِنْقِضَاءِ، لِأَنَّهُ لَا إِمْكَانَ، وَالزَّوْجِيَّةُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِإِرْثِهِ عَنْهَا فَيَبْطُلُ فِي حَقِّهِ خُصُوصًا إِذَا رَمَى بِهِ.

**ترجمہ:** جب انسان نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی اور وہ مر گیا در انحالیکہ اس کی بیوی عدت میں ہے تو بیوی اس شخص کی وارث ہوگی۔ اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد وہ مرے تو بیوی کو میراث نہیں ملے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس عارض (طلاق) کی وجہ سے زوجیت باطل ہو چکی ہے اور زوجیت ہی (وارثت کا) سبب ہے، اسی لیے اگر بیوی مر جائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کے مرض موت میں زوجیت بیوی کے وارث ہونے کا سبب ہے لیکن شوہر نے اسے باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے، لہذا بیوی سے ضرر ختم کرنے کے لیے

عدت پوری ہونے کے زمانے تک شوہر کے عمل کو مؤخر کر کے اس کے قصد کو اسی پر لوٹا دیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا ممکن بھی ہے، کیوں کہ عدت میں بعض آثار کے حوالے سے نکاح باقی رہتا ہے، لہذا شوہر سے وراثت کے حق میں بھی نکاح کا باقی رہنا ممکن ہوگا۔

برخلاف عدت پوری ہو جانے والی صورت کے، کیوں کہ اب تاخیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور زوجیت اس حالت میں بیوی سے شوہر کے وارث ہونے کا سبب نہیں ہے، لہذا شوہر کے حق میں سبب باطل ہو جائے گا خاص کر اس وقت جب شوہر اس بطلان سے راضی ہو۔

## الغائت:

﴿ورثہ﴾ اس کی وارث ہوگی۔ ﴿انقضاء﴾ گزر جانا ختم ہونا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔

## مرض وفات میں دی گئی طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کی یہ بیوی اس شخص کی وارث بنے گی اور شوہر کی وارثت میں سے بیوی کو اس کا حق اور حصہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر مذکورہ مطلقہ بیوی کی عدت پوری ہونے کے بعد اس کے شوہر کی وفات ہوئی تو اب بیوی وارثت کی حق دار نہیں ہوگی اور میراث سے محروم رہے گی۔ یہ تفصیل تو ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے بعد بیوی کو مطلقاً وارثت نہیں ملے گی، خواہ اس کی عدت کے دوران شوہر کی وفات ہو یا عدت کے بعد ہو، ان کی دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کی میراث سے وارثت پانے کا سبب رشتہ زوجیت کی بقاء ہے، لہذا اگر زوجیت باقی رہے گی تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، لیکن اگر زوجیت ختم ہو جائے گی تو کوئی کسی کا وارث نہیں ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں چوں کہ طلاق بائن کے وجہ سے زوجیت ختم ہو چکی ہے، اس لیے کوئی کسی کا وارث نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر اس حال میں بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، لہذا جب طلاق بائن شوہر کے لیے مہمل میراث ہے تو بیوی کے لیے بھی مہمل میراث ہوگی۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ بقائے زوجیت میراث کا سبب ہے اور شوافع بھی اس کے قائل ہیں۔ اور مرض وفات میں زوجیت وراثت کا سبب ہے بایں معنی کہ اس مرض میں وراثہ اور بیوی کا حق شوہر کے مال سے متعلق ہو جاتا ہے، اسی لیے مرض وفات میں نہ تو شوہر کے لیے تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا درست ہے اور نہ ہی اس سے زائد کسی حق وغیرہ کا اقرار کرنا صحیح ہے، کیوں کہ مرض وفات میں اس کے مال سے وراثہ اور بیوی کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور اس حالت میں اگر شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے حق کو باطل اور ضائع کرنا چاہتا ہے، لہذا اس کی یہ چاہت اس کے منہ پر ماردی جائے گی اور بطلان زوجیت والے عمل کو عدت پوری ہونے تک مؤخر کر کے بیوی کو اس کا حق اور اس کی میراث دلائی جائے گی۔

وقد أمکن الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر کے قصد کو انقضائے عدت کے زمانے تک مؤخر کرنا ممکن بھی ہے کہ عدت کے دوران من وجہ عورت کا نکاح اور اس کی زوجیت قائم رہتی ہے، چنانچہ عدت کے دوران نہ تو وہ دوسری شادی کر سکتی ہے، نہ ہی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور نہ ہی شوہر مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن یا کسی چوتھی عورت سے نکاح کر سکتا ہے،

اس لیے جب انقضائے عدت تک میاں بیوی دونوں کے حق میں زوجیت باقی رہتی ہے تو اس حالت میں بیوی شوہر کی وارث ہوگی اور بلاوجہ اسے رواشت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

اس کے برخلاف عدت ختم ہو جانے کے ساتھ ہی چوں کہ نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے اور زوجین میں رتی برابر بھی زوجیت باقی نہیں رہتی، اس لیے انقضائے عدت کے بعد شوہر کے قصد اور اس کے عمل کو مؤخر کرنا ممکن نہیں ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر عدت مکمل ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہو تب بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔

والزوجۃ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرض وفات میں شوہر بیوی کو طلاق دیدے اور پھر بیوی اچانک مر جائے تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ مرض وفات میں طلاق دینا میراث سے محروم ہونے کا سبب ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی سمجھا ہے، بلکہ اس حالت میں بیوی کے مرنے سے شوہر اس لیے اس کا وارث نہیں ہوتا کہ صورت مسئلہ میں پیش آمدہ حالت کے وقت بیوی کا حق شوہر کے مال سے متعلق ہوتا ہے، نہ کہ شوہر کا، لہذا جب مرض وفات میں شوہر کا حق بیوی کے مال سے متعلق نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ بیوی کی موت سے اس کا حق میراث باطل ہو جائے گا۔ اور پھر اس بطلان میں خود ”میاں بیوی“ کا اپنا ہاتھ بھی تو ہے، کیوں کہ میاں جی نے تو بیوی کو طلاق دے کر خود ہی اپنی میراث کے بطلان کی گھنٹی بجادی ہے، لہذا جب خود شوہر ہی اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہے تو بے چارہ قاضی کیا کرے گا۔

صاحب نہایہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فقہائے احناف نے اس موقع پر اجماع صحابہ سے دلیل پیش کر کے اس مسئلے کو دلیل نقلی سے بھی مزین کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کو (جن کا نام تمارض تھا) مرض وفات میں طلاق دے دی تھی اور عدت کے دوران ہی حضرت عبدالرحمن کا انتقال ہو گیا تھا لیکن پھر بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمارض کو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وارث قرار دے کر انہیں ان کی میراث سے حصہ دلایا تھا وکان ذلک بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه احد، فحل محل الإجماع یعنی یہ معاملہ حضرات صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا تھا، لیکن کسی نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی جس سے یہ حکم محل اجماع میں داخل ہو گیا تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ اجماع بھی حجج شرعیہ میں سے ایک اہم حجت ہے۔

وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا بِأَمْرِهَا أَوْ قَالَ لَهَا إِخْتَارِي فَأُخْتَارَتْ نَفْسَهَا أَوْ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرَوْهُ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِبُطْلَانِ حَقِّهَا، وَالتَّأْخِيرُ لِحَقِّهَا، وَإِنْ قَالَتْ طَلَّقْنِي لِلرَّجْعَةِ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَرِثَتُهُ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يُزِيلُ النِّكَاحَ فَلَمْ تَكُنْ بِسُوءِ الْإِلَاحِ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ حَقِّهَا.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی کے حکم سے شوہر نے اسے تین طلاق دی، یا شوہر نے اس سے اختاری کہا اور بیوی نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا شوہر سے خلع لے لیا پھر شوہر مر گیا اور بیوی عدت میں ہو تو اس کی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہو چکی ہے حالانکہ تاخیر اسی کے حق کی وجہ سے تھی۔ اور اگر بیوی نے شوہر سے کہا مجھے طلاق رجعی دیدو لیکن اس نے اسے تین طلاق دے دی تو بیوی اس کی وارث ہوگی۔ اس لیے کہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی، لہذا وہ طلاق کا سوال کر کے اپنا حق باطل کرنے پر راضی نہیں ہوگی۔

## اللغات:

﴿اختلعت﴾ خلع لے لی۔ ﴿رضیت﴾ رضامند ہوئی۔ ﴿ابطال﴾ باطل کرنا۔

مطلقہ کی وہ صورت جب وہ عدت میں ہوتے ہوئے بھی وارث ترکہ نہیں ہوگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یہ کہا کہ تم مجھے تین طلاق دیدو، چنانچہ شوہر صاحب نے میم صاحب کی فرماں برداری کرتے ہوئے اسے تین طلاق دیدی، یا بیوی نے شوہر سے خلع لے لیا، اس کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا اور بیوی ابھی تک عدت ہی میں ہو پھر بھی وہ شوہر کی وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ اس سے پہلے والے مسئلے میں جو عمل طلاق کو مؤخر کیا گیا ہے وہ بیوی کے حق کی وجہ سے تھا، مگر صورت مسئلہ میں چوں کہ بیوی نے خود ہی طلاق کا مطالبہ کیا ہے تو گویا بیوی از خود اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے، اس لیے اس کا حق میراث باطل ہو جائے گا اور وہ میراث سے محروم ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یوں کہا کہ مجھے طلاق رجعی دیدو، لیکن شوہر نے طلاق رجعی کے بجائے اسے تین طلاق دے کر مغلظ کر دیا اور عدت کے دوران شوہر کی وفات ہو گئی تو بیوی اس کی وارث ہوگی، کیوں کہ اس مسئلے میں بیوی نے طلاق رجعی کا مطالبہ کیا تھا اور طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوتا، اس لیے طلاق رجعی کا سوال کرنے کی وجہ سے بیوی اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگی اور جب وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اسے وراثت سے محروم بھی نہیں کیا جائے گا۔

وَإِنْ قَالَ لَهَا فِي مَرَضٍ مَوْتَهُ كُنْتُ طَلَّقْتُكَ ثَلَاثًا فِي صِحَّتِي وَانْقَضَتْ عِدَّتُكَ فَصَدَّقْتَهُ ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقْلُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنَ الْمِيرَاثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ علیہ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رحمہ اللہ علیہ وَمُحَمَّدٌ رحمہ اللہ علیہ يَجُوزُ إِفْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ، وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِي مَرَضِهِ بِأَمْرِهَا ثُمَّ أَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ أَوْ أَوْصَى لَهَا بِوَصِيَّةٍ فَلَهَا الْأَقْلُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنَ الْمِيرَاثِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، إِلَّا عَلَى قَوْلِ زُفَرٍ رحمہ اللہ علیہ فَإِنَّ لَهَا جَمِيعَ مَا أَوْصَى وَمَا أَقَرَّ بِهِ، لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَمَّا بَطَلَ بِسُؤَالِهَا زَالَ الْمَانِعُ مِنْ صِحَّةِ الْإِفْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ، وَجَهٌ قَوْلُهُمَا فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى أَنَّهُمَا لَمَّا تَصَادَقَا عَلَى الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ صَارَتْ أَجَبِيَّةٌ عَنْهُ حَتَّى جَازَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِهَا فَإِنَّ عِدَّتَ التُّهْمَةِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ تَقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهَا وَيَجُوزُ وَضْعُ الزَّكَاةِ فِيهَا، بِخِلَافِ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ بَاقِيَةٌ وَهِيَ سَبَبُ التُّهْمَةِ، وَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ التُّهْمَةِ، وَلِهَذَا يُدَارُ عَلَى النِّكَاحِ وَالْقَرَابَةِ، وَلَا عِدَّةَ فِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى، وَلَا لِأَبِي حَنِيفَةَ رحمہ اللہ علیہ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ أَنَّ التُّهْمَةَ قَائِمَةٌ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ قَدْ تَخْتَارُ الطَّلَاقَ لِيَنْفَتَحَ بَابُ الْإِفْرَارِ وَالْوَصِيَّةِ عَلَيْهَا فَيَزِيدُ حَقُّهَا، وَالزَّوْجَانِ قَدْ يَتَوَاضَعَانِ عَلَى الْإِفْرَارِ بِالْفُرْقَةِ وَانْقِضَاءِ

الْعِدَّةُ لِبَيِّنَاتٍ لِّلزَّوْجِ بِمَا لَهَا زِيَادَةٌ عَلَى مِيرَاثِهَا، وَ هَذِهِ التَّهْمَةُ فِي الزِّيَادَةِ فَرَدَدْنَاهَا، وَ لَا تَهْمَةُ فِي قُدْرِ الْمِيرَاثِ فَصَحَّحْنَاهُ، وَ لَا مُوَاضَعَةَ عَادَةً فِي حَقِّ الزَّكَاءِ وَ التَّزْوُجِ وَ الشَّهَادَةِ فَلَا تَهْمَةُ فِي حَقِّ هَذِهِ الْأَحْكَامِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنے مرض موت میں بیوی سے کہا کہ میں اپنی صحت کی حالت میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں اور تمہاری عدت پوری ہو چکی ہے، چنانچہ بیوی نے اس کی تصدیق کر دی پھر شوہر نے بیوی کے لیے کسی قرض کا اقرار کیا یا اس کے لیے کوئی وصیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس عورت کو دین، وصیت اور میراث میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہی ملے گی۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر کا اقرار اور وصیت دونوں جائز ہیں۔

اور اگر شوہر نے اپنے مرض وفات میں بیوی کے حکم سے اسے تین طلاق دی، پھر اس کے لیے کسی دین کا اقرار کیا یا کسی چیز کی وصیت کی تو سب کے یہاں بیوی کو دین، وصیت اور میراث میں سے جو کم ہوگا وہی ملے گا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی کو وصیت اور شوہر کے اقرار کیے ہوئے دین کا پورا پورا حصہ ملے گا، اس لیے کہ عورت کے سوال کرنے کی وجہ سے جب میراث باطل ہوگئی تو اقرار اور وصیت کی صحت کا مانع زائل ہو گیا۔

پہلے مسئلے میں حضرات صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ زوجین نے جب طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا تو بیوی شوہر سے لجبہ ہوگئی حتیٰ کہ اس شوہر کے لیے اس عورت کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، لہذا تہمت معدوم ہوگئی، کیا تم دیکھتے نہیں کہ عورت کے حق میں اس مرد کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے اور مرد کے لیے اس عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

برخلاف دوسرے مسئلے کے، کیوں کہ عدت باقی ہے اور سبب تہمت ہے اور حکم کا دار و مدار دلیل تہمت ہی پر ہوتا ہے اسی لیے نکاح اور قرابت پر حکم دائر ہوتا ہے اور پہلے مسئلے میں عدت نہیں ہے۔

دونوں مسئلوں میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تہمت موجود ہے، اس لیے کہ عورت کبھی اس لیے طلاق کو اختیار کرتی ہے تاکہ اس پر اقرار اور وصیت کا دروازہ کھل جائے اور اس کا حق بڑھ جائے۔ اور کبھی میاں بیوی فرقت کے اقرار اور انقضائے عدت پر اس لیے اتفاق کرتے ہیں تاکہ شوہر بیوی کی میراث پر بطور تبرع کچھ اضافہ کر کے اسے دیدے اور یہ تہمت چوں کہ اضافے میں ہے، اس لیے ہم نے اضافے کو رد کر دیا اور میراث کی مقدار میں تہمت نہیں ہے، اس لیے ہم نے اسے درست قرار دیدیا۔ اور زکوٰۃ، تزویج اور گواہی کے متعلق عاداتا اتفاق نہیں کیا جاتا، اس لیے ان کے احکام کے حق میں تہمت معتبر نہیں ہوگی۔

## اللَّغَاتُ:

﴿انقضت﴾ گزر گئی۔ ﴿صدقت﴾ عورت نے تصدیق کی۔ ﴿اقر﴾ اقرار کیا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿اوصی﴾ وصیت کی۔ ﴿تصادقا﴾ دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿بدار﴾ مدار ہوتا ہے۔ ﴿قربا﴾ رشتہ داری۔ ﴿بفتح﴾ کھل جائے۔

## مرض الموت میں طلاق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے مرض وفات میں اپنی بیوی سے کہا کہ میں صحت اور تندرستی کے زمانے میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں اور اس وقت تمہاری عدت بھی پوری ہو چکی ہے، اور بیوی نے اپنے شوہر کی تصدیق بھی کر دی، اس کے بعد شوہر



نے بیوی کے لیے کچھ قرضہ کا اقرار کیا اور یہ کہا کہ میری بیوی کا مجھ پر اتنا قرضہ باقی ہے جو واجب الاداء ہے، یا اس نے بیوی کے لیے کچھ مال دینے کی وصیت کی تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قرض، وصیت اور بیوی کی میراث ان تینوں چیزوں میں سے جو چیز کم مقدار میں ہوگی وہ ملے گی، مثلاً اگر شوہر نے ۲۰ روپے قرض کا اقرار کیا ہو اور ایک ہزار کی وصیت کی ہو اور بیوی کی میراث کل پانچ سو ہو تو بیوی کو میراث کا حق ملے گا اور وہ صرف پانچ سو روپے کی حقدار ہوگی۔

حضرات صاحبین کے یہاں بیوی کو اقرار کردہ قرضہ اور وصیت کی پوری رقم دی جائے گی خواہ یہ رقم اس کے حصہ میراث سے کم ہو یا زیادہ ہو۔

اسی سے ملتا جلتا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے مرض وفات میں اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر نے اسے تین طلاق دے دی پھر اس کے لیے کسی قرض کا اقرار کیا یا مال سے کسی مقدار کی وصیت کی تو اس صورت میں حضرات صاحبین اور امام صاحب سب کے یہاں بیوی کو وہی مقدار ملے گی جو دین، وصیت اور میراث میں سب سے کم ہوگی، جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت میں بھی بیوی کو اقرار اور وصیت کا پورا مال دیا جائے گا خواہ وہ اس کی میراث سے کم ہو یا زیادہ۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کی میراث دونوں مسئلوں اور دونوں صورتوں میں باطل ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں وہ شوہر کے طلاق دینے کی تصدیق کر چکی ہے اور دوسری صورت میں اس نے از خود طلاق کا سوال کیا ہے اور رضاء طلاق اور سوال طلاق دونوں چیزیں مطلب میراث ہیں، لہذا جب عورت کی میراث باطل ہے تو ظاہر ہے کہ اسے مقربہ اور موصی بہ کی پوری مقدار دلوائی جائے گی۔

حضرات صاحبین پہلے مسئلے میں چون کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں اس لیے اس مسئلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب زوجین نے وقوع طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کر لیا ہے تو اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ اس اقرار اور اتفاق کے بعد اس شخص کے لیے مذکورہ عورت کی بہن سے نکاح کرنا بھی درست ہے اور اس عورت کو اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بھی درست ہے، اگر وہ عورت اس مرد کے حق میں اجنبیہ نہ ہوتی تو اس شخص کے لیے نہ تو اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوتا اور نہ ہی اسے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا درست ہوتا، لہذا ان چیزوں کا جواز اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ عورت اس کے حق میں اجنبیہ ہو گئی اور جس طرح دیگر اجانب کے لیے قرض کا اقرار یا وصیت کرنا درست ہے اسی طرح اس عورت کے لیے بھی یہ دونوں چیزیں درست اور جائز ہیں اور پھر اجنبیہ ہونے کی وجہ سے ایک وارث کو دوسرے پر ترجیح دینے کی تہمت بھی معدوم ہو گئی ہے، اس لیے اس عورت کے لیے قرض کے اقرار اور وصیت کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور دونوں چیزیں اسے دی اور دلوائی جائیں گی۔

اس کے برخلاف دوسرے مسئلے میں اس عورت کے لیے قرض کا اقرار اور وصیت درست نہیں ہے کیوں کہ ابھی وہ عورت اس شوہر کی بیوی ہے، اس لیے کہ اس کی عدت باقی ہے اور عدت کے باقی رہتے ہوئے من وجہ نکاح باقی رہتا ہے، لہذا وہ عورت اس کی وارث ہے اور اس صورت میں اقرار وصیت کو جائز قرار دینے میں ترجیح کی تہمت موجود ہے اور یہاں تہمت بمشکل دلیل موجود ہے جسے صاحب کتاب نے دلیل تہمت سے تعبیر کیا ہے یعنی عدت جو سبب تہمت سے وہ دراصل خود تہمت نہیں ہے بلکہ دلیل تہمت ہے اور تہمت معدوم، ہونے کی صورت میں دلیل تہمت بھی موثر ہوتی ہے اور تہمت ہی کا کام کرتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں دلیل تہمت بھی اقرار دین اور جواز وصیت کے لیے مانع بن جائے گی۔

ولہذا یدار الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل تہمت صرف اسی مسئلے میں مؤثر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی مسائل میں دلیل تہمت اپنا رنگ اور اثر دکھاتی ہے مثلاً زوجین میں سے ایک کے حق میں دوسرے کی شہادت مقبول نہیں ہے، اسی طرح قریبی رشتہ دار کے حق میں قریبی رشتے دار کی شہادت بھی معتبر نہیں ہے، کیوں کہ اگرچہ یہاں کوئی تہمت نہیں ہے اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوئی صورت نہیں ہے مگر پھر بھی قرابت کی قوت ہے اور یہی قوت قرابت ہی تہمت کی دلیل ہے جو مانع عن القبولیت ہے اس کے برخلاف پہلے مسئلے میں چوں کہ عورت کی عدت بھی ختم ہو چکی ہے، اس لیے نہ تو وہاں تہمت ہے اور نہ ہی دلیل تہمت، اسی لیے اس صورت میں اقرار دین اور وصیت دونوں چیزیں درست اور جائز ہیں۔

ولا بی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل (اور صاحبین کی دلیل کا جواب) یہ ہے کہ یہاں صرف ایک طرف نظر کر کے تہمت کی نفی کرنا درست نہیں ہے بلکہ جس طرح دوسرے مسئلے میں تہمت موجود ہے اسی طرح پہلے مسئلے میں بھی تہمت موجود ہے اور وہ اس طرح ہے کہ کبھی کبھی عورت زیادتی مال کی وجہ سے طلاق کو اختیار کرتی ہے اور اخیر عمر میں شوہر پر بیوی کی محبت اور اس کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اس لیے بیوی کو زیادہ مال دینے کے لیے شوہر اسے طلاق دے دیتا ہے یا وہ دونوں اس لیے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہونے پر اتفاق کر لیتے ہیں تاکہ شوہر اپنے مال میں سے دیگر ورثاء کی بہ نسبت بیوی کو کچھ زیادہ مال دیدے اور اس کا حصہ دیگر ورثاء سے بڑھ جائے، بہر حال دونوں صورتوں میں چوں کہ تہمت کا تعلق زیادتی سے ہے، اس لیے ہم نے اس زیادتی کو منقطع کر دیا اور یہ کہا کہ دونوں صورتوں میں جو مقدار کم ہوگی وہی ملے گی خواہ قرض یا وصیت کم ہو یا پھر میراث، بہر حال جو مقدار بھی کم ہوگی وہی ملے گی۔ اور چوں کہ بیوی کی میراث میں کسی طرح کی کوئی تہمت نہیں ہے، اس لیے میراث اپنی حالت پر باقی رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں ہوگی۔

ولا مواضعۃ الخ: یہاں سے حضرات صاحبین کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میراث وغیرہ کو شہادت اور تزوج پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ میراث وغیرہ میں تو تہمت موجود رہتی ہے یا اس کا احتمال رہتا ہے جب کہ شہادت اور تزوج میں نہ تو تہمت موجود رہتی ہے اور نہ ہی تہمت کا شائبہ رہتا ہے، کیوں کہ بیوی کے حق میں گواہی دینے یا اس کی بہن سے شادی کرنے کے لیے اسے طلاق دینا یا اس کے طلاق اور انقضائے عدت پر اتفاق کرنا حماقت و نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

قَالَ وَ مَنْ كَانَ مُحْصُورًا أَوْ فِي صَفِّ الْقِتَالِ فَطَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا لَمْ تَرْتَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ بَارَزَ رَجُلًا أَوْ قَدَّمَ لِيُقْتَلَ فِي قِصَاصٍ أَوْ رَجِمَ وَرِثَتْ إِنْ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوُجْهِ أَوْ قُتِلَ، وَأَصْلُهُ مَا بَيَّنَّا أَنَّ امْرَأَةَ الْفَارِثِ تَرِثُ إِسْتِحْسَانًا وَ إِنَّمَا يَنْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِتَعَلُّقِ حَقِّهَا بِمَالِهِ، وَ إِنَّمَا يَتَعَلَّقُ بِمَرَضٍ يُخَافُ مِنْهُ الْهَلَاكُ غَالِبًا كَمَا إِذَا كَانَ صَاحِبَ الْفِرَاشِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يَقُومُ بِخَوَانِجِهِ كَمَا يَتَعَادَاهُ الْأَصْحَاءُ، وَ قَدْ يَنْبُتُ حُكْمُ الْفِرَارِ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَى الْمَرَضِ فِي تَوَجُّهِ الْهَلَاكِ الْغَالِبِ، وَ مَا يَكُونُ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةُ، لَا يَنْبُتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ، فَالْمَحْصُورُ وَالَّذِي فِي صَفِّ الْقِتَالِ الْغَالِبُ مِنْهُ السَّلَامَةُ، لِأَنَّ الْحِصْنَ لِدَفْعِ بَأْسِ الْعَدُوِّ وَ كَذَا الْمُنْعَةُ فَلَا

يَبْتُ بِهِ حُكْمُ الْفِرَارِ، وَالَّذِي بَارَزَ أَوْ قَدَّمَ لِيُقْتَلَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْهَلَاكُ فَتَحَقَّقَ بِهِ الْفِرَارُ، وَلِهَذَا أَخَوَاتُ تَخْرُجُ عَلَى هَذَا الْحَرْفِ، وَقَوْلُهُ إِذَا مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوَجْهِ أَوْ قُتِلَ ذَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا مَاتَ بِذَلِكَ السَّبَبِ أَوْ بِسَبَبِ آخَرَ كَصَاحِبِ الْفِرَاشِ بِسَبَبِ الْمَرَضِ إِذَا قُتِلَ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جو شخص محصور ہو یا قتال کی صف بندی کیے ہوئے ہو اور اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہو تو اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ شخص کسی آدمی سے مقابلے کے لیے نکلا یا قصاص یا رجم میں قتل کیے جانے کے لیے پیش کیا گیا تو اگر وہ اس صورت میں مرجائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی وارث ہوگی۔ اور اس کی اصل وہ ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں کہ میراث سے بھاگنے والے کی بیوی استحساناً وارث ہوگی۔ اور فرار کا حکم شوہر کے مال سے عورت کے حق کے متعلق ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور یہ حق اس مرض سے متعلق ہوتا ہے جس سے اکثر ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ اس صورت میں جب شوہر صاحب فراش ہو اور وہ ایسی حالت پر ہو کہ شوہر صحت مند لوگوں کی طرح عادتاً اپنی ضروریات انجام نہ دے سکتا ہو اور کبھی کبھی اس چیز سے فرار کا حکم ثابت ہوتا ہے جو غلبہ ہلاکت میں مرض کے معنی میں ہو۔ اور وہ چیز جس سے سلامتی غالب ہو اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوتا، لہذا قلعے میں محصور اور قتال کے لیے صف آراء شخص کی طرف سے سلامتی غالب رہتی ہے، اس لیے کہ قلعہ دشمن کا ضرر دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور لشکر بھی اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے، لہذا اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص جو مذبحیڑ کے لیے نکلا ہو یا مقتول ہونے کے لیے پیش کیا گیا ہو اس سے ہلاکت غالب رہتی ہے اس لیے اس سے فرار حقیق ہو جائے گا۔

اور اس مسئلے کی اور بھی نظیریں ہیں جو اسی اصل پر نکالی جائیں گی اور امام محمد رحمہ اللہ کا اذا مات فی ذلک الوجه او قتل فرماتا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سبب سے مرنے میں یا کسی دوسرے سبب سے مرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے مرض کی وجہ سے صاحب فراش کو جب قتل کر دیا گیا ہو۔

### اللغات:

﴿محصور﴾ محاصرے میں آیا ہو۔ ﴿بارز﴾ مقابلہ کیا۔ ﴿قدم﴾ آگے کیا گیا۔ ﴿فار﴾ فرار ہونے والا۔ ﴿حوانج﴾ واحد حاجۃ؛ ضروریات۔ ﴿يعتاده﴾ یہ عادت میں ہوتا ہے۔ ﴿اصحاء﴾ واحد صحیح؛ تندرست۔ ﴿حصن﴾ قلعہ، فصیل۔ ﴿باس﴾ حرج، ضرر۔ ﴿حرف﴾ طرز، طریقہ۔

### مرض الموت میں طلاق کا ضابطہ اور اصول:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قلعے میں محصور ہو اور محافظوں نے اس کا گھیراؤ کر رکھا ہو یا وہ شخص لڑنے کے لیے صف بندی کر چکا ہو اور اس نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی بیوی اس شخص کی وارث نہیں ہوگی۔ مسئلے کی ایک شق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان جنگ میں دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نکلا یا کوئی شخص قصاص یا رجم میں مقتول ہونے کے لیے پیش کیا گیا اور اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیا، اب اگر وہ شخص اسی مسئلے میں قتل کر دیا جاتا ہے یا کسی اور وجہ سے وہ مقتول ہو جاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ وراثت سے فرار اختیار کرنے والے شخص کی بیوی استحساناً وارث ہوگی، لیکن قیاساً وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ وارث ہونے کا سبب موت کے ذریعہ نکاح کا ختم ہونا ہے اور صورت مسئلہ کی پہلی شق میں میاں بیوی کا نکاح طلاق کے ذریعہ ختم ہوا ہے نہ کہ موت کے ذریعے، لہذا اس صورت میں ثبوت میراث کا سبب نہیں پایا گیا، اس لیے بیوی وارث بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ حکم بغیر سبب کے ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن ہم پہلے ہی یہ عرض کر آئے ہیں کہ استحساناً امرأت فار (فرار ہونے والے کی بیوی) وارث ہوگی، کیوں کہ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

وانما یثبت النخ: ابھی تک تو امرأۃ فار کے سلسلے میں مسائل کا بیان تھا، اب حسب عادت صاحب ہدایہ فار اور فرار کے ثبوت اور اس کے تحقق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جب شوہر کے مال سے عورت کا حق متعلق ہو تو فار اور فرار کا حکم ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر اس پوزیشن اور اس حالت میں شوہر بیوی کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیوی کی وراثت سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے رہا یہ مسئلہ کہ عورت کا حق کب شوہر کے مال سے متعلق ہوگا؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اگر شوہر کو ایسا مرض لاحق ہو جائے جس میں موت کا پیش آنا یقینی ہو، مثلاً، شوہر ایسا صاحب فراش ہو کہ صحت مند لوگوں کی طرح اپنی ضروریات پوری نہ کر سکتا ہو اور بقول صاحب ہدایہ گھر سے مسجد جانے اور بول و براز کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں عورت کا حق اس کے مال سے متعلق ہو جائے گا اور اگر اس حالت میں شوہر بیوی کو طلاق دیتا ہے تو فرار ثابت ہو جائے گا۔

وقد یثبت النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ فرار کا حکم صرف مرض کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو مرض کے معنی میں ہو اور اس سے ہلاکت و موت غالب ہو اس کے پیش آنے سے فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا، مثلاً انسان کشتی میں سوار ہو اور دریا میں طغیانی آجائے یا کسی عمارت میں ہو اور اس میں آگ لگ جائے تو چوں کہ ان صورتوں میں موت غالب رہتی ہے، اس لیے ان حالتوں میں طلاق دینے سے فرار ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف وہ چیز جس میں سلامتی غالب ہو اور اس کے پیش آنے اور اس حالت میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس مسئلے میں اصل اور بنیادی پوائنٹ ہے اور اسی کو سمجھنے پر مسئلے کا سمجھنا موقوف ہے چنانچہ محصور شخص اور قتال کی صف میں موجود شخص کے حق میں سلامتی غالب رہتی ہے، کیوں کہ قلعہ دشمن کے حملوں سے حفاظت کے لیے تعمیر کیا جاتا ہے، اسی طرح جنگ کی صف بندی میں پورا لشکر ہوتا ہے جو ہمہ وقت اپنے ساتھیوں کی حفاظت میں لگا رہتا ہے، اس لیے ان دونوں کے حق میں چوں کہ سلامتی غالب رہتی ہے، لہذا اس پوزیشن میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوگا اور جب فرار ثابت نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس حالت میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوگی اور عدت گزرنے کے بعد بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف مذکورہ کرنے والے شخص کے حق میں یا قتل کے لیے پیش کیے جانے والے شخص کے حق میں ہلاکت غالب رہتی ہے، اس لیے اس موقع پر ایسے شخص کی طرف سے دی جانے والی طلاق پر فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا اور بیوی وراثت کی حق دار ہوگی۔

ولہذا اخوات النخ: فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں جو اسی غالب منہ الموت اور غالب منہ السلامتہ والی اصل پر نکالی جائیں گی، چنانچہ جس حالت میں سلامتی غالب ہو اس میں طلاق دینے سے فرار ثابت نہیں ہوگا اور جس حالت میں موت غالب ہو اس حالت میں دی ہوئی طلاق سے فرار ثابت ہو جائے گا۔

وقولہ اذا مات النخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ اگر شوہر اس سبب سے مر جائے تو فرار کا حکم

ثابت ہوگا، یہ فرمان اور یہ عبارت شرط نہیں ہے بلکہ اس بات کا بیان اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جریان وراثت کے لیے شوہر کا مرنا شرط ہے خواہ وہ کسی بھی سبب سے مر جائے، جیسے اگر کوئی شخص صاحب فراش ہو اور سخت بیمار ہو، لیکن کسی وجہ سے وہ قتل کر دیا جائے تو اگرچہ وہ فطری موت نہیں مرا، لیکن پھر بھی اس پر فطری موت کا حکم لاگو ہوگا اور اس موت کی وجہ سے (طلاق دینے کی صورت میں) اس کی بیوی پر امرأۃ فار کا حکم لگے گا اور وہ اپنے شوہر کی وارث ہوگی۔

وَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِمَرْأَتِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ أَوْ إِذَا دَخَلَتِ الدَّارَ أَوْ إِذَا صَلَّى فَلَانِ الظَّهْرِ أَوْ إِذَا دَخَلَ فَلَانِ الدَّارِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَكَانَتْ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ وَالزَّوْجُ مَرِيضٌ لَمْ تَرِثْ، وَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَرَضِ وَرِثْتَ إِلَّا فِي قَوْلِهِ إِذَا دَخَلَتِ الدَّارَ، وَ هَذَا عَلَى وَجْهِهِ إِمَّا أَنْ يُعْلَقَ الطَّلَاقُ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ أَوْ بِفِعْلِ نَفْسِهِ أَوْ بِفِعْلِ الْمَرْأَةِ، وَ كُلُّ وَجْهِ عَلَى وَجْهَيْنِ، إِمَّا أَنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصَّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كِلَاهُمَا فِي الْمَرَضِ، أَمَّا الْوَجْهَانِ الْأَوَّلَانِ وَهُوَ مَا إِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ بِمَجِيءِ الْوَقْتِ بَانَ قَالَ إِذَا جَاءَ رَأْسُ الشَّهْرِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بِفِعْلِ الْأَجْنَبِيِّ بَانَ قَالَ إِذَا دَخَلَ فَلَانِ الدَّارِ أَوْ صَلَّى فَلَانِ الظَّهْرِ وَ كَانَ التَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ فَلَهَا الْمِيرَاثُ، لِأَنَّ الْقَصْدَ إِلَى الْفِرَارِ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهُ بِمُبَاشَرَةِ التَّعْلِيقِ فِي حَالِ تَعَلَّقٍ حَقَّقَهَا بِمَالِهِ، وَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصَّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ لَمْ تَرِثْ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَرِثْ، لِأَنَّ الْمُعْلَقَ بِالشَّرْطِ يَنْزِلُ عِنْدَ وُجُودِ الشَّرْطِ كَالْمَنْجَرِ فَكَانَ إِيقَاعًا فِي الْمَرَضِ، وَ لَنَا أَنَّ التَّعْلِيقَ السَّابِقَ يَصِيرُ تَطْلِيقًا عِنْدَ الشَّرْطِ حُكْمًا، لَا قَصْدًا وَلَا ظُلْمًا إِلَّا عَنْ قَصْدٍ فَلَا يَرُدُّ تَصَرُّفُهُ، فَأَمَّا الْوَجْهُ الثَّالِثُ وَهُوَ مَا إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِ نَفْسِهِ فَسَوَاءٌ كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصَّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ أَوْ كَانَا فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهُ مِنْهُ بَدْ أَوْ لَا بَدْ لَهُ مِنْهُ فَيَصِيرُ قَارًا لَوْجُودِ قَصْدِ الْإِبْطَالِ إِمَّا بِالتَّعْلِيقِ أَوْ بِمُبَاشَرَةِ الشَّرْطِ فِي الْمَرَضِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ فِعْلِ الشَّرْطِ بَدْ فَلَهُ مِنَ التَّعْلِيقِ أَلْفٌ بَدْ فَيَرُدُّ تَصَرُّفُهُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا، وَأَمَّا الْوَجْهُ الرَّابِعُ وَهُوَ مَا إِذَا عَلَّقَهُ بِفِعْلِهَا فَإِنْ كَانَ التَّعْلِيقُ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ وَالْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بَدْ كَكَلَامِ زَيْدٍ وَتَحْوِيهِ لَمْ تَرِثْ لِأَنَّهَا رَاضِيَةٌ بِذَلِكَ، وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ لَا بَدْ لَهَا مِنْهُ كَأَكْلِ الطَّعَامِ وَ صَلَاةِ الظَّهْرِ وَ كَلَامِ الْآبَوَيْنِ تَرِثْ، لِأَنَّهَا مُضْطَرَّةٌ فِي الْمُبَاشَرَةِ لِمَا لَهَا فِي الْإِمْتِنَاعِ مِنْ خَوْفِ الْهَلَاكِ فِي الدُّنْيَا أَوْ فِي الْعُقْبَى، وَلَا رِضَاءَ مَعَ الْإِضْطِرَارِ، وَأَمَّا إِذَا كَانَ التَّعْلِيقُ فِي الصَّحَّةِ وَالشَّرْطُ فِي الْمَرَضِ إِنْ كَانَ الْفِعْلُ مِمَّا لَهَا مِنْهُ بَدْ فَلَا إِشْكَالَ أَنَّهُ لَا مِيرَاثَ لَهَا، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا بَدْ لَهَا مِنْهُ فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ،

لَاِنَّہُمْ لَمْ یُوجَدْ مِنَ الزَّوْجِ صُنْعٌ بَعْدَ مَا تَعَلَّقَ حَقُّہَا بِمَا لَہٗ، وَ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ وَ اَبِی یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ تَرَبُّتٌ، لِاَنَّ الزَّوْجَ اَلْجَاہَا اِلٰی الْمُبَاشَرَةِ فَمِنْ تَقَلُّبِ الْفِعْلِ اِلَیْہِ کَانَہَا اَلَّہُ لَہٗ کَمَا فِی الْاِکْرَارِ.

**ترجمہ:** اور جب مرد نے اپنی صحت کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ جب چاند رات آئے یا جب تو گھر میں داخل ہو یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے یا جب فلاں آدمی گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے پھر یہ چیزیں اس حالت میں پیش آئیں کہ شوہر مریض تھا تو اس کی بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ کہنا بیماری کی حالت میں ہو تو بیوی وارث ہوگی، مگر شوہر کے اذا دخلت الدار کہنے والی صورت میں (وارث نہیں ہوگی) اور یہ مسئلہ چند صورتوں پر ہے، یا تو شوہر طلاق کو وقت کے آنے پر معلق کرے گا یا اجنبی کے فعل پر معلق کرے گا یا اپنے فعل پر یا عورت کے فعل پر معلق کرے گا اور ہر صورت کی دو صورتیں ہیں، یا تو تعلیق بحالت صحت ہوگی اور شرط بحالت مرض ہوگی یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں گی۔ رہی پہلی دونوں صورتیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تعلیق وقت کے آنے پر ہو یا اس طور کے شوہر نے یوں کہا ہو کہ جب چاند رات آئے تو تجھے طلاق ہے، یا تعلیق اجنبی کے فعل پر ہو یا اس طور کے شوہر نے یوں کہا ہو کہ جب فلاں شخص گھر میں داخل ہوگا، یا فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے گا، اور شرط و تعلیق دونوں بحالت مرض ہوں گے تو عورت کو میراث ملے گی، کیوں کہ شوہر کی طرف سے فرار کا ارادہ متحقق ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس نے تعلیق کو ایسی حالت میں انجام دیا ہے جس حالت میں شوہر کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ اور اگر تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط بحالت مرض ہو تو بیوی وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وارث ہوگی، اس لیے کہ جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ وجود شرط کے وقت منجز کی طرح ثابت ہو جاتی ہے، لہذا یہ بحالت مرض ایقاع شرط کے درجے میں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعلیق سابق وجود شرط کے وقت حکماً تعلیق ہوگی نہ کہ قصداً۔ اور قصد کے بغیر ظلم متحقق نہیں ہوتا، اس لیے شوہر کا تصرف رد نہیں کیا جائے گا۔

رہی تیسری صورت اور وہ یہ ہے کہ جب شوہر نے طلاق کو اپنے فعل پر معلق کیا ہو تو برابر ہے خواہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط مرض میں ہو یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور فعل کوئی ایسا ہو جس سے شوہر کو چارہ ہو یا اس سے چارہ کار نہ ہو بہر صورت شوہر فار ہو جائے گا، اس لیے کہ ابطال میراث کا قصد موجود ہے، یا تو تعلیق کی وجہ سے یا بحالت مرض شرط کو انجام دینے کی وجہ سے۔ اور اگرچہ فعل شرط سے شوہر کو کوئی چارہ کار نہیں تھا، لیکن تعلیق سے تو اسے ہزاروں چارے حاصل تھے، لہذا بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے شوہر کا تصرف رد کر دیا جائے گا۔

اور بہر حال چوتھی وجہ اور وہ یہ ہے کہ جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو، تو اگرچہ تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور فعل کوئی ایسا ہو جس سے عورت کو چارہ کار حاصل ہو جیسے زید سے گفتگو کرنا وغیرہ تو بیوی وارث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ حرمان وراثت پر راضی ہے۔ اور اگر فعل کوئی ایسا ہو جس سے بیوی کو چارہ کار حاصل نہ ہو جیسے کھانا کھانا، ظہر کی نماز پڑھنا ماں باپ سے گفتگو کرنا تو بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ وہ اسے انجام دینے میں مجبور ہے، اس لیے کہ اسے نہ کرنے میں دنیا میں ہلاکت کا خوف ہے یا آخرت میں یہ خوف ہے اور اضطراب کے ہوتے ہوئے رضامندی متحقق نہیں ہوتی۔



اور جب تعلیق صحت میں اور شرط مرض کی حالت میں ہو تو اگر فعل معلق بہ ان افعال میں سے ہو جس سے عورت کو چارہ حاصل ہو تو اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ عورت کو میراث نہیں ملے گی۔ اور اگر فعل ایسا ہو جس سے عورت کو مفر حاصل نہ ہو تو امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہی حکم ہے اور یہی امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے، کیوں کہ شوہر کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہونے کے بعد شوہر کی طرف سے کوئی عمل نہیں پایا گیا۔ اور حضرات شیخین کے یہاں اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی اس لیے کہ شوہر نے اسے وہ کام انجام دینے پر مجبور کر دیا ہے، لہذا فعل شوہر ہی کی طرف منتقل ہوگا گویا کہ شوہر ہی اس کا آلہ ہے جیسا کہ اکراہ میں ہوتا ہے۔

### اللغات:

﴿راس﴾ سر، مراد ابتداء۔ ﴿مجبی﴾ آمد، آنا۔ ﴿مباشرة﴾ بذات خود کوئی کام کرنا۔ ﴿منجذ﴾ فوری، غیر معلق۔ ﴿مضطرة﴾ مجبور۔ ﴿امتناع﴾ رکنا، پرہیز کرنا۔ ﴿صنع﴾ کام، کارروائی، کاری گری۔ ﴿الجأھا﴾ اس کو مجبور کر دیا ہے۔

### مرض الموت کی طلاق معلق:

اس سے پہلے شوہر فار کے حوالے سے فرار منجز کا بیان تھا اور اب یہاں سے فرار معلق کو بیان کیا جا رہا ہے، عبارت میں فرار سے معلق کی کل چار صورتیں یہاں بیان کی گئی ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے شوہر نے بحالت صحت اپنی بیوی سے کہا اذا جاء راس الشهر فانت طالق کہ جب چاند رات آئے تو تجھے طلاق ہے (۲) یا یوں کہا کہ اذا دخلت الدار فانت طالق یعنی جب تم گھر میں داخل ہو تو تمہیں طلاق ہے (۳) یا یوں کہا کہ اذا صلی فلان الظهر فانت طالق کہ جب فلاں شخص ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے طلاق (۴) یا یوں کہا اذا دخل فلان الدار فانت طالق کہ جب فلاں شخص گھر میں داخل تو تجھے طلاق ہے یہ کل چار صورتیں ہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط شوہر کے مرض وفات میں پائی گئی تو بیوی وارث نہیں ہوگی کیوں کہ تعلیق بحالت صحت تھی اور اگر شرط اور تعلیق دونوں بحالت مرض پائی جائیں تو اس صورت میں بیوی وارث ہوگی۔ البتہ دوسری صورت یعنی اذا دخلت الدار فانت طالق میں بیوی وارث نہیں ہوگی۔

وهذا علی وجہ النسخ: فرماتے ہیں کہ ما قبل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی چند صورتیں ہیں (۱) شوہر نے کسی وقت کے آنے پر طلاق کو معلق کیا ہو۔ (۲) طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر معلق کیا ہو، (۳) طلاق کو اپنے نفس کے فعل پر معلق کیا ہو (۴) طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں (۱) تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط بحالت مرض ہو (۲) تعلیق اور شرط دونوں بحالت صحت ہوں (۳) تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں (۴) تعلیق بحالت مرض ہو اور شرط بحالت صحت ہو، اب ان کی تفصیل یہ ہے کہ تیسری (۳) اور چوتھی (۴) صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ میراث کی مستحق نہیں ہوگی، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں طلاق نہیں مانی جائے گی اور بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ ان صورتوں میں شوہر کی طرف سے فرار کا قصد متحقق ہو گیا ہے، اس لیے کہ شوہر نے ایسی حالت میں طلاق کو معلق کیا ہے (بحالت مرض) جس حالت میں اس کے مال سے بیوی کا حق متعلق ہو چکا ہے اس لیے اس صورت میں شوہر کا یہ فعل فرار کہلائے گا اور اس کی بیوی امراة فار ہوگی اور امراة فار میراث کی مستحق ہوتی ہے، لہذا یہ بیوی بھی اپنے شوہر کی وارث ہوگی۔

اس کے برخلاف پہلی دونوں صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی یعنی جب تعلیق بحالت صحت ہو یا دونوں بحالت صحت ہوں، ان صورتوں میں بیوی وارث نہیں ہوگی، لیکن امام زفر رحمہ اللہ کے یہاں پہلی صورت میں بھی بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ جو چیز کسی شرط پر معلق ہوتی ہے وہ چیز وجود شرط کے وقت منجر کی طرح ہوتی ہے اور غیر معلق شمار ہوتی ہے لہذا بحالت صحت کی ہوئی تعلیق کا بیماری کی حالت میں پایا جانا ایسا ہے گویا کہ اس نے بحالت مرض طلاق دی ہے اور بحالت مرض دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر یہ طلاق طلاق فار کھلاتی ہے اور فار کی بیوی وراثت کی مستحق ہوتی ہے، اس لیے اس شخص کی بیوی بھی وارث ہوگی۔

لیکن ہمارے یہاں اس صورت میں بھی وہ عورت وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ تعلیق سابق وجود شرط کے وقت حکماً تطلق ہوتی ہے، قصد تطلق نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تعلیق طلاق کے وقت عاقل اور ذی فہم تھا، لیکن وجود شرط کے وقت وہ مجنون اور یا پاگل ہو گیا تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوگی، کیوں کہ تعلیق سابق حکماً ہی تطلق ہوتی ہے، قصد انہیں ہوتی اور قصد کے بغیر فرار محقق نہیں ہوتا، اس لیے اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے وہ شخص فار نہیں کہلائے گا اور جب فار نہیں کہلائے گا تو اس کی عورت مطلقہ ہونے کے بعد مستحق ارث بھی نہیں ہوگی۔

فاما الوجه الثالث الخ: اس عبارت میں تعلیق کی تیسری صورت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے طلاق کو اپنے فعل پر معلق کیا تو اس میں تمام صورتیں برابر ہیں، خواہ تعلیق صحت میں ہو اور شرط بحالت مرض ہو یا تعلیق اور شرط دونوں بحالت مرض ہوں اور خواہ وہ فعل کوئی ایسا ہو جس کو انجام دیے بغیر چارہ کار ہو مثلاً شوہر نے یہ کہہ کر طلاق کو معلق کیا ہو کہ میں زید سے بات نہیں کروں گا، تو اب اس فعل کو کرنا شوہر کے لیے ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے بغیر بھی اس کا کام چل سکتا ہے، یا وہ فعل ایسا ہو جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کو انجام دینے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو مثلاً شوہر نے کھانا کھانے پر طلاق کو معلق کیا تھا یا نماز پڑھنے پر معلق کیا تھا تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں اس کے لیے مذکورہ فعل کو انجام دیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، اس لیے اس صورت میں وہ شوہر فار کہلائے گا اور اس کی بیوی امراۃ فار ہوگی جو مستحق ارث ہوگی۔ اس لیے کہ شوہر نے مرض الموت میں طلاق کو معلق کر کے یا اس حالت میں شرط کو انجام دے کر بیوی کے حق وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، اس لیے اس کا یہ ارادہ اسی کے منہ پر مار دیا جائے گا۔

وإن لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امر لابدی پر طلاق کو معلق کرنے کی صورت میں شوہر کو معذور نہیں سمجھا جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں اسی کی طرف سے کمی اور کوتاہی ہے، اس لیے کہ وہ امر لابدی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر بھی معلق کر سکتا تھا لیکن جب خود اسی نے یہ غلطی کی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا انجام بھی اسی کو بھگتنا ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی بیوی سے ضرر کو دور کرنے کے لیے شوہر کے تصرف اور اس کے قصد کو رد کر دیا جائے گا۔

وأما الوجه الرابع الخ: رہی چوتھی صورت یعنی جب شوہر نے طلاق کو بیوی کے فعل پر معلق کیا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تعلیق اور وجود شرط دونوں چیزیں بحالت مرض ہوں اور جس فعل پر معلق کیا گیا ہو وہ کوئی ایسا فعل ہو جس کو انجام دینا بیوی کے لیے ضروری نہ ہو، بلکہ اس سے مفر اور چارہ کار حاصل ہو تو اس صورت میں اس فعل کو انجام دینے پر بیوی مطلقہ ہو جائے گی اور پھر اسے میراث بھی نہیں ملے گی، کیوں کہ اس فعل کو انجام دینا اس کے لیے ضروری نہیں تھا مگر اس نے اسے انجام دے کر اپنا حق ساقط کرنے

پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہے، اس لیے اس کا حق میراث ساقط ہو جائے گا، البتہ اگر طلاق کو کسی ایسے فعل پر معلق کیا گیا ہو جس کا کرنا بیوی کے لیے ضروری ہو اور اس کو کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں اس فعل کو انجام دینے پر بھی بیوی شوہر کی وارث ہوگی، اس لیے کہ وہ اس فعل کو انجام دینے کے لیے مجبور ہے اور یہ مجبوری خود شوہر کی طرف سے اسے لاحق ہوئی ہے، کیوں کہ اگر وہ اس فعل کو انجام نہیں دے گی تو کھانا نہ کھانے یا قضاے حاجت نہ کرنے میں اس کا دنیاوی نقصان ہوگا اور نماز نہ پڑھنے میں اس کا اخروی نقصان ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اس کے حق میں نقصان دہ ہیں، اس لیے اس صورت میں وہ اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگی اور جب وہ اسقاط حق پر راضی نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ وراثت کی حق دار ہوگی۔

اس کے برخلاف اگر تعلیق بحالت صحت ہو اور شرط مرض الموت میں پائی گئی ہو تو اگر فعل معلق ایسی چیز ہو جس کو انجام دینا ضروری نہ ہو اور اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو مثلاً شوہر نے طلاق کو عورت کے دخول دار پر معلق کیا ہو تو چوں کہ یہاں فعل دخول کے بغیر بھی عورت کا کام چل سکتا ہے، اس لیے اس صورت میں اگر عورت گھر میں داخل ہو جائے گی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ میراث سے محروم ہو جائے گی۔ البتہ اگر فعل شرط ایسا ہو جس کو انجام دینا ضروری ہو اور بدون اس کے کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے کہ اس صورت میں بھی اس فعل کو انجام دینے پر عورت مطلقہ ہو جائے گی اور وراثت سے محروم ہو جائے گی، کیوں کہ یہاں شرط مرض الموت میں پائی گئی ہے اور اس وقت شوہر کی طرف سے کوئی عمل یا تعلیق کا کوئی فعل نہیں پایا گیا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں تعلیق بحالت صحت کی گئی ہے، لہذا بحالت مرض شرط کا وجود شوہر کی طرف سے قصد الی الفرار نہیں کہلائے گا اور اس کی بیوی امرأۃ فار نہیں ہوگی اور جب بیوی امرأۃ فار نہیں ہوگی تو مطلقہ ہونے کے بعد وراثت کی بھی حق دار نہیں ہوگی۔

اس کے برخلاف حضرات شیخین کے یہاں اس صورت میں بھی عورت وارث ہوگی، کیوں کہ شوہر نے تعلیق کو ایسے فعل پر معلق کیا ہے جس کو انجام دینے میں عورت مجبور ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، اس لیے بیوی کا یہ فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور بیوی کو یہ فعل انجام دینے میں شوہر کا نائب اور اس کا آلہ سمجھا جائے گا اور نائب اور آلہ کا فعل چوں کہ اصل کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس لیے بحالت مرض عورت کے فعل انجام دینے سے شرط کا وجود ایسا ہے گویا کہ شوہر نے اسی حالت میں تعلیق کر کے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی بیوی امرأۃ فار کہلانے کی مستحق ہے اور امرأۃ فار وراثت کی مستحق ہوتی ہے، لہذا یہ عورت بھی وراثت کی حق دار ہوگی۔

اس کو آپ اس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے شخص کو کسی تیسرے شخص کا مال ہلاک کرنے کا حکم دیا اور اس نے ہلاک کر دیا تو مال مہلک کا ضمان ہا لک کے واسطے سے اس شخص پر واجب ہوگا جس نے ہا لک کو وہ مال ہلاک کرنے کا حکم دیا تھا، کیوں کہ اس ہلاکت میں ہا لک اور فعل ہلاکت کو انجام دینے والا شخص نائب ہے اور اس کا حکم دینے والا شخص اصل اور آمر ہے اور نائب اور مامور کا فعل اصل اور آمر کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لیے آمر اور اصل پر اس مال کا ضمان واجب ہوگا، ٹھیک اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی عورت کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور شوہر ہی مجرم شمار ہوگا اور اس کی طرف سے قصد الی الفرار تحقیق ہو جائے گا جس کی وجہ سے اس کی بیوی وارث ہوگی۔

قَالَ وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهُوَ مَرِيضٌ ثُمَّ صَحَّ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَرِثْ، وَقَالَ زُفَرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تَرِثُ، لِأَنَّهُ قَصَدَ الْفِرَارَ حِينَ أَوْقَعَ فِي الْمَرَضِ وَقَدْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَلَكِنَّا نَقُولُ الْمَرَضُ إِذَا تَعَقَّبَهُ بَرَاءٌ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الصَّحَّةِ، لِأَنَّهُ يَنْعَدُّ بِهِ مَرَضُ الْمَوْتِ فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا بِتَعَلُّقٍ بِمَالِهِ فَلَا يَصِيرُ الزَّوْجُ قَارًا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے بحالت مرض بیوی کو تین طلاق دی پھر وہ صحت مند ہو گیا اس کے بعد اس کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وارث ہوگی، اس لیے کہ اس نے مرض الموت میں طلاق واقع کر کے فرار کا قصد کر لیا ہے اور وہ اس حال میں مرا ہے کہ اس کی بیوی عدت میں ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مرض کے بعد افاقہ ہو جائے تو وہ صحت کے درجے میں ہے کیوں کہ افاقہ سے مرض الموت ختم ہو جاتا ہے، لہذا یہ واضح ہو گیا کہ عورت کا کوئی ایسا حق نہیں ہے جو شوہر کے مال سے متعلق ہو، اس لیے شوہر فارغ نہیں کہلائے گا۔

### الغاث:

﴿تَعَقَّبَ﴾ پیچھے آیا ہے۔ ﴿برء﴾ صحت یابی۔ ﴿قَارًا﴾ فرار اختیار کرنے والا۔

### عام مرض میں طلاق دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مرض کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دی پھر وہ صحت مند ہو گیا، لیکن اس کے کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس کی مطلقہ بیوی ہمارے یہاں وارث نہیں ہوگی، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ بیوی وارث ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بحالت مرض شوہر نے طلاق دے کر فرار کا ارادہ کیا ہے اور بیوی کی عدت کے دوران ہی اس کا انتقال بھی ہوا ہے، اس لیے وہ شوہر فارغ کہلائے گا اور امراة فارستحق میراث ہوتی ہے، لہذا اس کی بیوی کو میراث ملے گی اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگی رہا مسئلہ درمیان میں صحت یاب ہونے کا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیوں کہ موت اس صحت پر غالب آچکی ہے، اس کے برخلاف ہمارے یہاں مذکورہ عورت میراث کی مستحق نہیں ہوگی، کیوں کہ جب بیماری کے بعد شوہر کو افاقہ ہو گیا تو وہ صحت مند لوگوں کے درجے اور زمرے میں شامل ہو گیا اور اس افاقے نے مرض کو مرض الموت کی فہرست سے خارج کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اس مرض میں شوہر کے مال سے بیوی کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے شوہر نے فرار کا قصد کیا تھا، اس لیے اس کی دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوگی اور اس کی بیوی میراث سے محروم بھی ہوگی۔

وَلَوْ طَلَّقَهَا فَارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ أَسْلَمَتْ ثُمَّ مَاتَ الزَّوْجُ مِنْ مَرَضٍ مَوْتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لَمْ تَرِثْ، وَإِنْ لَمْ تَرْتَدَّ بَلْ طَاوَعَتْ ابْنَ زَوْجِهَا فِي الْجَمَاعِ وَرَثَتْ، وَجَهُ الْفُرْقِ أَنَّهَا بِالرَّدَّةِ أَبْطَلَتْ أَهْلِيَّةَ الْإِرْثِ إِذَا الْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ أَحَدًا، وَلَا بَقَاءَ لَهُ بِدُونِ الْأَهْلِيَّةِ، وَبِالْمُطَاوَعَةِ مَا أَبْطَلَتْ الْأَهْلِيَّةَ، لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ لَا يَنْفِي الْإِرْثَ وَهُوَ الْبَاقِي، بِخِلَافِ مَا إِذَا طَاوَعَتْ فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ، لِأَنَّهَا تَنْبُتُ الْفُرْقَةُ فَتَكُونُ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ

السَّبَبُ، وَ بَعْدَ الطَّلَاقِ الْفَلَاحُ لَا تَنْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا فَافْتَرَكَهَا.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی پھر (عیاذ باللہ) وہ مرتد ہوگئی، لیکن پھر اسلام لے آئی پھر شوہر اپنے اسی مرض الموت میں مر گیا اور بیوی عدت میں تھی تو وہ وارث نہیں ہوگی، اور اگر وہ مرتد نہیں ہوئی بلکہ جماع کے سلسلے میں اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کی مطاوعت کی تو وہ وارث ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مرتد ہو کر بیوی نے وراثت کی اہلیت باطل کر دی، کیوں کہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیت کے بغیر وراثت باقی نہیں رہتی۔ اور مطاوعت کی وجہ سے عورت نے اہلیت کو باطل نہیں کیا، اس لیے کہ محرمیت وراثت کے منافی نہیں ہے۔ اور وہ باقی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب عورت نے قیام نکاح کی صورت میں مطاوعت کی، اس لیے کہ مطاوعت فرقت ثابت کرتی ہے، لہذا عورت بطلان سبب پر راضی ہوگی۔ اور تین طلاق کے بعد مطاوعت کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ حرمت مطاوعت پر مقدم ہوتی ہے، لہذا دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔

### الْفَلَاحُ:

﴿اَرْتَدَّتْ﴾ مرتد ہوگئی۔ ﴿الْعِيَاذُ﴾ پناہ۔ ﴿طَاوَعَتْ﴾ قدرت دی، بات مانی۔ ﴿فِرْقَةٌ﴾ علیحدگی، جدائی۔

### مرض الموت کی مطلقہ کا ارتداد یا مطاوعت ابن زوج:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرض کی حالت میں کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ یا طلاق بائن دی پھر اس کی وہ بیوی مرتد ہوگئی، لیکن شوہر کے انتقال اور اتمام عدت سے پہلے وہ مشرف بہ اسلام ہوگئی اس کے بعد سابقہ مرض کی وجہ سے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ بھی عدت میں تھی تو بھی وہ بیوی وارث نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف طلاق کے بعد اگر اس نے شوہر کے بیٹے سے جماع کر لیا اور اسے جماع پر قدرت دیدی تو وہ وارث ہوگی۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے عورت نے وراثت کی اہلیت کو باطل کر دیا کیوں کہ مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اہلیت کے بغیر وراثت اور استحقاق وراثت کی بقاء نہیں رہتی، اس لیے ارتداد کی صورت میں تو بیوی محروم ہو جائے گی، اس کے بالمقابل مطاوعت ابن زوج کی صورت میں چوں کہ لیاقت کی اہلیت باطل نہیں ہوتی صرف محرمیت ثابت ہوتی ہے اور محرمیت وراثت کے منافی نہیں ہے، یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ دو لوگوں میں محرمیت بھی ہو اور دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں، اس لیے مطاوعت کی صورت میں چوں کہ اہلیت ارث باقی رہتی ہے اور اہلیت استحقاق وراثت کے لیے کافی دوائی ہے۔ لہذا اس صورت میں وہ بیوی وارث ہوگی بشرطیکہ عدت باقی ہو۔

اس کے برخلاف اگر طلاق سے پہلے بٹائے نکاح کی حالت میں بیوی ابن زوج سے مطاوعت کرتی ہے تو اس مطاوعت کی وجہ سے بیوی شوہر کی میراث سے محروم ہو جائے گی، کیوں کہ قیام نکاح کی حالت میں مطاوعت سے فرقت ثابت ہوتی ہے اور چوں کہ یہ فرقت بیوی کے اپنے عمل سے ثابت ہوئی ہے، اس لیے فرقت پر اقدام کرنے کی وجہ سے بیوی کو سبب ارث یعنی نکاح کے بطلان پر راضی سمجھا جائے گا اور جب خود بیوی ہی سبب ارث یعنی نکاح کے بطلان پر راضی ہے تو کیا کرے گا قاضی۔ اور شوہر کے تین طلاق دینے کے بعد اگر بیوی مطاوعت کرتی ہے تو وہ میراث کی مستحق ہوگی کیوں کہ اس صورت میں اس کی مطاوعت سے صرف

حرم ثابت ہوگی فرقت نہیں کیوں کہ یہاں حرمت مطاوعت سے مقدم ہے اور فرقت حرمت سے بھی مقدم ہے۔ اور میراث سے عروہ کا سبب فرقت ہے نہ کہ حرمت، لہذا اس صورت میں عورت ڈنکے کی چوٹ پر وارث ہوگی، اس لیے کہ مرض الموت میں مطلقہ ہونے کی وجہ سے وہ امراۃ فار ہے اور امراۃ فار مستحق وراثت ہوتی ہے۔

وَمَنْ قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ وَلَا عَنَ فِي الْمَرَضِ وَرَثَتْ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا تَرِثُ، وَإِنْ كَانَ الْقَذْفُ فِي الْمَرَضِ وَرَثَتْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، وَهَذَا مُلْحَقٌ بِالتَّعْلِيقِ بِفَعْلٍ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ، إِذْ هِيَ مُلْجَاةٌ إِلَى الْخُصُومَةِ لِدَفْعِ عَارِ الزِّنَاءِ عَنْ نَفْسِهَا، وَقَدْ بَيَّنَّا الْوُجْهَ فِيهِ.

**ترجمہ:** اور جس شخص نے بحالت صحت اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور مرض الموت میں اس نے لعان کیا اس کی بیوی وارث ہوگی، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وارث نہیں ہوگی اور اگر تہمت لگانا (بھی) مرض الموت میں ہو تو بالاتفاق وہ وارث ہوگی۔ اور یہ مسئلہ ایسے فعل کی تعلیق کے ساتھ ملحق ہے جس سے عورت کو چارہ کار حاصل نہ ہو، کیوں کہ اپنے نفس سے زنا کے عار کو ختم کرنے کے لیے بیوی خصومت پر مجبور ہوئی ہے اور ہم اس کی توجیہ بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿قذف﴾ زنا کا الزام لگایا۔ ﴿لاعن﴾ لعان کیا۔ ﴿ملجاة﴾ مجبور کر دی گئی ہے۔ ﴿عار﴾ شرمساری۔

### بحالت صحت تہمت لگانے اور مرض الموت میں لعان کرنے کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تندرستی اور صحت کی حالت میں اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور مرض الموت میں اس نے لعان کر کے بیوی سے علیحدگی اختیار کی اور پھر عدت کے دوران وہ مر گیا تو حضرات شیخین کے یہاں اس کی بیوی وارث ہوگی، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں وہ بیوی وارث نہیں ہوگی، ہاں اگر قذف اور لعان دونوں بحالت مرض ہوں تو اس صورت میں سب کے یہاں بیوی وارث ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اور یہ مسئلہ اس صورت سے متعلق اور ملحق ہے جس میں عورت کے طلاق کو ایسے فعل پر معلق کیا گیا ہے جس کا کرنا بیوی کے لیے ضروری تھا اور اس فعل کو انجام دینے کے علاوہ بیوی کے پاس کوئی دوسری راہ نہیں تھی، کیوں کہ اس مسئلے کی طرح صورت مسئلہ میں بھی شوہر نے اس پر زنا کی تہمت لگا کر اسے اپنے نفس سے تہمت دور کرنے کے لیے قاضی کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کیا ہے لہذا جس طرح مسئلہ طلاق میں عورت فعل تعلیق کو انجام دینے پر مجبور تھی اسی طرح یہاں بھی وہ قاضی کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہے اور اس شکل کو پوری تفصیل کے ساتھ ماقبل میں فلکذا الجواب عند محمد الخ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

وَإِنْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَهُوَ صَحِيحٌ ثُمَّ بَانَتْ بِالْإِبْلَاءِ وَهُوَ مَرِيضٌ لَمْ تَرِثْ، وَإِنْ كَانَ الْإِبْلَاءُ أَيْضًا فِي الْمَرَضِ وَرَثَتْ، لِأَنَّ الْإِبْلَاءَ فِي مَعْنَى تَعْلِيقِ الطَّلَاقِ بِمُضَيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ خَالٍ عَنِ الْوُقُوعِ فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِالتَّعْلِيقِ



بِمَجِئِ الْوَقْتِ وَقَدْ ذَكَرْنَا وَجْهَهُ.

**ترجمہ:** اور اگر تندرستی کی حالت میں شوہر نے اپنے بیوی سے ایلاء کیا پھر ایلاء کی وجہ سے عورت بائذ ہوگئی اور شوہر مریض ہے تو وہ شوہر کی وارث نہیں ہوگی۔ اور اگر ایلاء بھی مرض میں ہو تو وارث ہوگی، اس لیے کہ ایلاء کرنا چار ماہ کے جماع سے خالی ہونے پر طلاق کو معلق کرنے کے معنی میں ہے لہذا یہ شکل وقت کے آنے پر طلاق کو معلق کرنے کے ساتھ ملتی ہوگی اور اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿الٰی﴾ ایلاء کر لیا (چار ماہ تک قریب نہ جانے کی قسم کھائی)۔ ﴿بانت﴾ بائذ ہوگئی۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔

### ایلاء مرض:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے صحت کی حالت میں اپنی بیوی سے ایلاء کیا یعنی یہ قسم کھائی کہ چار ماہ تک اس سے وطی نہیں کرے گا اور پھر اس نے اپنی قسم پوری کر لی یعنی چار ماہ تک اس نے بیوی سے وطی نہیں کیا اور یہ چار ایسی حالت میں مکمل ہوئے کہ شوہر مرض الموت میں مبتلا تھا تو اس چار ماہ کی تکمیل پر اس کی بیوی مطلقہ بائذ ہو جائے گی، لیکن شوہر کی وارث نہیں ہوگی، کیوں کہ اس وقت جو فرقت اور بینونت پیش آئی ہے وہ شوہر کے ایلاء کی طرف منسوب ہے اور اس وقت شوہر مرض الموت میں مبتلا ہے جب کہ اس فرقت کا سبب یعنی ایلاء اس کے مرض سے چار ماہ پہلے کا ہے اور اس مرض میں شوہر کی طرف سے ایلاء وغیرہ کچھ نہیں پایا گیا جو طلاق اور فرقت کا سبب بنے، اسی لیے ہم شوہر کو فارغ نہیں قرار دے سکتے اور جب شوہر فارغ نہیں ہوگا تو اس کی بیوی امراة فارغ نہیں ہوگی اور جب وہ امراة فارغ نہیں ہوگی تو مستحق میراث بھی نہیں ہوگی۔

اس کے برخلاف اگر ایلاء اور بینونت دونوں چیزیں بحالت مرض ہوں اور پھر دوران عدت شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں اس کی بیوی وارث ہوگی، کیوں کہ یہ ایلاء چار ماہ تک بیوی سے وطی نہ کرنے پر طلاق کو معلق کرنے میں ہے، لہذا جس طرح کسی وقت اور موسم کے آنے پر طلاق کو معلق کرنے سے تعلیق سابق تطلق بن جایا کرتی ہے اور بقائے عدت کی صورت میں شوہر کا قصد الی الفراق تحقق ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی اس کی وارث ہوتی ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ایلاء تعلیق کے معنی میں ہوگا اور وجود شرط کے وقت تطلق بن جائے گا اور بیوی امراة فارغ ہونے کی وجہ سے مستحق وراثت ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے وقد بینا الوجه سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (عنایہ)

قَالَ اللَّهُ وَالطَّلَاقُ الَّذِي يَمْلِكُ فِيهِ الرَّجْعَةُ تَرْتُّ بِهِ فِي جَمِيعِ الْوُجُوهِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا يَزِيلُ النِّكَاحَ حَتَّى يَحِلَّ الْوُطْءُ فَكَانَ السَّبَبُ قَائِمًا، وَ كُلُّ مَا ذَكَرْنَا أَنَّهَا تَرْتُّ إِنَّمَا تَرْتُّ إِذَا مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَقَدْ بَيَّنَّا.

**ترجمہ:** حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ طلاق جس میں شوہر کو رجعت کا اختیار رہتا ہے اس کی تمام صورتوں میں اس کی بیوی وارث ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی یہاں تک کہ اس میں وطی کرنا

حلال ہوتا ہے اس لیے سبب (وارث) باقی رہا۔ اور ہر وہ جگہ جہاں ہم نے عورت کے وارث ہونے کو بیان کیا ہے وہاں عورت اسی وقت وارث ہوگی جب شوہر کی وفات اس حال میں ہوئی ہو کہ اس کی بیوی عدت میں ہو۔ اور اسے ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔

### طلاق رجعی مانع عن الارث نہیں:

اس عبارت میں دو باتوں کا بیان ہے (۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ طلاق رجعی کی تمام صورتوں اور تمام شکلوں میں بیوی اپنے شوہر کی وارث ہوگی، کیوں کہ طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوتا، اسی لیے طلاق رجعی کی صورت میں شوہر کے لیے بیوی سے وطی کرنا حلال ہوتا ہے اور یہ وطی ہی رجعت شمار کی جاتی ہے، لہذا جب طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور نکاح کی بقاء ہی وراثت کے استحقاق کا سبب ہے تو ظاہر ہے کہ بیوی وارث بھی ہوگی مگر اس وراثت کے اور ہر موقع پر بیوی کے وارث ہونے کے لیے یہ شرط اور ضروری ہے کہ شوہر کا انتقال ایسی حالت میں ہوا ہو جب بیوی کی عدت باقی ہو، کیوں کہ انقضائے عدت کے بعد زوجین کا ہر معاملہ ایک دوسرے سے الگ اور صاف ہو جاتا ہے چہ جائے کہ میراث جیسا اہم معاملہ باقی ہو۔ یہی وہ دوسری بات ہے جسے اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم علمہ اتم



## بَابُ الرَّجْعَةِ

یہ باب احکام رجعت کے بیان میں ہے

صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رجعت طبعی طور پر طلاق کے بعد ہوتی ہے، اس لیے صاحب ہدایہ وضع اور بیان کے اعتبار سے بھی باب الرجعة کو کتاب الطلاق کے بعد بیان کر رہے ہیں تاکہ طبع اور وضع میں مناسبت اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ وہ کذا فی البناہ (۲۲۶/۵)

رجعت کے لغوی معنی ہیں واپس ہونا، لوٹنا اور طلاق کے بعد رجعت کے ذریعے چوں کہ بیوی دوبارہ شوہر کے نکاح میں واپس آ جاتی ہے، اس لیے اس معنی کی وجہ سے رجعت کو رجعت کہا جاتا ہے۔ رجعت کے اصطلاحی اور شرعی معنی ہیں استدامۃ ملک النکاح یعنی ملک نکاح کو باقی رکھنے کا نام اصطلاح شرع میں رجعت کہلاتا ہے۔ صاحب بنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صحت رجعت کے لیے پانچ شرطیں ہیں (۱) الفاظ صریحہ کے ساتھ طلاق دینا یا ان الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق دینا جو صریح کے معنی میں ہوں (۲) طلاق کے عوض مال نہ لیا گیا ہو (۳) شوہر نے تین طلاق نہ دیا ہو (۴) بیوی مدخول بہا ہو (۵) اس کی عدت باقی ہو۔ (۲۲۶/۵)

وَ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقًا رَجْعِيًّا أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيََتْ بِذَلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۱) مِنْ غَيْرِ فُصْلٍ وَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ ، لِأَنَّ الرَّجْعَةَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ سُمِّيَ اِمْسَاكًا وَهُوَ الْإِبْقَاءُ ، وَإِنَّمَا يَتَحَقَّقُ اِلْاِسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ ، لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ بَعْدَ انْقِضَائِهَا.

**ترجمہ:** جب شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دیں تو اسے عدت کے دوران عورت سے رجوع کرنے کا اختیار ہے، خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”ان عورتوں کو شرعی دستور کے مطابق روک لو“ اور یہ ارشاد بغیر کسی تفصیل کے ہے۔ اور عدت کا باقی رہنا ضروری ہے اس لیے کہ ملک نکاح کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کا امساک نام رکھا گیا ہے اور امساک ابقاء ہی ہے اور باقی رکھنا عدت ہی میں تحقق ہوگا، کیوں کہ انقضائے عدت کے بعد شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿راجع﴾ رجوع کر لے۔ ﴿امسکوا﴾ روکے رکھو۔ ﴿معروف﴾ بہتر طریقے سے۔ ﴿فصل﴾ فاصلہ، وقفہ۔  
﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿امساک﴾ روکے رکھنا۔ ﴿إبقاء﴾ بچانا، باقی رکھنا۔

## رجوع عن الطلاق کی حیثیت اور شرائط:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دیتا ہے اور پھر وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اسے رجوع کرنے اور اپنی مطلقہ بیوی کو اپنی زوجیت میں واپس لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے، خواہ وہ بیوی رجعت کے لیے تیار ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ رجعت پر راضی ہو یا نہ ہو، ہر صورت شوہر کو رجعت کا حق اور اختیار ہے، کیوں کہ مطلقہ رجعیہ کے متعلق قرآن کریم کا اعلان یہ ہے **فَإِذَا بَلَغَ الْأَجِلْنِ فَاْمَسْكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَاْرِ قُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ** کہ جب مطلقہ رجعیہ عورتیں انقضائے عدت کے قریب پہنچ جائیں تو ان کے شوہروں کو دو باتوں کا اختیار ہے یا تو وہ ان کو شرعی طریقے کے مطابق دوبارہ اپنے نکاح میں رکھ لیں یا پھر انہیں دستور شرعی کے موافق رخصت کر دیں۔ اور چون کہ ان دونوں باتوں میں قرآن نے عورتوں کی رضامندی یا عدم رضامندی سے کوئی بحث نہیں کی ہے، اس لیے یہ حکم مطلق ہوگا، اور شوہروں کو علی الاطلاق رجعت کا اختیار ہوگا۔

و لا بد من قیام العدة المنخ: فرماتے ہیں کہ صحت رجعت کے لیے عدت کی بقاء ضروری ہے، کیوں کہ ملک نکاح کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے اسی لیے قرآن نے رجعت کو امساک کے کلمے سے تعبیر کیا ہے اور امساک کے معنی بھی باقی رکھنے کے ہیں اور امساک اور استدامة ملک کے معنی صرف اور صرف عدت میں متحقق ہو سکتے ہیں، اس لیے جواز رجعت کے لیے عدت کی بقاء ضروری ہے، اور عدت کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی، کیوں کہ عدت کے بعد عورت سے شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور ملکیت کے رہتے ہوئے تو ابقاء اور امساک متحقق ہو سکتے ہیں، لیکن ملکیت ختم ہونے کے بعد یہ چیزیں متحقق نہیں ہو سکتیں، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صحت رجعت کے لیے بقاء عدت شرط اور ضروری ہے۔

وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَقُوْلَ رَاجَعْتُكَ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَاتِيْ وَهَذَا صَرِيْحٌ فِي الرَّجْعَةِ لَا خِلَافَ بَيْنَ الْاٰثِمَةِ، قَالَ اَوْ يَطْلُقُهَا اَوْ يَقْبَلُهَا اَوْ يَلْمَسُهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرُ اِلَيْهَا فَرْجُهَا بِشَهْوَةٍ وَهَذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا تَصِحُّ الرَّجْعَةُ اِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ اِبْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتّٰى يَحْرُمَ وَطِئُهَا، وَ عِنْدَنَا هُوَ اسْتِدَامَةُ النِّكَاحِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَ سَقَرُوْرَةُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَ الْفِعْلُ قَدْ يَبْقَى دَلَالَةً عَلَى الْاِسْتِدَامَةِ كَمَا فِي اسْقَاطِ الْخِيَارِ وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يَخْصُ بِالنِّكَاحِ وَهَذِهِ الْاَفَاعِلُ تَخْصُ بِهِ خُصُوْصًا فِي حَقِّ الْحُرَّةِ، بِخِلَافِ الْمَسِّ وَالنَّظَرِ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِاَنَّهُ قَدْ يَحِلُّ بِدُوْنِ النِّكَاحِ كَمَا فِي الْقَابِلَةِ وَالتَّطْيِبِ وَغَيْرِهِمَا، وَالنَّظَرُ اِلَى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْ يَبْقَى بَيْنَ الْمَسَاكِيْنِ، وَ الزَّوْجُ يَسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لِّطَلْقِهَا لَيَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا.

**ترجمہ:** اور رجعت یہ ہے کہ شوہر یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کر لی، یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی اور یہ رجعت کے لیے صریح لفظ ہے جس میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ یا شوہر بیوی سے وطی کر لے، یا اسے بوسہ لے لے، یا شہوت کے ساتھ اسے چھو لے یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھ لے اور یہ ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زبان سے کہنے پر قادر ہونے کی صورت میں صرف قول کے ذریعے رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ رجعت ابتدائے نکاح کے درجے میں ہے یہاں تک کہ (شوافع کے یہاں) مطلقہ رجعیہ بیوی سے وطی کرنا حرام ہے۔ اور ہمارے یہاں رجعت نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور عنقریب اسے ثابت بھی کریں گے انشاء اللہ۔

اور فعل بھی استدامت پر دلیل واقع ہوتا ہے جیسا کہ خیار ساقط کرنے میں ہے اور فعل کا دلیل بننا نکاح کے ساتھ خاص ہے اور مذکورہ تمام افعال نکاح کے ساتھ خاص ہیں بالخصوص آزاد عورت کے حق میں۔ برخلاف شہوت کے بغیر چھونے اور دیکھنے میں، اس لیے کہ یہ بدون نکاح بھی حلال ہو جاتا ہے جیسے دایہ اور ڈاکٹرنی وغیرہ کے حق میں۔ اور غیر فرج کی طرف دیکھنا کبھی کبھی ایک ساتھ رہنے والوں میں بھی واقع ہو جاتا ہے اور عدت کے زمانے میں شوہر بیوی کے ساتھ رہتا ہے، لہذا اگر غیر فرج کی طرف دیکھنا رجعت ہوگا تو شوہر بیوی کو طلاق دیدے گا اور بیوی کی عدت دراز ہو جائے گی۔

## اللغات:

﴿بطاھا﴾ اس سے جماع کر لے۔ ﴿یقبل﴾ چوم لے، بوسہ لے لے۔ ﴿یلمس﴾ چھوئے۔ ﴿فرج﴾ شرم گاہ۔ ﴿استدامہ﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿اسقاط﴾ گرانا، ساقط کرنا۔ ﴿یخص﴾ خاص ہوتا ہے۔ ﴿مس﴾ چھونا۔ ﴿قابله﴾ دایہ، بچہ جنوانے والی۔ ﴿مساکن﴾ ہم نشین، ساتھ رہنے والے۔

## رجوع کا طریقہ:

اس عبارت میں رجعت کی صورتوں اور اس کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں قولی رجعت بھی صحیح ہے اور فعلی رجعت بھی صحیح ہے خواہ شوہر قولی رجعت پر قادر ہوتے ہوئے بھی فعلی رجعت کرے بہر صورت اس کی یہ رجعت درست اور جائز ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اگر شوہر رجعت بالقول پر قادر ہے تو اس کے لیے رجعت بالفعل کرنا درست نہیں ہے اور رجعت بالفعل سے رجعت متحقق نہیں ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کرنا ازسرنو نکاح کرنے کے درجے میں ہے، لہذا جس طرح نکاح جدید کے لیے زبان سے ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے اسی طرح رجعت کے لیے بھی زبان سے الفاظ رجعت کو اداء کرنا ضروری ہے اور بلا عذر قولی سے فعلی رجعت کی طرف عدول کرنا درست نہیں ہے، اسی لیے شوافع کے یہاں مطلقہ رجعیہ سے شوہر کے لیے وطی کرنا حلال نہیں ہے، کیوں کہ وہ بیوی اس کے حق میں اجنبیہ کی طرح ہے اور اجنبیہ سے بدون نکاح وطی حلال نہیں ہے، لہذا مطلقہ رجعیہ سے بدون رجعت قولی شوافع کے یہاں وطی حلال نہیں ہے۔

اس کے برخلاف ہمارے یہاں شوہر کے لیے مطلقہ رجعیہ بیوی سے وطی کرنا بھی حلال ہے اور رجعت بالقول پر قادر ہوتے ہوئے بھی رجعت بالفعل سے رجعت کا تحقق درست ہے، کیوں کہ ہمارے یہاں رجعت ازسرنو نکاح کا نام نہیں ہے بلکہ نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے یعنی طلاق رجعی کے بعد بھی میاں بیوی کا نکاح باقی رہتا ہے، لیکن اس نکاح کی بقاء اور اس کے تحفظ کے لیے عدت

کے دوران رجعت کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو رجعت کو ملک نکاح کے لیے استدامت قرار دیا ہے آگے چل کر ہم اس کی مزید وضاحت بھی پیش کریں گے اور وہ وضاحت یہی ہے کہ الطلاق الرجعی لایحرم الوطی یعنی طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔

والفعل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم جو فعل کو رجعت پر دلیل مانتے ہیں وہ ہر فعل کو دلیل نہیں مانتے بلکہ ہم ایسے افعال کو رجعت پر دلیل مانتے ہیں جن کا تعلق نکاح سے ہے اور جو افعال نکاح کے ساتھ خاص ہیں اور زوجین ہی عموماً انہیں انجام دیتے ہیں مثلاً وطی کرنا شہوت کے ساتھ عورت کو چومنا اور چھونا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا یہ سب ایسے افعال ہیں جو نکاح کے ساتھ خاص ہیں اور عموماً زوجین ہی انہیں انجام دیتے ہیں، لہذا اگر مطلقہ رجعیہ عورت کے شوہر سے اس طرح کے افعال کا صدور ہوتا ہے تو ان افعال کو رجعت شمار کریں گے اور ان کے ذریعے شوہر ملک نکاح کو باقی رکھنے والا شمار ہوگا، اور فعل کو استدامت پر دلیل ماننا صرف نکاح کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دیگر مواقع پر بھی فعل کو استدامت پر دلیل مانا گیا ہے مثلاً ایک شخص نے خیار شرط کے ساتھ کوئی باندی خریدی اور مدت خیار میں اس نے اس باندی سے وطی کر لیا تو اس کا یہ فعل استدامت ملک کی دلیل ہوگا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی شوہر کا وطی کرنا یا شہوت کے ساتھ عورت کو چومنا چائنا بھی استدامت ملک نکاح کی دلیل ہوگا اور اس کے اس فعل سے رجعت کا تحقق ہو جائے گا۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے وطی اور تقبیل وغیرہ کو آزاد عورت کے حق میں نکاح کے ساتھ اس لیے خاص مانا ہے کہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کے بعد ہی یہ افعال انجام دیے جاسکتے ہیں اور نکاح سے پہلے آزاد عورت کے حق میں اس طرح کی حرکتیں کرنا حرام اور ناجائز ہیں، اس کے برخلاف باندی کے حق میں نکاح کے بغیر بھی اس طرح کی حرکتیں ممکن بھی ہیں اور جائز بھی ہیں بایں طور کہ وہ باندی ملک یمین یا ملک متعہ کے طور پر کسی کی ملکیت میں آئی ہو تو بدون نکاح بھی اس سے استمتاع درست اور حلال ہے۔

بخلاف المس الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ لمس اور قبل وغیرہ سے اسی وقت رجعت ثابت ہوگی جب شہوت کے ساتھ ان کا صدور ہوا ہو، لیکن اگر شہوت کے بغیر یہ افعال صادر ہوں تو پھر ان سے رجعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ شہوت کے بغیر یہ افعال، نکاح کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور بدون نکاح بھی حلال ہیں چنانچہ دایہ اور طیب وغیرہ سے بھی عورت کے ساتھ اس طرح کی یہ حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور شہوت سے خالی ہوتی ہیں، اس لیے تحقق رجعت کے لیے شہوت کے ساتھ ان کا صدور ضروری ہے، اسی طرح ثبوت رجعت کے لیے بیوی کی شرم گاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ عموماً پڑوسی لوگ اور ایک ساتھ رہنے والے انسان ایک دوسرے کی شرم گاہ کے علاوہ دیگر چیزوں کو دیکھ لیا کرتے ہیں اور پھر شوہر اور بیوی تو دورانِ عدت ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اس لیے شرم گاہ کے علاوہ دیگر چیزوں کے دیکھنے کا معاملہ تو نہایت آسان ہے، لہذا ثبوت رجعت کے لیے شرم گاہ کے علاوہ کو دیکھنا ضروری ہے، اب اگر غیر شرم گاہ کو دیکھنا یا شہوت کے علاوہ کو دیکھنا رجعت قرار دیدیا جائے تو شوہر پھر بیوی کو طلاق دے دے گا، کیوں کہ وہ اس کو رکھنے کے موذ میں نہیں ہے لہذا وہ پھر طلاق دے گا اور بلا وجہ عورت کی عدت طویل ہو جائے گی اور اس صورت میں عورت کا ضرر ہے اور اسے حرج ہے والخرج مدفوع فی الشرع۔

قَالَ وَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُشْهَدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ لَا يَصِحُّ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ (سورة الطلاق: ۲)، وَالْأَمْرُ لِلْإِجَابِ، وَلَنَا إِطْلَاقُ النَّصُوصِ عَنْ قَيْدِ الْإِشْهَادِ، وَلِأَنَّهُ اسْتِدَامَةٌ لِلنِّكَاحِ وَالشَّهَادَةُ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيهِ فِي حَالَةِ الْبُقَاءِ كَمَا فِي الْفَقْهِ وَالْإِبْلَاءِ إِلَّا أَنَّهُ تُسْتَحَبُّ لِرِيَازَةِ الْإِحْتِيَاظِ كَمَا لَا يَجْرِي التَّنَاكُورُ فِيهَا، وَمَا تَلَاةٌ مَحْمُولٌ عَلَيْهِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَرَنَهَا بِالْمُفَارَقَةِ وَهُوَ فِيهَا مُسْتَحَبٌّ، وَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْلَمَهَا كَمَا لَا تَقَعُ فِي الْمَعْصِيَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شوہر رجعت پر دو گواہوں کو گواہ بنالے، لیکن اگر اس نے گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں فرمایا کہ (بدون اجتہاد) رجعت صحیح نہیں ہے اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو، اور امرایجاب کے لیے ہے، ہماری دلیل اشتہاد کی قید سے نصوص کا مطلق ہونا ہے۔ اور اس لیے کہ رجعت نکاح کی استدامت ہے اور نکاح میں بحالت بقاء شہادت شرط نہیں ہے جیسا کہ فی اور ایلاء میں ہوتا ہے، تاہم زیادتی احتیاط کے پیش نظر شہادت مستحب ہے تاکہ اس میں انکار نہ ہو سکے اور امام شافعی رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ کی تلاوت کردہ آیت استحباب پر محمول ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے حالاں کہ مفارقت میں شہادت مستحب ہے اور مستحب یہ ہے کہ شوہر بیوی کو رجعت سے مطلع کر دے تاکہ وہ معصیت میں نہ پڑے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿یشہد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿ذوی عدل﴾ دو عدل والے۔ ﴿إشہاد﴾ گواہ بنانا۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔ ﴿فیء﴾ ..... ﴿ایلاء﴾ چار مہینے تک مفارقت (صحبت) نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ﴿تناکر﴾ انکار کرنا۔ ﴿قرن﴾ ملایا ہے۔ ﴿یعلم﴾ بتلادے۔

## رجوع پر گواہ بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے رجعت کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ دو عادل اور حق پرست آدمیوں کو رجعت پر گواہ بنالے اور ہمارے یہاں ایسا کرنا مستحب اور مستحسن ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول میں اور امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں اشہاد واجب اور ضروری ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وَأَشْهَدُوا الْخ کے فرمان سے رجعت اور فرقت کے مواقع پر اشہاد کا حکم دیا ہے اور اشہاد و امر کا صیغہ ہے جس کا موجب وجوب ہے لہذا اس امر کے پیش نظر بوقت رجعت اشہاد واجب ہوگا۔

اشہاد کے مستحب ہونے پر ہماری دلیل ان تمام نصوص کا اطلاق ہے جو اشہاد کی قید اور شرط سے خالی ہیں مثلاً قرآن کریم کی یہ

آیتیں (۱) فامسکوهن بمعروف (۲) فامساک بمعروف (۳) وبعولتھن احق بر دھن وغیرہ وغیرہ یہ تمام آیتیں صرف اور صرف رجعت پر دلالت کر رہی ہیں اور رجعت کے لیے اشہاد کے وجوب سے خاموش اور ساکت ہیں، اب اگر ہم اشہاد کو واجب قرار دیں تو نصوص مطلقہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔

رجعت میں اشہاد کے واجب نہ ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ رجعت بقائے نکاح کا نام ہے اور بقائے نکاح کے لیے اشہاد شرط نہیں ہے، لہذا رجعت کے لیے بھی اشہاد شرط نہیں ہوگا جیسا کہ فی اور ایلاء میں بھی بقائے نکاح مقصود ہوتا ہے اور ان کے لیے بھی اشہاد شرط نہیں ہے، ہاں زیادتی احتیاط کے پیش نظر اشہاد مندوب و مستحسن ہے اور شوہر کو بوقت رجعت اشہاد کر لینا چاہیے تاکہ دوبارہ ازدواجی زندگی گزرنے میں انھیں کوئی دشواری نہ ہو اور لوگوں کی بدگمانیوں سے بچ جائیں، اس لیے اس حوالے سے اشہاد کرنا مستحب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی تلاوت کردہ آیت بھی استحباب ہی پر محمول ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے او فارقون بمعروف وأشهدوا ذوی عدل منکم اور مفارقت میں بالاتفاق شہادت مستحب ہے، لہذا رجعت میں بھی شہادت مستحب ہی ہوگی، واجب نہیں ہوگی۔

ویستحب أن یعلمها الخ: فرماتے ہیں کہ شوہر کو چاہیے کہ رجعت سے اپنی بیوی کو بھی آگاہ کر دے، کیوں کہ جب بیوی کو معلوم رہے گا تو وہ اس کی تیاری میں رہے گی اور کسی دوسری جگہ شادی وغیرہ کرنے سے باز رہے گی، ورنہ تو عدم علم کی صورت میں اسے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے پیشگی اطلاع بہتر ہے۔

وَ إِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْتُ رَاجِعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فِيهَا رَجْعَةً، وَإِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا، لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ إِنْشَاءً فِي الْحَالِ فَكَانَ مَتَّهِمَا إِلَّا أَنَّ بِالتَّصْدِيقِ تَرْتَفَعُ التُّهْمَةُ، وَلَا يَمِينُ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَهِيَ مُسْنَأَلَةٌ الْإِسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السَّيِّئَةِ وَقَدْ مَرَّ فِي كِتَابِ النِّكَاحِ.

**ترجمہ:** اور جب عدت ختم ہوگئی تو شوہر نے کہا میں نے عدت میں تم سے رجوع کر لیا تھا اور بیوی نے اس کی تصدیق کر دی تو وہ رجعت ہوگی اور اگر بیوی نے اس کی تکذیب کر دی تو بیوی کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو شوہر فی الحال پیدا کرنے کا مالک نہیں ہے، لہذا وہ متہم ہوگا، لیکن بیوی کی تصدیق سے تہمت ختم ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بیوی پر قسم نہیں ہے اور یہ اشیائے ستہ میں اختلاف کا مسئلہ ہے اور کتاب النکاح میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

### اللغات:

﴿انقضت﴾ گزر گئی، ختم ہوگئی۔ ﴿متهم﴾ تہمت والا۔ ﴿ترفع﴾ اٹھ جائے گی۔

### عدت کے بعد رجوع فی العدة کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی کی عدت ختم ہونے کے بعد شوہر نے اس سے کہا کہ میں نے تو عدت کے دوران تم سے رجعت کر لی تھی، لہذا ہمارا تمہارا نکاح باقی ہے اور بیوی نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو یہ رجعت شمار ہوگی اور ان دونوں کے لیے ازدواجی زندگی گزارنا صحیح ہوگا، لیکن اگر بیوی شوہر کی تکذیب کر دیتی ہے تو اس صورت میں بیوی کی تکذیب معتبر ہوگی اور رجعت



ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جسے فی الحال وہ پیدا نہیں کر سکتا، اس لیے اپنی خبر میں وہ متہم ہوگا ہاں جب بیوی تصدیق کر دے گی تو اس کی تصدیق سے تہمت دور ہو جائے گی، اسی لیے ہم نے صورت مسئلہ میں رجعت کا معاملہ بیوی کی تصدیق اور اس کی تکذیب پر موقوف کر دیا ہے۔ اور تصدیق یا تکذیب کی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی سے کسی طرح کی کوئی قسم نہیں لی جائے گی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ان چھ اشیاء میں قسم لینے سے متعلق ہے جو کتاب النکاح میں گذر چکا ہے، مگر صاحب بنایہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے، اس لیے کہ کتاب النکاح میں یہ مسئلہ نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کی معمولی سی جھلک بیان کی گئی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الدعوات میں ان شاء اللہ یہ بحث آئے گی۔ (۲۳۳/۵)

وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكَ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي لَمْ يَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ تَصَحُّ، لِأَنَّهَا صَادَقَتْ الْعِدَّةَ إِذْ هِيَ بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا إِلَى أَنْ تُخْبَرَ، وَقَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ، وَلِهَذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي يَفْعُ الطَّلَاقُ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ أَنَّهَا صَادَقَتْ حَالَةَ الْإِنْقِضَاءِ، لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي الْإِخْبَارِ عَنِ الْإِنْقِضَاءِ فَإِذَا أُخْبِرَتْ ذَلِكَ عَلَى سَبْقِ الْإِنْقِضَاءِ، وَأَقْرَبُ أَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ، وَمَسْأَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ، وَلَوْ كَانَتْ عَلَى الْإِتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَفْعُ بِإِقْرَارِهِ بَعْدَ الْإِنْقِضَاءِ، وَالْمُرَاجَعَةُ لَا يَثْبُتُ بِهِ.

**ترجمہ:** اور جب شوہر نے (اپنی بیوی سے) کہا میں نے تم سے رجعت کر لیا ہے اور بیوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رجعت صحیح نہیں ہوگی، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ رجعت نے عدت کو پایا، کیوں کہ ظاہراً عورت کے خبر دینے تک عدت باقی ہے اور رجعت خبر دینے پر مقدم ہے، اسی لیے اگر شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دے دی اور بیوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت نے انقضائے عدت کی حالت کو پایا، کیوں کہ عدت ختم ہونے کی خبر دینے میں بیوی امین ہے، لہذا جب اس نے خبر دے دی تو یہ خبر دینا عدت کے پہلے گزرنے پر دلیل ہو گیا۔ اور انقضائے عدت کے احوال میں سب سے قریب ترین شوہر کے قول کا حال ہے۔ اور طلاق کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اگر متفق علیہ بھی ہو تو طلاق انقضائے عدت کے بعد شوہر کے اقرار سے واقع ہوگی اور اقرار سے رجعت ثابت نہیں ہوتی۔

## اللغات:

﴿مجیبہ﴾ جواب دینے والی۔ ﴿صادقت﴾ آئی ہے، وارد ہوئی ہے۔ ﴿امینہ﴾ قابل اعتماد۔

**عدت کے بعد رجوع فی العدة کا دعویٰ کرنا:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے یہ کہا کہ میں نے تم سے رجعت کر لی ہے، لیکن بیوی نے فوراً جواب

دیا کہ میری عدت تو پوری ہو چکی ہے، اب اس صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی مطلقہ باندہ ہوگی اور رجعت صحیح نہیں ہوگی جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں رجعت صحیح ہوگی اور وہ عورت بدستور اس شخص کی بیوی رہے گی، کیوں کہ شوہر کاراجعت نکہا اس بات کی علامت ہے کہ رجعت نے عدت کو پالیا ہے اور عدت رجعت ہی کے زمانے میں ہوئی ہے اور پھر ظاہر حال بھی یہی ہے کہ رجعت نے زمانہ عدت کو پالیا ہو، اس لیے کہ بیوی عدت میں تھی اور اس کی عدت کا ختم ہونا اس کے خبر دینے سے معلوم ہوگا، مگر صورت مسئلہ میں اس کے خبر دینے سے پہلے ہی شوہر نے رجعت کی خبر دی ہے، اس لیے شوہر کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ وہ قول انقضائے عدت والی خبر سے مقدم ہے، اسی لیے اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں اور بیوی نے جواب میں کہا کہ میاں میری تو عدت بھی مکمل ہو چکی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ طلاق دینے کی خبر انقضائے عدت کی اطلاع اور خبر سے مقدم ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر کا قول اور اس کی طرف سے مراجعت کی اطلاع انقضائے عدت سے مقدم نہیں ہے، بلکہ حالت انقضاء کے ساتھ متصل ہے اور چوں کہ بیوی نے شوہر کی خبر کے ساتھ ساتھ انقضائے عدت کی خبر دی ہے، اس لیے اس کی یہ خبر مراجعت کی خبر سے مقدم بھی ہو سکتی ہے، کیوں کہ انقضائے عدت کی خبر دینے میں بیوی امین ہے اور امین کا قول معتبر ہوتا ہے، لہذا بیوی کا خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عدت شوہر کی مراجعت سے پہلے ہی ختم ہو چکی ہے اور چوں کہ پہلے ہونے میں شوہر کی مراجعت کی خبر کا حال سب سے قریب ترین حال ہے، اس لیے زیادہ دور نہیں تو کم از کم انقضائے عدت کے زمانے کو شوہر کی خبر مراجعت سے مقدم مانیں گے اور جب عدت کا ختم ہونا مراجعت سے مقدم ہوگا تو ظاہر ہے کہ مراجعت بھی ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ عدت گزرنے کے بعد رجعت کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

ومسألة الطلاق الخ: حضرات صاحبین نے صورت مسئلہ کو مسئلہ طلاق پر قیاس کیا ہے صاحب ہدایہ یہاں سے اسی قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھائی طلاق والا مسئلہ بھی ہمارے اور تمہارے (امام صاحب اور صاحبین کے) درمیان مختلف فیہ ہے، اس لیے اسے لیکر ہمارے خلاف قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہم اسے متفق علیہ مان بھی لیں تو بھی طلاق والے مسئلے میں انقضائے عدت کے بعد جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ شوہر کے اقرار کرنے سے واقع ہوتی ہے اور طلاق جس طرح دینے سے واقع ہوتی ہے اسی طرح اقرار کرنے سے بھی واقع ہوتی ہے، جب کہ مراجعت صرف رجعت سے ہوتی ہے نہ کہ اقرار رجعت سے اور وہ بھی ایام عدت میں ہوتی ہے نہ کہ عدت گزرنے کے بعد اور صورت مسئلہ میں چوں کہ عورت کی عدت گزرنے کے بعد مراجعت کی گئی ہے، اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وَإِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجِعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى، لِأَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوكٌ لَهُ فَقَدْ أَقْرَبَ بِمَا هُوَ خَالِصٌ حَقُّهُ لِلزَّوْجِ فَشَاهِدَةُ الْإِقْرَارِ عَلَيْهَا بِالْبَيْكَاحِ، وَهُوَ يَقُولُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يَبْتَنِي عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِي الْعِدَّةِ قَوْلُهَا فَكَذَا فِيمَا يَبْتَنِي عَلَيْهَا، وَلَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلَى وَكَذَا عِنْدَهُ فِي الصَّحِيحِ، لِأَنَّهَا مُنْقَضِيَّةٌ

الْعِدَّةِ فِي الْحَالِ وَقَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتَعَةِ لِلْمَوْلَى وَلَا تُقْبَلُ قَوْلُهَا فِيْ اِبْطَالِهِ، بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْاَوَّلِ، لِأَنَّ الْمَوْلَى بِالتَّصْدِيقِ فِي الرَّجْعَةِ مُقَرَّرٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَلَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ مَعَ الْعِدَّةِ، وَإِنْ قَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلَى لَمْ تَنْقُضِ عِدَّتِكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا، لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي ذَلِكَ إِذْ هِيَ الْعَالِمَةُ بِهِ.

**ترجمہ:** اور جب باندی کی عدت گزرنے کے بعد اس کے شوہر نے کہا میں نے تجھ سے رجعت کر لی تھی اور مولیٰ نے اس کی تصدیق کر دی لیکن باندی نے اسے جھٹلادیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باندی کا قول معتبر ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ باندی کا بضعہ مولیٰ کی ملکیت ہے، اس لیے کہ مولیٰ نے شوہر کے لیے ایسی چیز کا اقرار کیا ہے جو خالص اس کا حق ہے، لہذا یہ باندی پر نکاح کا اقرار کرنے کے مشابہ ہو گیا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجعت کا حکم عدت پر مبنی ہے اور عدت کے متعلق باندی کا قول معتبر ہوتا ہے لہذا اس چیز میں بھی باندی کا قول معتبر ہوگا جو عدت پر مبنی ہوگی۔

اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو حضرات صاحبینؒ کے یہاں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا نیز صحیح قول کے مطابق امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے، اس لیے کہ باندی فی الحال عدت کو پورا کر چکی ہے اور مولیٰ کے لیے ملک متعہ ظاہر ہو گئی ہے اور ملک متعہ باطل کرنے کے سلسلے میں باندی کا قول نہیں مانا جائے گا۔ برخلاف پہلی صورت کے، کیوں کہ مولیٰ رجعت کی تصدیق کر کے بوقت رجعت عدت کا اقرار کر رہا ہے اور عدت کے ہوتے ہوئے اس کی ملکیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اور اگر باندی نے یہ کہا کہ میری عدت پوری ہو گئی ہے اور شوہر و مولیٰ نے یہ کہا کہ تیری عدت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں امین ہے، اس لیے کہ باندی ہی انقضائے عدت کو جاننے والی ہے۔

## اللغات:

﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿انقضاء﴾ ختم ہونا، گزر جانا۔ ﴿صدق﴾ تصدیق کر۔ ﴿بضیع﴾ شرم گاہ۔ مراد: حقوق زوجیت۔  
﴿یبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے۔ ﴿منقصۃ﴾ پوری ہو چکی، ختم ہو چکی۔

## مذکورہ بالا مسئلہ میں باندی کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی شخص کے نکاح میں تھی لیکن اس نے اسے طلاق رجعی دے دی اور پھر جب اس باندی کی عدت ختم ہو گئی تو شوہر نے کہا کہ بھائی تم اس وقت بھی میری زوجہ ہو اور میرے نکاح میں ہو، کیوں کہ میں نے عدت کے دوران تم سے رجعت کر لی تھی اور باندی کے مولیٰ نے اس رجعت کی تصدیق بھی کر دی، مگر باندی اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئی اور اس نے اسے جھٹلادیا تو اب اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باندی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں (بنیاد) اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر اور مولیٰ کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت ہو جائے گی، کیوں کہ باندی اور اس کی ملک بضعہ مولیٰ کی ملکیت ہے اور مولیٰ نے شوہر کی تصدیق کر کے اس کے لیے اپنی اس ملکیت کا اقرار کیا ہے، لہذا شوہر کے لیے یہ ملکیت ثابت ہوگی اور رجعت تحقق ہو جائے گی۔ اور جس طرح اگر مولیٰ از سر نو باندی کے نکاح کا اقرار کرتا تو اس کا یہ اقرار صحیح ہوتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی رجعت کے حوالے سے اس

کی تصدیق اور اس کا اقرار معتبر ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں مسئلہ صرف رجعت کے اقرار یا انکار کا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز ہے جس کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور وہ چیز عدت ہے، کیوں کہ عدت ہی پر رجعت اور عدم رجعت کا مدار ہے، چنانچہ اگر عدت باقی ہے تو رجعت درست اور معتبر ہوگی اور اگر عدت ختم ہوگئی ہو تو پھر رجعت کا تحقق نہیں ہو سکتا، اور عدت کی بقاء یا عدم بقاء کے سلسلے میں بیوی کا قول معتبر ہے، لہذا جو چیز عدت پر مبنی اور موقوف ہو اس کے بھی وقوع یا عدم وقوع کے سلسلے میں بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا اور چوں کہ رجعت اپنے تمام لوازمات و متعلقات سمیت عدت پر موقوف ہے، اس لیے اس سلسلے میں بھی بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا اور صورت مسئلہ میں چوں کہ بیوی رجعت کی تکذیب کر رہی ہے، اس لیے رجعت ثابت نہیں ہوگی۔

ولو كان على القلب: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسئلے کی نوعیت ماقبل میں بیان کردہ صورت مسئلہ سے الگ ہو بایں طور کہ باندی تو شوہر کے رجعت کر لینے کی تصدیق کرے، لیکن مولیٰ اس کی تکذیب کرے تو اس صورت میں حضرات صاحبین کے یہاں بھی مولیٰ ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی اور صحیح قول کے مطابق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے یعنی ان کے یہاں بھی مولیٰ ہی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ باندی فی الحال عدت کو پورا اور مکمل کر لینے والی ہے اور انقضائے عدت کی صورت میں باندی اور اس کے شوہر میں علیحدگی ثابت ہو کر باندی کے منافع بضع ایک بار پھر مولیٰ کے لیے ثابت ہو چکے ہیں اور یہ ثبوت باندی اور اس کے شوہر کے اقرار مراجعت سے باطل نہیں ہوگا، کیوں کہ اب باندی کے منافع بضع خالص مولیٰ کا حق ہیں اور شوہر اور باندی اس حق پر اپنا حق جمانے کی کوشش کر رہے ہیں جب کہ مولیٰ اور مالک اس کا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے (بشرطیکہ مدعی کے پاس بیّنہ نہ ہو) اس کے برخلاف پہلی صورت میں رجعت اس لیے ثابت نہیں ہوگی اور باندی کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ اس صورت میں اگرچہ مولیٰ کی تصدیق شامل حال ہے اور تصدیق مولیٰ کے پیش نظر رجعت ثابت ہونی چاہیے تھی مگر پھر بھی اس کا عدم ثبوت بایں معنی ہے کہ رجعت کی تصدیق کر کے مولیٰ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ بوقت رجعت عدت باقی تھی کیوں کہ بقائے عدت کے بغیر رجعت ہی معتبر نہیں ہوگی اور جب باندی کی عدت باقی تھی تو اس وقت وہ شوہر کی ملکیت تھی اور اس کا بضعہ بھی شوہر کا حق تھا نہ کہ مولیٰ کا، لہذا وہاں مولیٰ کی تصدیق سے مسئلہ رجعت پر کوئی خاص اثر نہیں ہوگا اور باندی ہی کا قول معتبر ہوگا۔

و إن قالت النخ: مسئلہ یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گزر چکی ہے اور طلاق اور دعوائے انقضاء میں اتنے ایام کا فاصلہ ہو کہ عدت کا گذر ناممکن ہو، لیکن شوہر اور مولیٰ یہ کہیں کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور تمہاری عدت پوری نہیں ہوئی ہے تو اس سلسلے میں بھی بیوی ہی کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ بیوی ہی انقضائے عدت سے باخبر ہوتی ہے اور اس سلسلے میں وہ امین ہوتی ہے اور امین کا قول بلاچوں چرا تسلیم کیا جاتا ہے۔

وَ إِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشْرَةِ أَيَّامٍ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَ إِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ، وَ إِنْ انْقَطَعَ لِأَقَلِّ مِنْ عَشْرَةِ أَيَّامٍ لَمْ يَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يُمَضِّيَ عَلَيْهَا وَ قُتْ صَلَاةٌ كَامِلَةٌ، لِأَنَّ الْحَيْضَ لَا مَزِيدَ لَهُ عَلَى الْعَشْرَةِ فَبِمُجَرَّدِ الْإِنْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ، وَ فِيمَا دُونَ الْعَشْرَةِ

يَحْتَمِلُ عَوْدَ الدَّمِّ فَلَا بُدَّ أَنْ يَعْتَصِدَ الْإِنْقِطَاعُ بِحَقِيقَةِ الْإِغْتِسَالِ أَوْ بِلُزُومِ حُكْمٍ مِنْ أَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ بِمُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً، لِأَنَّهُ لَا يَتَوَقَّعُ فِي حَقِّهَا أَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَانْقَطَعَ، وَتَنْقَطِعُ إِذَا تَيَمَّمَتْ وَصَلَّتْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَابْنِ يَوْسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ إِذَا تَيَمَّمَتْ انْقَطَعَتْ، وَهَذَا قِيَاسٌ، لِأَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةً مُطْلَقَةً حَتَّى يَثْبُتَ بِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ مَا يَثْبُتُ بِالْإِغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ وَإِنَّمَا اعتُبرَ طَهَارَةُ صَرُورَةٍ أَنْ لَا تَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ، وَهَذِهِ الصَّرُورَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ لَا فِيمَا قَبْلَهَا مِنَ الْأَوْقَاتِ، وَالْأَحْكَامُ الثَّابِتَةُ أَيْضًا صَرُورِيَّةٌ إِفْتِضَائِيَّةٌ، ثُمَّ قِيلَ تَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الشُّرُوعِ عِنْدَهُمَا وَقِيلَ بَعْدَ الْفَرَغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلَاةِ.

**ترجمہ:** اور جب دس دن پر تیسرے حیض کا خون بند ہوا تو رجعت ختم ہوگئی اگرچہ عورت نے غسل نہیں کیا۔ اور اگر دس دن سے کم میں بند ہوا تو رجعت منقطع نہیں ہوئی یہاں تک کہ عورت غسل کر لے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت گزر جائے، اس لیے کہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں آتا، لہذا (دس دن کے بعد) صرف خون بند ہونے سے عورت حیض سے نکل گئی اور عدت پوری ہوگئی اور رجعت بھی ختم ہوگئی۔ اور دس دن سے کم میں خون کے دوبارہ آنے کا احتمال رہتا ہے، لہذا (اس صورت میں) حقیقت اغتسال کے ساتھ انقطاع دم کو تقویت دینا ضروری ہے یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کسی حکم کے اس پر لازم ہونے کے ساتھ (انقطاع کو تقویت دینا ضروری ہے) مثلاً کامل نماز کا وقت گزرنے کے ساتھ۔

برخلاف اس صورت کے جب عورت کتابیہ ہو، کیوں کہ اس کے حق میں کسی زائد علامت کی توقع نہیں ہوتی، لہذا انقطاع دم پر اکتفاء کر لیا جائے گا۔ اور اگر عورت نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو حضرات شیخین کے یہاں رجعت منقطع ہو جائے گی اور یہ استحسان ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے تیمم کیا تبھی رجعت ختم ہوگئی اور یہ قیاس ہے، کیوں کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت مطلقہ ہے حتیٰ کہ اس کے ذریعے وہ تمام احکام ثابت ہوتے ہیں جو غسل کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں، لہذا تیمم غسل کے درجے میں ہوگا۔ حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ملوث کرنے والا ہے نہ پاک کرنے والا ہاں ضرورت کے تحت اسے طہارت مان لیا گیا ہے تاکہ واجبات کئی گنا زیادہ نہ ہو جائیں۔ اور یہ ضرورت نماز اداء کرنے کی حالت میں متحقق ہوگی نہ کہ اس سے پہلے وقتوں میں، اور تیمم کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام بھی بر بنائے ضرورت بتقاضا صلاہ ہوتے ہیں۔

پھر ایک قول یہ ہے کہ حضرات شیخین کے یہاں نماز شروع کرتے ہی رجعت ختم ہو جائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد رجعت ختم ہوگی تاکہ جواز صلاہ کا حکم پختہ ہو جائے۔

## اللغات:

﴿انقطعت﴾ پوری ہوگئی، ختم ہوگئی۔ ﴿يعتصد﴾ تقویت دی جائے۔ ﴿ملوث﴾ آلودہ کرنے والا۔ ﴿مطهر﴾ پاک کرنے والا۔ ﴿لا تتضاعف﴾ کئی گنا بڑھ نہ جائیں۔

## عدت کب ختم ہوتی ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت مطلقہ رجعیہ ہے اور وہ اپنی عدت گزار رہی ہے اور عدت میں دو حیض گزر چکے ہیں اور تیسرے حیض میں دس دن مکمل ہونے پر اس کا خون بند ہو گیا، تو اب اس صورت میں جیسے ہی دس دن مکمل ہوئے اور خون بند ہوا اسی وقت اس کی عدت بھی ختم ہوگئی اور رجعت کا چانس اور احتمال بھی ختم ہو گیا، کیوں کہ جب دس دن مکمل ہونے کے بعد خون بند ہوا تو یقینی طور سے وہ عورت حیض سے پاک ہوگئی اور طہرات عورتوں کی فہرست میں داخل ہوگئی اور اب اس کی طہارت کے لیے کسی دوسری علامت کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے یہاں دس دن سے زیادہ حیض کا خون نہیں آتا، اس لیے دس دن مکمل ہوتے ہی انقطاع رجعت و عدت کا حکم لاگو ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر تیسرے حیض میں دس دن سے کم میں خون بند ہوا تو محض انقطاع دم سے انقطاع عدت و رجعت کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ انقطاع عدت کے لیے کسی ایسی علامت کا ہونا ضروری ہوگا جس سے انقطاع حیض کا علم ہو جائے اور وہ حائضہ عورت طہرات عورتوں کی فہرست میں شمار ہونے لگے اور خون کے عود کرنے کا احتمال بند ہو جائے۔ اور یہ خاص علامت یا تو غسل ہے یا پھر اتنی مدت تک خون کا بند رہنا ہے کہ اس عورت پر ایک کامل نماز کا وقت گزر جائے، چنانچہ اگر وہ عورت غسل کر لیتی ہے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت بدون جریان خون گزر جاتا ہے تو اس سے اس کے طاہرہ ہونے کے پہلو کو ترجیح مل جائے گی اور وہ طہرات کی صف میں شامل ہو جائے گی اور اس وقت سے اس کی عدت اور احتمال رجعت کو ختم مانا جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر کوئی کتابیہ عورت مطلقہ رجعیہ ہو اور تیسرے حیض میں دس دن سے کم میں اس کا خون بند ہو گیا ہو تو اس کے حق میں صرف انقطاع دم ہی سے عدت اور رجعت کا اختتام ہو جائے گا اور کسی دوسری علامت کی ضرورت نہیں رہے گی، کیوں کہ مسلمہ عورت کے حق میں اغسال اور نماز علامت زائدہ ہیں اور کتابیہ عورت پر نہ تو نماز فرض ہے اور نہ ہی غسل، اس لیے اس کے حق میں صرف انقطاع دم ہی سے اتمام عدت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وتنقطع الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مطلقہ رجعیہ عورت کا خون دس دن سے کم میں بند ہوا اور اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں عدت اور رجعت کا انقطاع ہو جائے گا اور اگر اس نے صرف تیمم کیا اور نماز نہیں پڑھا تو ان حضرات کے یہاں انقطاع نہیں ہوگا، بلکہ انقطاع کے لیے نماز پڑھنا یا ایک کامل نماز کے وقت کا گذرنا شرط ہے، البتہ امام محمد رحمہم اللہ کے یہاں محض تیمم ہی سے انقطاع تحقق ہو جائے گا اور نماز پڑھنے کی شرط نہیں ہوگی، یہاں دراصل جو امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے وہ قیاس ہے اور جو حضرات شیخین کا قول ہے وہ استحسان ہے، امام محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت مطلقہ ہے اور جو احکام پانی سے وضو کرنے پر ثابت ہوتے ہیں وہ سب کے سب تیمم کرنے پر بھی ثابت اور حاصل ہو جاتے ہیں، لہذا جو حکم غسل کا ہوگا وہی تیمم کا بھی ہوگا اور صرف غسل کرنے سے انقطاع تحقق ہو جاتا ہے لہذا صرف تیمم کرنے سے بھی انقطاع عدت

ورجعت کا تحقق ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم حقیقت میں مطہر نہیں، بلکہ ملوث ہے اور انسان کے اعضاء کو مٹی میں آلودہ کرنے والا ہے مگر پانی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں مسلمان کے لیے ادائیگی صلاۃ وغیرہ کی ضرورت کے پیش نظر اسے مطہر مان لیا گیا ہے، تاکہ بندہ مومن کے ذمے کئی نمازیں قضاء نہ ہونے پائیں اور وہ بعد میں پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ اور چوں کہ یہ ضرورت صرف ادائیگی صلاۃ کی حالت میں متحقق ہوتی ہے اور اس سے پہلے اس ضرورت کی کوئی خاص ضرورت نہیں پڑتی، اس لیے صرف ادائیگی صلاۃ کی حالت میں تیمم کو مطہر مانیں گے اور اگر حائضہ مطلقہ تیمم کے بعد نماز بھی پڑھ لیتی ہے تب تو اس کی طہارت ثابت ہو کر اس کی عدت پوری ہوگی ورنہ نہیں۔ راقم الحروف کے ناقص خیال میں صورت مسئلہ میں امام محمد رحمہ اللہ کا نظریہ زیادہ قوی ہے، کیوں کہ خود حضرات شیخینؒ بھی شوافع کے خلاف تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں اور ایک تیمم سے متعدد نمازوں کے جواز کے لیے تیمم کی طہارت کے مطلق ہونے پر بڑی شد و مد کے ساتھ نعرہ لگاتے ہیں۔ (عبدالحلیم قاسمی بستوی)

والاحکام الخ: یہاں سے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کی بیان کردہ دلیل میں حتی یثبت بہ الخ سے جو قیاس پیش کیا گیا تھا اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیمم کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کا غسل کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کے مماثل اور مشابہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصف طہارت میں تیمم غسل کے مساوی اور برابر ہے، بلکہ جس طرح تیمم سے حاصل ہونے والی طہارت ضرورت کے تحت ہوتی ہے اسی طرح تیمم سے ثابت ہونے والے احکام بھی برہنائے ضرورت اور بقاضائے صلاۃ ہی ثابت ہوتے ہیں چنانچہ تیمم سے قراءت قرآن کا جواز، دخول مسجد کا جواز اور آیت سجدہ کی تلاوت وغیرہ کا جواز سب ضرور ثابت ہوتے ہیں اور تقاضائے صلاۃ کے پیش نظر ثابت ہوتے ہیں، اس لیے کہ نماز پڑھنے کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا اور مسجد میں داخل ہونا نیز دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کرنے پر سجدہ کرنا ناگزیر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اعمال تقاضائے صلاۃ کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے ثبوت اعمال کو لیکر تیمم کو طہارت مطلقہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

ثم قيل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حصول طہارت اور انقطاع عدت کے لیے جب حضرات شیخینؒ کے یہاں تیمم کے بعد نماز پڑھنا بھی شرط ٹھہرا تو اس شرط کا وقوع کب مانا جائے گا؟ اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ نماز شروع کرتے ہی رجعت وعدت کا انقطاع ہو جائے گا اور انقطاع کے لیے نماز سے فارغ ہونا ضروری نہیں ہے، (۲) لیکن دوسرا اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ صرف نماز شروع کرنے سے رجعت کا انقطاع متحقق نہیں ہوگا، بلکہ شروع کرنے کے بعد جب عورت نماز سے فارغ ہو جائے گی تب انقطاع رجعت متحقق ہوگا، اس لیے کہ نماز کو شروع کرنا نماز شروع نہ کرنے کی طرح ہے بایں معنی کہ جس طرح شروع کرنے کے سے پہلے پانی پر قادر ہونے کی صورت میں تیمم باطل ہو جاتا ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد مکمل کرنے سے پہلے پہلے پانی پر قدرت ہونے کی صورت میں بھی تیمم باطل ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر تیمم سے نماز کو مکمل کر لیا ہے تو پھر پانی پر قادر ہونے سے صحت نماز پر کوئی اثر نہیں ہوگا اگرچہ وہ سلام پھیرتے ہی پانی پر قادر ہوئی ہو۔ اس لیے انقطاع عدت وغیرہ کے سلسلے میں نماز کا ختم ہونا معتبر ہے، صاحب بنایہ نے لکھا ہے وهو الصحيح کذا فی المبسوط (۲۳۹/۵)۔

وَ اِذَا اغْتَسَلْتَ وَ نَسِيتَ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يَصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ عَضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ، وَ اِنْ كَانَ اَقْلًا مِنْ عَضْوٍ اِنْقَطَعَتْ، قَالَ وَ هَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَ الْقِيَاسُ فِي عَضْوِ الْكَامِلِ اَنْ لَا تَبْقَى الرَّجْعَةُ لِأَنَّهَا غَسَلَتْ الْاَكْثَرَ، وَ الْقِيَاسُ فِيمَا دُونَ الْعَضْوِ اَنْ تَبْقَى، لِأَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَ الْحَيْضِ لَا يَتَحَرَّى، وَ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ اَنَّ مَا دُونَ الْعَضْوِ يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقَلْبِهِ فَلَا يَتَيَقَّنُ بَعْدَ وَصُولِ الْمَاءِ اِلَيْهِ فَقُلْنَا اِنَّهُ تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَ لَا تَحِلُّ لَهَا التَّزْوُجُ اخِذَا بِالْاِحْتِيَاظِ فِيهِمَا، بِخِلَافِ الْعَضْوِ الْكَامِلِ، لِأَنَّهُ لَا يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ وَ لَا يُغْفَلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا، وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اَنْ تَرَكَ الْمُضْمَضَةَ وَ الْاِسْتِنْشَاقَ كَثَرَكِ عَضْوٍ كَامِلٍ وَ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَنْزِلَةِ مَا دُونَ الْعَضْوِ، لِأَنَّ فِي قَرْضِيهِ اخْتِلَافًا، بِخِلَافِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَعْضَاءِ.

**ترجمہ:** اور جب عورت نے غسل کیا اور اپنے بدن کا کوئی حصہ بھول گئی جہاں پانی نہیں پہنچا تو اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت منقطع نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہو جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ استحسان ہے اور عضو کامل میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی نہ رہے اس لیے کہ عورت نے اکثر حصوں کو دھویا ہے اور ایک عضو سے کم میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی رہے، اس لیے کہ جنابت اور حیض کا حکم متجری نہیں ہوتا۔ استحسان کی دلیل (اور یہی دلیل عضو کامل اور اس سے کم میں فرق بھی ہے) یہ ہے کہ ایک عضو سے کم میں بہت جلد خشکی سراپت کر جاتی ہے، کیوں کہ وہ کم ہوتا ہے، لہذا اس عضو تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہوتا، اسی لیے ہم نے کہا کہ رجعت منقطع ہو جائے گی اور اس عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا حلال نہیں ہے دونوں میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔

برخلاف عضو کامل کے کیوں کہ اس کی طرف خشکیاں سراپت نہیں کرتیں اور عادتاً اس سے غافل بھی نہیں ہوا جاتا اس لیے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو چھوڑنا عضو کامل کو چھوڑنے کی طرح ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ ایک عضو سے کم کے درجے میں ہے، اس لیے کہ ان کی فرضیت میں اختلاف ہے برخلاف ان کے علاوہ دیگر اعضاء کے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿اغتسلت﴾ نہائی۔ ﴿نسیت﴾ بھول گئی۔ ﴿لم یصب﴾ نہیں پہنچا۔ ﴿یتسارع﴾ جلدی کرتا ہے۔ ﴿جفاف﴾ خشک ہونا۔ ﴿لا یتیقن﴾ یقین نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿لا یغفل﴾ لاپرواہی نہیں کی جاتی۔



## حائضہ مطلقہ غسل میں کوئی عضو بھول گئی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مطلقہ رجعیہ حائضہ عورت کا خون تیسرے حیض سے دس دن سے کم میں بند ہوا اور اس عورت نے غسل کر لیا لیکن وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ دھونا بھول گئی اور وہاں تک پانی نہ پہنچا سکی تو جس حصے کو وہ بھول گئی ہے اگر وہ حصہ ایک عضو یا اس سے زائد ہو تب تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا اور اس وقت رجعت بھی ختم نہیں ہوگی، لیکن اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور غسل بھی صحیح ہوگا اور رجعت کا اختتام بھی متحقق ہو جائے گا، صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ استحسان ہے اور عضو کامل میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی نہ رہے یعنی اگر ن دوران غسل عضو کامل چھوٹ جائے تو بھی غسل متحقق ہو کر رجعت اور عدت کا معاملہ ختم ہو جائے، کیوں کہ اگرچہ یہ عضو کامل ترک ہوا ہے مگر عورت نے اس عضو کے علاوہ پورے بدن کو دھو لیا ہے جو ایک عضو کامل سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ للأكثر حکم الكل اس لیے اس صورت میں بھی رجعت کو ختم ہونا چاہیے صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قیاس ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کا قیاس یہ ہے کہ محل قیاس مادون العضو ہے یعنی اگر ایک عضو سے کم حصہ بھی غسل سے خالی رہ جائے گا تو غسل صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں بھی حدث باقی رہے گا اس لیے کہ حیض اور جنابت وغیرہ کے احکام میں تجزی نہیں ہوتی۔ اور جب تک حدث باقی رہے گا اس وقت تک غسل صحیح نہیں ہوگا اور جب غسل صحیح نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ رجعت اور عدت بھی ختم نہیں ہوں گی بلکہ باقی رہیں گی۔

وجہ الاستحسان الخ: متن کے تحت جو استحسان کا مسئلہ بیان کیا گیا تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک عضو سے کم حصہ انتہائی کم اور معمولی رہتا ہے اور اس کے کم ہونے ہی کی وجہ سے اس کی طرف جلدی خشکی سرایت کر جاتی ہے اور اس تک پانی کے نہ پہنچنے کا یقین ہی نہیں ہوتا یعنی انسان کا دھیان ہی اس طرف نہیں جاتا کہ اس نے اس معمولی حصے کو نہ دھویا ہو بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے دھلا تھا لیکن وہ جلدی سے خشک ہو گیا اس لیے احتیاطاً اس صورت میں حکم یہ ہے کہ رجعت منقطع ہو جائے اور عدت ختم ہو جائے، مگر چوں کہ یہ انقطاع بر بنائے احتیاط ہے اسی لیے ایسی عورت کے لیے اس غسل کے فوراً بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ عضو یقینی طور پر نہ دھویا گیا، ہو اور عدت میں نکاح ہو جائے حالاں کہ معتدۃ الغیر سے نکاح حلال نہیں ہے، اسی لیے احتیاط کے پیش نظر مذکورہ عورت کو نکاح سے منع کیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف عضو کامل کا مسئلہ ہے تو اس کے ترک سے رجعت منقطع نہیں ہوگی، کیوں کہ نہ تو کامل عضو دھونے کے بعد جلدی خشک ہوتا ہے اور نہ ہی عادتاً اسے ترک کیا جاتا ہے بلکہ عام طور پر ایک عضو کو تو دھو ہی لیا جاتا ہے، اس لیے اس کا چھوٹنا انقطاع رجعت کا سبب نہیں ہوگا اور اس صورت میں بدستور رجعت و عدت باقی رہے گی، اور یہی فرق ہے عضو کامل اور عضو ناقص میں کہ عضو ناقص سے عموماً غفلت برتی جاتی ہے اور عضو کامل کو عموماً دھویا جاتا ہے لہذا دونوں میں فرق ہے اور دونوں کو ایک سمجھنا درست نہیں ہے۔

وعن ابی یوسف رحمہ اللہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی حائضہ عورت نے غسل کرتے وقت کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ترک کر دیا تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت جو ہشام کی ہے وہ یہ ہے کہ مضمضہ (کلی کرنا) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) کا ترک بھی عضو کامل کے ترک کی طرح ہے یعنی قیاساً امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت میں بھی رجعت منقطع ہو جائے گی کیوں کہ وہ للأكثر حکم الكل والا ضابطہ اپناتے ہیں البتہ

استحساناً رجعت منقطع نہیں ہوگی۔ (۲) اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت جسے امام کرفی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کا ترک مادون العضو کے ترک کے درجے میں ہے اور مادون العضو کے ترک میں چوں کہ رجعت ہر طرح سے منقطع ہو جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں بھی رجعت منقطع ہو جائے گی خاص کر اس وجہ سے بھی کہ مضمضہ اور استنشاق کی فرضیت میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں یہ چیزیں وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں جب کہ ہمارے یہاں وضو میں تو یہ سنت ہیں البتہ غسل میں فرض ہیں، لہذا جب ان کی فرضیت کے حوالے سے اختلاف ہے تو ان کے ترک کی صورت میں انقطاع رجعت کا حکم لگانے میں ہی احتیاط ہے۔

وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَامِلٌ أَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ أَجْمِعْهَا فَلَهُ الرَّجْعَةُ، لِأَنَّ الْحَبْلَ مَتَى ظَهَرَ فِي مَدَّةٍ يَتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ <sup>①</sup> ((الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ)) وَذَلِكَ دَلِيلُ الْوُطْيِ مِنْهُ، وَكَذَا إِذَا ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطْنًا، وَإِذَا ثَبَتَ الْوُطْيُ تَأَكَّدَ الْمِلْكُ، وَالطَّلَاقُ فِي مِلْكٍ مُتَّكِدٍ يُعَقِّبُ الرَّجْعَةَ وَ يَبْطُلُ زَعْمُهُ بِتَكْذِيبِ الشَّرْعِ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ يُغْبُتُ بِهَذَا الْوُطْيِ الْإِحْصَانُ فَلِأَن تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ أُولَى، وَتَأْوِيلُ مَسْأَلَةِ الْوِلَادَةِ أَنْ تِلْدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهَا لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ تَنْقُضِي الْعِدَّةَ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تَتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ.

**ترجمہ:** جس شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حاملہ تھی، یا بیوی نے اس سے بچہ جنا اور شوہر نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا تو اس کو رجعت کا حق ہے، اس لیے کہ حمل جب ایسی مدت میں ظاہر ہوا جس کا شوہر سے ہونا ممکن ہے تو اسے شوہر ہی کا حمل قرار دیا جائے گا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”بچہ فراش کا ہے“ اور یہ شوہر سے وطی کی دلیل ہے نیز جب شوہر سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا تو شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور جب وطی ثابت ہوگئی تو ملکیت موکد ہو جائے گی۔ اور ملک موکد میں طلاق کے بعد رجعت واقع ہوتی ہے اور شریعت کی تکذیب سے شوہر کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ کیا دکھتا نہیں کہ اس وطی سے احصان ثابت ہو جاتا ہے تو رجعت تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ اور مسئلہ ولادت کی تاویل یہ ہے کہ بیوی نے طلاق سے پہلے بچہ جنا ہو، اس لیے کہ اگر وہ طلاق کے بعد بچہ جنے کی تو ولادت سے عدت پوری ہو جائے گی اور رجعت متصور نہیں ہوگی۔

## اللغات:

﴿لم اجمع﴾ میں نے جماع نہیں کیا۔ ﴿جعل﴾ بنایا جائے گا۔ ﴿يعقب﴾ پیچھے لائی ہے۔ ﴿زعم﴾ گمان، وہم۔ ﴿تنقضی﴾ پوری ہو جائے گی۔

## تخریج:

- ① أخرجه الاثمة الستة في كتبهم و البخاری فی کتاب الفرائض باب الولد للفراش، حدیث رقم: ۶۷۵۰. و مسلم فی کتاب الرضاع، حدیث: ۳۷. و ابوداؤد فی کتاب الطلاق، حدیث: ۲۲۷۴. و الترمذی فی کتاب الوصایا، باب ۵. و ابن ماجہ، فی کتاب النکاح باب الولد للفراش و للعاهر الحجر، حدیث رقم: ۲۰۰۷.

## حاملہ سے رجوع کرنا جبکہ شوہر وطی کا منکر ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی کہ وہ حاملہ تھی یا بیوی نے بچہ جتا اور شوہر نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا ہے پھر اس نے اس کو طلاق دی تو اس انکار کے بعد بھی شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہے، کیوں کہ پہلی صورت میں حاملہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے بعد وضع حمل سے پہلے پہلے بیوی شوہر کی عدت میں ہے اور دوران عدت رجعت کرنا صحیح ہے اور دوسری صورت میں بیوی نے طلاق سے پہلے شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے بچہ جتا ہے، اس لیے شوہر کے انکار کے باوجود اس کو بیوی سے رجعت کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ جب حمل اتنی مدت میں ظاہر ہوا یعنی جب بیوی نے اتنی مدت میں بچہ جتا کہ اس مدت میں اس حمل کو شوہر کا حمل قرار دینا ممکن ہے مثلاً طلاق کے بعد چھ ماہ سے کم میں بیوی نے بچہ جتا تو یہ بچہ شوہر ہی کا سمجھا جائے گا اور اس حمل کو شوہر ہی کا حمل قرار دیا جائے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ تو صاحب فراش کا ہی ہوتا ہے اور چوں کہ وہ عورت اس سے پہلے اپنے شوہر کی بیوی تھی اس لیے وہ بچہ بھی اسی کا ہوگا۔ اور جب بچہ شوہر کا ہوگا تو شوہر کو وطی قرار دیا جائے گا اور وطی ثابت ہونے کی صورت میں اس عورت پر شوہر کی ملکیت موکد ہو جائے گی اور عورت مدخول بہا شمار ہوگی اور ملک موکد میں طلاق کے بعد ہی رجعت واقع ہوتی ہے، اس لیے شوہر کے لیے رجعت کرنا صحیح ہے، رہا شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے جماع نہیں کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اس کے انکار کے مقابلے میں شریعت کا اقرار ہے اور شریعت نے دلالت حال کے پیش نظر اس سے نسب کو ثابت کیا ہے اور شریعت کا اقرار اتوئی ہے، اس لیے وہ شوہر کے انکار پر غالب ہو جائے گا۔

الاتری الخ: صاحب کتاب رحمہ اللہ نے اس سے پہلے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ملک موکد میں طلاق رجعت کو ثابت کرتی ہے، یہاں سے اسی دعوے کی مزید وضاحت اور دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شوہر کی مذکورہ وطی سے احسان ثابت ہو جائے گا اور سزا اور عقوبت وغیرہ کے وجوب میں احسان موثر ہے، لہذا جب اس وطی سے احسان ثابت ہو رہا ہے تو رجعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی، کیوں کہ رجعت سے عقوبت وغیرہ کا وجوب متعلق نہیں ہے۔ (عنایہ، بتایہ ۲۳۲/۵)

وتأویل مسئلۃ الخ: متن میں جو او ولدت منہ بیان کیا گیا ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل اور تشریح یہ ہے کہ وہ عورت طلاق سے پہلے شوہر کے نکاح میں بچہ جنے، تاکہ رجعت ہو سکے، کیوں کہ اگر طلاق کے بعد بچہ جنے گی تو وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور پھر رجعت کا امکان ختم ہو جائے گا۔ اس لیے امکان رجعت کے لیے یہاں یہ تاویل کرنی ہوگی کہ اس نے طلاق سے پہلے بچہ جتا ہو۔

فَإِنْ خَلَا بِهَا وَ أَغْلَقَ بَابًا أَوْ أَرَحَى سِتْرًا وَ قَالَ لَمْ أَجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكِ الرَّجْعَةُ لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوُطْيِ وَ قَدْ أَقَرَّ بِعَدَمِهِ فَيُصَدِّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَ الرَّجْعَةُ حَقٌّ وَ لَمْ يَصِرْ مُكْذَّبًا شَرْعًا، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِأَنَّ تَأَكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمَّى يَتَنَبَّى عَلَى تَسْلِيمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ، بِخِلَافِ الْفُضْلِ الْأَوَّلِ، فَإِنْ رَاجَعَهَا مَعْنَاهُ بَعْدَ مَا خَلَا بِهَا وَ قَالَ لَمْ أَجَامِعْهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلِّ مِنْ سَتَيْنِ يَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ

النَّسَبُ مِنْهُ، إِذْ هِيَ لَمْ تُقَرَّبَ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَنْقُطُ فِي الْبُطْنِ هَذِهِ الْمُدَّةُ فَأَنْزَلَ وَاطْبًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُونَ مَا بَعْدَهُ، لِأَنَّ عَلَى اعْتِبَارِ الْفَائِي يَزُولُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوُطِيِّ قَبْلَهُ فَيَحْرُمُ الْوُطِيُّ، وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کر لیا یا پردہ ڈال دیا اور کہا کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو وہ رجعت کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے کہ ملک وطی کے ذریعے موکد ہوتی ہے حالاں کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کا اقرار کر لیا ہے، لہذا شوہر کے حق میں اس کے اقرار کی تصدیق کر لی جائے گی اور رجعت اس کا حق ہے۔ اور شرعاً اسے جھٹایا نہیں جائیگا۔ برخلاف مہر کے اس لیے کہ مہر متعین کا موکد ہونا مبدل کی تسلیم پر مبنی ہے نہ کہ قبضہ مبدل پر۔ برخلاف پہلی صورت کے۔ پھر اگر شوہر نے اس سے رجعت کر لی یعنی اس کے ساتھ خلوت کرنے اور لم اجامعہا کہنے کے بعد پھر دو سال سے ایک دن کم میں اس عورت نے بچہ جنا تو وہ رجعت صحیح ہوگی، اس لیے کہ یہ نسب شوہر سے ثابت ہو گیا کیوں کہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہیں کیا اور اس مدت میں بچہ عورت کے لطن میں باقی رہ سکتا ہے، اس لیے شوہر کو طلاق سے پہلے وطی کرنے والا اقرار دیا جائے گا، نہ کہ طلاق کے بعد اس لیے کہ دوسرے کا اعتبار کرنے پر نفس طلاق ہی سے ملکیت ختم ہو جائے گی، کیوں کہ طلاق سے پہلے وطی معدوم ہے، لہذا وطی حرام ہوگی اور مسلمان حرام کام نہیں کرتا۔

### اللغات:

﴿اعلق﴾ بند کر لیا۔ ﴿ارخی﴾ لٹکایا۔ ﴿ستر﴾ پردہ۔ ﴿بصدق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿یتنی﴾ مٹی ہوتا ہے۔ ﴿لم تفر﴾ اقرار نہیں کیا۔

### خلوت کے بعد انکار وطی سے رجوع کے ساقط ہونے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا یا دروازہ پر پردہ ڈال دیا اور بعد میں یہ کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے اور یہ کہہ کر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی بیوی مطلقہ بدون عدت ہوگی اور شوہر کو رجعت کا حق نہیں ہوگا، کیوں کہ بیوی غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا عورت کو اگر طلاق دی جائے تو طلاق دیتے ہی وہ بائنہ ہو جاتی ہے اور نہ تو شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اس لیے کہ بیوی پر شوہر کی ملکیت وطی کے ذریعے موکد ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں چون کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کا اقرار کیا ہے، اس لیے اس کا یہ اقرار اس کے حق میں معتبر مانا جائے گا اور اس اقرار کی وجہ سے رجعت جو شوہر کا حق ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔

ولم یبصر مکذبا الخ: یہاں سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے: اعتراض یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر سے حق رجعت کو ساقط کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اپنے قول لم اجامعہا میں شرعاً مکذب ہے اور شریعت کی طرف سے اس کی تکذیب ہو رہی ہے اس لیے کہ اگر اس کی تکذیب نہ ہوتی تو اس پر مہر واجب نہ ہوتا حالاں کہ خلوت صحیح کے بعد شوہر پر مہر کامل واجب ہوا ہے، لہذا مہر کامل کا وجوب اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے قول لم اجامعہا میں شرعاً جھوٹا ہے اور جب وہ جھوٹا ہے تو اس کا حق رجعت

ساقط نہیں ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مہر کامل کے واجب ہونے سے نہ تو شوہر کا جماع کرنا لازم آتا ہے اور نہ ہی شرعاً اس کا جھوٹا ہونا، کیوں کہ مہر کامل کا وجوب جماع یا وطی سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ وجوب مبدل یعنی عورت کی طرف سے بضع کو تسلیم کرنے اور شوہر کے سپرد کرنے سے متعلق ہے خواہ شوہر اس پر قبضہ کرے یا نہ کرے اور خلوت صحیحہ میں چوں کہ عورت کی طرف سے مبدل یعنی بضع کو شوہر کے حوالے کرنا پایا گیا ہے، اس لیے شوہر پر کامل مہر واجب ہوگا۔

اس کے برخلاف پہلی صورت میں چوں کہ ثبوت نسب کا معاملہ ہے اور ثبوت نسب کے لیے وطی کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے اس صورت میں اگر شوہر لم اجماعہا کہتا ہے تو شرعاً اس کی تکذیب کی جائے گی۔ ورنہ تو حمل کا بدون وطی ہونا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے اور اس میں بے شمار خرابیاں ہیں۔

فإن راجعها الخ: اس کا حاصل یہ ہے اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت کرنے کے بعد لم اجماعہا کہا اس کے بعد اس نے اس سے رجعت بھی کر لی اور پھر اس عورت نے دو سال سے ایک دن کم میں بچہ جنا تو یہ رجعت بھی صحیح ہوگی اور اس بچے کا نسب بھی مذکورہ شوہر سے ثابت ہوگا اور جب نسب ثابت ہوگا تو ظاہر ہے کہ وطی بھی ثابت ہوگی، اس لیے کہ بدون وطی نسب کا ثبوت ممکن نہیں ہے اور جب وطی ثابت ہوئی تو شوہر اپنے قول لم اجماعہا میں جھوٹا ہو گیا اور اس کے لیے رجعت ثابت ہو گئی اور اس کا رجعت کرنا صحیح ہوا اور چوں کہ عورت نے حمل کی وجہ سے انقضائے عدت کا بھی اقرار نہیں کیا ہے اور دو سال کی مدت تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اس لیے ثبوت نسب کے پیش نظر شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور یہ وطی قبل الطلاق ہی مانی جائے گی، کیوں کہ شوہر نے خلوت کے بعد لم اجماعہا کہہ کر نفس طلاق ہی سے عورت کو بائنہ قرار دے دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد وطی کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ اگر ہم وطی کو بعد الطلاق مانیں تو شوہر کے لیے فعل حرام کا مرتکب ہونا لازم آئے گا اور ایک مسلمان سے اس چیز کی توقع نہیں ہے کہ وہ حرام کاری کرے اس لیے مسلمان کے فعل کو حرام کاری سے بچانے اور صلاح پر محمول کرنے کے لیے اس وطی کو قبل الطلاق کی حالت ہی پر محمول کریں گے۔ کیوں کہ فقہ کا ضابطہ ہے الأصل أن أمور المسلمين تحمل على السداد والصلاح حتى يظهر غيره کہ حتی الامکان مسلمانوں کے امور و معاملات کو صلاح و فلاح ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔

فَإِنْ قَالَ لَهَا إِذَا وَلَدْتَ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ أَتَتْ بِوَلَدٍ آخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ آخَرَ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ إِذَا لَمْ تُقَرَّرْ بِانْقِصَاءِ الْعِدَّةِ، لِأَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَيَكُونُ الْوَلَدُ الثَّانِي مِنْ عُلُوقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ، لِأَنَّهَا لَمْ تُقَرَّرْ بِانْقِصَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيرُ مُرَاجِعًا.

**ترجمہ:** پھر اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ جب تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے پھر عورت نے ایک بچہ جنا پھر دوسرا بچہ بھی جنا تو یہ دوسری ولادت رجعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے بطن سے ہو اور بطن ثانی یہ ہے کہ دوسرا بچہ چھ مہینے کے بعد ہو ہر چند کہ دو سال سے زیادہ میں ہو بشرطیکہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ پہلے لڑکے سے بیوی پر طلاق واقع ہو گئی ہے اور عدت واجب ہو چکی ہے، لہذا دوسرا لڑکا ایسی وطی سے ہوگا، جو شوہر کی طرف سے عدت میں پیدا ہوگی۔ اس لیے کہ بیوی نے عدت

ختم ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے لہذا شوہر رجعت کرنے والا ہوگا۔

## اللغات:

﴿بطن﴾ حمل۔ ﴿لم تقر﴾ اقرار نہیں کیا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔

## طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم بچہ جنوگی تو تمہیں طلاق ہے چنانچہ اس عورت نے ایک بچہ جنا اور وہ مطلقہ ہوگئی لیکن پھر چھ ماہ کے بعد اس نے دوسرا بچہ جنم دیا تو اب یہ دوسرا بچہ اس مطلقہ عورت کے لیے رجعت ثابت ہوگا اگرچہ وہ دو سال کے بعد پیدا ہو بشرطیکہ عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، کیوں کہ ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ بچہ دو سال تک بھی ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے لہذا انقضائے عدت کے اقرار سے پہلے جب بھی بچہ پیدا ہوگا یہ تبھا جائے گا کہ شوہر نے پہلے بچے کے بعد عدت کے دوران بیوی سے جماع کیا تھا اور بیوی حاملہ ہوگئی تھی لہذا اس کی عدت تو وہیں ختم ہوگئی تھی مگر چوں کہ اس کا اظہار نہیں ہوا تھا اور نہ ہی عورت نے انقضائے عدت کا اقرار کیا تھا اس لیے ولد ثانی کی ولادت ہی کو اس عورت کی رجعت قرار دیں گے کیوں کہ وہ رجعت کی بہت بڑی علامت ہے۔

وَإِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدَتْ وَلَدًا فَانْتِ طَالِقٌ فَلَا تِلْكَ ثَلَاثَةٌ أَوْلَادٍ فِي بَطْنٍ مُخْتَلِفَةٍ فَلَوْلَدُ الْأَوَّلِ طَلَاقٌ وَالْوَلَدُ الثَّانِي رَجْعَةٌ وَكَذَا الثَّلَاثُ، لِأَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَصَارَتْ مُعْتَدَّةً، وَبِالثَّانِي، صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ يُجْعَلُ الْعُلُوقُ بِوَطْئِ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ، وَيَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِي بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِي لِأَنَّ الْيَمِينَ مَعْقُودَةٌ بِكَلِمَةٍ كُلَّمَا وَجَبَتْ الْعِدَّةُ، وَصَارَ مُرَاجِعًا لِمَا ذَكَرْنَا وَتَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّلَاثِ، وَوَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالْأَفْرَاءِ لِأَنَّهَا حَامِلٌ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِينَ وَقَعَ الطَّلَاقُ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے یوں کہا جب بھی تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے مختلف بطون سے تین بچوں کو جنم دیا تو پہلا لڑکا طلاق ہے اور دوسرا نیز تیسرا بچہ رجعت ہے، اس لیے کہ جب بیوی نے پہلا بچہ جنا تو طلاق واقع ہوگئی اور وہ معتدہ ہوگئی اور دوسرے بچے سے شوہر رجعت کرنے والا ہوگیا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے کہ حمل کا اقرار ایسی وطی سے ہوگا جو عدت میں پیش آئی ہوگی۔ اور دوسرے بچے کی ولادت سے دوسری طلاق واقع ہوگی، اس لیے کہ قسم کلمہ کلمہ کے ذریعے منعقد کی گئی ہے اور عدت بھی واجب ہوگی اور شوہر رجعت کرنے والا بھی ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اور تیسری طلاق تیسرے بچے کی پیدائش سے ہوگی اور حیض سے عدت واجب ہوگی، اس لیے کہ وقوع طلاق کے وقت حاملہ عورت ذوات الحیض میں سے ہے۔

## اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔ ﴿حادث﴾ نیا واقع ہونے والا۔ ﴿یمین﴾ قسم۔

## طلاق معلق میں رجوع کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل آسان ہے جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے کلمہ کلمہ کے ذریعے قسم کھا کر اپنی بیوی سے یہ کہا کہ جب بھی تو بچہ جنے گی تو تجھے طلاق ہے اب یہ کہنے کے بعد بیوی نے تین بچے جنے اور یہ تینوں بچے مختلف بطون سے ہوئے یعنی ہر بچے کی ولادت کے درمیان ۶ ماہ سے زائد فاصلہ تھا، تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے بچے کی ولادت سے وہ عورت مطلقہ ہو جائے گی، کیوں کہ ولادت ہی پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے اور پھر جیسے ہی دوسرا بچہ پیدا ہوگا اس سے رجعت ہو جائے گی یعنی شوہر رجعت کرنے والا ہو جائے گا کیوں کہ دوسری ولادت کا ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ شوہر نے عدت میں اس عورت سے وطی کی تھی اور مطلقہ رجعیہ سے عدت کے دوران وطی کرنے سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے رجعت ثابت ہو جائے گی، مگر ثبوت رجعت کے بعد ہی فوراً دوسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ یمین کو کلمہ کلمہ کے ذریعے منعقد کیا گیا ہے اور کلمہ کلمہ تکرار کا متقاضی ہے لہذا جب جب ولادت پائی جائے گی تب تب طلاق واقع ہوگی اور اسی وقت عدت بھی ثابت ہوگی پھر تیسرے بچے کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی اور رجعت ثابت ہو جائے گی کیوں کہ ولادت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے طلاق کی عدت میں وطی کی گئی ہے اور اس رجعت کے فوراً بعد پھر تیسری طلاق پڑے گی کیوں کہ کلمہ کلمہ تکرار کا متقاضی ہے لہذا تیسرے بچے کی پیدائش سے پھر طلاق واقع ہوگی اور اب حیض کے ذریعے بیوی کی عدت واجب ہوگی، کیوں کہ یہ عورت وقوع طلاق کے وقت حائضہ ہے اور حائضہ عورتوں کی عدت حیض سے شمار کی جاتی ہے اس لیے اب اس کی عدت بھی حیض سے شمار کی جائے گی۔

وَالْمُطَلَّقةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ لِأَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ إِذَا النِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيَّنُ حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَكُونُ مَشْرُوعًا وَيُسْتَحَبُّ لَزُوجِهَا أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتَّى يُوْذِنَهَا وَيُسْمِعَهَا خَفَقَ نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ، لِأَنَّهَا رَبَّمَا تَكُونُ مُجَرَّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهُ عَلَى مَوْضِعٍ بَصِيرٌ بِهِ مُرَاجَعًا ثُمَّ يَطْلُقُهَا فَتَطُولُ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهَا حَتَّى يُشْهَدَ عَلَى رَجْعَتِهَا، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُ ذَلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ وَلِهَذَا لَهُ أَنْ يَغْشَاهَا عِنْدَنَا، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ﴾ (سورة الطلاق: ۱ الآية) وَلَئِنْ تَرَ اخِي عَمَلِ الْمُبْطِلِ لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُرَاجَعَةِ فَإِذَا لَمْ يَرَا جَعَلَهَا حَتَّى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ ظَهَرَ أَنَّهُ لَا حَاجَةَ فَتَبَيَّنَ أَنَّ الْمُبْطِلَ عَمِلَ عَمَلَهُ مِنْ وَقْتِ وَجُودِهِ وَلِهَذَا تُحْتَسَبُ الْإِقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ فَلَمْ يَمْلِكِ الزَّوْجُ الْإِخْرَاجَ إِلَّا أَنْ يُشْهَدَ عَلَى رَجْعَتِهَا فَتَبْطُلَ الْعِدَّةُ وَيَتَقَرَّرَ مِلْكُ الزَّوْجِ، وَقَوْلُهُ حَتَّى يُشْهَدَ عَلَى رَجْعَتِهَا مَعْنَاهُ الْإِسْتِحْبَابُ عَلَى مَا قَدْ مَنَاهُ.

**ترجمہ:** اور مطلقہ رجعیہ عورت سنورے اور زینت اختیار کرے اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے حلال ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں نکاح باقی ہے پھر رجعت کرنا مستحب ہے اور زینت اختیار کرنا اس پر ابھارنے والا ہے اس لیے زینت اختیار کرنا مشروع ہوگا۔ اور

مطلقہ رجعیہ کے شوہر کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے یہاں تک کہ عورت کو اطلاع دے دے یا اسے اپنے جوتوں کی آہٹ سنا دے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رجعت کرنا شوہر کے قصد میں نہ ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی عورت ننگی رہتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ شوہر کی نگاہ ایسی جگہ پڑ جائے کہ وہ اس سے رجعت کرنے والا ہو جائے پھر شوہر اس کو طلاق دیدے اور عورت پر عدت دراز ہو جائے اور بیوی سے رجعت کر لینے پر گواہ قائم کیے بغیر شوہر کے لیے اس کو لیکر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کو یہ اختیار ہے کہ اس لیے نکاح باقی ہے اسی لیے تو ہمارے یہاں شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا حلال ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ولا تخرجوهن من بیوتھن ”مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو“ اور اس لیے کہ مبطل کے عمل کا مؤخر ہونا مراجعت کی طرف شوہر کی ضرورت کے پیش نظر ہے لیکن جب شوہر نے رجعت نہیں کی یہاں تک کہ عدت پوری ہوگئی تو یہ ظاہر ہو گیا کہ اسے مراجعت کی حاجت نہیں ہے چنانچہ یہ واضح ہو گیا کہ مبطل نے اپنے وجود ہی کے وقت سے اپنا کام کر دیا تھا اسی لیے جو حیض آچکے ہیں وہ عدت میں شمار کیے جائیں گے، لہذا شوہر بیوی کو گھر سے نکالنے کا مالک نہیں ہوگا الا یہ کہ اس کی رجعت پر گواہ قائم کر لے چنانچہ اس وقت عدت باطل ہو جائے گی اور شوہر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور ماتن کے حتیٰ بشہد علی رجعتھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گواہ بنانا مستحب ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿تتشوف﴾ سنورے، سنگھار کرے۔ ﴿یسمع﴾ سنا دے۔ ﴿خفق﴾ آہٹ، زمین پر چلنے کی آواز۔ ﴿نعل﴾ جوتے۔ ﴿یعدھا﴾ اس سے جماع کر لے۔ ﴿تراضی﴾ مؤخر ہونا، ملتوی ہونا۔

## مطلقہ رجعیہ کے احکام:

اس عبارت میں مطلقہ رجعیہ اور اس کے شوہر سے متعلق کئی احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں جن میں سے سب سے پہلا (۱) مسئلہ یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو چاہیے کہ وہ عدت کے دوران اپنے آپ کو بناؤ سنگار سے آراستہ رکھے اور ہمہ وقت بن ٹھن کے بیٹھی رہے تاکہ اسے دیکھ کر شوہر کا دل اس کی طرف مائل ہو اور وہ رجعت کر بیٹھے۔ اس مطلقہ کے حق میں بناؤ سنگار کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال ہے، کیونکہ اب بھی ان دونوں کا نکاح باقی ہے چنانچہ طلاق رجعی کے بعد بھی ان کے مابین وراثت اور نکاح کے تمام امور جاری و ساری رہتے ہیں اور پھر رجعت کرنا شرعاً مستحب اور مستحسن بھی ہے اور زیب و زینت اختیار کرنا رجعت پر آمادہ کرتا ہے اس لیے اس حوالے سے بناؤ سنگار کرنا بھی مشروع اور مستحسن ہوگا۔

ویستحب لزوجھا الخ: (۲) پہلا حکم اور پہلا مسئلہ تو مطلقہ عورت سے متعلق تھا اور دوسرا مسئلہ اس کے شوہر سے متعلق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر طلاق رجعی دینے کے بعد شوہر کا مراجعت کا ارادہ نہ ہو اور وہ بیوی سے علیحدگی کا خواہاں ہو تو اسے چاہیے کہ جس گھر میں بیوی رہتی ہو اس میں اطلاع کے بغیر داخل نہ ہو، خواہ پہلے سے اطلاع دیدے یا کم از کم جاتے وقت اپنے جوتوں کی آہٹ سے اپنے جانے کا پتہ بتا دے، اس لیے کہ وہ رجعت کے مؤذ میں نہیں ہے اور عورت کبھی کبھی اپنے کمرے میں بالکل برہنہ رہتی ہے تو بہت ممکن ہے کہ شوہر کی نگاہ عورت کے فرج داخل کی طرف چلی جائے اور بدون قصد ہی رجعت ثابت ہو جائے، حالاں کہ شوہر بیوی کے اپنے نکاح میں نہیں رکھنا چاہتا، اس لیے لامحالہ وہ دوبارہ اسے طلاق دے گا اور پھر اس عورت کی عدت دراز ہو



جائے گی اور درازی عدت میں بیوی کو نقصان ہے، اس لیے صنف نازک کو مضرت سے بچانے کے لیے شریعت نے شوہر کے لیے داخل ہونے سے پہلے اطلاع دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔

(۳) ولیس له الخ: یہ حکم بھی شوہر ہی سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک شوہر بیوی سے رجعت نہ کر لے اور اس رجعت پر گواہ نہ بنالے اس وقت تک بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جاسکتا یہی جمہور احناف کا مسلک ہے، اس کے برخلاف امام زفر رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ رجعت پر گواہ بنائے بغیر بھی شوہر بیوی کو سفر میں لے جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور عدت کے دوران وطی کرنا حلال رہتا ہے تو پھر سفر میں کوئی بڑی بات ہے ہر کوئی اپنی منکوحوں کو لے کر گھومتا، پھرتا اور عیش کرتا ہے، اس لیے مطلقہ رجعیہ کا شوہر بھی دوران عدت اسے لے کر موج مستی کرے۔

جمہور احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت ”لا تخرجوهن من بیوتھن“ ان عورتوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہیں طلاق رجعی دی گئی ہو اور اس آیت میں صاف طور پر مطلقہ رجعیہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نکالنے پر روک لگائی گئی ہے جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان عورتوں کو لے کر سفر کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ سفر میں بھی اخراج من البیوت یہی ہوتا ہے۔

ولأن تراخی الخ: یہاں سے ہماری عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق نکاح کے لیے خاتم اور مہطل ہے، اس لیے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نفس طلاق ہی سے میاں بیوی کا نکاح منقطع ہو جائے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں مگر چون کہ یہ طلاق رجعی کا مسئلہ ہے اور طلاق رجعی میں شریعت نے شوہر کی ضرورت کے پیش نظر اس کو عدت کے دوران رجعت کا حق دیا ہے اس لیے عدت ختم ہونے تک طلاق کے عمل یعنی ابطال نکاح کو مؤخر کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص عدت کے دوران رجعت نہیں کرتا تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسے رجعت کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور جب اسے رجعت کی ضرورت نہیں تھی تو طلاق دینے کے وقت ہی سے طلاق اپنا کام کرنے لگتا ہے اور اسی وقت سے عورت کو مطلقہ شمار کیا جانے لگتا ہے کیوں کہ اس عمل کو ایک حاجت کی وجہ سے اپنا کام کرنے سے روکا گیا تھا، مگر جب وہ حاجت نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اب ممانعت بھی نہیں رہے گی اور ایقاع طلاق کے وقت ہی عورت کو بائنے سمجھا جائے گا اسی لیے تو انقضائے عدت سے پہلے جتنے حیض گزرے ہیں وہ سب عدت میں شمار کیے جائیں گے، اور انہیں جوڑ کر اور ملا کر عدت کا حساب کیا جائے گا اور یہ عورت وقوع طلاق کے وقت ہی سے بائنے شمار ہوگی اور مطلقہ بائنے عورت کے ساتھ شوہر کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے، لہذا مطلقہ رجعیہ کے ساتھ بھی سفر کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔

ہاں اگر شوہر رجعت پر گواہ بنا لے تو پھر اس کی ملکیت بیوی پر پختہ ہو جائے گی اور اس سے ساتھ لیکر سفر کرنے کی اجازت ہوگی۔  
وقوله حتی الخ: فرماتے ہیں کہ متن میں جو حتی یشہد علی رجعتھا ہے اس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ رجعت کرنا مندوب اور مستحب ہے نہ کہ واجب چنانچہ شروع میں ثم الرجعة مستحبة سے اسی استحباب ہی کو بیان کیا گیا ہے۔

وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوُطْىَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ زَانِلَةٌ لَوْ جُودَ الْقَاطِعُ وَهُوَ الطَّلَاقُ، وَلَنَا أَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتَّى يَمْلِكَ مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهَا، لِأَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظَرًا لِلزَّوْجِ لِيُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ عِنْدَ اعْتِرَاضِ النَّدَمِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يُوجِبُ اسْتِبْدَادَهُ بِهِ، وَذَلِكَ يُؤْذِنُ بِكُونِهِ اسْتِدَامَةً لَا إِنْشَاءً، إِذِ الدَّلِيلُ بِنَافِيهِ، وَالْقَاطِعُ آخَرُ عَمَلِهِ إِلَى مَدَّةٍ إِجْمَاعًا أَوْ نَظَرًا لَهُ عَلَى مَا تَقَدَّمَ.

**ترجمہ:** اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وطی کو حرام کر دیتی ہے، اس لیے کہ قاطع نکاح کے پائے جانے کی وجہ سے زوجیت زائل ہوگئی۔ اور قاطع نکاح طلاق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت قائم ہے یہاں تک کہ بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی شوہر اس سے رجعت کرنے کا حق دار ہے، اس لیے کہ شوہر پر شفقت کے پیش نظر رجعت کا حق ثابت ہوا ہے تاکہ ندامت کے وقت شوہر کے لیے اس کا تذکرہ کرنا ممکن ہو۔ اور یہ مفہوم حق رجعت کے ساتھ شوہر کے مستقل ہونے کو واجب کرتا ہے اور وہ ملک نکاح کو ہمیشہ رکھنے کی اطلاع دیتا ہے نہ کہ اسے از سر نو پیدا کرنے کی، اس لیے کہ دلیل اس کے منافی ہے۔ اور قاطع (طلاق) نے بالاتفاق ایک مدت تک کے لیے اپنا عمل مؤخر کر دیا، یا شوہر پر شفقت کرتے ہوئے ایسا کیا جیسا کہ گذر چکا۔

### اللغات:

﴿لا یحرم﴾ حرام نہیں کرتی۔ ﴿قاطع﴾ کاٹنے والا۔ ﴿نظر﴾ شفقت، مہربانی۔ ﴿استبداد﴾ مستقل ہونا۔ ﴿اعتراض﴾ پیش آنا۔ ﴿ندم﴾ شرمساری۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رکھنا۔

### طلاق رجعی سے وطی کا حرام نہ ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں طلاق رجعی کے بعد بھی مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا درست اور حلال ہے اور یہ طلاق وطی کو حرام نہیں کرتی، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں طلاق رجعی وطی کو حرام کر دیتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سے زوجیت قائم رہتی ہے اور طلاق اس زوجیت کے لیے زہر ہے یعنی طلاق سے زوجیت ختم ہو جاتی ہے اور جب زوجیت ختم ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ وطی بھی حرام ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے، اسی لیے تو عدت کے دوران بیوی کی رضامندی کے بغیر بھی شوہر کے لیے اس سے مراجعت کا حق باقی رہتا ہے، کیوں کہ یہ حق شوہر پر شفقت کے پیش نظر ثابت ہوا ہے، تاکہ اگر کبھی شوہر کو اپنی حرکت پر شرمندگی اور ندامت ہو تو وہ رجعت کر کے اس شرمندگی کو دور کر سکے۔ اور یہ معنی اور مطلب اسی وقت ثابت ہوگا جب حق رجعت کے سلسلے میں شوہر مستقل رہے، کیوں کہ شوہر جب مستقل رہے گا تبھی اس کے حق میں کامل طور پر شفقت ہو سکے گی۔ اور حق رجعت کے حوالے سے شوہر کا استقلال اس بات کی علامت ہے کہ رجعت نکاح کو باقی رکھنے کا نام ہے نہ کہ ابتداء نکاح کرنے کا، لہذا جب رجعت بقائے نکاح کا نام ہے تو پھر جب تک یہ حق باقی رہے گا یعنی جب تک عدت کا زمانہ باقی رہے گا اس وقت تک وطی کرنا بھی حلال اور درست رہے گا۔

والقاطع آخره الخ: اس عبارت سے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق رجعی میں قاطع یعنی طلاق نے اپنے عمل کو انقضائے عدت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ لہذا جب قاطع (طلاق) کے عمل کو انقضائے عدت تک کے لیے مؤخر کر دیا گیا ہے تو پھر مذکورہ قاطع اور زوجیت میں کوئی منافات نہیں ہے اور جب قاطع یعنی طلاق رجعی اور زوجیت میں کوئی منافات نہیں ہے تو پھر اس قاطع کے پائے جانے کے باوجود بھی وطی کرنا درست اور حلال ہوگا۔ اؤ نظر الہ فرماتے ہیں کہ قاطع کے عمل کو یا تو اجماع امت سے مؤخر کیا گیا ہے یا پھر شوہر پر شفقت کے پیش نظر اس کے عمل کو مؤخر کیا گیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



## فَصْلٌ فِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطْلَقَةُ

فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن سے مطلقہ حلال ہوتی ہے

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ جب ان چیزوں کے بیان سے فارغ ہو گئے جن کے ذریعے طلاق رجعی کا تدارک کیا جاتا ہے، تو اب یہاں سے ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جن کے ذریعے طلاق رجعی کے علاوہ دیگر طلاقوں کا تدارک کیا جاتا ہے۔

وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ انْقِصَائِهَا، لِأَنَّ حَلَ الْمَحَلَّةِ بَاقٍ، لِأَنَّ زَوَالَهُ مُعَاقٍ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ، وَنَعْيُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ، وَلَا اشْتِبَاهَ فِي إِطْلَاقِهِ.

**ترجمہ:** اور جب طلاق بائن ہو اور تین سے کم ہو تو شوہر کو یہ اختیار ہے کہ عدت میں اور عدت گزرنے کے بعد عورت سے نکاح کر لے، اس لیے کہ محلیت کا حلال ہونا باقی ہے، کیوں کہ محل کا زوال تیسری طلاق سے متعلق ہے، لہذا تیسری طلاق سے پہلے محل کا زوال معدوم ہوگا۔ اور عدت کے دوران دوسرے سے نکاح کی ممانعت نسب مشتبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور شوہر سے نکاح کو جائز قرار دینے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہونا، گزر جانا۔

### طلاق بائن کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن دیدی تو اسے اختیار ہے چاہے تو وہ عدت کے دوران اس سے نکاح کرے اور چاہے تو عدت کے بعد کرے، کیوں کہ ابھی بیوی کو صرف دو ہی طلاقیں دی گئی ہیں اور وہ مغلطہ بائنہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ بیوی تیسری طلاق سے مغلطہ ہوگی لہذا جب تک تیسری طلاق نہیں دی جائے گی اس وقت تک محلیت باقی رہے گی اور شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا درست اور جائز ہوگا۔

ومنع الغير الخ: سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے عدت کے دوران جو نکاح کی اجازت دی ہے وہ درست نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے ”ولا تعزوا عقدہ النکاح حتی يبلغ الكتاب أجله“ کے فرمان

سے عدت کے دوران نکاح کو ممنوع قرار دیا ہے، اس لیے عدت کے دوران نکاح کو جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔  
اس کا جواب یہ ہے کہ عدت کے دوران نکاح کی جو ممانعت ہے وہ شوہر کے علاوہ دوسرے شخص سے ہے، کیوں کہ دوسرے سے نکاح کرنے میں اشتباہ نسب اور اختلاط نسب کا اندیشہ ہے جب کہ شوہر سے نکاح کرنے میں اشتباہ نسب کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس لیے عدت کے دوران شوہر کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا تو ممنوع ہوگا لیکن شوہر کے ساتھ نکاح کرنا ممنوع نہیں ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوْ ثِنْتَيْنِ فِي الْأَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا، وَ يَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا أَوْ يَمُوتَ عَنْهَا، وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾، وَالْمُرَادُ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَةُ، وَالثَّنَتَانِ فِي حَقِّ الْأَمَةِ كَالثَّلَاثِ فِي حَقِّ الْحُرَّةِ، لِأَنَّ الرِّقَّ مُنْصِفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِّيَةِ عَلَى مَا عُرِفَ ثُمَّ الْغَايَةُ نِكَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا، وَالزَّوْجِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ إِنَّمَا تَنْبُتُ بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ، وَ شَرُطُ الدُّخُولِ ثَبَتُ بِإِشَارَةِ النَّصِّ وَهُوَ أَنْ يُحْمَلَ النِّكَاحُ عَلَى الْوُطْئِ حَمْلًا لِلْكَلَامِ عَلَى الْإِفَادَةِ، دُونَ الْإِعَادَةِ، إِذِ الْعَقْدُ أُسْتَفِيدَ بِاطِّلَاقِ اسْمِ الزَّوْجِ، أَوْ يَزَادُ عَلَى النَّصِّ بِالْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ ① (لَا تَحِلُّ لِلأَوَّلِ حَتَّى تَذُوقَ عُسَيْلَةَ الْآخِرِ))، رُوي بِرَوَايَاتٍ، وَ لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِيهِ سِوَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ قَوْلُهُ، غَيْرُ مُعْتَبَرٍ لَوْ قُضِيَ بِهِ الْقَاضِي لَا يَنْفَعُ، وَالشَّرْطُ الْإِبْلَاجُ، دُونَ الْإِنْزَالِ لِأَنَّهُ كَمَالٌ وَ مِبَالَغَةٌ فِيهِ، وَالْكَمَالُ قَيْدٌ زَائِدٌ.

**ترجمہ:** اور اگر آزاد عورت کے حق میں تین طلاق ہو یا باندی کے حق میں دو طلاق ہو تو بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح صحیح کر لے اور وہ اس کے ساتھ دخول کر لے پھر وہ اسے طلاق دیدے یا اسے چھوڑ کر مرجائے اور اس سلسلے میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”کہ اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور (فان طلقها سے) تیسری طلاق مراد ہے۔ اور باندی کے حق میں دو طلاق آزاد عورت کے حق میں تین طلاق کی طرح ہے، کیوں کہ رقیقیت محلیت کی حلت کو نصف کر دیتی ہے جیسا کہ کتب اصول میں معلوم ہو چکا ہے پھر (حتی الخ کی) غایت دوسرے شوہر سے مطلقاً نکاح کرنا ہے اور مطلق زوجیت صرف نکاح صحیح سے ثابت ہوگی۔ اور دخول کی شرط اشارۃ النص سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ نکاح کو وطی پر محمول کیا جائے کلام کو افادہ پر محمول کرتے ہوئے نہ کہ اعادے پر، کیوں کہ عقد لفظ زوج کے تلفظ سے مستفاد ہے۔ یا حدیث مشہور کے ذریعے نص پر زیادتی کی جائے گی اور وہ نص آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے جب تک بیوی دوسرے شوہر کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت تک وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ یہ حدیث متعدد روایات سے مروی ہے اور حضرت سعید بن مسیب کے علاوہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور سعید بن مسیب کا قول غیر معتبر ہے یہاں تک کہ قاضی اگر اس کا فیصلہ کرے گا تو نافذ نہیں ہوگا۔ اور ادخال شرط ہے نہ کہ انزال، اس لیے کہ انزال ادخال

میں مبالغہ اور کمال ہے۔ اور کمال قید زائد ہے۔

## اللغات:

﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿منصف﴾ آدھا کرنا۔ ﴿غایت﴾ انتہاء۔ ﴿یحمل﴾ محمول کیا جائے۔ ﴿تذوق﴾ چکھ لے۔  
﴿عسلیۃ﴾ شہد، ذائقہ۔ ﴿ایلاج﴾ داخل کرنا۔

## تخریج:

- ① أخرجه الأئمة الستة في كتبهم و ابوداؤد في كتاب الطلاق باب المبتوتة لا يرجع اليها زوجها، حديث: ۳۳۰۹.  
و البخاری فی کتاب الطلاق باب من جَوَّز الطلاق الثلاث، حديث رقم: ۵۲۶۱.  
و مسلم فی کتاب النکاح باب لا تحل المطلقة ثلاثا، حديث: ۱۱۵.

## تین طلاق کی حرمت کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دے دیا یا اپنی منکوحہ باندی کو دو طلاق دے دیا تو جب تک یہ عورتیں دوسرے آدمی سے نکاح نہ کر لیں اور نکاح کے بعد دخول کر کے وہ انھیں چھوڑ نہ دے اس وقت تک پہلے شوہر کے لیے یہ حلال نہیں ہوتیں، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ ”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“ اس آیت سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ اکثر مفسرین کے یہاں فان طلقها سے طلاق ثالث مراد ہے اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو طلاق کے بعد شوہر نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دیدی تو وہ بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی اور جب تک وہ دوسرے آدمی سے نکاح نہیں کر لیتی اور وہ اسے طلاق نہیں دے دیتا اس تک وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

واثنان الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ عدم حلت والا مسئلہ آزاد عورت کے حق میں تین طلاق پر موقوف ہے اور باندی کے حق میں دو طلاق پر موقوف ہے، چنانچہ اگر کوئی باندی کسی شخص کے نکاح میں ہو اور اسے دو طلاق دیدے تو صرف دو طلاق ہی سے وہ باندی بائنہ ہو جائے گی، کیوں کہ باندی کے ساتھ رقیۃ کا لیبل لگا ہوا ہے اور رقیۃ محلیت نکاح کی حلت کو نصف کر دیتی ہے، لہذا ضابطہ کے تحت تو ڈیڑھ طلاق ہی سے باندی کو مغلطہ بائنہ ہو جانا چاہیے تھا، مگر چون کہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، اس لیے ڈیڑھ کے بجائے اسے دو کر دیا گیا ہے اور دو کے عدد کو باندی کے حق میں طلاق کا فرد کامل قرار دیا گیا ہے۔

ثم الغایۃ الخ: یہاں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ طلاق مغلطہ کے بعد زوج اول کے واسطے دوبارہ حلال ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حتی تنکح زوجا غیرہ کے فرمان سے جو نکاح کا حکم دیا ہے وہ مطلق ہے اور مطلق کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ المطلق إذا أطلق يراد به الفرد الكامل یعنی جب مطلق کو مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے فرد کامل ہوتا ہے اور نکاح کا فرد کامل نکاح صحیح ہے اس لیے حلت کے لیے نکاح صحیح کرنا ضروری ہوگا۔ اور نکاح فاسد سے کام نہیں چلے گا۔

و شرط الدخول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حلت کے لیے صرف نکاح ضروری نہیں، بلکہ نکاح کے علاوہ زوج ثانی کا

ادخال کرنا بھی شرط اور ضروری ہے اور یہ شرط اگرچہ دلالتہ النص سے ثابت نہیں ہے مگر اشارۃ النص سے اس کا ثبوت ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آیت مذکورہ میں حتی تنکح کو وٹلی کے معنی پر محمول کیا جائے اور اس سے وٹلی مراد لی جائے تاکہ آیت کو افادہ اور فائدہ پر محمول کیا جائے کیوں کہ زوجہ غیرہ سے تو خود ہی نکاح اور عقد کا معاملہ سمجھ میں آ رہا ہے، اس لیے اگر حتی تنکح کو بھی نکاح پر محمول کیا جائے تو پھر نکاح ہی کا اعادہ لازم آئے گا اور اعادے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ اسے افادے پر محمول کر کے تنکح کو وٹلی پر محمول کیا جائے گا۔

ابوزاد علی النص الخ فرماتے ہیں کہ حلت کے لیے ادخال کی شرط یا تو اشارۃ النص سے ثابت ہوگی یا پھر نص پر حدیث مشہور سے زیادتی کی جائے گی اور حدیث مشہور پر کتاب اللہ سے زیادتی کرنا جائز ہے، اور وہ حدیث یہ ہے لاحتل للأول حتی تذوق عسیلة الآخر کہ جب تک وہ عورت دوسرے شوہر کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طرق اور یہ مضمون متعدد روایات سے مروی ہے اور ان تمام روایات میں دخول کو شرط قرار دیا گیا ہے اور اس شرط میں سعید بن مسیبؒ کے علاوہ کسی کا اختلاف نہیں ہے اور چوں کہ دخول کی شرط متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے ان تمام روایات کے خلاف سعید بن مسیبؒ کا اختلاف موثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قاضی سعید بن مسیبؒ کے قول یعنی عدم شرط دخول پر فیصلہ کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور اس قاضی پر لعن طعن کیا جائے گا۔

والشرط الإیلاج الخ : فرماتے ہیں کہ نکاح کے علاوہ جو ادخال کی شرط ہے وہ ادخال ہی تک محدود ہے اور صرف ادخال ہی شرط ہے، انزال شرط نہیں ہے چنانچہ اگر زوج ثانی صرف ادخال کے بعد بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تب بھی وہ بیوی زوج اول کے لیے (عدت گزرنے کے بعد) حلال ہو جائے گی اگرچہ انزال نہ ہوا ہو، کیوں کہ انزال ادخال کا کمال اور اس کا نتیجہ ہے اس لیے یہ شرط نہیں ہوگا۔

وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيلِ كَالْبَالِغِ لَوْ جُودَ الدُّخُولُ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ وَهُوَ شَرَطُ بِلَاصِ وَمَالِكٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُخَالِفَانِ فِيهِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّاهُ، وَفَسَّرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَقَالَ غُلَامٌ لَمْ يَبْلُغْ وَمِثْلُهُ يُجَامِعُ جَامِعَ امْرَأَةٍ وَجَبَ عَلَيْهَا الْغُسْلُ وَأَحْلَاهَا عَلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ، وَمَعْنَى هَذَا الْكَلَامِ أَنْ يَتَحَرَّكَ التُّهُ وَيَسْتَهِي، وَإِنَّمَا وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا وَلِلتَّقَاءِ الْخَتَانَيْنِ وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُولِ مَائِنِهَا وَالْحَاجَةُ إِلَى الْإِنْجَابِ فِي حَقِّهَا، أَمَّا لَا غُسْلَ عَلَى الصَّبِيِّ وَإِنْ كَانَ يَوْمَرُ بِهِ تَخَلَّقًا.

**ترجمہ:** اور قریب البلوغ بچہ حلالہ کرنے میں بالغ شخص کی طرح ہے۔ اس لیے کہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا اور دخول از روئے نص شرط ہے۔ اور امام مالکؒ اس سلسلے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں مراہق کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لڑکا جو بالغ نہ ہوا ہو لیکن اس طرح کا لڑکا جماع کر سکتا ہو اور اس

نے کسی عورت سے جماع کیا ہو تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اس عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے گا۔ اور اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اس کا آلہ متحرک ہوتا ہو اور شہوت کرتا ہو اور بیوی پر اتقائے ختائین کی وجہ سے غسل واجب ہوگا اور اتقاء ختائین ہی عورت کی منی گرنے کا سبب ہے اور غسل واجب کرنے کی ضرورت عورت کے حق میں ہے بچے پر غسل واجب نہیں ہے، لیکن غسل کی عادت ڈالنے کے لیے اسے بھی غسل کا حکم دیا جائے گا۔

## اللفاظ:

﴿مراہق﴾ قریب البلوغ لڑکا۔ ﴿یتحرك﴾ حرکت کرتا ہو۔ ﴿یشتهي﴾ شہوت آتی ہو۔ ﴿التقاء﴾ ملنا۔ ﴿ختان﴾ شرم گاہ۔ ﴿تخلق﴾ عادت ڈالنے کے لیے۔

## حلالہ میں زوج مراہق کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر اسے اپنے نکاح سے علیحدہ کر دیا اور حلالہ کے بغیر ان دونوں میں دوبارہ رشتہ زوجیت کی بحالی کے لیے کوئی راہ نہیں رہ گئی اور اس عورت نے کسی مراہق بچے سے نکاح صحیح کر کے دخول کر لیا تو ہمارے یہاں اس دخول سے حلالہ ثابت ہو جائے گا اور اس مراہق بچے کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد عدت گزار کر وہ عورت دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے یہ بات آپہنچی ہے کہ حلالہ کے لیے نکاح صحیح میں دخول شرط ہے اور وہ شرط یہاں موجود ہے، اس لیے مراہق کا کیا ہوا حلالہ ہمارے یہاں درست اور جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف امام مالک رحمہ اللہ مراہق کے حلالہ کو معتبر نہیں مانتے، کیوں کہ ان کے یہاں حلالہ کے لیے انزال شرط ہے اور مراہق سے انزال ممکن نہیں ہے لہذا اس کا حلالہ بھی معتبر نہیں ہوگا۔ لیکن ان کے خلاف وہ دلیل حجت ہے جو اس سے پہلے بیان کی گئی ہے کہ انزال یہ ادخال کا نتیجہ ہے اور قید زائد ہے اور حلالہ کے لیے نتیجہ شرط نہیں ہے۔ صرف فعل سے کام چل جائے گا۔

وفسره الخ: فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے مراہق کی تفسیر یوں کی ہے کہ مراہق وہ لڑکا ہے جو بالغ نہ ہو لیکن اس جیسے لڑکے سے جماع کا امکان ہو اور وہ جماع کر سکتا ہو اب اگر اس لڑکے نے کسی عورت سے جماع کر لیا تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اگر وہ مطلقہ ہوگی تو اسی جماع سے پہلے شوہر کے لیے حلال بھی ہو جائے گی۔

ومعنى هذا الكلام الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ مراہق اس پوزیشن میں ہو کہ عورت اور اس کے متعلق یکس کی باتیں کرنے سے اس کا عضو تاسل حرکت کرتا ہو، اس میں انتشار پیدا ہوتا ہو اور وہ عورتوں سے رغبت اور ان سے ملنے کی خواہش رکھتا ہو۔ رہا مسئلہ وجوب غسل کا تو وہ صرف عورت پر واجب ہوگا اس لیے کہ اتقائے ختائین ہی سے عورت کی منی اترتی ہے اور یہی چیز اس پر وجوب غسل کا ذریعہ اور سبب ہے اور بچے پر غسل واجب نہیں ہوگا کیوں کہ اسے انزال ہی نہیں ہوگا، تاہم اس بچے کو غسل کا حکم دیا جائے گا تاکہ ابھی سے اسے اس بات کا علم ہو جائے اور غسل کرنے کی عادت پڑ جائے۔

قَالَ وَطَى الْمَوْلَى أُمَّتَهُ لَا يَحِلُّهَا لِأَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ، وَإِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَلَا نِكَاحٌ مَكْرُوهٌ لِقَوْلِهِ ۝ (لَعَنَ اللَّهُ الْمُحْلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ) وَهَذَا هُوَ مُحْمَلُهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطِئِهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ

لَوْ جُودَ الذُّخُولُ فِي نِكَاحٍ صَحِيحٍ إِذَا نِكَاحٌ لَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ، وَ عَنْ أَبِي يُونُسَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يَفْسُدُ النِّكَاحُ، لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمُؤَقَّتِ فِيهِ وَلَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ لِفَسَادِهِ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَا بَيَّنَّا وَ لَا يُحِلُّهَا عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ اسْتَعْجَلَ مَا أَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازِي بِمَنْعِ مَقْصُودِهِ كَمَا فِي قِتْلِ الْمُورِثِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے نکاح کرنا اسے حلال نہیں کرے گا، اس لیے کہ غایت نکاح زوج ہے۔ اور اگر تحلیل کی شرط سے نکاح کیا تو نکاح مکروہ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر لعنت بھیجی ہے اور یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ پھر اگر وطی کرنے کے بعد اسے طلاق دیا تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی اس لیے کہ نکاح صحیح میں دخول موجود ہے، کیوں کہ نکاح شرط سے باطل نہیں ہوتا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ نکاح موقت کے معنی میں ہے اور وہ پہلے شوہر کے لیے بیوی کو حلال نہیں کرے گا، اس لیے کہ وہ فاسد ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ نکاح صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن (پھر بھی) پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ جس چیز کو شریعت نے مؤخر کر دیا تھا اس نے اسے جلدی حاصل کر لیا، لہذا اس کے مقصود کو روک کر اسے بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ مورث کے قتل میں ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿لا یحل﴾ نہیں حلال کرے گی۔ ﴿غایۃ﴾ انتہاء۔ ﴿تحلیل﴾ (پہلے شوہر کے لیے) حلال کرنا۔ ﴿موقت﴾ متعین وقت والا۔ ﴿استعجل﴾ جلدی طلب کر لیا۔

## تخریج:

- ۱ اخرجہ الترمذی فی کتاب النکاح باب ما جاء فی المحل والمحلل لہ، حدیث: ۱۱۲۰۔  
والنساء فی کتاب الطلاق باب احلال المطلقۃ ثلاثا، حدیث: ۳۴۴۵۔

## حلالہ کے چند احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی شخص سے نکاح میں تھی اور اس نے دو طلاق دیکر اسے آزاد کر دیا اور اپنے نکاح سے کلی طور پر خارج کر دیا پھر اس کے مولیٰ نے اس سے وطی کر لی تو اس وطی سے حلالہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس وطی سے وہ باندی پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم نے حتی تنکح زوجا غیرہ میں ہلت کی غایت زوج کو قرار دیا ہے اور مولیٰ زوج نہیں ہے، اس لیے اس کی وطی سے ہلت ثابت نہیں ہوگی۔

و إذا تزوجها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مطلقہ مغفلہ عورت سے حلالہ کرنے کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو اس نکاح سے حلالہ ثابت تو ہو جائے گا مگر اس طرح شرط کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی گئی ہے اور یہ لعنت ایسی صورت میں ہے جب حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کیا گیا ہو، اسی لیے حکم یہ ہے کہ



نکاح کرنے والا شخص حلالہ کے متعلق اپنے دل میں سوچ کر رکھے اور بوقت نکاح اس کا اظہار نہ کرے تاکہ وہ لعنت اور پھٹکار سے بچ جائے۔

بہر حال اگر کسی شخص نے بشرط حلالہ نکاح کرنے کے بعد اس عورت سے وطی کر کے اسے طلاق دے دیا تو یہ وطی محلل ہوگی اور وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی، کیوں کہ حلت کے لیے نکاح صحیح میں وطی کرنا شرط ہے اور وہ یہاں موجود ہے اور رہی حلالہ کی شرط تو اس سے صحت نکاح پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اس لیے کہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

وعن أبي يوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ بشرط تحلیل نکاح فاسد ہے، کیوں کہ یہ نکاح موقت کے معنی میں ہے اور نکاح موقت فاسد ہے لہذا یہ بھی فاسد ہوگا اور جب نکاح فاسد ہوگا تو بیوی اس وطی سے پہلے شوہر کے لیے حلال بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ تحلیل کیلئے صحیح شرط ہے وہو لم یوجد۔

وعن محمد رحمۃ اللہ علیہ: اس سلسلے میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ بشرط تحلیل نکاح تو صحیح ہے کیوں کہ نکاح شروط فاسدہ ہے باطل نہیں ہوتا، لیکن اس نکاح سے حلت اور حلالہ کا ثبوت نہیں ہوگا، اس لیے کہ شریعت نے نکاح کو دائمی اور ابدی بنا کر حلال کیا ہے اور زوج ثانی کی موت پر حلالہ کو موقوف اور اس وقت تک مؤخر کیا ہے مگر یہ شخص بشرط تحلیل نکاح کر کے اس حلالہ کو مقدم کر رہا ہے۔ اور اپنے عمل سے شریعت کو چیلنج کر رہا ہے اس لیے اس کا یہ عمل اور اس کا یہ مقصد رد کر دیا جائے اور اسے تحلیل سے محروم کر دیا جائے گا جیسے اگر کوئی شخص جلدی میراث حاصل کرنے کے لیے اپنے مورث کو قتل کر دے تو اسے بھی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ اگرچہ وارث میراث کا مستحق ہے مگر یہ استحقاق مورث کی فطری موت کے بعد ہے، لیکن قتل کر کے اس نے اسے جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے اس کی یہ کوشش رایگاں اور بیکار ہو جائے گی۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذکورہ شخص کا نکاح تو صحیح ہوگا لیکن وہ شرآ اور نہیں ہوگا اور اس سے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

وَإِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ آخَرَ ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الزَّوْجِ الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ، وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُونَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ وَ أَبِي يُوسُفَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رحمۃ اللہ علیہ لَا يَهْدِمُ مَا دُونَ الثَّلَاثِ، لِأَنَّهُ غَايَةُ لِلْحُرْمَةِ بِالنِّصِّ فَيَكُونُ مِنْهَا، وَلَا إِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوتِ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "لَعَنَ اللَّهُ الْمُحْلِلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ" سَمَاءٌ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ.

**ترجمہ:** اور جب شوہر نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاق دی اور اس کی عدت پوری ہوگئی اور اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا پھر پہلے شوہر کی طرف لوٹ آئی تو (اب) تین طلاق کے ساتھ لوٹے گی اور دوسرا شوہر ما دون الثلاث کو اسی طرح منہدم کر دے گا جس طرح کہ وہ ثلاث کو منہدم کر دیتا ہے۔ اور یہ حکم حضرات شیخین کے یہاں ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زوج ثانی ما دون الثلاث منہدم نہیں کرے گا، اس لیے کہ زوج ثانی ازروئے نص حرمت کی غایت ہے، لہذا وہ حرمت کو ختم کرنے والا ہوگا۔ اور ثبوت حرمت

سے پہلے اس کا اختتام نہیں ہو سکتا۔ حضرات شیخین رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے لعن اللہ الخ (اس حدیث میں) آپ ﷺ نے زوج ثانی کو محلل کہا ہے اور محلل وہی ہے جو حلت کو ثابت کر دے۔

### اللَّعَاتُ:

﴿انقضت﴾ پوری ہو گئی۔ ﴿یہدم﴾ منہدم کر دیتا ہے۔ ﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿غایۃ﴾ انتہاء۔

### مسئلہ عدم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاقوں سے کم مثلاً ایک دو طلاق دیں اور عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی، لیکن پھر وہ وہاں سے مطلقہ ہو گئی اور عدت گزارنے کے بعد دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آ گئی، تو حضرات شیخین کے یہاں اب وہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی یعنی اس کا یہ شوہر پھر سے تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور جب تک تین طلاق نہیں دے گا اس وقت تک اسے اپنے نکاح میں رکھ سکے گا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب زوج اول پہلے نکاح کے باقی طلاق کا مالک ہوگا یعنی اگر پہلے اس نے دو طلاق دی تھیں تو اب ایک طلاق کا مالک ہوگا اور اگر پہلے اس نے ایک دی تھی تو اب دو طلاق کا مالک ہوگا۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ زوج ثانی مطلقہ عورت سے نکاح کر کے ثلاث تطلیقات کو تو منہدم کر دیتا ہے، لیکن مادون الثلاث کو منہدم نہیں کرتا، کیوں کہ نص قرآنی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ میں فلا تحل له کے ذریعے زوج ثانی کو حرمت غلیظہ کی غایت بتلایا گیا ہے اور غایت کے ساتھ ساتھ مغیا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا زوج ثانی حرمت غلیظہ یعنی ثلاث تطلیقات کو معدوم اور ختم کرنے والا ہوگا لیکن صورت مسئلہ میں چون کہ تین سے کم طلاق دی گئی ہے، اس لیے حرمت غلیظہ ثابت ہی نہیں ہے اور جب حرمت غلیظہ نہیں ثابت ہے تو اس کا اختتام کیسے ہوگا اس لیے تین طلاق سے کم والی صورت میں دوبارہ مطلقہ سے نکاح کرنے پر زوج اول صرف باقی طلاق کا مالک ہوگا۔

ولہما قولہ الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے لعن اللہ المحلل الخ صاحب رحمہ اللہ عنایہ نے اس حدیث سے شیخین کے استدلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث پاک میں زوج ثانی کو محلل یعنی حلال کرنے والا قرار دیا ہے اور زوج ثانی کے ذریعے جو حلت ثابت ہوگی اس میں دو احتمال ہیں (۱) اسے حل سابق مانیں (۲) حل جدید مانیں، حل سابق اسے نہیں مان سکتے، کیوں کہ اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آئے گا، اس لیے کے مادون الثلاث میں تو حل سابق ہے ہی، لہذا اس سے حل جدید مانیں گے اور حل جدید اس حل کے علاوہ ہوگی جو پہلے تھی اور حل سابق چون کہ ناقص ہے، لہذا حل جدید کامل ثابت ہوگی اور کامل حل جدید تین طلاقوں کے ساتھ ثابت ہوگی، اس لیے حضرات شیخین رحمہ اللہ کے یہاں زوج اول تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔ (عنایہ) (بنایہ ۲۶۳/۵)

وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْتُ وَدَخَلَ بِيَ الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي، وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذَلِكَ جَازًا لِلزَّوْجِ أَنْ يُصَدِّقَهَا إِذَا كَانَ فِي غَالِبِ ظَنِّهِ أَنَّهَا صَادِقَةٌ، لِأَنَّهُ مُعَامِلَةٌ أَوْ أَمْرٌ دِينِي لَتَعْلُقِ

يُحْلِلُ بِهِ وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهِمَا مَقْبُولٌ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ إِذَا كَانَتِ الْمُدَّةُ تَحْتِمِلُهُ، وَاخْتَلَفُوا فِي أَذْنَى هَذِهِ الْمُدَّةِ وَتَسْبِيحُهَا فِي بَابِ الْعِدَّةِ.

**ترجمہ:** اور جب شوہر آزاد عورت کو تین طلاق دے پھر اس نے کہا کہ میری عدت پوری ہوگئی تھی میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تھا، اس نے میرے ساتھ دخول کر کے مجھے طلاق دے دیا اور میری (دوسری) عدت بھی پوری ہو چکی ہے اور مدت اس کا احتمال رکھتی ہو تو اگر شوہر کے غالب گمان میں وہ سچی ہو تو اس کے لیے اس عورت کی تصدیق کرنا جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک معاملہ ہے یا ایک امر دینی ہے کیوں کہ اس سے حلت متعلق ہے اور معاملہ اور دینی مسئلے میں ایک شخص کا قول مقبول ہوتا ہے۔ اور جب مدت اس کا احتمال رکھتی ہے تو اس عورت کی خبر قابل انکار بھی نہیں ہے۔ اور اس کی ادنیٰ مدت میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے جسے ہم باب العدت میں بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ)

### اللغات:

﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔ ﴿بصدق﴾ تصدیق کرے۔ ﴿ظن﴾ گمان۔ ﴿مستنکر﴾ انکار کیے جانے کا تقاضا کرنے والا۔

### مطلقہ ثلاث اپنے دوبارہ پاک ہونے کی اطلاع دے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد عورت کو تین طلاق دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد اس عورت نے کہا ہے کہ پہلے شوہر کی طلاق سے میری عدت پوری ہو چکی تھی اس لیے میں نے دوسرے آدمی سے نکاح کیا اور اس نے میرے ساتھ دخول بھی کیا مگر پھر مجھے طلاق دے دیا۔ اور اب میری دوسری عدت بھی پوری ہو چکی ہے اس لیے اگر آپ کو (زوج اول) مجھے میں کچھ دل چسپی ہے تو چلے دوبارہ نکاح کر لیتے ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو بیوی کے سچا ہونے کا یقین ہو یا اس کے ظن غالب میں ہو تو بول رہی ہو اور دونوں یعنی طلاق اور عدت اور اس کے اس دعوے کے درمیان اتنی مدت ہو جس میں یہ ساری چیزیں ممکن ہوں تو شوہر کو اس عورت کی تصدیق کرنے اور پھر اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شرعاً نکاح کی دو حیثیتیں ہیں (۱) نکاح ایک معاملہ ہے، کیوں کہ دخول کے وقت عورت کا بضع مال مقوم بن جاتا ہے (۲) یا پھر یہ کہ نکاح ایک دینی مسئلہ اور عقد ہے اس لیے کہ نکاح کے ذریعے میاں بیوی کا ایک دوسرے کے لیے حلال ہونا متعلق ہے اور معاملہ اور امر دینی دونوں میں سے ہر ایک میں شخص واحد کی خبر اور اس کا قول معتبر اور مقبول ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں اس عورت کا قول مقبول ہوگا اور زوج اول کے لیے دوبارہ اس سے نکاح کرنا درست اور حلال ہوگا۔ اور خاص کر جب اس عورت کے طلاق اور دعوے میں اتنی لمبی مدت ہے جس میں یہ ساری چیزیں ممکن ہیں تو پھر بلا وجہ اس کی خبر کو رد نہیں کیا جائے گا اور اگر شوہر کا دل مطمئن ہو تو اسے چاہیے کہ دوبارہ اس سے نکاح کر کے اس کے ارمانوں کو پورا کر دے۔

واختلفوا النخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کی بات ماننے کے لیے اس کی طلاق اور اس بات کے درمیان کم از کم کتنی مدت کا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کی مختلف آراء ہیں اور باب العدت میں انشاء اللہ ہم انہیں بیان کریں

گے، لیکن شاید صاحب ہدایہ رحمہ اللہ اپنا یہ وعدہ بھول گئے اور باب العدة میں اسے بیان نہ کر سکے، تاہم ہدایہ کے عربی شارحین مثلاً صاحب عنایہ، صاحب بنایہ اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ وغیرہم نے اس کا خلاصہ یوں کیا ہے کہ:

(۱) حضرات صاحبین کے یہاں اس مدت کی ادنی مقدار ۳۹ رات تیس ایام ہیں۔

(۲) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں ۳۲ ایام ہیں۔

(۳) حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں ۴۰ رچالیس ایام ہیں۔

(۴) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے یہاں ۲۹ ایام ہیں۔

(۵) اور تاج الفقہاء حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں پورے دو ماہ یعنی ساٹھ ایام ہیں۔ (عنایہ، بنایہ: ۲۶۶/۵)۔



## بَابُ الْإِيْلَاءِ

یہ باب احکام ایلاء کے بیان میں ہے

علامہ اتزاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صاحب ہدایہ کو چاہیے تھا کہ قیاساً پہلے خلع کو ذکر کرتے اس کے بعد ایلاء کو کیوں کہ خلع بھی ایک قسم کی طلاق ہے، لیکن چون کہ خلع بیوی کی جانب سے ہوتا ہے اور مال کے عوض ہوتا ہے اس لیے اسے ایلاء کے بعد ذکر کیا گیا اور اس کے طلاق ہونے کا اعتبار کر کے اسے ایلاء پر مقدم نہیں کیا گیا۔ (بنایہ: ۲۶۸/۵)

واضح رہے کہ ایلاء باب افعال کا مصدر ہے الی یؤلی ایلاء کے لغوی معنی ہیں قسم کھانا۔

ایلاء کے شرعی معنی ہیں: منع النفس عن قربان المنکوحۃ أربعة أشهر فصاعداً منعاً مؤکداً باليمين یعنی چارہ ماہ یا اس سے زیادہ دنوں تک بیوی کے پاس نہ جانے کی تاکید کی قسم کھانے کا نام اصطلاح شریعت میں ”ایلاء“ ہے۔

صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ ایلاء کے لیے چار چیزیں ہونی چاہئیں (۱) قسم اور یمین کا انعقاد اپنی منکوحہ پر ہو (۲) شوہر طلاق دینے کا اہل ہو (۳) ایلاء کا حکم یہ ہے حانث ہونے کی صورت میں شوہر پر کفارہ واجب ہوتا ہے (۴) اس کی ایک مدت متعین ہے یعنی چار ماہ یا اس سے زائد چنانچہ اگر شوہر نے اپنی قسم پوری کر دی اور اس مدت میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی بیوی مطلقہ باندہ ہو جائے گی۔

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِمَرْأَتِهِ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ أَوْ قَالَ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُؤَلِّقٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تَزْنِ يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ فَإِنَّكَ أَقْرَبُكَ﴾ (سورة البقرة: ۲۲۶) (الآیۃ)۔

**ترجمہ:** جب شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا یوں کہا کہ بخدا میں چار ماہ تک تجھ سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ”جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لیے چار ماہ تک انتظار کرنا ہے۔“

**اللَّغَاتُ:**

﴿لا اقرب﴾ میں قریب نہیں آؤں گا۔ ﴿مؤلی﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿تربص﴾ انتظار کرنا۔

## ایلاء کی تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایام کی وضاحت کے بغیر مطلقاً بیوی سے واللہ لا افریک کہا تو اس صورت میں بالاجماع وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا۔ لیکن اگر اس نے واللہ لا افریک اربعۃ اشہر کہا اور ایام یعنی اربعۃ اشہر کی وضاحت کر دی تو اس صورت میں صرف ہمارے یہاں وہ ایلاء کرنے والا ہوگا لیکن شوافع اور مالکیہ کے یہاں وہ مولیٰ نہیں ہوگا، کیوں کہ ان حضرات کے یہاں چار ماہ مکمل ہونے کے بعد قسم پوری ہوگی اور چار ماہ کے اندر اندر اسے رجعت کا حق ہوگا لہذا وہ جب تک چار ماہ سے زائد کی قسم نہیں کھائے گا اس وقت تک ایلاء کرنے والا نہیں شمار ہوگا اگرچہ وہ زائد مقدار ایک ہی دن کی کیوں نہ ہو۔ لیکن للذین یؤلون من نسانہم تربصہ اربعۃ اشہر کا ظاہر ان حضرات کے خلاف حجت اور دلیل ہے، کیوں کہ اس نص میں تربص اور انتظار کو فقط اربعۃ اشہر پر موقوف کیا گیا ہے اور اس پر ایک لمحے کی بھی زیادتی نہیں کی گئی ہے، اس لیے دوسروں کو بھی زیادہ کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو نص قرآنی کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔

فَإِنْ وَطِئَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنْثٌ فِي يَمِينِهِ وَلَزِمَتْهُ الْكُفَّارَةُ، لِأَنَّ الْكُفَّارَةَ مُوجِبُ الْحَنْثِ، وَ سَقَطَ الْإِيلَاءُ، لِأَنَّ الْيَمِينَ تَرْتَفَعُ بِالْحَنْثِ، وَإِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتَّى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيقِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَبَيَّنَ بِتَفْرِيقِ الْقَاضِي، لِأَنَّهُ مَانَعُ حَقِّهَا فِي الْجَمَاعِ فَيَنْبُؤُ الْقَاضِي مَنَابَهُ فِي التَّسْرِيجِ، كَمَا فِي الْجُبِّ وَالْعِنَةِ، وَلَنَا أَنَّهُ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ عِنْدَ مُضِيِّ هَذِهِ الْمُدَّةِ، وَهُوَ الْمَأْثُورُ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَالْعَبَادِلَةُ الثَّلَاثِيَّةُ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ (رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ) وَكَفَى بِهِمْ قُدُورَةٌ، وَلِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَأْجِيلِهِ إِلَى انْقِضَاءِ الْمُدَّةِ.

**ترجمہ:** چنانچہ اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر بیوی سے جماع کر لیا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا، کیوں کہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے۔ اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ حانث ہونے سے قسم ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر شوہر نے بیوی سے قربت نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو بیوی ایک طلاق کے ساتھ باندہ ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی کی تفریق سے باندہ ہوگی۔ کیوں کہ شوہر بیوی کے حق میں جماع کو روکنے والا ہے لہذا تشریح میں قاضی اس کے قائم مقام ہوگا جیسے مقطوع الذکر اور عنین میں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کا حق روک کر اس پر ظلم کیا ہے، لہذا مدت ایلاء گزرتے ہی شریعت نے نعمت نکاح کے زائل ہونے سے اسے بدلہ دیا ہے۔ اور یہی حکم حضرت عثمان، حضرت علی، حضرات عبادلہ ثلاثہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے اور ان حضرات کا پیشوا ہونا ہی ہمیں کافی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ایلاء زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا، لہذا شریعت نے مدت ایلاء گزرنے تک اسے (طلاق) مؤخر کر دیا۔

## اللغات:

﴿ترفع﴾ اٹھ جاتی ہے۔ ﴿تسریح﴾ چھوڑ دینا، جانے دینا۔ ﴿جب﴾ ذکر کما ہوا ہونا۔ ﴿عنة﴾ جماع پر قادر نہ ہونا۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔ ﴿مانور﴾ منقول، مروی۔ ﴿قدوة﴾ رہنماء، امام۔ ﴿ناجیل﴾ تاخیر، ایک متعین مدت تک التواء۔

## مدت ایلاء گزار دینے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایلاء کرنے کے بعد شوہر اپنے آپ کو نہ روک سکا اور مدت ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اس نے بیوی سے جماع کر لیا تو اب وہ اپنی قسم میں حائض ہو جائے گا اور اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا، اس لیے کہ کفارہ حائض ہونے کا موجب ہے اور حائض ہونے والے پر اس کا لزوم واجب ہوتا ہے اور اب اس کا ایلاء ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ ایلاء کا دارومدار قسم پر ہے اور جب قسم ہی ٹوٹ گئی اور ختم ہو گئی تو ظاہر ہے کہ ایلاء بھی ختم ہو جائے گا اور چار ماہ گزرنے کے بعد بیوی پر طلاق وغیرہ نہیں واقع ہوگی۔

وإن لم یقر بها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی قسم پر جما اور ڈٹا رہ گیا اور چار ماہ تک اس نے بیوی کو ہاتھ نہ لگایا یہاں تک کہ چار ماہ بحالت ایلاء مکمل ہو گئے تو اب ہمارے یہاں ان دونوں میں تفریق ہو جائے گی اور بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف چار ماہ گزرنے سے تفریق نہیں ہوگی، بلکہ چار ماہ گزرنے کے بعد فرقت موقوف رہے گی اور اب اگر شوہر بیوی سے جماع نہیں کرتا یا رجعت کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو پھر یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوگا اور قاضی ان میں تفریق کرے گا جو طلاق بائن ہوگی۔

ہمارے اور شوافع کے مسلک میں صرف تفریق قاضی کا فرق ہے یعنی ان کے یہاں زوجین کی تفریق قضائے قاضی سے ہوگی اور ہمارے یہاں مضی مدت سے۔ بہر حال قاضی کی تفریق پر امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جماع اور وطی بیوی کا حق ہے لیکن چار ماہ تک شوہر نے یہ حق نہ دے کر بیوی کو ضرر پہنچایا ہے اور چار ماہ گزرنے سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ امساک بالمعروف کے موڈ میں نہیں ہے، لہذا جب شوہر سے امساک بالمعروف فوت ہو رہا ہے تو ظاہر ہے کہ قاضی اس کا نائب بن کر ترویج بالا حسان کر دے گا، کیوں کہ قرآن کریم نے تو صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا ہے فامساک بالمعروف او تسریح بالاحسان یعنی مطلقہ عورتوں کی عدت گزرنے کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق انھیں روک لویا پھر احسن طریقے پر انھیں چھوڑ دو۔

ولنا الخ: اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر ظالم ہے اور شوافع کو بھی اس کا اقرار ہے تو ظالم کو فوراً سزا ملنی چاہیے اور اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرتے ہی شوہر کے ظلم کا بدلہ نعمت نکاح سے اسے محروم کرنے کے ذریعے دیا جائے گا اور اس سلسلے میں قضائے قاضی یا مضی مدت کا انتظار نہیں کیا جائے گا، تاکہ جلد از جلد عورت شوہر سے کلی طور پر آزاد ہو جائے اور اس کے ضرر سے ہمیشہ ہمیش کے لیے چھٹکارا پا جائے۔ اور یہ کوئی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ اور کر رہے ہیں بلکہ کبار صحابہ مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی یہی حکم اور یہی مسئلہ منقول ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کی اتنی بڑی تعداد سے ایک مسئلے کا مروی ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یقیناً ان حضرات نے یہی حکم اپنے اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ سے سنا اور سمجھا ہوگا اور ان حضرات کا پیشوا ہونا اور ہم سے بہت پہلے اس پر فتویٰ اور فیصلہ دینا ہی ہمارے لیے کافی دوانی ہے۔

ولأنه كان الخ: یہاں سے ہماری عقلی دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ایلاء کرنا طلاق شمار ہوتا تھا لیکن اس وقت یہ طلاق علی الفور تھا یعنی ایلاء کرتے ہی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی تھی اور کسی مدت کی ضرورت درکار نہیں تھی اور اسلام نے بھی ایلاء کو طلاق مانا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جاہلیت میں یہ علی الفور طلاق تھا لیکن اسلام میں چار ماہ گزرنے پر طلاق ہے اور جس طرح جاہلیت میں ایلاء کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق تفریق قاضی پر موقوف نہیں تھی اسی طرح اسلام میں بھی اسے تفریق قاضی پر موقوف نہیں کیا گیا ہے۔

### فائدہ:

عبادۃ سے حضرات فقہاء کرام کے یہاں یہ تین صحابہ مراد ہوتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: اور حضرات محدثین کے ہاں اس سے یہ چار صحابہ مراد ہوتے ہیں (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۴) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (بیانہ ۲۷۱/۵، ولھکذا فی العناہ)

فَإِنْ كَانَ حَلْفَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِينُ لِأَنَّهَا كَانَتْ مُوقَّتَةً بِهِ، وَإِنْ كَانَ حَلْفَ عَلَى الْآبِدِ فَلَا يَمِينُ بَاقِيَةً لِأَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَلَمْ يُوْجَدْ الْحِنْثُ لِرَتْرَفَعِهِ بِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ الطَّلَاقُ قَبْلَ التَّزْوِجِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ مَنَعُ الْحَقِّ بَعْدَ الْبَيْنُونَةِ فَإِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْإِبْلَاءُ فَإِنْ وَطَّيَهَا وَإِلَّا وَقَعَتْ بِمَضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ تَطْلِيقُهُ أُخْرَى لِأَنَّ الْيَمِينَ بَاقِيَةً لِاطْلَاقِهَا وَبِالتَّزْوِجِ نَبَتْ حَقُّهَا فَيَتَحَقَّقُ الظُّلْمُ وَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاءُ هَذَا الْإِبْلَاءِ مِنْ وَقْتِ التَّزْوِجِ، فَإِنْ تَزَوَّجَهَا ثَلَاثًا عَادَ الْإِبْلَاءُ وَقَعَتْ بِمَضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ أُخْرَى إِنْ لَمْ يَقْرُبْهَا لِمَا بَيَّنَّاهُ، فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذَلِكَ الْإِبْلَاءُ طَلَاقٌ لِتَقْيِيدِهِ بِطَلَاقِ هَذَا الْمِلْكِ، وَهِيَ قَرُعُ مَسْأَلَةِ التَّنَجِيزِ الْخِلَافِيَّةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ وَالْيَمِينُ بَاقِيَةً لِاطْلَاقِهَا وَعَدَمُ الْحِنْثِ، فَإِنْ وَطَّيَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِينِهِ لَوْجُودِ الْحِنْثِ.

**ترجمہ:** پھر اگر شوہر نے چار ماہ پر قسم کھائی تھی تو یمین ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ قسم اسی مدت کے ساتھ موقت تھی۔ اور اگر اس نے ابدی قسم کھائی تھی تو یمین باقی رہے گی، اس لیے کہ وہ مطلق تھی اور حانث ہونا بھی نہیں پایا گیا کہ اس سے قسم ختم ہو جائے، لیکن نکاح کرنے سے پہلے طلاق کر کر نہیں ہوگا، اس لیے کہ فرقت کے بعد بیوی کے حق کو روکنا نہیں پایا گیا۔ پھر اگر اس نے دوبارہ اس عورت سے نکاح کر لیا تو ایلاء عود کر آئے گا چنانچہ اگر اس نے وطی کر لی (تو ٹھیک) ورنہ چار ماہ گزرنے کے بعد دوسری طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ مطلق ہونے کی وجہ سے یمین باقی ہے۔ اور نکاح کرنے سے عورت کا حق ثابت ہو گیا لہذا ظلم کرنا متحقق ہو جائے گا۔ اور اس ایلاء کی ابتداء نکاح کے وقت سے ہوگی۔ پھر اگر شوہر نے تیسری مرتبہ نکاح کر لیا تو ایلاء پھر عود آئے گا اور چار ماہ گزرنے سے دوسری (تیسری) طلاق واقع ہو جائے گی اگر شوہر نے بیوی سے قربت نہ کی ہو، اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔



پھر اگر زوج اول نے دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کے بعد اس سے نکاح کیا تو اس ایلاء سے طلاق نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ ایلاء اس (پہلی) ملک کی طلاق کے ساتھ مقید ہے اور یہ مختلف فیہ مسئلہ تنجیزی کی فرع ہے اور اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ اور مطلق ہونے نیز حائض نہ ہونے کی وجہ سے یمن باقی ہے، پھر اگر شوہر نے بیوی سے وطی کر لی تو اس قسم کا کفارہ ادا کرے اس لیے کہ حائض موجود ہے۔

## اللغات:

﴿موقتہ﴾ ایک متعین وقت والی۔ ﴿بینونہ﴾ باندہ ہونا۔ ﴿مضی﴾ گزر جانا۔

## ایلاء کی قسم کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایلاء کرنے والے شوہر نے اپنی قسم پوری کر دی تو اس کی دو شکلیں ہیں (۱) اس نے چار ماہ تک قسم کھائی تھی (۲) یا اس نے ابدی اور دائمی قسم کھائی تھی۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی اس نے صرف چار ماہ پر قسم کھائی تھی اور اس نے اسے پورا کر دیا یعنی چار ماہ تک بیوی سے وطی نہیں کیا تو چار ماہ مکمل ہوتے ہی قسم ساقط ہو جائے گی، کیوں کہ چار ماہ کے ساتھ قسم موقت تھی۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شوہر نے ابدی اور دائمی قسم کھائی تھی تو چار ماہ گذرنے کے بعد عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور یمن بدستور باقی رہے گی کیوں کہ وہ مطلق ہے اور پھر شوہر نے وطی بھی نہیں کی ہے اس لیے حائض ہونا بھی نہیں پایا گیا کہ حائض کی وجہ سے یمن ختم ہو جائے، اس لیے یمن باقی رہے گی، لیکن اگر ایک طلاق بائن کے بعد شوہر نے بیوی سے نکاح نہیں کیا اور پھر چار ماہ گذر گئے تو اس پر دوسری طلاق نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ پہلی طلاق سے بیوی بائن ہو چکی ہے اور دوبارہ چوں کہ نکاح نہیں ہوا ہے، اس لیے شوہر نے بیوی کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم بھی نہیں کیا ہے، لہذا دوسرے چار ماہ کے گذرنے پر دوسری طلاق نہیں واقع ہوگی۔

فان عاد الخ: فرماتے ہیں اگر شوہر نے طلاق اول کو عدت گذرنے کے بعد دوبارہ بیوی سے نکاح کر لیا تو ایلاء بھی عود کر آئے گا۔ اب اگر شوہر چار ماہ کے اندر اندر وطی کر لیتا ہے تو یمن ختم ہو جائے گی اور وہ حائض ہو جائے گا اور اگر وطی نہیں کرتا ہے تو چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ مطلق ہونے کی وجہ سے ابھی بھی یمن باقی ہے اور دوبارہ نکاح کرنے سے بیوی کا حق جماع ثابت ہو چکا ہے، حالاں کہ شوہر نے چار ماہ تک اس حق کو اداء نہ کر کے بیوی پر ظلم کیا ہے، اس لیے بیوی سے دفع مضرت کے پیش نظر چار ماہ گذرتے ہی اس پر دوسری طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔ اور دوسرے چار ماہ میں نکاح کے وقت سے ایلاء شروع ہوگا اور اسی وقت سے چار ماہ کی مدت شمار کی جائے گی۔

فان تزوجها ثالثا الخ: فرماتے ہیں کہ پھر اگر تیسری مرتبہ بھی شوہر نے اس سے نکاح کر لیا لیکن اس مرتبہ بھی چار ماہ تک اس نے بیوی سے جماع نہیں کیا تو چوں کہ قسم مطلق تھی اس لیے پھر سے نکاح کرتے ہی ایلاء عود کر آئے گا اور وطی نہ کرنے کی وجہ سے چار ماہ بعد تیسری طلاق واقع ہوگی اور وہ عورت مطلقہ مغفلہ ہو جائے گی۔

فان تزوجها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تین طلاق واقع ہونے کے بعد بیوی نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ دخول کر کے اسے طلاق دیا اور عدت ختم ہونے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر کے نکاح میں آگئی تو اب سابقہ ایلاء

ختم ہو جائے گا اور اس سے کوئی طلاق نہیں واقع ہوگی اگرچہ چار ماہ تک اس سے وطی نہ کرے، کیوں کہ پہلے والا ایلاء پہلے والے نکاح کی ملکیت کے ساتھ مقید تھا اور چوں کہ پہلے نکاح سے حاصل شدہ تینوں طلاق کی ملکیت کو شوہر ضائع کر چکا ہے اور اب بیوی از سر نو اس کے نکاح میں آئی ہے اس لیے پہلے والا ایلاء نکاح ثانی کے ذریعے حاصل شدہ طلاقوں پر موثر نہیں ہوگا۔

وہی فرع الخ: فرماتے ہیں کہ ایلاء کرنا طلاق کو معلق کرنے کے معنی میں ہے اور یہ مسئلہ مسئلہ تجبیری کی فرع ہے جو باب الایمان فی الطلاق کے تحت گذر چکا ہے، چنانچہ صاحب عنایہؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا لیکن مدت ایلاء مکمل ہونے سے پہلے اس نے اسے تین طلاق دے دی جو فوراً واقع ہو گئیں تو ہمارے یہاں چوں کہ ایلاء انہی تین طلاقوں کے ساتھ مقید تھا اور وہ ختم ہو چکی ہیں، اس لیے ایلاء بھی ختم ہو جائے گا، لیکن امام زفرؒ کے یہاں چوں کہ واللہ لا اقربک مطلق ہے۔ اس لیے ان تین طلاقوں کے بعد بھی ایلاء باقی رہے گا، مگر جس طرح مبسوط والے مسئلے میں ہمارے یہاں ایلاء ایک نکاح کی املاک کے ساتھ مقید ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی وہ ایک نکاح کی املاک کے ساتھ مقید ہے اور جب بیوی ایک مرتبہ مغلطہ بانہ ہو کر کلی طور پر شوہر کے نکاح سے خارج ہو گئی تو اب اس نکاح سے ملحق ایلاء بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن یمین ہمارے یہاں بھی بدستور باقی رہے گی، کیوں کہ یمین مطلق تھی، لہذا جب بھی شوہر بیوی سے وطی کرے گا وہ حانث ہوگا اور اسے کفارہ یمین دینا ہوگا۔

فَإِنْ حَلَفَ عَلَى أَقَلِّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُؤَلِّيًا لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا إِيْلَاءَ فِيمَا دُونَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ، وَ لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ عَنْ قُرْبَانِهَا فِي أَكْثَرِ الْمُدَّةِ بِلَا مَانِعٍ، وَ بِمِثْلِهِ لَا يَنْبَغُ حُكْمُ الطَّلَاقِ فِيهِ.

**ترجمہ:** لیکن اگر شوہر نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی ہے ”چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے“ اور اس لیے کہ شوہر کا عورت کے قریب جانے سے اکثر مدت میں رکنا بغیر مانع کے ہے اور اس جیسے امتناع سے طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

## اللغات:

﴿مولى﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿امتناع﴾ رکنا، پرہیز کرنا۔ ﴿قربان﴾ قریب جانا۔

## چار ماہ کے ایلاء کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چار ماہ سے کم کا ایلاء کیا اور اس سے کم مدت تک بیوی کے پاس نہ جانے یعنی اس سے قربت نہ کرنے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ اس سلسلے میں مقدرات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہی ہے کہ ”لا ایلاء فیما دون اربعة اشهر“ یعنی چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ چوں کہ مقدرات شرعیہ کا ہے، اس لیے اس سے نص قرآنی للذین الخ کی تفسیر نہیں ہوگی، بلکہ یہ فتویٰ آیت کریمہ کی توضیح اور تفسیر ثابت ہوگا اور یہ مانا جائے گا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے مثلاً بیوی سے ایک ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر اس نے دو تین ماہ تک وطی نہیں کیا تو ایک ماہ کے بعد والے دو تین ماہ بلا قسم اور بلا مانع کے رہے اور اس جیسی مدت اور قسم سے ایلاء نہیں ثابت ہوتا لہذا چار ماہ کی قسم سے بھی ایلاء نہیں ثابت ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هَذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ فَهُوَ مُؤَلٌّ لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِحَرْفِ الْجَمْعِ  
فَصَارَ كَجَمْعِهِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا کہ بخدا میں تجھ سے دو ماہ اور ان دونوں مہینوں کے بعد دو ماہ واپس نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، اس لیے کہ اس نے حرف جمع کے ذریعے دونوں کو جمع کر دیا ہے، لہذا یہ حرف جمع کے ساتھ جمع کرنے کی طرح ہو گیا۔

**چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم:**

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی نے لا اقربك شهرين وشهرين بعد هذين الشهرين کہا تو اس صورت میں وہ مولیٰ ہوگا، کیوں کہ اس نے شهرين شهرين کو لفظ جمع یعنی واو کے ساتھ جمع کر دیا اور یہ ایسا ہو گیا گویا اس نے لا اقربك أربعة أشهر کہا اور لا اقربك أربعة أشهر کہنے سے ایلاء ثابت ہو جاتا ہے، لہذا لا اقربك شهرين وشهرين الخ کہنے سے بھی ایلاء ثابت ہو جائے گا۔

وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ لَمْ يَكُنْ مُؤَلِّيًا، لِأَنَّ الثَّانِيَّ إِيْجَابٌ مُّبْتَدَأٌ وَقَدْ صَارَ مَمْنُوعًا بَعْدَ الْأَوَّلَى شَهْرَيْنِ وَبَعْدَ الثَّانِيَةِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ إِلَّا يَوْمًا مَكَثَ فِيهِ فَلَمْ تَتَكَاْمَلْ مُدَّةُ الْمَنْعِ.

**ترجمہ:** اور اگر ایک دن ٹھہرا رہا پھر کہا کہ پہلے دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ میں تم سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ دوسری قسم از سر نو ایجاب ہے حالاں کہ وہ شخص پہلی قسم کے بعد دو ماہ سے اور دوسری قسم کے بعد چار ماہ سے ممنوع ہو گیا سوائے اس ایک دن کے جس میں وہ ٹھہرا تھا، اس لیے مدت منع پوری نہیں ہوئی۔

**چند مخصوص الفاظ ایلاء کا حکم:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے ایک دن وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ شَهْرَيْنِ کہہ کر ایلاء کیا اور خاموش ہو گیا پھر ایک دن کے بعد دوسرے دن اس نے یوں کہا وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكَ شَهْرَيْنِ بعد الشهرين الاولين کہ پہلے دو ماہ کے بعد دو ماہ اور میں تم سے جماع نہیں کروں گا تو اس صورت میں وہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی قسم کے بعد وہ شخص ایک دن رکا رہا اور پھر دوسری قسم جو ہے وہ از سر نو ایجاب ہے اور کلام سابق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ایک دن کا فصل ہے اور پھر معطوف میں لفظ نفی یعنی لَا اقربك اور لفظ اللہ یعنی وَاللَّهِ کا اعادہ بھی موجود ہے اس لیے یہ جملہ مستقل ایجاب ہوگا اور کلام اول کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا اور جب یہ کلام اول کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا تو شوہر ایلاء کرنے والا بھی نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی قسم صرف دو ماہ کی ہے اور دوسری قسم چار ماہ سے ایک دن کم کی ہے اور اس سے پہلے آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء متحقق نہیں ہوتا اور جب بھی وہ شخص بیوی سے واپس کرے گا اس پر دو قسموں کے دو کفارے واجب ہوں گے۔

وَلَوْ قَالَ وَاللَّهِ أَقْرَبُكَ سَنَةً إِلَّا يَوْمًا لَمْ يَكُنْ مُؤَلِّيًا، خِلَافًا لِزُفَرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ يَصْرِفُ الْإِسْتِثْنَاءَ، إِلَى آخِرِهَا إِعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ فَتَمَّتْ مَدَّةُ الْمَنْعِ، وَلَنَا أَنَّ الْمُؤَلِّيًا مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا بِشَيْءٍ يُلْزِمُهُ وَ يُمْكِنُهُ هَهُنَا، لِأَنَّ الْمُسْتَشْنَى يَوْمٌ مُنْكَرٌ، بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ، لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْآخِرِ لِنَصَحِيحِهَا فَإِنَّهَا لَا تَصَحُّ مَعَ التَّكْيِيرِ، وَلَا كَذَلِكَ الْيَمِينُ، وَلَوْ قَرِبَ بَهَا فِي يَوْمٍ وَالْبَاقِي أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَكْثَرَ صَارَ مُؤَلِّيًا لِسُقُوطِ الْإِسْتِثْنَاءِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ بخدا میں ایک دن کے علاوہ پورے سال تم سے قربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اجارے پر قیاس کرتے ہوئے استثناء کو آخر سال کی طرف پھیرتے ہیں، لہذا انکار کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا وہ شخص کہلاتا ہے جسے کسی چیز کے لزوم کے بغیر چار ماہ تک بیوی سے قربت کرنا ممکن نہ ہو۔ حالاں کہ یہاں بدون لزوم شئی بھی اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہے، اس لیے کہ (إلا یوماً) جس دن کا استثناء کیا گیا ہے وہ غیر متعین ہے، برخلاف اجارہ کے، کیوں کہ (اس میں) آخر کی طرف پھیرنا اجارہ کی درستی کے لیے ہوتا ہے، اس لیے کہ بلا تعین اجارہ درست نہیں ہوتا۔ اور یمن کا یہ حال نہیں ہے۔ اور اگر شوہر نے کسی دن بیوی سے قربت کر لی اور مدت ایلاء میں چار ماہ یا اس سے زائد مدت باقی ہے تو وہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا، اس لیے کہ استثناء ساقط ہو گیا۔

### الْفَعَالُ:

﴿یصرف﴾ پھیرتے ہیں۔ ﴿تمت﴾ پوری ہوگی۔ ﴿قربان﴾ قریب آنا۔ ﴿تصحیح﴾ درست کرنا۔

### ایک دن کے استثناء کے ساتھ پورے سال کی قسم کھانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایلاء کرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی کہ واللہ ایک دن کے علاوہ میں پورے سال تم سے وطی نہیں کروں گا، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہمارے یہاں یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ شخص مولیٰ ہو جائے گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ساتھ ہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے ایک یوم کا استثناء کیا ہے تو اس استثناء کو سال کے آخر کی طرف پھیرا جائے گا جیسا کہ اگر کوئی شخص ایک دن کے علاوہ پورے سال کے لیے کوئی چیز اجارے پر لے تو اس ایک دن کو (جو مستثنیٰ ہے) سال کے آخری حصے اور لمحے کی طرف پھیر کر بقیہ ایام یعنی ۳۶۴ دن کا اجارہ درست مانا جاتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی استثناء کردہ یوم کو سال کے آخری جز اور لمحے کی طرف پھیرا جائے گا اور چوں کہ اس دن سے پہلے کی مدت چار ماہ سے زائد ہے، اس لیے اس شخص کا ایلاء درست ہو جائے گا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں متکلم نے جس ایک دن کا استثناء کیا ہے وہ دن غیر متعین ہے اور پورے سال کے ہر ہر دن میں شوہر کو وطی کرنے کا اختیار ہے اور مولیٰ اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو لزوم کفارہ کے بغیر چار ماہ تک بیوی سے وطی نہ کر سکے، حالاں کہ صورت مسئلہ میں استثناء کردہ یوم کے مطلق ہونے کی وجہ سے وہ شخص ہر چار ماہ تک بلکہ اس کے علاوہ پورے سال میں ہر ہر دن وطی کرنے کا حق دار ہے اور جس دن بھی وہ وطی کرے گا اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ پہلے ہی ایک دن

کا استثناء کرچکا ہے، حالاں کہ مولیٰ کے لیے چار ماہ تک مسلسل وجوب کفارہ کے بغیر وطی کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے، اس لیے غیر متعین یونا کے استثناء کی وجہ سے وہ شخص ہمارے یہاں ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

بمخلاف الإجارة الخ: امام زفر رحمہ اللہ یمین کو اجارہ پر قیاس کردہ یوم متثنیٰ کو سال کے آخر کی طرف پھیر کر صورت مسئلہ میں ایلاء کو درست قرار دیتے ہیں، صاحب ہدایہ یہاں سے ان کے قیاس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھائی یمین کو اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اجارہ جہالت اور عدم تعین کے ساتھ قطعاً درست نہیں ہوتا جب کہ یمین جہالت کے ساتھ بھی درست ہو جاتی ہے، اس لیے یمین میں یوم متثنیٰ کو خاص کر سال کے آخر کی طرف نہیں پھیرا جائے گا، ہاں اجارہ کی درستگی کے لیے اس میں ایسا کر سکتے ہیں اور اس حوالے سے یمین اور اجارے میں فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

لوقربھا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر واللہ لا أقربك سنة إلا یوماً کہنے کے بعد اس شخص نے کسی دن بیوی سے وطی کر لی اور وطی کرنے کے بعد ایلاء میں چار ماہ یا اس سے زائد ایام باقی ہیں تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ جس استثناء کی وجہ سے ایلاء کا تحقق اور اس کا ثبوت معدوم ہو رہا تھا وہ خود ہی معدوم ہو گیا اور چوں کہ اس کے بعد عدت ایلاء کے بقدر ایام باقی ہیں، اس لیے ایلاء متحقق ہو جائے گا۔

وَلَوْ قَالَ وَهُوَ بِالْبُصْرَةِ وَاللَّهِ لَا أَدْخُلُ الْكُوفَةَ وَأَمْرَاتُهُ بِهَا لَمْ يَكُنْ مُوَلِّياً، لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ يَلْزَمُهُ بِالْإِخْرَاجِ مِنَ الْكُوفَةِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے بصرہ میں رہتے ہوئے یہ کہا کہ بخدا میں کوفہ میں داخل نہیں ہوں گا اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو، تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ اس شخص کے لیے کسی چیز کے لزوم کے بغیر بھی بیوی کو کوفہ سے نکال کر وطی کرنا ممکن ہے۔

### اللغات:

﴿إخراج﴾ نکالنا۔

### ایلاء کی ایک مخصوص صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر بصرہ میں ہو اور اس کی بیوی کوفہ میں ہو اور شوہر کوفہ میں نہ داخل ہونے کی قسم کھائے تو اس قسم سے وہ مولیٰ نہیں ہوگا، کیوں کہ مولیٰ وہ شخص ہوتا ہے جو چار ماہ تک لزوم کفارہ کے بغیر اپنی بیوی سے وطی نہ کر سکے حالاں کہ یہ شخص چار ماہ سے پہلے لزوم کفارہ کے بغیر بھی وطی کر سکتا ہے، وہ اس طرح کہ اپنی بیوی کو کوفہ سے بصرہ بلا لے یا کسی تیسری جگہ بلا کر اس سے ہم بستری کر لے اور ظاہر ہے کہ جب لزوم کفارہ کے بغیر اس کے لیے وطی کرنا ممکن ہے تو پھر ایلاء کہاں سے ثابت ہو جائے گا۔

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ بِصَوْمٍ أَوْ بِصَدَقَةٍ أَوْ عِنِّي أَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُؤَلِّ لَتَحَقَّقُ الْمَنْعُ بِالْيَمِينِ وَهُوَ ذِكْرُ الشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ، وَهَذِهِ الْأَجْزِيَّةُ مَانِعَةٌ لِمَا فِيهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ، وَصُورَةُ الْحَلْفِ بِالْعِنِّي أَنْ يَعْلَقَ بِقُرْبَانِهَا عِنِّي عَبْدُهُ، وَفِيهِ خِلَافٌ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَإِنَّهُ يَقُولُ يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ، وَهُمَا يَقُولَانِ الْبَيْعُ مَوْهُومٌ

فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَّةَ فِيهِ، وَالْحَلْفُ بِالطَّلَاقِ اَنْ يُعْلَقَ بِقُرْبَانِهَا طَلَّاقُهَا اَوْ طَلَّاقُ صَاحِبَتِهَا، وَكُلُّ ذَلِكَ مَانِعٌ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیوں کہ جماع سے رکنا قسم کی وجہ سے متحقق ہے اور وہ شرط و جزاء کو ذکر کرنا ہے اور یہ تمام قربت سے مانع ہیں کیوں کہ ان میں مشقت ہے۔ اور آزاد کرنے کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی قربت پر اپنے غلام کی آزادی کو معلق کر دے۔ اور اس مسئلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ حالف کے لیے غلام فروخت کر کے قربت کرنا ممکن ہے چنانچہ (ایسا کرنے سے) اس پر کچھ نہیں لازم ہوگا۔ حضرات طرفین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ (غلام کو) بیچنا ایک موہوم چیز ہے لہذا وہ منعیۃ ایلاء کے لیے مانع نہیں بنے گا۔ اور طلاق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی قربت پر اس کی یا اس کی سوکن کی طلاق کو معلق کر دے اور ان میں سے ہر ایک بات مانع قربت ہے۔

### اللغات:

﴿مولى﴾ ایلاء کرنے والا۔ ﴿اجزیه﴾ واحد جزاء ؛ بدلہ، سزا۔ ﴿قربان﴾ قریب آنا۔

### قسم کی مختلف صورتیں جو ایلاء بنتی ہیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز مثلاً حج یا روزے کی قسم کے ساتھ ایلاء کو بیان کیا اور یوں کہا کہ ان قربتک فعلی حج البیت یعنی اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے، یا یوں کہا کہ ان قربتک فعلی صوم شہر اوسنہ، یا یوں کہا کہ ان قربتک فعلی صدقہ مائتہ دراهم یعنی جماع کرنے کی صورت میں مجھ پر سو دراهم صدقہ کرنا لازم ہے، یا یوں کہا کہ ان قربتک فعلی عتق رقبة او انت طالق تو ان تمام صورتوں میں اگر وہ شخص جماع کر لیتا ہے تو حاث ہو جائے گا اور اگر چار ماہ تک وہ اپنی قسم پر قائم رہتا ہے تو پھر ایلاء متحقق ہو جائے گا، اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ قسم یعنی شرط اور جزاء کے تذکرے سے یقیناً شوہر وطی سے رک جائے گا اور جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا، کیوں کہ یہ تمام جزائیں ایسی ہیں جس میں مالی جانی اور جسمانی مشقت ہے چنانچہ حج میں مال اور جان دونوں کی مشقت ہے، روزہ میں نفس اور جسم کو مشقت لاحق ہوتی ہے اسی طرح صدقے میں مالی مشقت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان آرام دہ واقع ہوا ہے اور وہ مشقتوں کا تحمل نہیں ہے، اس لیے وہ جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا اور جب جزاء کا ارتکاب نہیں کرے گا تو پھر بیوی سے چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک وطی بھی نہیں کرے گا اور اس مدت تک بیوی سے وطی نہ کرنے کا نام ہی ایلاء ہے اس لیے ان صورتوں میں ایلاء متحقق ہو جائے گا۔

**وصورة الحلف الخ:** فرماتے ہیں کہ حلف بالعتق کی صورت یہ ہے کہ شوہر بیوی سے جماع کرنے پر اپنے غلام کی آزادی کو معلق کر کے یوں کہے کہ ان قربتک فعبدی حر یعنی اگر میں نے تم سے جماع کیا تو میرا غلام آزاد ہے اس صورت میں حضرات طرفین کے یہاں ایلاء متحقق ہو جائے گا، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ایلاء متحقق نہیں ہوگا، کیوں کہ اس شخص کے لیے لزوم کفارہ کے بغیر بھی چار ماہ سے پہلے اس کے لیے وطی کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ وہ شخص قربت کرنے سے پہلے ہی غلام کو فروخت کر دے اور پھر بیوی سے وطی کر لے تاکہ حاث ہونے اور کفارہ دینے سے بچ جائے اور ظاہر ہے کہ جب صورت مسئلہ میں حالف کے لیے بدون ادائے کفارہ بھی وطی کرنا ممکن ہے تو پھر ایلاء نہیں ہوگا کیوں کہ ایلاء میں چار ماہ تک لزوم کفارہ کے بغیر وطی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان کے برخلاف حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ بھائی غلام کو بیچنا یہ کوئی قطع اور یقینی امر نہیں ہے، بلکہ امر موبہوم ہے اور امر موبہوم کسی چیز کے لیے مانع نہیں ہوتا اس لیے صورت مسئلہ میں جزاء کے لیے کوئی مانع نہیں ہوگا اور جزاء اپنی حالت پر برقرار رہے گی اور جزاء یعنی غلام کا آزاد ہونا قربت سے شوہر کو روکنے اور اس کی شہوت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کافی ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں ایلاء متحقق اور موجود ہے۔

والحلف بالطلاق الخ: فرماتے ہیں کہ حلف بالطلاق کی صورت یہ ہے کہ شوہر یوں کہے **إِنْ قَرَبْتُكَ فَانْتَ طَالِقٌ** اور جتنی فلائع طالق یعنی اگر میں نے تم سے قربت کی تو تمہیں طلاق ہے یا تمہاری سوکن یعنی میری فلاں بیوی کو طلاق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی قربت سے روکنے والی ہے، کیوں کہ طلاق کے خوف سے شوہر بیوی سے وطی نہیں کرے گا اور اس طرح وہ چار ماہ بلکہ اس سے بھی زائد مدت تک وطی نہیں کرے گا اور چار ماہ سے زائد مدت تک وطی نہ کرنے کی قسم کھانے کا نام ہی ایلاء ہے لہذا اس صورت میں بھی ایلاء متحقق ہے۔

وَإِنْ إِلَى مِنَ الْمُطْلَقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُؤَلِّيًا، وَإِنْ إِلَى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُؤَلِّيًا، لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةً فِي الْأُولَى دُونَ الثَّانِيَةِ، وَمَحَلُّ الْإِبْلَاءِ مَنْ تَكُونُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنِّصِّ، فَلَوْ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِبْلَاءِ سَقَطَ الْإِبْلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ زوجیت پہلی بیوی میں موجود ہے نہ کہ دوسری میں اور نص قرآنی کل ایلاء وہی عورتیں ہیں جو زوجیت میں ہوں، پھر اگر ایلاء کی مدت ختم ہونے سے پہلے مطلقہ کی عدت پوری ہوگئی تو محلیت کے فوت ہونے کی وجہ سے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

### اللَّغَاتُ:

﴿إِلَى﴾ ایلاء کیا۔ ﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔

### مطلقہ سے ایلاء کرنا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر نے اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے ایلاء کیا تو ایلاء متحقق ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء متحقق نہیں ہوگا، کیوں کہ تحقق ایلاء کے لیے محلیت ضروری ہے اور مطلقہ رجعیہ میں محلیت باقی رہتی ہے اس لیے کہ طلاق رجعی کے بعد بھی وہ شوہر کی زوجیت میں رہتی ہے لہذا مطلقہ رجعیہ کے حق میں ایلاء متحقق ہو جائے گا، لیکن مطلقہ بائنہ کے حق میں ایلاء متحقق نہیں ہوگا، اس لیے کہ طلاق بائن کی وجہ سے وہ عورت زوجیت سے خارج ہو جاتی ہے اور ایلاء کا محل نہیں رہتی، ولا يتحقق الإيلاء إلا في المحل۔

وَلَوْ قَالَ لِأَجْنِبِي وَاللَّهِ لَا أَقْرُبُكَ أَوْ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهَرِ أُمِّي ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُؤَلِّيًا وَلَا مُظَاهِرًا، لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي مَخْرَجِهِ وَقَعَ بِاطِّلَالٍ لَا يُعْذَرُ الْمَحَلِّيَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيحًا بَعْدَ ذَلِكَ، وَإِنْ قَرَّبَهَا كَفَّرَ لِتَحَقُّقِ الْحَنْثِ، إِذَا الْيَمِينُ

مُنْعَدَّةٌ فِي حَقِّهِ، وَ مُدَّةُ إِبْلَاءِ الْأَمَةِ شَهْرَانِ، لِأَنَّ هَذِهِ مُدَّةٌ صُرِبَتْ أَجَلًا لِلْبَيْنُونَةِ فَتَنْصَفُ بِالرَّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ.

**ترجمہ:** اور اگر مرد نے کسی اجنبیہ عورت سے کہا کہ بخدا میں تم سے وطی نہیں کروں گا یا تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو اور پھر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو نہ تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا، اس لیے کہ کھلیت معدوم ہونے کی وجہ سے یہ کلام نکلنے وقت باطل ہو گیا تھا لہذا باطل ہونے کے بعد صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر اس شخص نے اس عورت سے وطی کر لی تو وہ کفارہ اداء کرے، اس لیے کہ حش تحقق ہو گیا کیوں کہ حانث ہونے کے حق میں یمن منعقد ہو چکی تھی۔

اور باندی کی مدت ایلاء دو ماہ ہے کیونکہ یہی مدت بائن ہونے کے لیے متعین کی گئی ہے، لہذا رقیّت کی وجہ سے اس میں تنصیف ہو جائے گی، جیسے کہ عدت کی مدت میں (رقیت کی وجہ سے تنصیف ہوتی ہے)۔

### اللغات:

﴿ظہر﴾ پشت۔ ﴿کفر﴾ کفارہ دے۔ ﴿تحقق﴾ پکا ہو چکا ہے۔ ﴿ضربت﴾ طے کی گئی ہے۔ ﴿بینونة﴾ بانہ ہونا۔

### اجنبی عورت سے ایلاء کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ واللہ لا أقربک بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا یہ کہا کہ أنت علی کظھر امی یعنی جس طرح میری ماں کی پشت میرے لیے حرام ہے اسی طرح تیری پشت بھی میرے لیے حرام ہے اور تجھ سے وطی کرنا میرے لیے جائز نہیں ہے، یہ کہا اور اس کے کچھ دنوں بعد اس شخص نے مذکورہ عورت سے نکاح کر لیا تو نکاح کرنے کے بعد نہ تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا ہوگا کیوں کہ صحت ایلاء یا صحت ظہار کے لیے عورت کا محل ہونا یعنی کہنے والے کی زوجیت میں ہونا ضروری ہے اور بوقت تکلم چوں کہ وہ عورت اس شخص کی بیوی نہیں تھی اس لیے اس کا یہ کلام لغو ہو گیا تھا اور جب ایک مرتبہ وہ کلام لغو ہو گیا تھا تو وہ دوبارہ صحیح ہو کر نہیں لوٹے گا، اس لیے بعد میں نکاح کرنے سے ایلاء اور ظہار کا تحقق نہیں ہوگا، مگر چوں کہ عبارت کا پہلا جملہ یعنی واللہ أقربک یمن ہے اور مطلق ہے اس لیے اگر نکاح کے بعد بھی وہ شخص اس عورت سے وطی کرے گا تو اس جملے کی وجہ سے اس پر کفارہ یمن واجب ہوگا، کیوں کہ اس جملے کے حق میں یمن منعقد ہو چکی تھی اس لیے اس کا ارتکاب کفارے کا سبب بنے گا۔

ومدة الإیلاء الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ آزاد عورت کے حق میں ایلاء کی مدت چار ماہ ہے لیکن باندی کے حق میں یہ مدت دو ماہ ہے، کیوں کہ اسی دو ماہ کو باندی کے حق میں بینونت کی حد بتایا گیا ہے اور رقیّت کی وجہ سے عدت و فوات و طلاق میں باندی کے حق میں تنصیف ہوتی ہے لہذا ایلاء کی مدت میں بھی تنصیف ہوگی اور اس کی مدت ایلاء آزاد عورت کی مدت ایلاء یعنی چار ماہ کی آدھی دو ماہ ہوگی۔

وَ إِنْ كَانَ الْمُؤَلَّى مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ أَوْ كَانَتْ مَرِيضَةً أَوْ رَتْقَاءَ أَوْ صَغِيرَةً لَا تُجَامَعُ أَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِبْلَاءِ فَقِيئُهُ أَنْ يَقُولَ بِلِسَانِهِ فِئْتُ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِبْلَاءِ، فَإِنْ قَالَ ذَلِكَ سَقَطَ الْإِبْلَاءُ، وَقَالَ الشَّانِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا فَيءَ إِلَّا بِالْجِمَاعِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الْمُطَحَاوِيُّ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فَيءًا



لَکَانَ حِنًا، وَ لَنَا اَنَّهُ اِذَاهَا بِذِکْرِ الْمُنْعِ فَيُکُونُ اِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ، وَ اِذَا ارْتَفَعَ الظُّلُمُ لَا یُجَازِیْ بِالطَّلَاقِ، وَ لَوْ قَدَّرَ عَلَی الْجِمَاعِ فِی الْمُدَّةِ بَطْلَ ذَلِكَ الْقَیُّءُ وَ صَارَ فِیْنَهُ بِالْجِمَاعِ لِأَنَّهُ قَدَّرَ عَلَی الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْخَلْفِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ بیمار ہو اور جماع پر قادر نہ ہو یا بیوی بیمار ہو یا پیشاب کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا شگاف نہ ہو یا وہ اتنی چھوٹی ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو یا دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ مدت ایلاء میں شوہر اس تک نہ پہنچ سکتا ہو تو (ان تمام صورتوں میں) ایلاء سے رجعت کا طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی زبان سے یوں کہے میں نے مدت ایلاء میں اس سے رجعت کر لیا چنانچہ اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جماع کے بغیر رجعت نہیں ہوگی اور اسی طرف امام طحاوی رحمہ اللہ بھی گئے ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ رجعت ہوتی تو حث بھی پایا جاتا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے وطی نہ کرنے کی بات کر کے بیوی کو تکلیف دی ہے، لہذا اس کو راضی کرنا زبانی وعدے سے تحقق ہو جائے گا اور جب ظلم مرتفع ہو گیا تو اسے طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر مدت ایلاء میں جماع پر قادر ہو گیا تو زبانی فی (رجوع) باطل ہو جائے گا اور اس کا فی جماع کے ذریعے ہوگا، کیوں کہ وہ شخص نائب کے ذریعے مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا۔

### الْفَاعِلُ:

﴿رفقاء﴾ جسائی ساخت کے اعتبار سے ناقابل جماع، مقام تناسل نہ رکھنے والی عورت۔ ﴿فسی﴾ رجوع۔ ﴿اذی﴾ اذیت دی ہے۔ ﴿ارضاء﴾ راضی کرنا۔ ﴿ارتفع﴾ اٹھ گیا۔

### جن صورتوں میں جماع نہیں ہو سکتا ان میں مولیٰ رجوع عن الایلاء کیسے کرے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور پھر میاں بیوی میں سے کوئی اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ جماع پر قدرت نہیں رہ گئی یا پیشاب کی راہ کے علاوہ بیوی کے فرج میں کوئی دوسرا سرخ نہیں تھا یا بیوی اتنی کم سن اور چھوٹی تھی جس سے جماع نہ ہو سکتا ہو تو ان تمام صورتوں میں ہمارے یہاں رجعت کا حکم رجعت بالجماع سے رجعت بالقول کی طرف منتقل ہو جائے گا اور اگر مدت ایلاء کے دوران شوہر نے فِتْنُ الْبَیْہَا کہہ کر فی اور رجعت کر لیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور رجعت متحقق ہو جائے گی۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایلاء میں فی اور رجعت صرف اور صرف جماع کے ساتھ خاص ہے اور زبانی جمع خرچ سے فی کا تحقق نہیں ہو سکتا، احناف میں امام طحاوی رحمہ اللہ کا بھی یہی رجحان اور میلان ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اگر زبان سے فِتْنُ الْبَیْہَا وغیرہ کہنے سے فی ثابت ہوتی تو قسم بھی ٹوٹ جاتی اور شوہر حائض بھی ہو جاتا، کیوں کہ فی سے دو حکم متعلق ہوتے ہیں (۱) کفارہ کا واجب ہونا (۲) فرقت کے حکم کا ممنوع ہونا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ زبان سے فی کرنا کفارہ کے حق میں معتبر نہیں ہے یعنی ایسا کرنے سے کفارہ نہیں واجب ہوتا لہذا دوسرا حکم یعنی فرقت کی ممانعت بھی ختم نہیں ہوگی اور بدستور دونوں میں فرقت باقی اور برقرار رہے گی اور جب فرقت باقی رہے گی تو ایلاء بھی باقی رہے گا اسی لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایلاء کی رجعت صرف اور صرف

جماع سے متحقق ہوگی اور زبان سے اس کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ (بنایہ ۲۸۴/۵)

والنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ مولیٰ جماع کے ذریعے فی کرے لیکن جب وہ شخص بیمار ہو گیا اور جماع پر قادر نہیں رہ گیا تو ظاہر ہے کہ فی باللسان سے کام چلایا جائے گا اور صورت مسئلہ میں فی باللسان ہی درست بھی ہے، کیوں کہ جب شوہر جماع پر قادر ہی نہ رہا تو ظاہر ہے کہ ایلاء کر کے اس نے صرف بیوی کو ڈرایا اور دھمکایا ہے اور چوں کہ یہ دھمکی زبانی ہے، اس لیے اس کی تلافی بھی زبان سے کی جائے گی اور زبان سے فتنہ الیہا کہہ دینے پر فی (رجوع) کا تحقق ہو جائے گا۔ اور بلاوجہ اسے طلاق کے ذریعے بدلہ نہیں دیا جائے گا کیوں کہ شریعت نے سزاء بحسب جرم مقرر کیا ہے اور جب شوہر نے بیوی کے ساتھ زیادتی نہیں کی تو اس کی ملکیت طلاق کو ختم کر کے اس کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

ولو قدر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدت ایلاء کے دوران وہ شخص تندرست ہو کر جماع پر قادر ہو گیا تو اب ہمارے یہاں بھی فی باللسان کا اعتبار نہیں ہوگا اور بالاتفاق اسے جماع ہی کے ذریعے رجعت اور فی کرنا ہوگا کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص بدل کے ذریعے مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو جائے گا اس کے حق میں حکم اصل کی طرف عود کرتا ہے اور اسے اصل ہی کے ذریعے مامور بہ کو اداء کرنا پڑتا ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ یہ شخص بھی بدل یعنی فی باللسان کے ذریعے مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے اصل یعنی جماع پر قادر ہو گیا ہے، اس لیے اس کے حق میں بھی حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا اور اب صرف فی بالجماع ہی سے رجعت متحقق ہوگی۔

وَ إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سِوَالِ عَنْ نَيْتِهِ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكُذْبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ وَقِيلَ لَا يَصْدَقُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ يَمِينٌ ظَاهِرًا وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِقُهُ بَانْتِنَاءً إِلَّا أَنْ يُنَوِيَ الثَّلَاثَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْكِتَابَاتِ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظَّهَارَ فَهُوَ ظَهَارٌ وَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَيْسَ بِظَهَارٍ لِانْعِدَامِ التَّشْبِيهِ بِالْمَحْرَمَةِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِيهِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَ فِي الظَّهَارِ نَوْعٌ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَ، وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ التَّحْرِيمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهِ مُؤَلِيًا، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي تَحْرِيمِ الْحَلَالِ إِنَّمَا هُوَ يَمِينٌ عِنْدَنَا وَ سَنَذْكُرُهُ فِي الْإِيمَانِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَ مِنَ الْمَشَائِخِ مَنْ يُصْرِفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيمِ إِلَى الطَّلَاقِ مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے متعلق پوچھا جائے گا چنانچہ اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولنا چاہا ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اس لیے کہ اس نے اپنے کلام کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ظاہر یہی قسم ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی ہے تو وہ ایک طلاق بائن ہوگی الایہ کہ وہ تین کی نیت کرے۔ اور کنایات میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کی نیت ہے تو وہ ظہار

ہے۔ اور یہ حکم حضرات شیخینؒ کے یہاں ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے، کیوں کہ محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینا معدوم ہے حالاں کہ یہ چیز ظہار میں رکن ہے حضرات شیخین رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطلق حرمت کا اطلاق کیا ہے اور ظہار میں بھی ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق مقید کا احتمال رکھتا ہے۔

اور اگر اس نے کہا کہ میں نے حرام کرنے کا ارادہ کیا یا اس سے میرا کوئی ارادہ نہیں تھا تو وہ قسم ہے جس کے ذریعے وہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا، اس لیے کہ حلال چیز کو حرام کرنے میں اصل یہ ہے کہ وہ ہمارے یہاں قسم ہے اور کتاب الایمان میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے اور مشائخ میں سے بعض حضرات حکم عرف کی وجہ سے لفظ تحریم کو نیت کے بغیر طلاق کی طرف پھیرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

### اللغات:

تشبیہ کا مشابہ بتانا۔ ﴿لم اُرد﴾ میں نے ارادہ نہیں کیا۔

### ”انت علی حرام“ کہنے والے کے حکم کی تفصیل:

اس عبارت میں ایک ہی جملے کے تحت کئی مسئلے زیر بحث ہیں جو ان شاء اللہ ترتیب وار آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی حرام تو مجھ پر حرام ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اس کی نیت اور ارادہ معلوم کیا جائے گا چنانچہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ یوں ہی میرے منہ سے یہ جملہ نکل گیا اور جھوٹ بولتے ہوئے میں نے اس کا تلفظ کر دیا تو جمہور علماء کے یہاں اس کا یہ ارادہ شرعاً معتبر ہوگا اور جھوٹ سمجھ کر اس سے توجہ ہٹائی جائے گی، کیوں کہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی مراد لیا ہے بایں طور کہ اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے اور انت علی حرام سے اس کا حرام ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان حلال چیز کو حرام نہیں کر سکتا ہے اس لیے اس کا یہ قول واقع کے مطابق نہیں ہوگا اور اس کے جھوٹ ہونے کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام کرنی رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ انت علی حرام کہہ کر اگر شوہر جھوٹ کا ارادہ کرتا ہے تو صرف دینا اس کی تصدیق ہوگی اور قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی، بلکہ قضاء اسے ایلاء پر محمول کریں گے، کیوں کہ ظاہر ایہ کلام کلام قسم ہے، اس لیے کہ اس میں حلال چیز کو حرام کرنا ہے اور تحریم حلال کا قسم ہونا نص سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے یا ایہا النبی لم تحرم ما أحلّ اللہ لك اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ کیوں اسے حرام کرتے ہیں؟ اور آگے چل کر فرمایا قد فرض اللہ لكم تحلة ایمانکم اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنا بھی فرض کیا ہے، آیت کے دونوں ٹکڑوں سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ پہلے تو تحریم حلال کا بیان ہے اور پھر قسم کھولنے کا بیان ہے، اگر تحریم حلال قسم نہ ہوتی تو اس کی حلت کے کیا معنی ہیں؟ معلوم ہوا کہ تحریم حلال قسم ہے اور قسم کو اگر کوئی جھوٹ پر محمول کرنے کا ارادہ کرے تو قضاء اور ظاہر اس کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ لہذا صورت مسئلہ میں بھی قضاء اس شخص کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۲) اس جملے سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس شخص نے یہ کہا کہ اس جملے سے میں نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے تو اگر اس نے ایک یا دو طلاق کی نیت کی تھی تو دونوں صورتوں میں اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کا ارادہ

کیا ہے تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ طلاق مراد لینے کی صورت میں یہ الفاظ کنایات سے ایقاع طلاق کا مسئلہ ہوگا اور ہم اسے باب الکنایات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں فلا تعید جہنا۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس جملے سے ظہار کی نیت کی تھی تو حضرات شیخین رحمہم اللہ کے یہاں ظہار ثابت ہو جائے گا لیکن امام محمد رحمہم اللہ کے یہاں ظہار کا تحقق نہیں ہوگا۔ امام محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ محللۃ عورت کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا نام ظہار ہے مثلاً شوہر کہے ائت علی کظہر امی اور صورت مسئلہ میں تشبیہ معدوم ہے حالانکہ تشبیہ ظہار کا درکن ہے اور رکن کے بغیر اصل شئی تحقق نہیں ہوتی۔ اس لیے ظہار متحقق نہیں ہوگا۔

ولہما الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں ائت علی حرام کہہ کر شوہر نے مطلق تحریم ذکر کی ہے اور متکلم کی نیت سے مطلق کو مقید کیا جاسکتا ہے اور چوں کہ بیوی کئی طریقوں سے حرام ہو سکتی ہے، مثلاً وہ مطلقہ یا نہ ہو جائے یا محرمہ بالظہار ہو جائے، تو جب ائت علی حرام میں حرمت کے ایک سے زائد پہلو موجود ہیں تو پھر شوہر کی نیت سے اس کی تعیین ہوگی اور اگر شوہر اس سے ظہار کی نیت کرتا ہے تو ظہار ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ ظہار میں بھی ایک طرح کی حرمت ہے اور شوہر کا کلام اس کا احتمال رکھتا ہے۔ (۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے یوں کہا میں نے اس جملے سے بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا مراد لیا ہے یا یہ کہا کہ میں نے بغیر

کسی نیت کے یوں ہی کہہ دیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کا یہ جملہ یمین پر محمول ہوگا اور اس سے ایلاء ثابت ہو جائے گا۔ چنانچہ تحریم مراد لینے کی صورت میں یہ جملہ یمین پر اس لیے محمول ہوگا کہ لم تحرم ما احلّ اللہ لك الخ میں تحریم حلال کو یمین سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام طحاوی وغیرہ کی دلیل کے تحت بیان کیا گیا۔ اور کچھ بھی مراد نہ لینے کی صورت میں اس لیے یمین ہوگا کہ اس کے اس کلام سے تو حرمت ثابت ہی ہوگی مگر کون سی حرمت ثابت ہوگی یہ متعین نہیں ہو پارہا ہے اس لیے کہ اس نے کوئی نیت ہی نہیں کی، چنانچہ ہم اسے یمین یعنی ایلاء پر محمول کریں گے کیوں کہ ایلاء سے ثابت ہونے والی حرمت تمام حرمتوں میں سب سے اہل اور کم تر ہے، اس لیے کہ ایلاء میں کفارہ سے پہلے وطی کرنا حلال ہے، ایلاء کی حرمت چار ماہ بعد ثابت ہوتی ہے جب کہ طلاق اور ظہار کی حرمت فوراً ثابت ہو جاتی ہے اور طلاق میں نکاح سے پہلے اور ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے وطی حلال نہیں ہوتی۔ لہذا متکلم پر آسانی کے پیش نظر اسے ایلاء پر محمول کیا جائے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ آگے کتاب الایمان میں ان شاء اللہ ہم اس پر سیر حاصل بحث کریں گے، اس لیے تھوڑا انتظار کا مزہ لیجئے۔

ومن المشائخ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مشائخ بلخ میں سے فقیہ ابو جعفر ہندوانی، شیخ ابوبکر اسکاف اور شیخ ابوبکر بن سعید کا نظریہ یہ ہے کہ ائت علی حرام سے اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو اس سے طلاق ہی مراد لی جائے گی، کیوں کہ باشندگان بلخ وغیرہ اس جملے سے طلاق ہی مراد لیتے ہیں اور طلاق دینے کے لیے اس کو استعمال کرتے ہیں، گویا کہ ان حضرات نے اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے اور شریعت میں عرف کا اعتبار ہے، چنانچہ علامہ شامی نے رسم المفتی نامی اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ والعرف فی الشرع له اعتبار۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



## بَابُ الْخُلْعِ

یہ باب احکام خلع کے بیان میں ہے

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ باب الخلع کو باب الإیلاء کے بعد بیان کرنے کی دو وجہیں ہیں (۱) ایلاء میں مال نہیں ہوتا اور خلع میں مال ہوتا ہے لہذا مال سے خالی ہونے کے اعتبار سے ایلاء طلاق سے زیادہ قریب ہے، اس لیے پہلے ایلاء کو بیان کیا اور اب خلع کو بیان کر رہے ہیں۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایلاء میں ظلم و زیادتی اور طلاق پر اقدام مرد کی طرف سے ہوتا ہے جب کہ خلع میں یہ تمام امور عورت کی طرف سے ہوتے ہیں اور مردوں کو ہر محاذ پر عورتوں سے تقدم اور سبقت حاصل ہے اس لیے یہاں بھی ایلاء کو خلع پر مقدم کیا گیا اور خلع کو بعد میں بیان کیا جا رہا ہے۔

خلع کے لغوی معنی: نفث میں خلع (ف) کے معنی میں ہیں نکالنا، الگ کرنا، اتارنا قرآن کریم میں ہے۔ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ جو جوتے اتارنے کے معنی میں ہے۔

خلع کے شرعی معنی: عبارة عن أخذ مال من المرأة بإزاء ملك النكاح بلفظ الخلع یعنی لفظ خلع کے ذریعے ملک نکاح کے عوض بیوی سے مال لینے کا نام اصطلاح شرع میں خلع ہے۔ اور خلع کی شرائط طلاق کی شرائط ہیں۔ اور خلع کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذریعے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ (بنایہ ۲۹۱/۵)

وَإِنْ تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا أَنْ لَا يَقِيَمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَفْتَدِي نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (سورة البقرة : ۲۲۹) فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقٌ بَائِنٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ لِقَوْلِهِ ۝ (الْخُلْعُ تَطْلِيقٌ بَائِنٌ) وَلِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتَّى صَارَ مِنَ الْكِنَايَاتِ، وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَاتِ بَائِنٌ، إِلَّا أَنَّ ذِكْرَ الْمَالِ أَغْنَى عَنِ النَّيِّةِ هُنَا، وَلِأَنَّهُ لَا تَتَسَلَّمُ الْمَالُ إِلَّا لِنُتْلَمَ لَهَا نَفْسَهَا وَذَلِكَ بِالْبَيِّنُونَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر مایاں بیوی ایک دوسرے سے جھگڑا کریں اور دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت شوہر کو ایسے مال کے ذریعے اپنی جان کا فدیہ دے جس کے ذریعے شوہر کو الگ کر دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

گرمی ہے ”ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے اس فدیہ میں جو عورت شوہر کو فدیہ دے چنانچہ جب شوہر نے ایسا کر لیا تو خلع کے ذریعے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور بیوی پر مال لازم ہوگا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرمی ہے ”خلع طلاق بائن ہے۔ اور اس لیے کہ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ کنایات میں ہو گیا اور الفاظ کنایات کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق بائن ہوتی ہے، البتہ مال کی وضاحت نے یہاں نیت سے مستغنی کر دیا۔ اور اس لیے کہ عورت صرف اس لیے مال دیتی ہے تاکہ اس کی جان اس کے سپرد کر دی جائے اور یہ چیز طلاق بائن سے حاصل ہوگی۔

## اللغات:

﴿تَشَاقُّ﴾ مخالفت کریں، جھگڑا کریں۔ ﴿تَفْتَدِي﴾ فدیہ دے دے۔ ﴿يَخْلَعُهَا﴾ الگ کرے۔ ﴿جَنَاحٌ﴾ حرج، گناہ۔ ﴿أَغْنَى﴾ ضرورت مند نہیں رکھا۔

## تخریج:

① أخرجه البيهقي في كتاب الخلع والطلاق باب الخلع هل هو فسخ أو طلاق، حديث رقم: ۱۴۸۶۵.

## خلع کی تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر میاں بیوی میں کسی وجہ سے نا اتفاقی پیدا ہو جائے اور صورت حال اتنی سنگین ہو جائے کہ نباہ اور گذر بسر کی کوئی شکل باقی نہ رہے اور ان دونوں کو یہ احساس ہو جائے کہ اب اللہ کے حدود کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنا پانا مشکل ہے تو اگر عورت شوہر سے مال کے عوض یعنی اسے مال دے کر اپنی جان آزاد کرالے تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ طریقہ اختیار کرنا درست اور جائز ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآن سے تو اس کا ثبوت اس آیت سے ہے ”فان خفتم أن لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افدتا به“ اس آیت کے متعلق بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور ان کی بیوی جمیلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی عدالت میں خلع کیا تھا۔ اور دربار نبوی سے جو فیصلہ صادر ہوا تھا وہی فیصلہ خلع کے لیے دلیل بشکل حدیث بن گیا، اس لیے قرآن اور حدیث دونوں سے اس کا ثبوت ہوا۔

صاحب بنایہ رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ میں عورت کے مال دینے کو فدیہ دینے سے تعبیر کیا ہے اور عورت کی جانب سے فدیہ دینے کا مطلب ہے قید سے رہائی حاصل کرنا اور یہ معنی خلع میں موجود ہے، کیوں کہ عورتیں شوہروں کے پاس درحقیقت قید ہی ہوتی ہیں اور ہر چیز میں ان کے احکام کی پابند اور ان کے اشاروں پر کاربند ہوتی ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے اتقوا الله في النساء، فانهن عندكم عوانا کہ اللہ تعالیٰ سے عورتوں کے سلسلے میں ڈرتے رہا کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں، عوان بمعنی قیدی۔ (بنایہ ۲۹۲/۵)

بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورت خلع کے ذریعے اپنے آپ کو شوہر کی قید سے آزاد کر سکتی ہے اور جب بھی یہ کام ہوگا یعنی خلع ہوگا اس وقت بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور بیوی کے ذمے مال واجب ہوگا جو شوہر کے حوالے کرنا ہوگا۔ خلع کے طلاق بائن ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو کتاب میں موجود ہے الخلع تطليقة بائنة، خلع کے طلاق بائن ہونے کی عقلی دلیل یہ

ہے کہ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے اسی لیے اسے طلاق کے الفاظ کنایات میں سے شمار کیا گیا ہے اور الفاظ کنایات کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق، طلاق بائن ہوتی ہے، اس لیے خلع کے ذریعے واقع ہونے والی طلاق بھی بائن ہوگی۔

الا ان ذکر المال سے ایک طالب علمانہ اشکال کا جواب دیا گیا ہے، اشکال یہ ہے کہ جب خلع الفاظ کنایات میں سے ہے تو جس طرح دیگر الفاظ کنایات میں وقوع طلاق کے لیے نیت شرط ہے اسی طرح لفظ خلع میں بھی نیت شرط ہونی چاہیے، حالانکہ لفظ خلع میں نیت شرط نہیں ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ خلع لغوی اعتبار سے کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہے مگر جب مال کو ذکر کر دیا جاتا ہے تو وہ خلع عن النکاح کے لیے متعین ہو جاتا ہے، اور خلع عن النکاح میں مال کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ولأنها لاتتسلم الخ: خلع کے ذریعہ واقع ہونے والی طلاق کے بائن ہوئے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عورت مال اس لیے دیتی ہے تاکہ اس کی جان کو مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے اور عورت کی جان صرف طلاق بائن میں ہی علی وجہ الکمال اس کے حوالے ہوتی ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی خلع سے طلاق بائن ہی کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے۔

وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهِ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا عَوْضًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ إِلَى أَنْ قَالَ فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (سورة النساء : ۲۰)، وَلَآئِنَّهُ أَوْ حَشَهَا بِالْإِسْتِبْدَالِ فَلَا يَزِيدُ فِي وَحْشِهَا بِأَخْذِ الْمَالِ.

**ترجمہ:** اور اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو تو اس کے لیے بیوی سے عوض لینا مکروہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو“ یہاں تک کہ فرمایا کہ اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ اور اس لیے کہ شوہر نے بیوی بدل کر اسے وحشت میں ڈال دیا ہے، لہذا مال لے کر اسے مزید وحشت میں نہ ڈالے۔

### اللغات:

﴿نشوز﴾ سرکشی، نافرمانی، زیادتی۔ ﴿استبدال﴾ بدلنا۔ ﴿أوحش﴾ نامانوس کیا ہے، اجنبی کر دیا ہے۔

### شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کے لیے خلع کے عوض اس صورت میں مال لینا صحیح ہے جب سرکشی اور زیادتی بیوی کی طرف سے ہو، لیکن اگر زیادتی خود شوہر کی طرف سے ہو تو پھر اس صورت میں اس کے لیے بدل خلع کے طور پر مال لینا مکروہ ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے ”کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہتے ہو اور مہر وغیرہ میں کسی بیوی کو تم نے بہت ڈھیر سارا مال دے رکھا ہو تب بھی اس میں سے کچھ نہ لو، قرآن نے آگے کہا ”اتأخذونه بهتانا وإثما مبينا“ یعنی کیا تم تہمت لگا کر اور صریح گناہ کا مرتکب ہو کر اسے لے رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہو تو پھر اس کے لیے بدل خلع لینا مکروہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے خلع پر رضا مندی ظاہر کر کے یہ اشارہ دیدیا ہے کہ وہ موجودہ بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا اور ایک عورت کے حق میں اس سے بڑا دھماکہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کا شوہر اس کو چھوڑ رہا ہو، لہذا استبدال کی اطلاع دے

کر شوہر نے بیوی کو وحشت میں ڈال دیا ہے، تو مال اور عوض لے کر اسے بیوی کو مزید وحشت میں نہیں ڈالنا چاہیے، صاحب ہدایہ نے ولانہ او حشہا سے اسی کو بیان کیا ہے۔

وَإِنْ كَلِمَتَا النُّشُوزِ مِنْهَا كَرِهْنَا لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا، وَفِي رِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ طَابَ الْفَضْلُ أَيْضًا لِإِطْلَاقِ مَا تَكَلَّمْنَا بِهِ، وَجْهٌ الْآخَرَى قَوْلُهُ ❶ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) فِي امْرَأَةٍ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ ((أَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا)) وَقَدْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْهَا:

**ترجمہ:** اور اگر سرکشی بیوی کی طرف سے ہو تو ہم شوہر کے لیے یہ بات مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس نے جتنا بیوی کو دیا ہے اس سے زیادہ لے، اور جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ شوہر کے لیے زیادہ لینا بھی مباح ہے اس لیے کہ سابق میں ہم نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ مطلق ہے۔ اور دوسری روایت کی دلیل حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے ”أما الزيادة فلا“ حالاں کہ نافرمانی عورت کی طرف سے تھی۔

### اللغات:

﴿طاب﴾ پاک ہے، حلال ہے۔ ﴿فضل﴾ اضافہ۔

### تخریج:

❶ أخرجه دارقطني في السنن، حديث ۳۶۷۱، مشکولا.

### شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر سرکشی اور زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو مبسوط کی روایت کے مطابق شوہر کے لیے مقدار مہر سے زائد مال لینا مکروہ ہے جب کہ جامع صغیر کی روایت میں امام محمد علیہ الرحمہ نے زیادتی کو بھی شوہر کے لیے حلال اور مباح قرار دیا ہے اور اس اباحت کی دلیل فلا جناح علیہما فیما افتدت به کا اطلاق ہے یعنی اس آیت میں مطلق فدیہ کو مباح قرار دیا گیا ہے خواہ اور وہ مہر کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ اس لیے مہر کی مقدار سے زیادہ لینا شوہر کے لیے حلال ہے۔ اور مبسوط میں بیان کردہ روایت کی دلیل حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”أما الزيادة فلا“ یعنی مہر مسکلی کی مقدار سے زیادہ بدوی خلع لینا مکروہ ہے، علامہ یعنی علیہ الرحمہ نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث مکمل طور پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے قال أخبرني أبو الزبير بن ثابت بن قيس بن شماس كانت عنده زينب بنت عبد الله بن أبي بن سلول وكان أصدقها حديقة فكرهته ، فقال النبي ﷺ أتريدین علیہ حدیقته التي أعطاک ، قالت نعم وزیادة ، فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم أما الزیادة فلا الخ۔ (۲۹۸/۵)

حضرت ثابت بن قیس نے اپنی بیوی کو ایک باغ بطور مہر دیا تھا، لیکن بیوی ان سے مطمئن نہیں تھیں، اس لیے انہوں نے خلع کا مطالبہ کیا جس پر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم وہ باغ واپس کر سکتی ہو جو ثابت نے تمہیں مہر میں دیا تھا، انہوں نے کہا کہ



ہاں میں اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ بھائی زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس واقعے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اگر نشوز عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کے لیے مہر مسمیٰ کی مقدار سے زیادہ بدل خلع لینا مکروہ ہے، اس لیے کہ صاحب شریعت نے جب اباحت کو ممنوع قرار دیا تو حرمت اگرچہ نہیں، لیکن کراہت تو ضرور ہوگی۔

وَلَوْ أَخَذَ الزَّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ وَكَذَلِكَ إِذَا أَخَذَ وَالنَّشُوزُ مِنْهُ، لِأَنَّ مُقْتَضَى مَا تَلَوْنَاهُ شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا، وَالْإِبَاحَةُ، وَقَدْ تَرَكَ الْعَمَلُ فِي حَقِّ الْإِبَاحَةِ لِعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُولًا فِي الْبَاقِي.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے زیادہ لے لیا تو قضاءً اجازت ہے اور ایسے ہی جب اس نے مال لے لیا حلال کہ نشوز اسی کی طرف سے تھا، اس لیے کہ ہماری تلاوت کردہ نص دو چیزوں کی متقاضی ہے حکماً جائز ہونا اور مباح ہونا، لیکن معارض کی وجہ سے اباحت کے حق میں عمل ترک کر دیا گیا ہے لہذا دوسرے میں معمول باقی رہے گا۔

**شوہر کے لیے خلع کا مال لینا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خواہ نشوز مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے بہر دو صورت اگر مرد نے بدل خلع میں مہر مسمیٰ کی مقدار سے زیادہ مال لے لیا تو یہ زیادہ مال لینا شوہر کے لیے جائز تو ہے لیکن مباح نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے اور جواز اور کراہت میں اجتماع ممکن ہے کیوں کہ جواز کی ضد حرمت ہے جب کہ اباحت کی ضد کراہت ہے۔ اور فیما افدت بہ والی آیت دو چیزوں کی متقاضی ہے (۱) شرعی جواز (۲) اور اباحت اور یہ بات طے ہے کہ اگر معارض کی وجہ سے نص کے پورے حصے پر عمل ممکن نہ ہو تو جو حصہ معارض سے خالی ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں اباحت پر عمل ترک کر دیا گیا ہے، کیوں کہ اباحت کے معارض اما الزيادة فلا الخ والی حدیث موجود ہے، اس لیے اس معارض کی وجہ سے اباحت کے حق میں عمل نہیں ہوگا، تاہم جواز کے حق میں آیت پر ضرور عمل ہوگا اور شوہر کے لیے زیادہ لینا جائز ہوگا، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ جواز مع الکراہت ہے۔ (بنایہ: ۲۹۹/۵)

وَإِنْ طَلَّقَهَا عَلَى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ، لِأَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيزًا وَتَعْلِيقًا وَقَدْ عَلَّقَهُ بِقَبُولِهَا، وَالْمَرْأَةُ تَمْلِكُ التَّزَامَ الْمَالِ لَوْلَا بَيْتُهَا عَلَى نَفْسِهَا، وَمِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوزُ الْإِعْيَاضُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا كَالْقِصَاصِ، وَكَانَ الطَّلَاقُ بَإِنِّائًا لِمَا بَيْنَنَا، وَلِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَقَدْ مَلَكَ الزَّوْجُ أَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فَمِلْكُ هِيَ الْآخَرُ وَهُوَ بِالنَّفْسِ تَحْقِيقًا لِلْمَسَاوَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے مال کے عوض طلاق دی اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو اس پر مال لازم ہوگا، اس لیے کہ شوہر منجز اور معلق دونوں طرح طلاق دینے میں مستقل ہے اور شوہر نے طلاق کو عورت کی قبولیت پر معلق کیا ہے اور عورت مال لازم کرنے کی مالک ہے اس لیے کہ اس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور ملک نکاح ان چیزوں میں سے ہے جن کا عوض لینا جائز ہے ہر چند کہ قصاص کی طرح نکاح بھی مال نہیں ہے۔ اور یہ طلاق بائن ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ جان کا مالی معاوضہ

ہے اور شوہر بد لین میں سے ایک کا مالک ہے لہذا برابری ثابت کرنے کے لیے بیوی دوسرے بدل کی مالک ہوگی۔ اور دوسرا بدل بیوی کا نفس ہے۔

### اللغات:

﴿قبلت﴾ قبول کر لیا۔ ﴿یستبد﴾ مستقل ہوتا ہے، اکیلا ہی کرنے والا ہوتا ہے۔ ﴿تنجیز﴾ فوری واقع کرنا۔ ﴿النزام﴾ اپنے ذمے لینا۔ ﴿مساواة﴾ برابری۔

### طلاق علی المال:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو مال پر معلق کر کے یوں کہا کہ طلقک علی ألف درہم میں نے ایک ہزار درہم کے عوض تجھے طلاق دی اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور بیوی پر ایک ہزار درہم کی ادائیگی لازم ہوگی۔ صاحب بنایہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ صورت تین چیزوں پر مبنی ہے (۱) و (۲) میاں بیوی دونوں میں معاوضے کے لین دین کی اہلیت و لیاقت ہو (۳) اور تیسری چیز یہ ہے کہ محل میں عوض اور معاوضہ لینے کی صلاحیت ہو، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تینوں چیزیں موجود ہیں، کیوں کہ شوہر ہر طرح کی طلاق دینے کا اہل ہے خواہ وہ فوری طلاق دے یا طلاق کو کسی چیز پر معلق کر دے، اسی طرح بیوی بھی اپنے اوپر مال لازم کرنے کی حق دار ہے، کیوں کہ اسے اپنے نفس پر ولایت تامہ حاصل ہے اور وہ مال دے کر اپنے آپ کو ہر طرح سے آزاد کراتی ہے۔ اور پھر نکاح کے اندر قبولیت معاوضہ کی صلاحیت بھی ہے، کیوں کہ اگرچہ نکاح مال نہیں ہے مگر پھر بھی اس کو ختم کرنے کا عوض لینا جائز ہے جیسے قصاص کے عوض معاوضہ لینا جائز ہے حالانکہ قصاص مال نہیں ہے، بہر حال یہاں صحت معاوضہ کی تمام شرطیں موجود ہیں اس لیے شوہر کا مال کے عوض طلاق دینا صحیح ہے۔ اور اگر بیوی مال کی ادائیگی کو قبول کر لیتی ہے تو اس پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ بیوی نے اسی لیے مال دینے پر رضا مندی ظاہر کی ہے تاکہ اسے کامل طور پر اس کا نفس دے دیا جائے اور یہی اسی وقت ہوگا جب طلاق بائن واقع ہو۔

ولأنه معاوضة الخ: یہاں سے طلاق کے بائن ہونے کی دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ مال دے کر جان چھڑانے سے متعلق ہے یعنی ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف جان ہے اور شوہر ایک چیز کا یعنی مال کا مالک ہے اس لیے لازمی طور پر بیوی دوسری چیز یعنی نفس کی مالک ہوگی تاکہ میاں بیوی کی ملکیت میں برابری اور مساوات ثابت ہو جائے۔ اور یہی اسی وقت ممکن ہوگا جب مذکورہ طلاق طلاق بائن ہو۔

قَالَ وَ إِنْ بَطَلَ الْعَوْضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ أَنْ يُخَالَعَ الْمُسْلِمُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ، وَالْفَرْقَةُ بَائِنَةٌ، وَ إِنْ بَطَلَ الْعَوْضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا فَوْقُوعُ الطَّلَاقِ فِي الْوُجْهِينِ لِلتَّعْلِيلِ بِالْقَبُولِ وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ، لِأَنَّهُ لَمَّا بَطَلَ الْعَوْضُ كَانَ الْعَامِلُ فِي الْأَوَّلِ لَفْظُ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ، وَ فِي الثَّانِي الصَّرِيحُ وَهُوَ يَعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَ إِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْءٌ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا مَا سَمَتْ مَا لَا مُتَقَوِّمًا حَتَّى تَصِيرَ

غَارَةً لَهُ، وَ لَانَّهُ لَا وَجْهَ اِلَى اِيْجَابِ الْمُسْمَى لِلْاِسْلَامِ وَلَا اِلَى اِيْجَابِ غَيْرِهِ لِعَدَمِ الْاِتِّزَامِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا خَالَعَ عَلَى خَلٍّ بَعْنِهِ فَظَهَرَ اَنَّهُ خَمْرٌ لَانَّهَا سَمَتْ مَا لَا فَصَارَ مَغْرُورًا وَ بِخِلَافِ مَا اِذَا كَاتَبَ اَوْ اَعْتَقَ عَلَى خَمْرِ حَيْثُ تَجِبُ قِيَمَةُ الْعَبْدِ، لَانَّ مِلْكَ الْمَوْلَى فِيْهِ مُتَقَوِّمٌ وَ مَا رَضِيَ بِزَوَالِهِ مَجَانًا، اَمَّا مِلْكَ الْبُضْعِ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ عَلَى مَا نَذَكُرُ وَ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لَانَّ الْبُضْعَ فِيْ حَالَةِ الدُّخُولِ مُتَقَوِّمٌ وَ الْفَقْهُ اَنَّهُ شَرِيفٌ فَلَمْ يُشْرَعْ تَمْلِكُهُ اِلَّا بِعَوَضٍ، اِظْهَارًا لِشَرَفِهِ، قَاَمًا اِلِسْقَاطُ فَنَفْسُهُ شَرِيفٌ فَلَا حَاجَةَ اِلَى اِيْجَابِ الْمَالِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر خلع کا عوض باطل ہو جائے مثلاً مسلمان شراب یا خنزیر یا مردار پر خلع کرے تو شوہر کو کچھ نہیں ملے گا اور فرقت بائنہ ہوگی۔ اور اگر طلاق کا عوض باطل ہو جائے تو وہ رجعی ہوگی، چنانچہ دونوں صورتوں میں طلاق کا واقع ہونا قبول پر معلق کرنے کی وجہ سے ہے اور حکم میں دونوں کا مختلف ہونا اس لیے ہے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو پہلی صورت میں لفظ خلع عامل ہوگا اور وہ لفظ کنایہ ہے اور دوسری صورت میں لفظ صریح ہے اور صریح کے بعد رجعت ہوتی ہے۔ اور عورت پر شوہر کے لیے اس وجہ سے کچھ نہیں واجب ہوا، کیوں کہ اس نے مال مقوم کو متعین نہیں کیا تھا کہ وہ دغا باز ہو جائے۔ اور اس لیے بھی کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے مال متعین واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کو واجب کرنے کی کوئی صورت ہے اس لیے کہ بیوی نے اس کا التزام نہیں کیا ہے، برخلاف اس صورت کے جب شوہر نے کسی متعین سرکہ پر خلع کیا لیکن وہ خمر نکلا، کیوں کہ عورت نے مال متعین کیا تھا لہذا شوہر دھوکا کھانے والا ہو گیا۔ اور برخلاف اس صورت کے جب آقا نے اپنے غلام سے شراب پر بدل کتابت کیا یا شراب کے عوض اسے آزاد کیا چنانچہ ان صورتوں میں غلام کی قیمت واجب ہوگی، کیوں کہ غلام میں مولیٰ کی ملک مقوم ہے اور وہ مفت اس کے زائل ہونے پر راضی نہیں ہے رہی ملک بضع تو حالت خروج میں وہ مقول نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اور برخلاف نکاح کے۔ اس لیے بضع بحالت دخول مقوم ہے اور راز کی بات یہ ہے کہ بضع ایک اچھی چیز ہے اس لیے اس کی عمدگی کو ظاہر کرنے کے لیے عوض کے بغیر اس کا مالک بننا مشروع نہیں ہوا ہے، رہا ملک کو ساقط کرنا تو وہ اپنی ذات میں عمدہ ہے، اس لیے مال واجب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿خمر﴾ شراب۔ ﴿میتہ﴾ مردار۔ ﴿فرقہ﴾ علیحدگی۔ ﴿سمت﴾ ملے نہیں کیا۔ ﴿غارۃ﴾ دھوکہ دینے والی۔ ﴿خل﴾ سرکہ۔ ﴿مغرور﴾ جس کو دھوکہ دیا گیا ہو۔ ﴿مجانا﴾ بلا عوض، مفت۔ ﴿شریف﴾ محترم۔

## غیر مقوم شے کو بدل خلع بنانا:

صورت مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان شخص نے اپنی بیوی سے شراب، خنزیر یا مردار کے عوض خلع کیا تو خلع تو درست ہوگا اور دونوں میں فرقت بائن واقع ہوگی، لیکن پر بدل خلع کا عوض نہیں واجب ہوگا نہ تو شراب وغیرہ اور نہ ہی ان کے علاوہ دوسرا کوئی

مال۔ اور اگر کسی شخص نے شراب یا خمر کو عوض مقرر کر کے اپنی بیوی کو طلاق دیا تو ظاہر ہے کہ عوض باطل ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں طلاق تو اس لیے واقع ہوگی کہ شوہر نے وقوع طلاق کو بیوی کے قبول عوض پر معلق کیا تھا اور دونوں صورتوں میں بیوی نے عوض قبول کر لیا ہے، اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن پہلی صورت میں طلاق بائن ہوگی اور دوسری صورت میں طلاق رجعی، ان میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں عوض باطل ہو گیا تو صرف لفظ طلاق باقی رہا اور یہ لفظ پہلی صورت میں خلع ہے اور خلع الفاظ کنایات میں سے ہے اور الفاظ کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے اس لیے پہلی صورت میں لفظ خلع سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور دوسری صورت میں عوض باطل ہونے کے بعد انت طالق ہی باقی بچا ہے اور انت طالق لفظ صریح ہے اور الفاظ صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس لیے دوسری صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی۔

و إنما لم یجب النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بیوی پر شوہر کے لیے مال کے نام پر ایک رتی بھی واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ خمر اور خنزیر کو بدل متعین کیا گیا تھا اور یہ چیزیں مال مقنوم نہیں ہیں اور ان کی تعین کھلے لفظوں میں ہوئی ہے، اس لیے بیوی شوہر کو دھوکا دینے والی بھی نہ ہوئی۔ کیوں کہ ایک مسلمان کے لیے نہ تو ان چیزوں کا مالک بننا صحیح ہے اور نہ ہی ان پر قبضہ کرنا درست ہے، اس لیے مال مسکئی کو واجب کرنے کی صورت نہیں ہے۔ اور مال مسکئی کے علاوہ کوئی دوسرا مال بھی نہیں واجب کیا جاسکتا، کیوں کہ بیوی نے اسے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے، اب ظاہر ہے کہ اسے واجب کرنے کی صورت میں بیوی پر ظلم ہوگا و الظلم مدفوع فی الشرع۔

بخلاف ما إذا خالع النخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے سر کے کسی متعین مکے پر خلع کیا اور بعد میں وہ مکہ شراب نکلا تو اس صورت میں بیوی پر اس کا بدل واجب ہوگا چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس پر مہر مسکئی کے بقدر مال واجب ہوگا اور حضرات صاحبین کے یہاں خل مسکئی کے بقدر سرکہ واجب ہوگا، کیوں کہ عورت نے سرکہ پر خلع کر کے مال مقنوم پر خلع کیا ہے مگر جب وہ شراب اور مال مقنوم ٹھہرا تو عورت شوہر کو دھوکہ دینے والی ہوئی اس لیے اس پر مال مسکئی کا بدل اور واجب ہوگا کیوں کہ دھوکہ دینے سے انسان پر ضمان واجب ہوتا ہے۔ (عنایہ)

وبخلاف النخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی مولیٰ نے شراب یا خنزیر کے عوض اپنے غلام سے بدل کتابت کیا یا ان چیزوں کے عوض اسے آزاد کیا تو ان دونوں صورتوں میں غلام پر اس کی قیمت بشکل عوض و بدل واجب ہوگی، اس لیے کہ غلام مولیٰ کی ملکیت ہے اور وہ مال مقنوم ہے، اور شراب وغیرہ مال غیر مقنوم ہے اور مولیٰ مفت میں اپنی ملکیت زائل کرنے پر راضی نہیں ہے، اس لیے خمر وغیرہ کے عوض میں غلام پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اس کے برخلاف عورت کی ملکیت بضع ہے تو حالت خروج یعنی طلاق اور خلع وغیرہ کی صورت میں وہ مال مقنوم نہیں رہتی، اس لیے اگر ملک بضع کی رہائی کے لیے (طلاق یا خلع کے ذریعے) شراب وغیرہ کو عوض متعین کی جائے تو خلع صحیح ہوگا لیکن شراب وغیرہ واجب نہیں ہوگی۔

وبخلاف النکاح النخ: فرماتے ہیں کہ خلع اور طلاق کے برخلاف اگر کسی شخص نے شراب یا خنزیر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوگا اور مہر مسکئی کے بدل میں مہر مثل واجب ہوگا کیوں کہ عورت کی بضع حالت دخول (بجالت نکاح) میں مال

مستقوم ہے اس لیے اس کے عوض میں مہر منشی یعنی شراب وغیرہ کا بدلہ بشکل مہر مثل واجب ہوگا۔

والفقہ الخ: فرماتے ہیں کہ ملک بضع کے بحالت دخول مال مستقوم ہونے کا راز اور بھید یہ ہے کہ بضع فی نفسہ عمدہ اور قابل احترام چیز ہے اس لیے بحالت ابتداء یعنی نکاح کے وقت اس کا مالک بننے کے لیے عوض کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کی عمدگی اور شرافت کا اظہار ہو، لیکن بحالت انتہا یعنی طلاق اور خلع کی صورت میں اسے ساقط کرنے کے لیے مال کا ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ فی نفسہ شریف ہے تو پھر بلا وجہ اس کے اسقاط میں مال نہیں واجب کیا جائے گا۔ اور یہی فرق ہے خلع اور نکاح کے درمیان کہ خلع میں شراب وغیرہ کو عوض ٹھہرایا جائے تو عوض باطل ہوتا ہے اور اس کا بدلہ بھی واجب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بضع کی حالت خروج ہے۔ اور حالت خروج میں بضع مال مستقوم نہیں ہے، اس کے برخلاف نکاح کی حالت دخول ہے اور حالت دخول میں بضع مال مقبّل ہوتا ہے اس لیے اگر خریا خنزیر کے عوض نکاح ہو تو ان کا بدلہ یعنی مہر مثل واجب ہوگا۔

قَالَ وَ مَا جَازَ أَنْ يَكُونَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُونَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ، لِأَنَّ مَا يَصْلُحُ عَوَضًا لِلْمَتَّقَوْمِ أَوْلَى أَنْ يَصْلُحَ لغيرِ الْمُتَّقَوْمِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جو چیز مہر ہو سکتی ہے وہ خلع کا بدلہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے جو چیز مستقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ غیر مستقوم کا تو بدرجہ اولیٰ عوض ہو سکتی ہے۔

### بدل خلع کیا ہو؟

مسئلہ یہ ہے فقہ میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع میں عوض ہو سکتی ہے کیوں کہ نکاح کی حالت میں بضع مال مستقوم ہوتا ہے اور خلع کی حالت میں وہ مال غیر مستقوم ہوتا ہے اور جو چیز مال مستقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ مال غیر مستقوم کا عوض تو بدرجہ اولیٰ بن سکتی ہے۔ لیکن اس کا برعکس نہیں ہو سکتا یعنی جو چیز خلع کا عوض بن سکے اس کا مہر اور نکاح کا عوض بننا ضروری ہو چنانچہ دس دراہم سے کم خلع کا عوض تو بن سکتا ہے لیکن مہر کا عوض نہیں ہو سکتا۔ (بنایہ ۳۰۵/۵)

فَإِنْ قَالَتْ لَهُ خَالِعُنِي عَلَى مَا فِي يَدِي فَخَالَعَهَا وَ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا لَمْ تَغْرَهُ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ.

**ترجمہ:** پھر اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لو چنانچہ شوہر نے خلع کر لیا اور بیوی کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ عورت نے مال متعین کر کے شوہر کو دھوکہ نہیں دیا ہے۔

### اللغات:

﴿خالعني﴾ مجھ سے خلع کر لو۔ ﴿لم تغره﴾ اسے دھوکہ نہیں دیا۔

### بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کی بات مان کر علی مافی یدھا پر خلع کر لیا اور بعد میں کچھ نہیں نکلا تو خلع صحیح ہوگا اور بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا کیوں کہ تسمیہ علی مافی یدھا ہے اور کلمہ ماعام ہے جو مال اور غیر مال سب کو شامل ہے، اس لیے کہ ایسا کہہ کر بیوی شوہر کو دھوکہ دینے والی نہیں ہوئی اور جب وہ دھوکہ دینے والی نہیں ہوئی فلا یجب علیہ بدل التسمیہ شیئ آخر۔ (عناہ)

وَإِنْ قَالَتْ خَالَعْنِي عَلَى مَا فِي يَدَيَّ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا لَا نَهًا لَمَّا سَمَتْ مَا لَا لَمْ يَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ إِلَّا بِعَوَضٍ، وَلَا وَجَهَ إِلَى إِنْجَابِ الْمُسْتَمَى وَفِيمَتِهِ لِلْجَهَالَةِ، وَلَا إِلَى فِيمَةِ الْبُضْعِ أَعْنِي مَهْرَ الْمَثَلِ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ حَالَةَ الْخُرُوجِ فَتَعَيَّنَ إِنْجَابُ مَا قَامَ بِهِ عَلَى زَوْجٍ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی نے کہا میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لو چنانچہ شوہر نے خلع کر لیا اور بیوی کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی اپنا مہر شوہر کو واپس کر دے، اس لیے کہ جب بیوی نے مال کا نام لے لیا تو عوض کے بغیر شوہر ملک نکاح کے زوال پر راضی نہیں ہوا اور جہالت کی وجہ سے مال مستحق اور اس کی قیمت واجب کرنے کی صورت نہیں ہے اور نہ ہی بضع کی قیمت یعنی مہر مثل واجب کرنے کی کوئی صورت ہے، اس لیے کہ بحالت خروج بضع غیر مقوم رہتا ہے، لہذا شوہر سے ضرر ختم کرنے کے لیے اس مقدار کا واجب کرنا متعین ہے جس میں وہ شوہر کو پڑی ہے۔ (مہر مستمی)

### اللغات:

﴿رَدَّتْ﴾ لوٹائے گی۔ ﴿عَوَضٌ﴾ بدل، قیمت۔

### بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ہاتھ میں جو مال ہے اس کے عوض تم مجھ سے خلع کر لو چنانچہ شوہر میاں نے خلع کر لیا لیکن بعد میں جب بیوی صاحبہ نے اپنی تھیلی بھاڑی تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا، اب اس عورت کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ اس مہر کو واپس شوہر کے حوالے کر دے جو اس نے بوقت نکاح اسے دیا تھا، کیوں کہ عورت نے علی مافی یدھا ی من المال کہہ کر شوہر کو مال کا لالچ دیا ہے لہذا مال کے بغیر شوہر خلع کرنے اور اپنی ملکیت نکاح کو زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ میں بیوی کی طرف سے شوہر کو مال دینے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہی ہے کہ بیوی اپنا مہر شوہر کو دیدے، کیوں کہ مستحق بھی مجہول ہے اور اس کی قیمت بھی مجہول ہے اسی طرح مہر مثل دینا بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ مہر مثل مال مقوم ہے حالاں کہ بوقت خلع و خروج بضع غیر مقوم ہوتا ہے، اس لیے ان تمام چیزوں کی ادا نیگی معذر ہے اور اب شوہر کو منانے اور خاموش کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ بیوی اس کا دیا ہوا مہر اس کے حوالے کر دے تاکہ شوہر مطمئن ہو جائے اور مفت میں ضیاع ملک کے

وہ سے اور ضرر سے بچ جائے۔

وَلَوْ قَالَتْ خَالَعِنِي عَلَى مَا فِي يَدِي دَرَاهِمَ أَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَعَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمٍ، لِأَنَّهَا سَمَتِ الْجَمْعَ وَأَقْلَهُ ثَلَاثَةً، وَكَلِمَةُ مِنْ هُنَا لِلصِّلَةِ دُونَ التَّبْعِيضِ، لِأَنَّ الْكَلَامَ يَخْتَلُ بِدُونِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی نے کہا مجھ سے ان دراہم کے عوض خلع کر لو جو میرے ہاتھ میں ہیں چنانچہ شوہر نے خلع کر لیا لیکن اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے، اس لیے کہ اس نے صیغہ جمع کو متعین کیا ہے اور اقل جمع تین ہیں۔ اور کلمہ من یہاں بیان کے لیے ہے، تبعیض کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ اس کے بغیر کلام مختل ہو جاتا ہے۔

### اللغات:

﴿سمت﴾ طے کیا ہے، ذکر کیا ہے۔ ﴿تبعیض﴾ بعضیت بتاتا۔ ﴿یختل﴾ خلل زدہ، غلط۔

### بدل خلع کو متعین نہ کرنے کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے کہا خالعی علی ما فی یدی من دراہم أو من الدراہم اور شوہر نے اس سے خلع کر لیا لیکن بیوی کے ہاتھ میں دراہم تو درکنار ایک کوڑی بھی نہیں تھی تو اس صورت میں بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے جنہیں وہ شوہر کو ادا کر کے بری الذمہ ہوگی، کیوں کہ اس نے دراہم کو بصیغہ جمع ذکر کیا ہے اور جمع کی کم سے کم تعداد تین ہے اور اقل متعین بھی ہوتا ہے، اس لیے بیوی پر تین دراہم واجب کیے جائیں گے۔

و کلمۃ من الخ: فرماتے ہیں کہ بیوی کے قول من دراہم یا من الدراہم میں کلمہ من بیان اور وضاحت کے لیے ہے بعضیت کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ اگر اس کو کلام سے محذوف مانیں گے اور بدون من خالعی علی ما فی یدی دراہم کہیں گے اور بعد میں پچھ نہیں نکلے گا تو یہ کلام مختل ہوگا اور یہ صورت مفضی الی النزاع ہوگی، لہذا من کو بیان کے لیے مانیں گے اور جب من بیانیہ ہوگا تو دراہم کا کلمہ بصیغہ جمع باقی رہے گا اور اقل جمع کے متعین ہونے کی وجہ سے بیوی پر تین دراہم واجب ہوں گے۔ (بنایہ ۷۵/۳۰)

وَإِنْ اخْتَلَعَتْ عَلَى عَبْدٍ لَهَا ابْنٌ عَلَى أَنَّهَا بَرِيَّةٌ مِنْ ضَمَانِهِ لَمْ تَبْرَأْ وَعَلَيْهَا تَسْلِيمٌ عَنْهُ إِنْ قَدَرْتُ، وَتَسْلِيمٌ قِيمَتِهِ إِنْ عَجَزْتُ، لِأَنَّهُ عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ، فَيَقْتَضِي سَلَامَةَ الْعَوَاضِ، وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ، إِلَّا أَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ بِالْشُرُوطِ الْفَاسِدَةِ، وَعَلَى هَذَا النِّكَاحُ، وَإِذَا قَالَتْ طَلَّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثَلَاثُ أَلْفٍ، لِأَنَّهَا لَمَّا طَلَبَتِ الثَّلَاثَ بِأَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِخَلْفِ أَلْفٍ، وَهَذَا لِأَنَّ حَرْفَ الْهَاءِ تَصَحَّبُ الْأَعْوَاضَ، وَالْعَوَاضُ يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ، وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لَوْ جُوبِ الْمَالُ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی نے اپنے بھائے کو غلام کے عوض اس شرط پر خلع کیا کہ وہ اس کے ضمان سے بری ہے تو وہ بری نہیں ہوگی

اور اس پر بعینہ اسی غلام کو سپرد کرنا واجب ہے اگر وہ اس کے سپردگی پر قادر ہو، اور اس کی قیمت سپرد کرنا واجب ہے اگر وہ اس غلام کی سپردگی سے عاجز ہو، اس لیے کہ خلع عقد معاوضہ ہے لہذا عوض کی سلامتی کا متقاضی ہوگا اور عوض سے بری ہونے کی شرط لگانا شرط فاسد ہے اس لیے وہ شرط باطل ہو جائے گی۔ لیکن خلع شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اور اسی پر نکاح کو قیاس کر لو۔

اور اگر بیوی نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض تم مجھے تین طلاق دیدو لیکن شوہر نے اسے ایک ہی طلاق دی تو بیوی پر ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ اس لیے کہ جب اس نے ایک ہزار کے عوض میں تین طلاق کا مطالبہ کیا تو اس نے ایک ہزار کے ایک تہائی سے ہر طلاق کا مطالبہ کیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ لفظ باء عوضوں پر داخل ہوتا ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے۔ اور طلاق بائن واجب ہوگی اس لیے کہ مال واجب ہے۔

### اللغات:

﴿ابق﴾ اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام۔ ﴿ضمنان﴾ ذمہ داری۔ ﴿معوض﴾ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔

### عبدالبق کو بدلہ خلع بتاتا:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) جن میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے یہ کہہ کر خلع کرایا کہ میرا جو غلام بھاگا ہوا ہے جاؤ اس کو پکڑ لو اور اسے میری طرف سے بدلہ خلع میں لے لو، لیکن اگر تم غلام کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور میں اس کے عوض کوئی دوسری چیز بدلہ خلع میں نہیں دوں گی، فرماتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر عورت کی یہ بات مان لیتا ہے اور وہ غلام کو پکڑ کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر شوہر غلام کو نہیں پکڑ سکا تو پھر اگر بیوی اس کی سپردگی پر قادر ہو تو اس پر بعینہ اسی غلام کو سپرد کرنا واجب ہے اور اگر وہ غلام کی سپردگی پر قادر نہ ہو تو اس کی صورت میں اس پر مذکورہ غلام کی قیمت ادا کرنا واجب ہے اور اسے اس وقت تک چھٹکارا نہیں مل سکتا جب تک کہ غلام کو یا اس کی قیمت کو شوہر کے حوالے نہ کر دے۔ کیوں کہ خلع عقد معاوضہ ہے یعنی ایک طرف سے عورت عوض دیتی ہے تو دوسری طرف سے شوہر اپنے نکاح کی ملکیت کو بیوی کے حوالے کرتا ہے اور عقد معاوضہ میں عوض کی سلامتی ضروری ہوتی ہے حالانکہ براءت ذمہ کی شرط لگانا عوض کی سلامتی کے مخالف ہے اور شرط فاسدہ ہے اس لیے یہ شرط باطل ہو جائے گی اور خلع صحیح ہوگا کیوں کہ نکاح کی طرح خلع بھی شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شروط فاسدہ ہی باطل ہو جاتی ہے اس لیے صورت مسئلہ میں براءت کی شرط فاسدہ ہو جائے گی اور خلع صحیح ہوگا اور جب خلع صحیح ہوگا تو بیوی کے ذمے اس کا عوض واجب ہوگا، خواہ وہ غلام سپرد کرے یا اس کی قیمت دے۔

و علیٰ هذا النکاح الخ: فرماتے ہیں کہ بعینہ یہی حال نکاح کا بھی ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے بھاگے ہوئے غلام کو مہر بنا کر کسی عورت سے نکاح کیا اور براءت کی شرط لگائی تو یہاں بھی یہ شرط فاسد ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شوہر پر بصورت قدرت بعینہ غلام کی سپردگی واجب ہوگی اور اگر وہ تسلیم عبد پر قادر نہیں ہوگا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ ایک ہزار کے عوض تم مجھے تین طلاق دے کر میری راہ سے نکل جاؤ اور مجھے مکمل طور پر آزاد کر دو، لیکن شوہر نے اسے تین کے بجائے ایک ہی طلاق دی تو وہ ایک طلاق بیوی پر واقع ہو جائے گی اور شوہر کو ایک ہزار کا ایک تہائی۔ (یعنی ۳۳۳ درہم) ملے گا۔ کیوں کہ جب عورت نے ایک ہزار کے عوض تین



طلاق کا مطالبہ کیا تو ظاہر ہے کہ اس نے ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ہر طلاق کا مطالبہ کیا، لہذا ایک طلاق دینے کی صورت میں عورت پر ایک ہزار کا ایک تہائی حصہ ملے گا، ایک تہائی واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طلقنی ثلاث بآلف میں جو حرف باء ہے وہ عوضوں پر داخل ہوتا ہے گویا کہ آلف ثلاث کا عوض ہے اور عوض معوض پر تقسیم ہوتا ہے، اس لیے الف ثلاث پر تقسیم ہوگا اور ہر طلاق کا حصہ ثلث الف ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں جو طلاق واقع ہوگی وہ بائن ہوگی، کیوں کہ اس میں مال کے عوض طلاق دی گئی ہے اور طلاق علی مال سے طلاق بائن ہی واقع ہوتی ہے۔

وَإِنْ قَالَتْ طَلَّقْنِي ثَلَاثًا عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةُ، وَلَا هِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثَلَاثِ الْأَلْفِ لِأَنَّ كَلِمَةَ عَلَى بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِي الْمَعَاوَضَاتِ حَتَّى أَنْ قَوْلُهُمْ إِحْمِلْ هَذَا الطَّعَامَ بِدَرَاهِمٍ أَوْ عَلَى دِرْهَمٍ سَوَاءٍ، وَلَهُ أَنْ كَلِمَةَ عَلَى لِلشَّرْطِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يُبَايِعُنكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ (سورة الممتحنة: ۱۲)، وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ كَانَ شَرْطًا وَ هَذَا لِأَنَّهُ لِلزُّومِ حَقِيقَةٌ وَاسْتِعْيَرَ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهُ يَلْزِمُ الْجَزَاءَ وَإِذَا كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوطُ لَا يَتَوَزَّعُ عَلَى أَجْزَاءِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْبَاءِ لِأَنَّهُ لِلْعَوَضِ عَلَى مَا مَرَّ، وَإِذَا لَمْ يَجِبِ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدَأً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَ يَمْلِكُ الرَّجْعَةُ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی نے کہا مجھے ایک ہزار پر تین طلاق دو لیکن شوہر نے اسے ایک ہی طلاق دیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں بیوی پر کچھ نہیں واجب ہوگا اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض وہ ایک طلاق بائنہ ہوگی، اس لیے کہ معاوضات میں کلمہ علی حرف باء کے درجے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اہل عرب کا یہ قول احمل هذا الطعام بدرهم أو على درهم دونوں برابر ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ علی شرط کے لیے ہے، ارشاد خداوندی ہے یبايعنك على أن لا يشركن بالله شيئا (یعنی یہ عورتیں آپ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ یہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔) اور جس شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا انت طالق علی ان تدخلی الدار تو یہ بھی شرط ہوگا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ کلمہ علی لزوم کے لیے حقیقتاً ہے اور شرط کے لیے مستعار لیا ہوا ہے، اس لیے کہ شرط جزاء کو مستلزم ہوتی ہے۔ اور جب کلمہ علی شرط کے لیے ہو تو مشروط جزاء شرط پر منقسم نہیں ہوگا۔ برخلاف باء کے، اس لیے کہ باء عوض کے لیے ہے جیسا کہ گذر چکا اور جب مال نہیں واجب ہوا تو یہ ابتداء طلاق ہوگئی اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا۔

### اللَّغَاتُ:

﴿احمل﴾ اس کو اٹھا کر لے چل۔ ﴿یبايعنک﴾ آپ ﷺ سے بیعت کرتی ہیں۔ ﴿استعیر﴾ مستعار لیا گیا ہے۔ ﴿لا يتوزع﴾ تقسیم نہیں ہوگا۔

## ”طلقنی ثلاثاً علی الف“ کی تفصیل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے یوں کہا کہ طلقنی ثلاثاً علی الف درہم کہ ایک ہزار درہم کے عوض تم مجھے تین طلاق دیدو۔ اور شوہر نے اسے صرف ایک طلاق دی تو حضرات امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں یہ ایک طلاق رجعی ہوگی اور شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا جب کہ بیوی پر کوئی بھی چیز نہیں واجب ہوگی، اس کے برخلاف حضرات صاحبین کے یہاں اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کے ذمے ایک ہزار درہم کا ایک تہائی واجب ہوگا نیز شوہر کو رجعت کا حق بھی نہیں ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں بیوی نے طلاق علی مال کا مطالبہ کیا ہے اور طلاق علی مال سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے نیز طلاق علی مال عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں جو حکم باء کا ہوتا ہے وہی حکم علی کا بھی ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب احمّل هذا الطعام بدرہم اور علی درہم میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ایک درہم میں غلے کو فروخت کر دیتے ہیں جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ معاوضات میں حرف باء اور کلمہ علی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جب ان میں کوئی فرق نہیں ہے تو جو حکم طلقنی ثلاثاً بالف کا ہوگا وہی حکم طلقنی ثلاثاً علی الف کا ہوگا اور بالف کہنے کی صورت میں اگر شوہر ایک طلاق دیتا ہے تو بیوی پر ہزار کے ایک تہائی کے عوض طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لہذا علی الف کہنے کی صورت میں بھی اس پر ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے طلقنی ثلاثاً علی الف کہا ہے اور کلمہ علی حقیقتاً شرط کے لیے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ”یابیعنک علی أن لا یشرکن باللہ“ کہ یہ عورتیں اس شرط پر آپ سے بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی۔ یا مثلاً کلام الناس میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے أنت طالق علی أن تدخلی الدار تو یہاں بھی گھر میں داخل ہونا طلاق کے لیے شرط ہوگا کیوں کہ کلمہ علی موجود ہے اور وضعتاً کلمہ علی لزوم کے لیے ہے لیکن جہاں لزوم کے معنی فٹ اور درست نہ ہوتے ہوں وہاں اسے شرط کے لیے مانا جائے گا، اس لیے کہ جس طرح لازم اور لزوم کے درمیان مناسبت ہوتی ہے اسی طرح شرط اور جزاء کے درمیان بھی لزوم اور مناسبت ہوتی ہے۔ اور مشروط شرط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا کیوں کہ مشروط وجود شرط کے وقت پایا جاتا ہے اور شرط تمام اجزاء کا نام ہے اس لیے شرط کے ایک جزء کے پائے جانے سے مشروط کا ایک جزء نہیں پایا جائے گا اور جب مشروط کا کوئی بھی جزء نہیں پایا گیا تو شوہر نے عورت کو وہ طلاق نہیں دیا جس کا اس نے مطالبہ کیا تھا، بلکہ یہ شوہر کی جانب سے از سر نو طلاق ہوئی اور چون کہ اس نے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی ہے اس لیے اس کی دی ہوئی یہ طلاق طلاق رجعی ہوگی۔ علی کے برخلاف جو باء کا مسئلہ ہے تو اسے علی کے ساتھ لاحق کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ حرف باء عوض کے لیے ہے اور عوض معوض پر اور اس کے اجزاء پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلَّقَنِي نَفْسَكَ ثَلَاثًا بِأَلْفٍ أَوْ عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَفْعُ شَيْءٌ، لِأَنَّ الزَّوْجَ مَا رَضِيَ بِالْبَيْئَةِ إِلَّا يُسَلِّمُ الْأَلْفَ كُلَّهَا، بِخِلَافِ قَوْلِهَا طَلَّقَنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ، لِأَنَّهَا لَمَّا رَضِيَتْ بِالْبَيْئَةِ بِأَلْفٍ كَانَتْ يَبْعُضُهَا أَرْضَى.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے (بیوی سے کہا) تم اپنے آپ کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاق دیدو، لیکن بیوی نے اپنے آپ کو ایک طلاق دیا تو کچھ بھی نہیں واقع ہوگا، اس لیے کہ شوہر صرف اسی صورت میں بینونت پر راضی ہوا ہے جب پورے ایک ہزار درہم اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ برخلاف بیوی کے طلقنی ثلاثاً بالالف کہنے کے، اس لیے کہ جب بیوی ایک ہزار کے عوض فرقت پر راضی ہے تو ایک ہزار کے جزء پر بدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔

## اللغات:

﴿بینونة﴾ بائنہ ہونا۔ ﴿یسلم﴾ سپرد کیا جائے۔

## ”طلقی نفسك ثلاثاً بالف“ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق واقع کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا طلقی نفسك ثلاثاً، بالف او علی ألف اور بیوی نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو اس پر کوئی طلاق نہیں ہوگی، اس لیے کہ شوہر نے پورے ایک ہزار کے عوض بینونت پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے لہذا وہ ایک ہزار کے جزء پر کسی بھی حال میں بینونت کو قبول نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف اگر بیوی نے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر سے کہا کہ طلقنی ثلاثاً بالالف اور شوہر نے اسے ایک طلاق دی تو اس صورت میں بیوی پر ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ جب بیوی ألف کے عوض بینونت پر راضی ہے تو ألف سے کم کے عوض تو بدرجہ اولیٰ بینونت پر راضی ہوگی۔

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ عَلَى أَلْفٍ فَقَبِلَتْ طُلِّقَتْ وَعَلَيْهَا أَلْفٌ وَهُوَ كَقَوْلِهِ أَنْتِ طَالِقٌ بِالْفِ، وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبُولِ فِي الْوُجْهَيْنِ، لِأَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ بِالْفِ بَعْوَضِ أَلْفٍ يَجِبُ لِي عَلَيْكَ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَى أَلْفٍ عَلَى شَرْطِ أَلْفٍ يَكُونُ لِي عَلَيْكَ، وَالْعَوَضُ لَا يَجِبُ بِدُونِ قَبُولِهِ، وَالْمَعْلَقُ بِالشَّرْطِ لَا يَنْزِلُ قَبْلَ وُجُودِهِ، وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَا قُلْنَا.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا تو ایک ہزار پر مطلقہ ہے اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو وہ مطلقہ ہو جائے گی اور اس پر (بیوی پر) ایک ہزار لازم ہوگا اور یہ شوہر کے انت طالق بالف کہنے کی طرح ہے اور دونوں صورتوں میں قبول کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ شوہر کے قول بالف کے معنی میں بعوض ألف یجب لی علیک، اور اس کے قول علی ألف کا مطلب ہے علی شرط ألف یكون لی علیک ہے اور قبول کیے بغیر عوض نہیں واجب ہوتا۔ اور جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ وجود شرط سے پہلے نہیں اترتی۔ اور طلاق بائن ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

## طلاق علی المال کی ایک صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ انت طالق علی ألف اور بیوی نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے یہ مجھے منظور ہے تو وہ مطلقہ بائنہ ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی، فرماتے ہیں کہ انت طالق علی ألف انت طالق بالف کہنے کے درجے میں ہے اور دونوں صورتوں میں بیوی کا قبول کرنا ضروری ہے، کیونکہ شوہر کا قول انت طالق بالف انت

طالق بعوض الف یجب لی علیک کے معنی میں ہے کہ تم ایک ہزار کے عوض مطلق ہو جو میرے لیے تم پر واجب ہے، اسی طرح شوہر کے قول انت طالق علی الف علی شرط الف یكون لی علیک کے معنی میں ہے یعنی ایک ہزار کی شرط پر تم مطلق ہو جو میرا تم پر واجب ہے اور ظاہر ہے نہ تو قبولیت کے بغیر عوض واجب ہوتا ہے اور نہ ہی وجود شرط سے پہلے معلق بالشرط کا وقوع ہوتا ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں قبول کرنا شرط اور ضروری ہے اور جب بیوی قبول کرے گی تو اس پر عوض کی ادائیگی لازم ہوگی۔

والطلاق بائن الخ: فرماتے ہیں کہ صورتے مسئلہ میں جو طلاق واقع ہوگی وہ بائن ہوگی، کیوں کہ یہ طلاق علی مال ہے اور طلاق علی مال والی طلاق طلاق بائن ہوتی ہے۔

وَلَوْ قَالَ لَا مَرَاتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكَ الْفَقَبْتُ، أَوْ قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتِ حُرٌّ وَعَلَيْكَ الْفَقَبْتُ فَقَبِلَ عَتَقَ وَطَلَّقَ الْمَرْأَةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَكَذَا إِذَا لَمْ يَقْبَلَا، وَقَالَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْاَلْفُ إِذَا قَبِلَ، وَإِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ، لَهُمَا أَنَّ هَذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ فَإِنْ قَوْلُهُمْ إِحْمِلْ هَذَا الْمَتَاعَ وَعَلَيْكَ دِرْهَمٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ بِدِرْهَمٍ، وَلَهُ أَنَّهُ جُمْلَةٌ تَامَةٌ فَلَا تَرْتَبِطُ بِمَا قَبْلَهُ إِلَّا بِدَلَالَةٍ، إِذَا الْأَصْلُ فِيهَا الْاِسْتِقْلَالُ، وَلَا دَلَالَةٍ، لِأَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعِتَاقَ يَنْفُكَاَنِ عَنِ الْمَالِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ، لِأَنَّهُمَا لَا يُوجِدَانِ دُونََهُ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق وعلیک الف اور اس نے قبول کر لیا یا اپنے غلام سے کہا انت حر وعلیک الف اور غلام نے قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور بیوی مطلق ہو جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ان دونوں پر کوئی چیز نہیں واجب ہوگی اور ایسے ہی اس صورت میں جب ان دونوں نے قبول نہ کیا ہو۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر انھوں نے قبول کر لیا تو ان میں سے ہر ایک پر ایک ہزار واجب ہوگا۔ اور اگر قبول نہیں کیا تو طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوں گے۔

حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام معاوضہ کے لیے استعمال ہوتا ہے چنانچہ اہل عرب کا یہ قول احمِلْ هَذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ، بِدِرْهَمٍ کہنے کے درجے میں ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ علیک الف پورا جملہ ہے جو دلیل کے بغیر اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہوگا، اس لیے کہ جملے میں خود مستقل ہونا اصل ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہو جاتے ہیں۔ برخلاف بیع اور اجارہ کے، کیوں کہ یہ دونوں مال کے بغیر نہیں پائے جاتے۔

**اللغات:**

﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿تامة﴾ پورا، مکمل۔ ﴿ترتبط﴾ مربوط ہوگا۔ ﴿ينفكان﴾ جدا ہوتے ہیں۔

## انت طالق و عليك الف يا انت حرو عليك الف کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق و عليك الف اور بیوی نے اسے قبول کر لیا، یا کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا انت حرو و عليك الف یعنی تم آزاد ہو اور تم پر ایک ہزار واجب ہے اور غلام نے بھی قبول کر لیا تو اس صورت میں بیوی مطلقہ ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا لیکن حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو بیوی پر الف واجب ہوگا اور نہ ہی غلام پر جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں دونوں پر الف الف واجب ہوگا دوسرا مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام اور عورت نے الف کی شرط کو نہیں منظور کیا تو حضرات صاحبین کے یہاں نہ تو عتاق واقع ہوگا اور نہ ہی طلاق واقع ہوگی، جب کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق بھی واقع ہوگی اور آزادی بھی متحقق ہوگی۔

لہما الخ: حضرات صاحبین کے دلیل یہ ہے کہ عليك الف والا جملہ معاوضہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور معاوضہ میں علی باء کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا عليك الف بالف کے معنی میں ہوگا جیسا کہ احمل هذا المتاع درہم احمل هذا المتاع بدرہم کے درجے میں ہے اور جب شوہر انت طالق بالف کہہ کر طلاق دے تو بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں اس پر ایک ہزار واجب ہوتا ہے لہذا عليك الف کہنے کی صورت میں بھی بیوی پر ایک ہزار واجب ہوگا بشرطیکہ وہ اسے قبول کرے اور جس طرح بالف کی صورت میں بدون قبول طلاق اور الف کا وقوع و وجوب نہیں ہوتا اسی طرح عليك الف کہنے کی صورت میں بھی بدون قبول نہ تو طلاق واقع ہوگی اور نہ ہی الف واجب ہوگا۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عليك الف مبتداً خبر ہے اور جملہ تامہ ہے اور جملہ تامہ میں مستقل ہونا اصل ہے اور جملہ تامہ دلیل کے بغیر ماقبل سے مربوط نہیں ہوتا اور یہاں ماقبل سے مربوط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہو جاتے ہیں اس لیے اگر بیوی نے یا غلام نے مال دینے کو قبول نہ کیا ہو تو ان پر کچھ نہیں واجب ہوگا۔

بخلاف البیع الخ: یہاں سے حضرات صاحبین کے قیاس احمل هذا المتاع الخ: کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ طلاق اور عتاق کو بیع اور اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اجارہ اور بیع یہ دونوں خالص عقد معاوضہ ہیں اور ان میں اکثر و بیشتر مال کا لین دین ہوتا ہے اس لیے ان میں دلالت حال کی وجہ سے لك درہم بدرہم کے معنی میں ہو جائے گا جب کہ طلاق اور عتاق عموماً بغیر عوض کے ہوتے ہیں اور شرفاء لوگ ان چیزوں کا عوض نہیں لیتے اس لیے ان میں عوض پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ صراحۃً اس کا ذکر نہ کر دیا جائے، اس لیے طلاق و عتاق کو بیع اور اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

وَلَوْ قَالَ أَنْتَ طَالِقٌ بِالْفِ عَلَى أَبِي بِالْخِيَارِ أَوْ عَلَى أُنْكَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَقَبِلْتُ فَالْخِيَارُ بَاطِلٌ إِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ، وَهُوَ جَائِزٌ إِذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ فَإِنْ رَدَّتِ الْخِيَارَ فِي الثَّلَاثِ بَطُلَ وَإِنْ لَمْ تَرُدَّ طَلَّقَتْ وَلَزِمَهَا الْإِلْفُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَا الْخِيَارُ بَاطِلٌ فِي الْوُجْهَيْنِ، وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَعَلَيْهَا أَلْفٌ دِرْهَمٍ، لِأَنَّ الْخِيَارَ لِلْفُسْخِ بَعْدَ الْإِنْعِقَادِ لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الْإِنْعِقَادِ وَالتَّصَرُّفَانِ لَا يَحْتَمِلَانِ الْفُسْخَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، لِأَنَّهُ فِي

جَانِبِهِ يَمِينٌ وَمِنْ جَانِبِهَا شَرْطٌ، وَلَا يَبِي حَنِيفَةً رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْخُلْعَ فِي جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ حَتَّى يَصَحَّ رُجُوعُهَا وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ فَيَصَحُّ اشْتِرَاطُ الْخِيَارِ فِيهِ، أَمَّا فِي جَانِبِهِ يَمِينٌ حَتَّى لَا يَصَحَّ رُجُوعُهُ وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ وَلَا خِيَارَ فِي الْإِيمَانِ، وَجَانِبُ الْعَبْدِ فِي الْعَتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِي الطَّلَاقِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا تو ایک ہزار پر طلاق والی ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھے تین دن کا خیار ہے یا تجھے خیار ہے اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو اگر خیار شوہر کے لیے ہوگا تو باطل ہے اور اگر عورت کے لیے ہو تو جائز ہے چنانچہ اگر تین دنوں کے اندر بیوی نے خیار کو رد کر دیا تو طلاق باطل ہو جائے گی۔ اور اگر رد نہیں کیا تو وہ مطلقہ ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوگا۔ اور یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے اور طلاق واقع ہے اور بیوی پر ایک ہزار درہم واجب ہے، اس لیے کہ خیار انعقاد کے بعد فسخ کے لیے ہوتا ہے نہ کہ انعقاد سے روکنے کے لیے اور دونوں تصرف دونوں جانب سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے، اس لیے کہ خلع شوہر کی جانب سے یمین ہے اور بیوی کی جانب سے یمین کی شرط ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی کی جانب میں خلع بیع کے درجے میں ہے یہاں تک بیوی کا رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ ماورائے مجلس پر موقوف بھی نہیں ہے لہذا اس میں خیار کی شرط لگانا صحیح ہے، رہا شوہر کی جانب میں تو وہ یمین ہے حتیٰ کہ شوہر کا اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے اور وہ ماورائے مجلس پر موقوف ہوتا ہے اور ایمان میں خیار نہیں ہوتا۔ اور عتاق میں غلام کی جانب طلاق میں بیوی کی جانب کی طرح ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿وَرَدَّتْ﴾ رد کر دیا، ٹھکرادیا۔ ﴿لَا يَتَوَقَّفُ﴾ موقوف نہیں ہوتی۔ ﴿وَالْإِيمَانُ﴾ واحد یمین؛ قسم۔

### طلاق علی المال میں خیار کی شرط لگانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک ہزار کے عوض اپنی بیوی کو طلاق دیا لیکن اپنے لیے یا بیوی کے لیے تین دن کے خیار کی شرط لگا دیا اور بیوی نے اسے قبول کر لیا تو اس صورت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر خیار شوہر کے لیے ہوگا تب تو وہ باطل ہو جائے گا اور بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر خیار بیوی کے لیے ہو تو باقی رہے گا۔ اور اگر تین دن کے اندر بیوی نے خیار کو رد کر دیا تو طلاق باطل ہو جائے گی اور اگر اس نے رد نہیں کیا یہاں تک کہ تین دن گزر گئے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے خواہ شوہر کے لیے ہو یا بیوی کے لیے اور دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوگی اور بیوی پر ایک ہزار درہم واجب ہوں گے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ خیار انعقاد عقد کے بعد اسے فسخ کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ انعقاد عقد کو روکنے کے لیے اور صورت مسئلہ میں میاں کا ایجاب طلاق اور بیوی کا قبول یہ دونوں تصرف فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اس لیے کہ طلاق علی مال خلع ہے اور خلع شوہر کی جانب میں یمین ہے اور بیوی کی جانب میں یمین کی شرط ہے اور یمین فسخ کو قبول نہیں کرتی لہذا اس کی شرط بھی فسخ کو قبول نہیں کرے گی اس لیے صورت مسئلہ میں عقد یعنی طلاق علی مال (خلع) منعقد ہوگا اور خیار باطل ہو جائے گا۔

ولأبی حنیفۃ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی کی جانب میں خلع بیع کے درجے میں ہے چنانچہ جس طرح بیع میں رجوع کرنا صحیح ہوتا ہے اور بیع ماورائے مجلس پر موقوف نہیں ہوتی اسی طرح خلع میں بھی رجوع کرنا صحیح ہوتا ہے اور خلع بھی ماورائے مجلس پر موقوف نہیں ہوتا اور بیع میں خیار کی شرط لگانا درست ہے لہذا خلع میں بھی خیار کی شرط لگانا صحیح ہوگا اور اگر خیار عورت کے لیے ہوتا جائز ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر شوہر کے لیے خیار شرط ہو تو درست نہیں ہے، کیوں کہ شوہر کی جانب میں خلع یمن ہے، اسی لیے نہ تو شوہر پر خلع کرنے کے بعد رجوع کر سکتا ہے اور نہ ہی مجلس تک منحصر رہتا ہے بلکہ شوہر کے حق میں ماورائے مجلس پر موقوف بھی رہتا ہے، معلوم ہوا کہ جانب زوج میں خلع یمن ہے اور ایمان اور قسموں میں خیار نہیں ہوتا اس لیے شوہر کے لیے یہاں خیار جائز نہیں ہوگا۔

وجانب العبد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ خیار کے حوالے سے طلاق علی مال میں جو درجہ بیوی کا ہے وہی درجہ عتاق میں غلام کا ہے، چنانچہ اگر کسی غلام کو رقم کے عوض خیار شرط کے ساتھ اس کے مولیٰ نے آزاد کیا تو اگر خیار غلام کے لیے ہوگا تب امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں درست ہوگا، لیکن اگر مولیٰ کے لیے خیار ہوگا تو باطل ہوگا جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں دونوں صورتوں میں خیار باطل ہوگا خواہ مولیٰ کے لیے ہو یا غلام کے لیے۔

وَمَنْ قَالَ لَامْرَأَتِهِ طَلَّقْتُكِ أَمْسٍ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِي، فَقَالَتْ قَبِلْتُ فَأَلْقُوهُ قَوْلُ الزَّوْجِ، وَمَنْ قَالَ لَغَيْرِهِ بَعْتُ مِنْكَ هَذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ أَمْسٍ فَلَمْ تَقْبَلْ، فَقَالَ قَبِلْتُ فَأَلْقُوهُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي، وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ يَمِينٌ مِنْ جَانِبِهِ، فَلَا إِقْرَارَ بِهِ لَا يَكُونُ إِقْرَارًا بِالْشَّرْطِ لِصِحَّتِهِ بِدُونِهِ، أَمَّا الْبَيْعُ فَلَا يَتِمُّ إِلَّا بِالْقَبُولِ، وَالْإِقْرَارُ بِهِ إِقْرَارٌ بِمَا لَا يَتِمُّ إِلَّا بِهِ فَإِنْ كَارَهُ الْقَبُولُ رَجُوعٌ مِنْهُ.

**ترجمہ:** جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض گذشتہ کل تجھے طلاق دی ہے لیکن تو نے قبول نہیں کیا چنانچہ بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور جس نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض گذشتہ کل اس غلام کو تم سے فروخت کیا لیکن تم نے قبول نہیں کیا، اس پر اس دوسرے آدمی نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق بالمال شوہر کی جانب میں قسم ہے لہذا قسم کا اقرار کرنا شرط کا اقرار کرنا نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ قسم شرط کے بغیر بھی صحیح ہوتی ہے۔ رہی بیع تو وہ قبولیت کے بغیر تام نہیں ہوتی اور بیع کا اقرار کرنا اس چیز کا اقرار کرنا ہے جس کے بغیر بیع مکمل نہیں ہوتی، لہذا بائع کا قبولیت مشتری کا انکار کرنا بیع سے رجوع کرنا ہے۔

**اللَّعَاتُ:**

﴿امس﴾ گذشتہ کل۔ ﴿لم تقبلی﴾ تو نے قبول نہیں کیا۔

**طلاق علی المال کو قبول کرنے میں اختلاف کے وقت قبول معتبر:**

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص

نے اپنی بیوی سے کہا کہ ایک ہزار درہم کے عوض میں نے کل تم کو طلاق دی تھی لیکن تم نے اسے قبول نہیں کیا، بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا ہے تو اس صورت میں شوہر کا قول یعنی عدم قبول معتبر ہوگا اور بیوی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زید نے بکر سے کہا کہ بھائی بکر میں نے اپنا غلام ایک ہزار درہم کے عوض کل تم سے فروخت کیا تھا لیکن تم نے اسے قبول نہیں کیا، اس پر بکر نے کہا کہ میں نے تو قبول کر لیا تھا اور اس صورت میں بکر یعنی مشتری کا قول معتبر ہوگا اور بیع تحقیق ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح ہے کہ پہلا مسئلہ طلاق علی مال کا ہے اور طلاق علی مال جانب زوج میں قسم ہے اور قسم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قسم کھانے والے کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے، لہذا شوہر کی طرف سے قسم یعنی طلاق علی مال کے اقرار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بیوی کے قبول کرنے کا بھی اقرار ہو، کیوں کہ یمن شرط یعنی قبول کے بغیر بھی درست ہو جاتی ہے، لہذا جب شوہر نے یہ کہا کہ فلم تقبلی تو نے قبول کیوں نہیں کیا تو یہ اس کے اپنے قول کا سوال ہوا نہ کہ انکار، اس لیے اگر بیوی اپنے قول قبلت پر گواہ پیش کرتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تو یمن کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

اس کے برخلاف بیع کا مسئلہ ہے تو بیع میں قبول کرنا رکن ہے اور قبول کے بغیر بیع مکمل نہیں ہوتا، لہذا بیع کا اقرار کرنا ایک ایسی چیز کا اقرار کرنا ہے جو قبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اب اگر بائع مشتری کے قبول کرنے کا انکار کرتا ہے تو گویا کہ وہ بیع سے مکر رہا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اس لیے مشتری کا اقرار بائع کے انکار پر غالب ہو جائے گا اور بیع مکمل ہو جائے گی۔

قَالَ وَالْمُبَارَاةُ كَالْخُلْعِ كِلَاهُمَا يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ لَا يَسْقُطُ فِيهِمَا إِلَّا مَا سَمِيَاهُ، وَ أَبُو يُسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ مَعَهُ فِي الْخُلْعِ وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ فِي الْمُبَارَاةِ، لِمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ هَذِهِ مُعَاوَضَةٌ وَ فِي الْمُعَاوَضَاتِ يُعْتَبَرُ الْمَشْرُوطُ لَا غَيْرُهُ، وَ لِأَبِي يُوسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْمُبَارَاةَ مُفَاعَلَةٌ مِنَ الْبَرَاءَةِ فَتَقْتَضِيهَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَ أَنَّهُ مُطْلَقٌ قَيْدَانَهُ بِحَقْقِ النِّكَاحِ لِذِلَالَةِ الْغَرَضِ، أَمَّا الْخُلْعُ فَمُقْتَضَاهُ الْإِنْخِلَاعُ وَ قَدْ حَصَلَ فِي نَقْضِ النِّكَاحِ وَ لَا ضَرُورَةَ إِلَى انْقِطَاعِ الْأَحْكَامِ، وَ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ أَنَّ الْخُلْعَ يُنْبِئُ عَنِ الْفُضْلِ وَ مِنْهُ خُلْعُ النِّعْلِ وَ خُلْعُ الْعَمَلِ وَ هُوَ مُطْلَقٌ كَالْمُبَارَاةِ فَيُعْمَلُ بِأَطْلَاقِهِمَا فِي النِّكَاحِ وَ أَحْكَامِهِ وَ حَقُوقِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ زوجین کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کی طرح ہے اور دونوں (خلع اور مباراة) میاں بیوی میں سے ہر ایک کا جو دوسرے پر نکاح سے متعلق حق ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے ساقط کر دیتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلع اور مباراة میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جنہیں حیاں بیوی بیان کریں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلع میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور مباراة میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مباراة معاوضہ ہے اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مباراة براءت سے مفاعلت کا صیغہ ہے جو دونوں جانب سے برات کا تقاضا کرے گا اور بری ہونا مطلق ہے، لہذا ہم نے دلالت غرض کی بنیاد پر حقوق نکاح کے ساتھ اسے مقید کر دیا، رہا خلع تو اس کا مقتضی



علیحدگی ہے اور نکاح ٹوٹنے میں یہ حاصل ہو چکی ہے اس لیے انقطاع احکام کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع فصل اور جدائی کی خبر دیتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے خلع العمل جوتے سے الگ ہونا (جوتا اتارنا) اور خلع العمل یعنی کام سے الگ ہونا بھی اسی سے ماخوذ ہے اور مبارات کی طرح خلع بھی مطلق ہے، لہذا نکاح میں، اس کے احکام میں اور اس کے حقوق میں خلع اور مبارات کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿مباراة﴾ ایک دوسرے کو بری کر دینا۔ ﴿یسقطان﴾ ساقط کر دیتے ہیں۔ ﴿سمیا﴾ ان دونوں نے طے کیا۔ ﴿انخلاع﴾ علیحدہ ہونا۔ ﴿ینسی﴾ خبر دیتا ہے۔ ﴿خلع﴾ اتارنا۔ ﴿نعل﴾ جوتا۔ ﴿خلع﴾ چھوڑ دینا۔

### مبارات کا بیان:

صاحب کتاب علیہ الرحمہ نے اس عبارت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ مبارات یعنی زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح خلع کرنے سے میاں بیوی کے درمیان نکاح کے ذریعہ نفقہ اور سکنی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ خلع اور مبارات علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق کو ساقط نہیں کرتے، بلکہ ان کے وقوع سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جنہیں میاں بیوی بیان کرتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ علیہ الرحمہ خلع اور مبارات میں فرق کرتے ہیں چنانچہ خلع کی صورت میں وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور میاں بیوی کے بیان کردہ حقوق ہی کو ساقط قرار دیتے ہیں جب کہ مبارات کی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور علی الاطلاق حقوق کو ساقط مانتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات میں معاوضہ کا لین دین ہوتا ہے اس لیے یہ دونوں عقد معاوضہ ہیں اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار ہوتا ہے، لہذا ان دونوں میں صرف انھی چیزوں کا سقوط ہوگا جنہیں میاں بیوی بیان کریں گے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اور خلع و مبارات میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مبارات باب مفاعلت کا مصدر ہے اور مفاعلت کا خاصہ اشتراک ہے لہذا مبادلات میاں اور بیوی دونوں طرف سے بری ہونے کا تقاضا کرے گا اور صورت مسئلہ میں اگرچہ براءت مطلق ہے مگر چوں کہ یہاں دلالت الغرض یعنی میاں بیوی کے درمیان ہونے والا جھگڑا یہاں مطلق کو مقید کرنے کے لیے موجود ہے، اس لیے دلالت الغرض کی بنیاد پر براءت مطلقہ کو حقوق نکاح کے ساتھ مقید کریں گے اور نکاح سے متعلق جملہ حقوق کو ساقط کر دیں گے تاکہ علی وجہ الکمال مبارات کے معنی تحقق ہو جائیں۔ اس کے برخلاف خلع کا مسئلہ ہے تو خلع کا مقتضی صرف علیحدگی اور انخلاع ہے اور یہ معنی انقطاع نکاح سے حاصل ہو جاتے ہیں، اس لیے خلع کی صورت میں نکاح ختم ہوگا اور میاں بیوی جن حقوق کے سقوط کا تذکرہ کریں گے وہ ساقط ہوں گے۔ اور علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق ساقط نہیں ہوں گے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ خلع فصل اور علیحدگی و جدائی کی خبر دیتا ہے، چنانچہ خلع العمل کے معنی ہیں پورے طور پر جوتے اتارنا، اسی طرح خلع العمل کے معنی ہیں پورے طور پر کام سے الگ ہونا، لہذا جب خلع کے معنی کامل علیحدگی کے ہیں اور مبارات کے معنی بھی کامل علیحدگی کے ہیں تو جس طرح مبارات مطلق ہے اسی طرح خلع بھی مطلق ہوگا اور مبارات کی طرح خلع بھی علی الاطلاق نکاح سے متعلق جملہ حقوق کا سقوط ہوگا، خواہ زوجین نے انہیں بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

وَمَنْ خَلَعَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجْزُ عَلَيْهَا، لِأَنَّهُ لَا نَظَرَ لَهَا فِيهِ، إِذَا الْبُضْعُ فِي حَالَةِ الْخُرُوجِ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ، وَالْبَدَلُ مُتَقَوِّمٌ، بِخِلَافِ النِّكَاحِ، لِأَنَّ الْبُضْعَ مُتَقَوِّمٌ عِنْدَ الدُّخُولِ، وَلِهَذَا يُعْتَبَرُ خُلْعُ الْمَرِيضَةِ مِنَ الثَّلَاثِ وَنِكَاحُ الْمَرِيضِ بِمَهْرٍ الْمَثَلِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ، وَإِذَا لَمْ يَجْزُ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَلَا يَسْتَحِقُّ مَالُهَا، ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِي رِوَايَةٍ، وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّهُ تَعْلِيْقٌ بِشَرْطِ قَبُولِهِ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيْقِ بِسَائِرِ الشَّرُوطِ.

**ترجمہ:** اور جس شخص نے اپنی چھوٹی بیٹی کا اسی کے مال کے عوض کا خلع کیا تو یہ خلع اس پر جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس میں اس کے لیے کوئی شفقت نہیں ہے، اس لیے کہ بحالت خروج بضع متقوم نہیں ہے اور بدل متقوم ہے۔ اس کے برخلاف نکاح ہے اس لیے کہ بضع بوقت دخول متقوم ہے، اسی لیے مریضہ عورت کا خلع اس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا اور مریض کا نکاح پورے مال کے مہر مثل پر معتبر ہے۔ اور جب خلع جائز نہیں ہوگا تو مہر بھی ساقط نہیں ہوگا اور شوہر بیوی کے مال کا مستحق نہیں ہوگا۔ پھر ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہوگی اور دوسری روایت میں طلاق نہیں ہوگی، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ شوہر کا طلاق دینا باپ کے قبول کرنے کی شرط پر معلق تھا، لہذا دیگر شروط کے ساتھ معلق کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔

## اللُّغَاتُ:

﴿نظر﴾ شفقت۔ ﴿بضع﴾ عورت کی شرمگاہ۔

## چھوٹی بچی کے لیے اسی کے مال سے خلع لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی باپ نے اپنی صغیرہ بچی کا نکاح کیا، اس کے بعد پھر اس نے اسی صغیرہ کے مال سے خلع کر لیا تو شرعاً یہ خلع معتبر نہیں ہوگا، کیوں کہ باپ صغیرہ کا ولی ہے اور اس کی ولایت شفقت والفت پر مبنی ہے چنانچہ جہاں ولی کی طرف سے شفقت نہیں ہوگی وہاں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں صغیرہ کے مال سے خلع کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے اس لیے یہ خلع درست نہیں ہوگا، کیوں کہ عورت کا بضع بحالت خلع و خروج غیر متقوم ہے اور بدل خلع متقوم ہے اور ظاہر ہے کہ مالی غیر متقوم کے مقابلے میں مال متقوم کو صرف کرنا حماقت اور بیوقوفی ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں صغیرہ کا خلع نافذ نہیں ہوگا۔

بخلاف النکاح: اس کے برخلاف نکاح کا مسئلہ ہے تو نکاح درست اور جائز ہے، بشرطیکہ مہر مثل کے عوض ہو، کیوں کہ اس میں دو باتیں ہیں (۱) بضع کا دخول ہے اور بحالت دخول بضع متقوم ہوتا ہے، لہذا مال کے عوض مال کا تبادلہ ہوا اور اس میں ولی کی طرف سے شفقت ہی شفقت ہے (۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ نکاح مہر مثل کے عوض ہوا ہے اس لیے اس میں اور بھی شفقت و رحمت ہے۔ یہی فرق ہے خلع اور نکاح میں یعنی صغیرہ کا کیا ہوا خلع باطل ہے اور نکاح جائز ہے بہر حال جب صغیرہ کا خلع باطل ہے تو نہ تو مہر ساقط ہوگا اور نہ ہی شوہر کو صغیرہ کے مال میں سے کچھ ملے گا۔

ثم يقع الطلاق الخ: فرماتے ہیں کہ جب یہ خلع جائز ہوگا تو کیا طلاق بھی نہیں واقع ہوگی؟ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) طلاق واقع ہو جائے گی (۲) نہیں واقع ہوگی، لیکن اصح یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی کیوں کہ یہ طلاق بشکل خلع ہے لہذا اس کا وقوع باپ کے قبول کرنے پر متعلق ہے، اس لیے اسے دیگر تعلیق اور دوسری شرطوں پر معلق کیا جائے گا اور دوسری شروط من علیہ التعلیق

کے قبول کرنے سے متحقق اور واقع ہو جاتی ہیں، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ باپ نے خلع کر کے اس شرط کو قبول کر لیا ہے، اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ خلع نہ واقع ہو، رہا مسئلہ عدم وقوع خلع کا تو وہ لزوم مال کے ساتھ متعلق ہو گیا چنانچہ نہ تو خلع واقع ہوگا اور نہ ہی مال لازم ہوگا۔

وَإِنْ خَالَعَهَا عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنَّهُ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْأَلْفُ عَلَى الْآبِ، لِأَنَّ اسْتِثْرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْآجِنِيِّ صَحِيحٌ فَعَلَى الْآبِ أُولَى، وَلَا يَسْقُطُ مَهْرُهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وَلَايَةِ الْآبِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے ایک ہزار پر اپنی بیوی سے خلع کیا اس شرط پر کہ بیوی کا باپ اس الف کا ضامن ہے تو خلع واقع ہوگا اور باپ پر ایک ہزار لازم ہوگا، اس لیے کہ اجنبی شخص پر بدل خلع کی شرط لگانا صحیح ہے تو باپ پر بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔ اور بیوی کا مہر ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ مہر باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہوا ہے۔

### اللغات:

﴿خالع﴾ خلع کیا۔ ﴿ضامن﴾ ذمہ دار۔

### باپ کو بدل خلع کا ضامن بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی صغیرہ بیوی کو ایک ہزار درہم کے عوض خلع دیا اور باپ نے اس ایک ہزار درہم کو اداء کرنے کی ضمانت لے لی تو اس صورت میں خلع بھی متحقق ہو جائے گا اور باپ پر ایک ہزار درہم کی ادائیگی بھی لازم ہوگی، اس لیے کہ بدل خلع کو ایک اجنبی شخص پر لازم کرنا بھی صحیح ہے جب کہ اس کی طرف سے صغیرہ کے حق میں کوئی شفقت وغیرہ نہیں ہوتی تو جب اجنبی شخص پر اس کا لزوم جائز ہے تو باپ پر تو بدرجہ اولیٰ درست اور جائز ہوگا، کیوں کہ اس کی طرف سے صغیرہ کے حق میں شفقت بھی متحقق ہے اور باپ کو صغیرہ پر ولایت بھی حاصل ہے، اس لیے اگر باپ بدل خلع کو اداء کرنے کی ضمانت اور گارنٹی لیتا ہے اور تو خلع درست اور جائز ہے۔

ولا يسقط مهرها الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کبیرہ اور بالغہ عورتیں اگر اپنے شوہروں سے خلع کریں تو ان کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں خلع کے باوجود صغیرہ کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ مہر عورت کا حق ہے اور صغیرہ کے باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے اور اس کا سقوط باپ کی شفقت والفت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ باپ انہی چیزوں کا والی ہوتا ہے جن میں شفقت ہوتی ہے۔

وَإِنْ شَرَطَ الْأَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلَى قَبُولِهَا إِنْ كَانَتْ مِنْ أَهْلِ الْقَبُولِ فَإِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لَوْ جُودَ الشَّرْطُ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْغَرَامَةِ فَإِنْ قَبِلَهُ الْآبُ عَنْهَا فَفِيهِ رَوَايَتَانِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی پر ایک ہزار کی شرط لگائی تو خلع کا وقوع بیوی کی قبولیت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ بیوی قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو، چنانچہ اگر اس نے قبول کر لیا تو شرط پائی جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی اور مال واجب نہیں ہوگا، اس لیے

کے صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں، پھر اگر صغیرہ کی طرف سے باپ نے بدل کو قبول کر لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

### اللغات:

﴿توقف﴾ موقوف ہے۔ ﴿غرامة﴾ تاوان، جرمانہ۔

### صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو ایک ہزار درہم کے عوض خلع دیا اور صغیرہ ہی پر اس کی ادائیگی کو لازم اور مشروط قرار دیا تو اب خلع کا وقوع دو باتوں پر موقوف ہوگا (۱) صغیرہ اسے قبول کر لے (۲) اور صغیرہ میں قبول کرنے کی اہلیت ہو یعنی وہ یہ سمجھتی ہو کہ خلع طلاق ہے اور اس میں شوہر کو مال دینا پڑتا ہے، اگر یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی تو طلاق واقع ہوگی لیکن صغیرہ پر مال وغیرہ لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ صغیرہ پر تاوان نہیں واجب کیا جاسکتا اس لیے کہ وہ اس کی اہل ہی نہیں ہے، لہذا یہ خلع بدون لزوم مال کے واقع ہوگا۔

فإن قبله الخ: فرماتے ہیں کہ اگر صغیرہ پر واجب کردہ مال کی ادائیگی کو باپ نے اپنے ذمے لے لیا تو اس کی درستگی میں دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت کے مطابق یہ قبولیت صحیح ہے (۲) اور دوسری روایت کے مطابق صحیح نہیں ہے لیکن صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ اس میں صغیرہ کا نفع ہے کہ بغیر خرچ وغیرہ کے اسے نجات مل جا رہی ہے۔

وَ كَذًا إِن خَالَعَهَا عَلَى مَهْرَهَا وَ لَمْ يَضْمَنْ الْآبُ الْمَهْرَ تَوَقَّفَ عَلَى قَبُولِهَا ، فَإِنْ قَبِلَتْ طَلَّقَتْ وَ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ ، وَإِنْ قَبِلَ الْآبُ عَنْهَا فَعَلَى الرَّوَائِثِ .

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شوہر نے صغیرہ کے مہر کے عوض اس سے خلع کیا اور باپ مہر کا ضامن نہیں ہوا تو یہ خلع بیوی کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا چنانچہ اگر اس نے قبول کر لیا تو مطلقہ ہو جائے گی اور مہر ساقط نہیں ہوگا۔ اور اگر باپ نے اس کی طرف سے قبول کر لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

### اللغات:

﴿توقف﴾ موقوف ہے۔ ﴿غرامة﴾ تاوان، جرمانہ۔

### صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

یہ مسئلہ بھی مسئلہ سابقہ کی طرح ہے، فرق یہ ہے کہ اس میں بدل خلع صغیرہ کا مہر ہے، چنانچہ اس صورت میں بھی خلع کا وقوع صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر وہ قبول کرتی ہے تو سقوط مہر کے بغیر خلع واقع ہوگا اور صغیرہ مطلقہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس کی طرف سے اس کا باپ مہر کی مقدار میں مال کا ضامن ہوتا ہے تو اس میں پھر وہی سابقہ دونوں روایتیں ہیں۔

وَ إِن ضَمِنَ الْآبُ الْمَهْرَ وَ هُوَ أَلْفٌ دِرْهَمٍ طَلَّقَتْ لَوْ جُودَ قَبُولُهُ وَ هُوَ الشَّرْطُ وَ يَلْزَمُهُ خَمْسُمِائَةِ اسْتِحْسَانًا ، وَ فِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ أَلْفٌ ، وَ أَصْلُهُ فِي الْكِبَرَةِ إِذَا خُتِلَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ عَلَى أَلْفٍ وَ مَهْرُهَا أَلْفٌ فِي الْقِيَاسِ

عَلَيْهَا خَمْسُ مِائَةِ زَائِدَةً، وَفِي الْإِسْتِحْسَانِ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا، لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ عَادَةٌ حَاصِلُ مَا يَلْزَمُ لَهَا.

**ترجمہ:** اور اگر باپ مہر کا ضامن ہو گیا اور مہر ایک ہزار درہم ہے تو عورت مطلقہ ہو جائے گی اس لیے کہ باپ کا قبول کرنا پایا گیا اور وہی شرط تھا۔ اور استحساناً باپ پر پانچ سو درہم لازم ہوں گے جب کہ قیاساً اس پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اور اس حکم کی اصل بالغہ عورت کے حق میں ہے جب دخول سے پہلے ایک ہزار کے عوض اسے خلع دیا گیا ہو اور اس کا مہر بھی ایک ہزار ہو، تو قیاس میں اس پر پانچ سو درہم زائد لازم ہوں گے اور استحسان میں اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہوگا، اس لیے کہ عام طور پر خلع سے اس چیز کا حصول مراد ہوتا ہے جو عورت کے لیے لازم ہوتا ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿ضمن﴾ ضامن ہو گیا۔

### صغیرہ کے ساتھ خلع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے صغیرہ سے ایک ہزار درہم کے عوض خلع کیا اور باپ صغیرہ کی طرف سے اس ایک ہزار کا ضامن ہو گیا اور صورت حال یہ ہے کہ صغیرہ کا مہر بھی ایک ہزار تھا تو اس صورت میں باپ کے ضامن ہوتے ہی صغیرہ مختلعه اور مطلقہ ہو جائے گی، کیوں کہ جب باپ اس کا ضامن ہو گیا تو گویا اس کا قبول کرنا پایا گیا اور یہی قبول کرنا ہی وقوع خلع کے لیے شرط تھا اس لیے اس کے پائے جاتے ہی وہ مطلقہ اور مختلعه ہو جائے گی۔

رہا یہ مسئلہ کہ باپ پر کتنے درہم لازم ہوں گے؟ تو اس سلسلے میں قیاس اور استحسان کے اپنے اپنے الگ تقاضے ہیں، استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ باپ کے ذمے صرف پانچ سو درہم لازم ہوں، کیوں کہ صورت مسئلہ صغیرہ کو غیر مدخول بہامان کر وضع کیا گیا ہے اور بدل خلع کو اس کے مہر کے مساوی بلکہ عین مہر قرار دیا گیا ہے اور مہر ایک ہزار درہم ہیں، لیکن چون کہ صغیرہ غیر مدخول بہا کو اگر طلاق دی جائے تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں چون کہ صغیرہ کو بھی غیر مدخول بہامان کیا ہے اس لیے اس کا مہر بھی پانچ سو درہم ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ شوہر نے پانچ ہی سو درہم پر خلع کیا ہے، اس لیے از روئے استحسان باپ پر پانچ سو درہم ہی واجب ہوں گے۔

لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ باپ پر ایک ہزار درہم لازم ہوں کیوں کہ اس نے اسی مقدار کا التزام کیا ہے۔

واصلہ فی الکبیرۃ الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی اصل وہ بالغہ عورت ہے جسے دخول سے پہلے ایک ہزار کے عوض خلع دیا گیا ہو اور اس کا مہر بھی ایک ہی ہزار ہو تو اس صورت میں عدم دخول کی وجہ سے تو ایک ہزار کا نصف یعنی پانچ سو درہم ساقت ہو جائیں گے اور شوہر پر بیوی کے لیے صرف پانچ سو درہم واجب تھے، لہذا استحساناً وہی درہم بدل خلع ہو جائیں گے، اور اس کے علاوہ بیوی پر کوئی چیز نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ مہر کو بدل خلع قرار دینے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو کچھ بھی ہو وہ صاف ہو جائے گا اور کسی کا کسی پر کچھ نہیں واجب ہوگا اور پانچ سو درہم کے التزام سے چون کہ یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس لیے استحساناً عورت پر مزید کچھ نہیں واجب ہوگا۔ لیکن قیاساً باپ پر مزید پانچ سو درہم واجب ہوں گے، کیوں کہ اس نے آلف درہم کا التزام کیا ہے، لہذا التزام کو پورا کرنے کے لیے اسے مزید پانچ سو درہم دینے ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔

## بَابُ الظَّهَارِ

یہ باب احکام ظہار کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے خلع کو بیان کیا ہے اور اب ظہار کو بیان کر رہے ہیں، دونوں میں مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں کی بنیاد نافرمانی اور سرکشی ہے مگر چوں کہ خلع میں نکاح بھی ختم ہو جاتا ہے اور حرمت بھی ثابت ہوتی ہے جب کہ ظہار میں صرف حرمت ثابت ہوتی ہے اور نکاح باقی رہتا ہے، اس لیے خلع کو ظہار سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

ظہار کے لغوی معنی ہیں: شوہر کا اپنی بیو سے انت علی کظہر امی کہنا۔

ظہار کے شرعی معنی ہیں: تشبیہ المحللة بالمحرمة علی التأیید یعنی منکوحہ محللہ عورت کو محرمہ ابدیہ عورت کے مشابہ

قرار دینا۔

وَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لَامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي فَقَدْ حَرَمْتَ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطِيُّهَا وَلَا مَسْهَاهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتَّى يَكْفُرَ عَنْ ظَهَارِهِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ إِلَى أَنْ قَالَ ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾ (سورة المجادلة : ۳)، وَالظَّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَرَّرَ الشَّرْعُ أَصْلَهُ وَنَقَلَ حُكْمَهُ إِلَى تَحْرِيمِ مُوقِفٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرِ مُزِيلٍ لِلنِّكَاحِ، وَ هَذَا لِأَنَّهُ جَنَائَةٌ لِكُونِهِ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَ زُورًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ وَ ارْتِفَاعَهَا بِالْكَفَّارَةِ، ثُمَّ الْوُطْيُ إِذَا حَرَّمَ حَرَّمَ بِدَوَاعِيهِ كَيْلَا يَقَعَ فِيهِ كَمَا فِي الْإِحْرَامِ بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِأَنَّهُ يَكْثُرُ وَجُودُهُمَا فَلَوْ حَرَّمَ الدَّوَاعِي يُفْضَى إِلَى الْحَرَجِ، وَ لَا كَذَلِكَ الظَّهَارُ وَالْإِحْرَامُ.

**ترجمہ:** جب شوہر نے اپنی بیوی سے انت علی کظہر امی کہا تو وہ اس پر حرام ہو گئی، اس شخص کے لیے اس عورت سے نہ تو وطی کرنا حلال ہے اور نہ ہی اسے چھونا اور نہ اس کو بوسہ لینا حلال ہے یہاں تک کہ وہ شخص اپنے ظہار کا کفارہ دیدے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ”جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا کہ وہ جماع کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ اور زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق تھا چنانچہ شریعت نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور اس کے حکم کو کفارے کی ادائیگی تک تحریم کی طرف منتقل کر دیا اس حال میں کہ اسے نکاح زائل کرنے والا نہیں بنایا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ظہار ایک جرم ہے، کیوں کہ یہ فحش اور جھوٹ ہے، لہذا

مناسب معلوم ہوا کہ شوہر پر بیوی کو حرام کر کے اس کے جرم کی سزا دی جائے اور کفارہ کے ذریعے اس حرمت کو ختم کیا جائے۔ پھر جب وطی حرام ہوئی تو وہ اپنے دوائی کے ساتھ حرام ہوئی، تاکہ (دوائی کے ذریعے شوہر وطی میں مبتلا نہ ہو جیسے احرام میں ہے۔) برخلاف حائضہ اور روزہ دار کے، کیوں کہ یہ دونوں کثیر الوجود ہیں، اس لیے اگر دوائی کو حرام کر دیا جائے تو حرج کا سبب بن جائے گا۔ اور ظہار اور احرام کا یہ حال نہیں ہے۔

### اللغَات:

﴿ظہر﴾ پشت، کمر۔ ﴿مس﴾ چھونا۔ ﴿تقبیل﴾ چومنا، بوسہ لینا۔ ﴿یکفر﴾ کفارہ دے دے۔ ﴿موقت﴾ ایک خاص وقت کی۔ ﴿مزیل﴾ زائل کرنے والی۔ ﴿جنابۃ غلطی﴾ جرم۔ ﴿زور﴾ جھوٹ۔ ﴿مجازاۃ﴾ بدلہ دینا۔ ﴿ارتفاع﴾ اٹھ جانا۔

### ظہار، تعریف اور حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو وہ بیوی اس پر حرام ہوگئی چنانچہ اب کفارہ ظہار سے پہلے شوہر نہ تو بیوی سے وطی کر سکتا ہے، نہ اسے چھو سکتا ہے اور نہ ہی اس کو بوسہ لے سکتا ہے، اس حکم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے والذین یظاہرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتما سا الخ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے کہے ہوئے کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کریں، اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک مظاہر غلام آزاد نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

وکان الخ: فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں علی الاطلاق لوگ ظہار کو طلاق شمار کرتے اور سمجھتے تھے لیکن شریعت نے اس کے اطلاق کو مقید اور موقت کر کے یہ حکم دیا کہ ادائیگی کفارہ تک مظاہر کی بیوی اس پر حرام رہے گی اور شریعت کے اس حکم کی علت یہ ہے کہ ظہار کرنا جرم ہے، کیوں کہ اس میں فحش اور بدگوئی ہے اور قرآن کریم کی زبان میں یہ قبیح چیز ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وأنهم لیقولون منکرا من القول وزورا اور ظاہر ہے کہ شریعت میں جھوٹ اور قباحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس لیے مظاہر کو اس کے کہے اور کیے کی سزا ملے گی اور جس بیوی کو اس نے برا بھلا کہا ہے اسی کو اس شخص پر حرام کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کر کے اس جرم کے داغ اور دھبے کو پاک صاف کر لے کیوں کہ شریعت کا یہ قانون ہے کہ إن الحسنات یدھبن السیات یعنی نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ (بنیہ ۳۲/۵)

ثم إذا حرم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مظاہر پر جس طرح وطی حرام ہے اسی طرح دوائی وطی مثلاً چومنا چاٹنا اور بوسہ لینا یہ ساری چیزیں اس پر حرام ہیں، کیوں کہ اگر یہ چیزیں حرام نہیں کی جائیں گی تو ان کی وجہ سے شوہر وطی کر بیٹھے گا اور اس طرح حرام کاری میں وہ مبتلا ہو جائے گا، لہذا جس طرح محرم کے لیے وطی اور دوائی وطی دونوں حرام ہیں اسی طرح مظاہر کے لیے بھی یہ دونوں چیزیں حرام ہوں گی، اس کے برخلاف حائضہ اور صائمہ عورت کا معاملہ ہے تو ان سے صرف وطی حرام ہے، دوائی وطی حرام نہیں ہیں، کیوں کہ حیض اور روزہ کثیر الوقوع ہیں، اگر ان میں دوائی وطی کو بھی حرام قرار دیدیا جائے تو پھر زوجین میں سے ہر ایک کو حرج لاحق ہوگا اور شریعت میں حرج کو دور کر دیا گیا ہے، لہذا حائضہ اور صائمہ کے ساتھ دوائی وطی حلال اور درست اور جائز ہیں حیض اور روزہ

کے مقابلے میں ظہار اور احرام قلیل الوجود اور نادر الوقوع ہیں، اس لیے ان میں وطی بھی حرام ہوگی اور دوائی وطی پر بھی بند لگے گی۔

فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يَكْفِّرَ اسْتَغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى، وَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرَ الْكُفَّارَةِ الْأُولَى، وَ لَا يُعَادِي حَتَّى يَكْفِرَ لِقَوْلِهِ ۝ (لَلَّذِي وَاقَعَ فِي ظَهَارِهِ قَبْلَ الْكُفَّارَةِ اسْتَغْفَرَ اللَّهُ وَ لَا تَعُدُّ حَتَّى تَكْفِرَ))، وَ لَوْ كَانَ شَيْءٌ آخَرَ وَاجِبًا لَيَسَنَ الْعَلَيْهِ ۝، قَالَ وَ هَذَا اللَّفْظُ لَا يَكُونُ إِلَّا ظَهَارًا، لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ، وَ لَوْ نَوَى بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ، لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ فَلَا يَتِمَّكَنُ مِنَ الْإِتْيَانِ بِهِ.

**ترجمہ:** پھر اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے بیوی سے وطی کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور پہلے کفارہ کے علاوہ اس پر کچھ نہیں واجب ہے اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرے اس لیے کہ جس شخص نے ظہار میں کفارہ دینے سے پہلے وطی کر لی تھی، اس سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ سے استغفار کرو اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرنا۔ اگر (کفارہ کے علاوہ) دوسری کوئی چیز واجب ہوتی تو یقیناً آپ ﷺ سے بیان فرماتے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ لفظ صرف ظہار ہے، کیوں کہ یہ ظہار کے لیے صریح ہے۔ اور اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی تو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کا طلاق ہونا منسوخ ہے لہذا شوہر کو اس کے لانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿يَكْفِرُ﴾ کفارہ دینا۔ ﴿وَاقَعَ﴾ جماع کیا۔

## تخریج:

① أخرجه ابن ماجه في كتاب الطلاق باب المظاهر يجامع قبل ان يكفر، حديث: ۲۰۶۵.

## کفارہ دینے سے پہلے جماع کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر شخص نے کفارہ ظہار اداء کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اسے چاہیے کہ اللہ سے توبہ و استغفار کرے اور جو کفارہ واجب ہے اسے جلد از جلد ادا کر دے۔ اور اس پر کفارہ اولیٰ کے علاوہ دوسری کوئی چیز واجب یا لازم نہیں ہے، کیوں کہ سلمہ بن صخر بیاضی نامی ایک صحابی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا، پھر کفارہ اداء کرنے سے پہلے انھوں نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر ہو کر اپنا یہ واقعہ سنایا تھا جس پر آپ ﷺ نے انھیں استغفار کرنے کا اور کفارہ دینے سے پہلے دوبارہ وطی نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث سے ہمارا استدلال باس معنی ہے کہ اگر ایسے شخص پر کفارہ اولیٰ اور استغفار کے علاوہ کوئی دوسری چیز واجب ہوتی تو یقیناً آپ ﷺ سے بیان فرماتے۔ لیکن آپ کا کسی دوسری چیز کو نہ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص پر استغفار اور کفارہ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسری چیز واجب نہیں ہے۔

قال وهذا الخ: فرماتے ہیں کہ انت علی کظہر امی کا جملہ ظہار کے لیے صریح ہے، اس لیے اس جملے سے صرف ظہار واقع ہوگا اور اگر کوئی شخص اس سے طلاق کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت درست اور معتبر نہیں ہوگی، کیوں کہ اس لفظ سے طلاق کو مراد لینا



منسوخ ہو چکا ہے اور شریعت میں منسوخ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وَ إِذَا قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ كَبْطُنٍ أُمِّي أَوْ كَفَخَذَهَا أَوْ كَفَرَجَهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ، لِأَنَّ الظَّهَارَ لَيْسَ إِلَّا تَشْبِيهُهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمَحْرَمَةِ وَ هَذَا الْمَعْنَى يَتَحَقَّقُ فِي عَضْوٍ لَا يَجُوزُ النَّظَرُ إِلَيْهِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے یوں کہا تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا اس کی ران کی طرح ہے یا اس کی شرم گاہ کی طرح ہے تو وہ ظہار کرنے والا ہے، اس لیے کہ محلہ عورت کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے ہی کا نام ظہار ہے اور یہ معنی ہر اس عضو میں متحقق ہو جاتا ہے جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔

### اللغات:

کَبْطُنٌ: پیٹ۔ كَفَخَذَهَا: ران۔ كَفَرَجَهَا: شرم گاہ۔ مُظَاهَرٌ: ظہار کرنے والا۔ مُحَلَّلَةٌ: حلال کی ہوئی عورت۔

### ظہار کے مشبہ بہ اعضاء جسمانی:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ ظہار کا تحقق اور اس کا وقوع صرف اُنْتِ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ محلہ عورت کو محرمہ عورت کے ہر اس عضو کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہو جائے گا جس کی طرف دیکھنا محرم کے لیے درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے اُنْتِ عَلَيَّ كَبْطُنٍ أُمِّي أَوْ كَفَخَذَهَا أُمِّي أَوْ كَفَرَجَهَا أُمِّي کہا تو ان تمام صورتوں میں وہ ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے محرمہ کہ ان اعضاء کو دیکھنا درست نہیں ہے۔

وَ كَذَلِكَ إِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ إِلَيْهَا عَلَى النَّأْبِدِ مِنْ مَحَارِمِهِ مِثْلُ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرِّضَاعَةِ، لِأَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْأُمَّ.

**ترجمہ:** ایسے ہی اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنی محارم میں سے کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جسے (شہوت کے ساتھ) دیکھنا اس کے لیے دائمی طور پر حرام ہے جیسے اپنی بہن یا پھوپھی یا اپنی رضاعی ماں (کے ساتھ تشبیہ دینا) کیوں کہ یہ عورتیں دائمی تحریم میں ماں کی طرح ہیں۔

### محرمات سے تشبیہ دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کا تحقق صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر اس عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینے سے ظہار متحقق ہو جائے گا جن کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا شوہر کے لیے حرام ہے مثلاً خالہ، بہن، پھوپھی اور رضاعی ماں وغیرہ ہیں کہ ان کی طرف شہوت بھری نگاہ سے دیکھنا حرام ہے، اس لیے اگر ان میں سے کسی عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دی گئی تو ظہار متحقق ہو جائے گا۔

وَكَذَلِكَ إِذَا قَالَ رَأْسُكَ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي أَوْ قَرْجِكَ أَوْ وَجْهِكَ أَوْ رَقَبَتِكَ أَوْ نَصْفِكَ أَوْ ثُلُثِكَ لِأَنَّهُ يُعْبَرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ، وَيَنْبَغُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدَّى كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ.

**ترجمہ:** اور ایسے ہی اگر شوہر نے کہا کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پشت کے مانند ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف بدن یا تیرا تہائی بدن، اس لیے کہ ان اعضاء سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حکم (پہلے) جزء شائع میں ثابت ہوتا ہے پھر متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے طلاق میں اسے بیان کیا ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿رأس﴾ سر۔ ﴿ظهر﴾ کمر، پشت۔ ﴿فرج﴾ شرمگاہ۔ ﴿وجه﴾ چہرہ۔ ﴿رقبة﴾ گردن۔

### بیوی کے کسی ایک جزء کو تشبیہ دینا:

فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ رَأْسُكَ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي یا یوں کہا فَرْجُكَ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي یوں کہا رَقَبَتُكَ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي یا یوں کہا ثُلُثُكَ عَلَيَّ كَظْهَرِ أُمِّي تو ان تمام صورتوں میں ظہار ثابت اور متحقق ہو جائے گا، اس لیے کہ مذکورہ تمام اعضاء میں سے ہر عضو کے ذریعے عورت کے پورے حصے اور اس کے جسم و جبے کو تعبیر کیا جاتا ہے اور حکم پہلے جزء شائع میں ثابت ہوگا اس کے بعد پورے بدن میں سرایت کر جائے گا، لہذا ان میں سے کسی بھی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا عورت کے پورے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور محللہ عورت کو محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار ثابت ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ قَالَ أَنْتَ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي أَوْ كَأُمِّي يَرْجِعُ إِلَى نَيْتِهِ لَيَنْكُشِفَ حُكْمُهُ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ، لِأَنَّ التَّكْرِيمَ بِالتَّشْبِيهِ فَاشِ فِي الْكَلَامِ، وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظَّهَارَ فَهُوَ ظَهَارٌ لِأَنَّهُ تَشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا وَفِيهِ تَشْبِيهُ بِالْعَضْوِ لَكِنَّهُ لَيْسَ بِبَصْرِحٍ فَيَقْتَصِرُ إِلَى النِّيَّةِ، وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَإِنْ لَأَنَّهُ تَشْبِيهُ بِالْأَمِّ فِي الْحُرْمَةِ فَكَأَنَّهُ قَالَ أَنْتَ عَلَيَّ حَرَامٌ وَنَوَى الطَّلَاقَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَابْنِ يَوْسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِمَا لِاحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَى الْكَرَامَةِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِمَا يَكُونُ ظَهَارًا، لِأَنَّ التَّشْبِيهُ بِعَضْوٍ مِنْهَا لَمَّا كَانَ ظَهَارًا فَالتَّشْبِيهُ بِجَمِيعِهَا أَوْلَى وَإِنْ عَنِيَ بِهِ التَّحْرِيمَ لَا غَيْرَ فَعِنْدَ أَبِي يَوْسُفَ هُوَ إِيلَاءٌ لِيَكُونَ الثَّابِتُ بِهِ أَذْنَى الْحُرْمَتَيْنِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ظَهَارٌ لِأَنَّ كَافَ التَّشْبِيهِ تَخْتَصُّ بِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تاکہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے چنانچہ اگر اس نے کہا کہ میں نے کرامت کا ارادہ کیا ہے تو وہ اسی کے مطابق ہوگا، کیوں کہ تشبیہ کے ذریعہ اکرام کرنا گفتگو میں رائج ہے۔ اور اگر اس نے کہا میں نے ظہار مراد لیا ہے تو وہ ظہار ہوگا کیوں کہ یہ عورت کے مجموعے کے ساتھ تشبیہ

دینا ہے اور اس میں عضو کے ساتھ بھی تشبیہ موجود ہے لیکن چوں کہ وہ صریح نہیں ہے اس لیے نیت کی ضرورت پڑے گی۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ میں نے طلاق مراد لیا ہے تو وہ طلاق بائن ہوگی، اس لیے کہ یہ حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ ہے تو گویا کہ شوہر نے اُنتِ علیّ حرام کہا اور اس سے طلاق کی نیت کی۔ اور اگر اس کی کوئی نیت تھی تو حضراتِ شیخینؒ کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں ہے کیوں کہ اسے کرامت پر محمول کرنے کا احتمال ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ظہار ہوگا کیوں کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پورے بدن کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا۔ اور اگر شوہر نے اس سے صرف تحریم مراد لی ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں وہ ایلاء ہوگا تا کہ اس کے ذریعہ ادنیٰ حرمت ثابت ہو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں ظہار ہوگا، کیوں کہ کافی تشبیہ ظہار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

### اللغات:

﴿برجع﴾ رجوع کیا جائے گا۔ ﴿ینکشف﴾ واضح ہو۔ ﴿کرامة﴾ عزت و احترام۔ ﴿تکریم﴾ عزت دینا۔ ﴿فاش﴾ عام ہے۔ ﴿یفقر﴾ محتاج ہوگا۔

”تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے“ کہنے کا حکم:

اس عبارت میں شوہر کے دو جملوں کے متعلق اس کی نیت اور اس کے ارادے پر کئی ایسے مسئلے بیان کیے گئے ہیں جو ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے آئیں گے، سب سے پہلے ان دونوں جملوں پر نظر ڈالیں (۱) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اُنتِ علیّ مثل امی (۲) یا یوں کہا اُنتِ علیّ کامی تو ان دونوں صورتوں میں سب سے پہلے اس کی نیت دریافت کی جائے گی اور نیت کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا (۱) چنانچہ اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ جس طرح میری ماں میرے نزدیک قابلِ تعظیم ہے اسی طرح تو بھی میرے نزدیک قابلِ تکریم ہے اور میں نے اکرام و احترام کی خاطر یہ تشبیہ دی ہے، تو اب حکم شرعی یہ ہے کہ اس کی یہ نیت معتبر ہوگی اور اس کے کلام کو تکریم پر محمول کیا جائے گا کیوں کہ اس کے کلام میں اس بات کا احتمال ہے، اس لیے کہ عرف عام اور کلام الناس میں اس طرح کے کلام سے اکرام کو مراد لیا جاتا ہے۔

(۲) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس جملے سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو اس کا یہ ارادہ بھی معتبر ہوگا اور ظہار کا تحقق ہو جائے گا، کیوں کہ محللہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا نام ظہار ہے اور وہ تشبیہ یہاں موجود ہے کیوں کہ اُنتِ علیّ کامی میں پوری ماں کے ساتھ تشبیہ موجود ہے اور دوسرے جملے یعنی مثل امی میں بھی ام کے ساتھ تشبیہ ہے اور جب عضو کی تشبیہ سے ظہار متحقق ہو جاتا ہے تو اعضاء کے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجہ اولیٰ ظہار متحقق ہوگا، مگر چوں کہ اُنتِ علیّ اور کامی تشبیہات صریحہ نہیں ہیں اس لیے ان میں نیت دیکھی جائے گی اور نیت ہی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

(۳) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو یہ نیت بھی درست ہے اور بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ یہ کلام حرمت میں ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کا بھی احتمال رکھتا ہے، لہذا یہ ایسا ہے گویا شوہر نے اُنتِ علیّ حرام کامی او مثل امی کہا اور اُنتِ علیّ حرام سے اگر شوہر طلاق کی نیت کرتا ہے تو کنایہ ہونے کی وجہ سے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

(۴) اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے یوں ہی کہہ دیا تھا اور اس کلام سے میری کوئی خاص نیت نہیں تھی تو اس صورت میں حضراتِ شیعین رحمہم اللہ کے یہاں یہ کلام لغو ہوگا اور اسے کسی بھی چیز پر محمول نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ اس میں کرامت کا بھی احتمال ہے اور طلاق و ظہار کا بھی احتمال ہے، اس لیے مرجع کے بغیر کسی بھی مصداق پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا، کیوں کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پورے بدن کے ساتھ تشبیہ دینا تو بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا، اس لیے نیت کے بغیر ان صورتوں میں ظہار ثابت ہوگا۔

(۵) اور اگر شوہر نے ان جملوں سے تحریم یعنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا ارادہ کیا ہو تو بھی امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ ظہار ہوگا جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت میں ایلاء ہوگا، کیوں کہ ظہار کے مقابلے میں ایلاء کی حرمت خفیف اور ادنیٰ ہے، اس لیے کہ وہ حرمت چار ماہ بعد ثابت ہوتی ہے، بدون کفارہ و طہ کے ذریعے اسے ختم کیا جاسکتا ہے اور ایلاء مباح اور جائز ہے، اس لیے ان حوالوں سے اس کی حرمت حرمتِ ظہار سے اخف ہے اور فقہ کا قاعدہ یہ ہے کہ یختار اھون الشرین یعنی جب کسی مسئلے میں دو شریع ہوں تو ان میں سے اخف کو اختیار کیا جائے گا۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں جملوں میں حرف تشبیہ (مثل) اور کاف تشبیہ موجود ہے اور حروف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے اس صورت میں بھی شوہر کے قول کو ظہار ہی پر محمول کریں گے۔

وَلَوْ قَالَ أَنْتَ عَلَيَّ حَرَامٌ كَأَمِّي وَ نَوَى ظَهَارًا أَوْ طَلَاقًا فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْوُجْهَيْنِ: الظَّهَارَ لِمَكَانِ التَّشْبِيهِ، وَالطَّلَاقَ لِمَكَانِ التَّحْرِيمِ، وَالتَّشْبِيهُ تَأْكِيدٌ لَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُونُسَ إِيْلَاءٌ، وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ رحمہ اللہ ظَهَارٌ، وَالْوُجْهَانِ بَيِّنَاهُمَا.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا کہ میری ماں کی طرح تو مجھ پر حرام ہے اور اس نے ظہار یا طلاق کی نیت کی تو حکم اس کی نیت کے مطابق ہوگا، اس لیے یہ کلام دونوں کا احتمال رکھتا ہے، ظہار کا احتمال تشبیہ کی وجہ سے رکھتا ہے اور طلاق کا احتمال تحریم کی وجہ سے رکھتا ہے۔ اور تشبیہ تحریم کی تاکید ہے۔ اور اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ایلاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ظہار ہے اور دونوں صورتیں ماقبل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

**”انت علی حرام کامی“ کا حکم:**

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ شوہر کے قول انت علی حرام کامی میں طلاق کا بھی احتمال ہے اور ظہار کا بھی احتمال ہے چنانچہ جس چیز کی وہ نیت کرے گا وہ متعین ہو جائے گی، اس کلام میں ظہار کا احتمال تو اس لیے ہے کہ اس میں کاف تشبیہ موجود ہے جو ظہار کے لیے خاص ہے اور طلاق کا احتمال اس طور پر ہے کہ انت علی حرام الفاظ کنایہ میں سے ہے اور الفاظ کنایہ سے طلاق بآن واقع ہوتی ہے۔ اور اگر اس جملے سے شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بآن واقع ہوگی اور انت علی حرام کے بعد کامی میں جو تشبیہ ہے وہ اسی تحریم کی تاکید ہوگی۔

و إن لم الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کی کوئی نیت نہ ہو تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سے ایلاء مراد ہوگا لہٰذا ادنیٰ وأخف من الطہار، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظہار ہی ہوگا لہٰذا كاف التشبیہ تختص بالظہار کما مر انفا۔

و إن قال أنت علی حرام کظہر أمی و نوى به طلاقاً أو إيلاءاً لم یکن إلا ظہاراً عند أبي حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ، و قال هو علی ما نوى، لأن التحریم یحتمل کُلّ ذلك علی ما بینا، غیر أن عند محمد رحمۃ اللہ علیہ إذا نوى الطلاق یكون ظہاراً، و عند أبي یوسف رحمۃ اللہ علیہ یكونان جمیعاً، و قد عرف فی موضعہ، و لأبی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ أنه صریح فی الظہار فلا یحتمل غیره، ثم هو محکم فی ردّ التحریم إلیہ۔

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا کہ میری ماں کی پشت کی طرح تو مجھ پر حرام ہے اور اس سے طلاق یا ایلاء کی نیت کی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صرف ظہار ہوگا، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا، اس لیے کہ تحریم (ان میں سے) ہر چیز کا احتمال رکھتی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب شوہر نے طلاق کی نیت کی تو ظہار نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق اور ظہار دونوں ہوگا۔ اور یہ اپنی جگہ معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام ظہار کے لیے صریح ہے لہٰذا اس کے علاوہ کا احتمال نہیں رکھے گا۔ پھر وہ محکم بھی ہے اس لیے تحریم کو ظہار کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

### چند الفاظ ظہار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے أنت علی حرام کظہر أمی کہا اور اس سے طلاق کی یا ایلاء کی نیت کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو طلاق ہوگی اور نہ ہی ایلاء ہوگا بلکہ ظہار ہوگا۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر جس چیز کی نیت کرے گا وہی واقع ہوگی خواہ وہ طلاق ہو یا ایلاء، کیوں کہ شوہر کا یہ کلام طلاق اور ایلاء دونوں کا احتمال رکھتا ہے، لہٰذا جس چیز پر اس کی نیت کا ٹھہر لگے گا وہی متعین ہو جائے گی۔

غیر أن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس جملے سے شوہر نے طلاق کی نیت کر لی تو پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سے ظہار نہیں ہوگا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طلاق بھی ہوگی اور ظہار بھی ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان حضرات کی دلیلیں نہیں ذکر کیں لیکن صاحب عنایہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی دلیلیں بیان کی ہیں چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب شوہر نے أنت علی حرام کہا اور اس سے طلاق کی نیت کر لی تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی، لہٰذا اب کظہر أمی سے ظہار کا ثبوت نہیں ہوگا، کیوں کہ بینونت کے بعد ظہار صحیح نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ طلاق تو أنت علی حرام سے واقع ہوگی اور ظہار کظہر أمی سے واقع ہوگا، کیوں کہ یہ جملہ ظہار کے لیے صریح ہے لہٰذا اس کے لیے ظاہر سے انحراف کی گنجائش نہیں ہوگی۔

ولأبی حنیفۃ الخ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہ طلاق نہ ایلاء اس جملے سے صرف اور صرف ظہار واقع ہوگا کیوں کہ یہ جملہ ظہار کے لیے صریح ہے اور صریح کے آگے نیت کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہوتی اور کلام میں آخری جملے کا اعتبار ہوتا ہے اور

معنی و مفہم کو متعین کرنے میں اس کا بڑا کردار ہوتا ہے اور یہاں مشکلم یعنی شوہر کے آخری جملے سے ظہار کی صراحت اور وضاحت ہو رہی ہے، اس لیے اسے ظہار ہی پر محمول کریں گے اور طلاق وغیرہ کو کنارے لگا دیں گے۔ نیز کظہر اُمی ظہار کے لیے محکم ہے اور انت علیٰ حرام محتمل ہے کیوں کہ اس میں طلاق اور ایلاء کا بھی احتمال ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف پھیرا جاتا ہے اس لیے اسی ضابطے کے پیش نظر صورت مسئلہ میں انت علیٰ حرام کو بھی محکم یعنی کظہر اُمی کی طرف پھیرا جائے گا اور صرف ظہار کو واقع کیا جائے گا۔

قَالَ وَلَا يَكُونُ الظَّهَارُ إِلَّا مِنَ الزَّوْجَةِ حَتَّىٰ لَوْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿مِنْ نِسَائِهِمْ﴾، وَلَا لَأَنَّ الْحِلَّ فِي الْأَمَةِ تَابِعٌ فَلَا تُلْحَقُ بِالْمَنْكُوحَةِ، وَلَا لَأَنَّ الظَّهَارَ مَنْقُولٌ، عَنِ الطَّلَاقِ، وَلَا طَلَاقٌ فِي الْمَمْلُوكَةِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ظہار صرف بیوی سے متحقق ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو وہ ظہار کرنے والا نہیں ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے من نساہم فرمایا ہے۔ اور اس لیے بھی باندی میں حلت تابع ہے، اس لیے اس کو منکوحہ کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اور اس لیے بھی کہ ظہار طلاق سے منقول ہے اور مملوکہ کے حق میں طلاق نہیں ہے۔

## اللغات:

۱۰ اُمۃ باندی۔

## ظہار صرف بیوی سے ہی ہوتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کا تحقق اور تعلق صرف منکوحہ عورتوں سے ہے اور منکوحہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے ظہار متحقق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی سے ظہار کر لے تو اسے مظاہر نہیں کہیں گے ظہار کے منکوحہ بیویوں کے ساتھ خاص ہونے کی کئی لیلیں ہیں (۱) پہلی دلیل تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے ظہار کو بیان کرتے ہوئے والذین یظاہرون من نساہم میں نساء کا لفظ استعمال کیا ہے اور نساء اگرچہ منکوحہ اور مملوکہ سب کو عام ہے مگر یہاں سیاق و سباق سے اس کا منکوحہ عورتوں کے لیے ہونا متعین ہے اور اس سے صرف انسان کی اپنی منکوحہ بیویاں مراد ہیں، معلوم ہوا کہ غیر منکوحہ عورتوں سے ظہار ہیں ہو سکتا۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی کی حلت فرج مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ملک یمین مقصود ہے جب کہ منکوحہ عورت میں حلت فرج ہی مقصود بالذات ہے، اس لیے غیر مقصود بالذات کو مقصود بالذات کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ ظہار طلاق سے منقول ہے بایں معنی کہ زمانہ جاہلیت میں اسے طلاق سمجھا جاتا تھا اور چوں کہ مملوکہ باندی کے حق میں طلاق نہیں ہے، اس لیے جو چیز طلاق سے منقول ہے یعنی ظہار وہ بھی مملوکہ کے حق میں نہیں ہوگی۔

فَإِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بَغِيرَ امْرَأَتِكَ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَجَارَتْ النِّكَاحَ فَالظَّهَارُ بَاطِلٌ، لِأَنَّهُ صَادِقٌ فِي التَّشْبِيهِ وَقَدْ التَّصَرَّفَ فَلَمْ يَكُنْ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ، وَالظَّهَارُ لَيْسَ بِحَقٍّ مِنْ حُقُوقِهِ حَتَّىٰ يَتَوَقَّفَ، بِخِلَافِ إِعْتَاقِ الْمُشْتَرِيِّ مِنَ الْعَاصِبِ، لِأَنَّهُ مِنْ حُقُوقِ الْمِلْكِ.

**ترجمہ:** پھر اگر کسی عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کر لیا اس کے بعد اس نے نکاح کی اجازت دی تو ظہار باطل ہے، کیوں کہ یہ شخص بوقت تصرف تشبیہ میں سچا ہے، لہذا یہ غلط بات نہیں ہوگی۔ اور ظہار نکاح کے حقوق میں سے کوئی حق بھی نہیں ہے کہ وہ موقوف رہے۔ اس کے برخلاف غاصب سے خریدنے والے کا آزاد کرنا ہے، اس لیے کہ آزاد کرنا حقوق ملک میں سے ہے۔

## اللغات:

﴿یتوقف﴾ موقوف ہونا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔

## ظہار کی ایک خاص صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور عورت کی اجازت سے پہلے ہی اس نے اس سے ظہار کر لیا پھر اس عورت نے نکاح کی اجازت دیدی تو نکاح درست ہوگا اور ظہار باطل ہوگا، کیوں کہ ظہار نام ہے محللہ عورت کو محرمہ عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا اور صورت مسئلہ میں عورت کی اجازت سے پہلے چوں کہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے اس لیے وہ عورت اس کے لیے حرام تھی اور اجازت ہی سے پہلے اس شخص نے ظہار کیا ہے، اس لیے یہ محرمہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینا ہوا اور محرمہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار کا تحقق نہیں ہوتا۔ صاحب کتاب نے اس دلیل کو یوں بیان کیا ہے کہ ظہار نام ہے فحش اور بدگوئی کا، لیکن عدم نکاح کی وجہ سے بوقت تصرف (کلمات ظہار کی ادائیگی کے وقت) مذکورہ شخص اپنی بات اور اپنی تشبیہ میں سچا ہے، اس لیے اس کی یہ بات منکر من القول نہیں ہوگی اور وہ شخص مظاہر نہیں کہلائے گا۔

والظہار لیس بحق الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں ظہار کو باطل قرار دینا درست نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اسے موقوف کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ ظہار موقوف ہے ملک نکاح پر اور ملک نکاح موقوف ہے عورت کی اجازت پر، لہذا جس طرح ملک نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے اور اسے باطل نہیں کیا گیا ہے اسی طرح ظہار کو بھی عورت کی اجازت پر موقوف مانا جائے اور اسے یکسر باطل نہ قرار دیا جائے، جیسے اگر کسی شخص نے غاصب سے کوئی غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا تو یہ بیع کی طرح آزاد کرنا بھی مغضوب منہ یعنی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، اسی طرح صورت مسئلہ میں جس طرح نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے اسی طرح ظہار کو بھی اس کی اجازت پر موقوف کرنا چاہیے۔

صاحب ہدایہ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نکاح امر مشروع ہے جب کہ ظہار ممنوع اور امر غیر مشروع ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ امر غیر مشروع امر مشروع کے لیے لازم اور ضروری نہیں ہو سکتا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ظہار نکاح کے حقوق میں سے کوئی حق نہیں ہے کہ نکاح کی طرح وہ عورت کی اجازت پر موقوف رہے۔ اس کے برخلاف مشتری من الغاصب کے اعتاق کا معاملہ ہے تو وہ بیع و شراء کی طرح مغضوب منہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، کیوں کہ آزاد کرنا ملک کے حقوق اور لوازم میں سے ہے۔ اور اعتاق سے مشتری کی ملک تام اور مکمل ہوگی، اس لیے جس طرح اس کی ملک مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اسی طرح اس کا اعتاق بھی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اس توقف کو نکاح اور ظہار والے مسئلے پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔

وَمَنْ قَالَ لَيْسَانِي اَنْتَنَ عَلَيَّ كَظْهَرِ اُمِّي كَانَ مُظَاهِرًا مِنْهُنَّ جَمِيعًا، لِأَنَّهُ أَضَافَ الظَّهَرَ إِلَيْهِنَّ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ، وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ كَفَّارَةٌ، لِأَنَّ الْحُرْمَةَ تَبَيَّنَتْ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ، وَالْكَفَّارَةُ لِإِنْهَاءِ الْحُرْمَةِ فَيَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِهَا، بِخِلَافِ الْإِبْلَاءِ مِنْهُنَّ، لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ لِصِيَانَةِ حُرْمَةِ الْإِسْمِ وَلَمْ يَتَعَدَّدْ ذِكْرُ الْإِسْمِ.

**ترجمہ:** اور جس شخص نے اپنی بیویوں سے کہا تم سب مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو تو وہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہوگا، اس لیے کہ اس نے ان سب کی طرف ظہار کو منسوب کیا ہے لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے طلاق کو منسوب کیا۔ اور اس پر ہر ایک کے لیے ایک ایک کفارہ واجب ہے، اس لیے کہ حرمت ہر ایک کے حق میں ثابت ہو چکی ہے اور کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لیے ہے لہذا حرمت کے متعدد ہونے سے کفارہ بھی متعدد ہوگا۔ برخلاف ان سے ایلاء کرنے کے، اس لیے کہ ایلاء میں کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حفاظت کے لیے ہے اور اللہ کے نام کا تذکرہ متعدد نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿انہاء﴾ ختم کرنا۔ ﴿یتعدد﴾ متعدد ہوگا، زیادہ تعداد میں ہوگا۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت کرنا، بچانا۔

### سب بیویوں سے بیک وقت ظہار کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چار بیویاں ہوں اور اس نے یہ جملہ کہہ دیا ہو اَنْتَنَ عَلَيَّ كَظْهَرِ اُمِّي تو وہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے ان سب کی طرف ظہار کو منسوب کیا ہے لہذا یہ ایسا ہے گویا اس نے ان سب کی طرف طلاق کو منسوب کر کے اَنْتَنَ طَوَّلَقَ کہا ہو، چنانچہ ایک ساتھ سب پر طلاق واقع ہو جائیگی۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ایک ساتھ سب پر ظہار بھی واقع ہو جائے گا۔

وعليه لكل واحد الخ: فرماتے ہیں کہ جس طرح تمام بیویوں پر ظہار واقع ہوگا اسی طرح اس شخص پر ہر ایک کی طرف سے الگ الگ کفارہ بھی واجب ہوگا، کیوں کہ ظہار کی وجہ سے ہر بیوی کے حق میں حرمت ثابت ہو چکی ہے اور اس حرمت کا اختتام کفارہ کے ذریعے ہوگا، اس لیے یہ بات لازم ہوگی کہ ہر بیوی کی طرف سے اس شخص پر متعدد کفارے واجب ہوں تاکہ ہر ایک بیوی اس کے لیے حلال ہو جائے۔

بخلاف الإیلاء الخ: فرماتے ہیں کہ ظہار کے بالمقابل اگر کوئی شخص اپنی کئی بیویوں سے بیک وقت ایلاء کر لے تو اس کے ازالہ کے لیے صرف ایک ہی کفارہ واجب ہے اور ہر بیوی کی طرف سے علیحدہ علیحدہ کفارہ یمین ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ایلاء میں کفارہ اس لیے واجب ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت اور تعظیم کو باقی رکھا جائے اور ایلاء کرنے میں صرف ایک ہی مرتبہ اللہ کے نام کو لیا گیا ہے، متعدد مرتبہ نہیں لیا گیا ہے اس لیے اس کے ازالے کے لیے صرف ایک ہی کفارہ واجب ہوگا نہ کہ متعدد۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ.





## فَصْلٌ فِي الْكَفَّارَةِ

یہ فصل احکام کفارہ کے بیان میں ہے

قَالَ وَ كَفَّارَةُ الظَّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا لِلنَّصِ الْوَارِدِ فِيهِ فَإِنَّهُ يُفِيدُ الْكَفَّارَةَ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، لیکن اگر مظاہر غلام نہ پائے تو لگاتار دو ماہ تک روزے رکھے، لیکن اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اس نص کی وجہ سے جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہے، اس لیے کہ یہ نص ترتیب کے مطابق کفارہ کا فائدہ دے رہی ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿عتق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿متتابعین﴾ پے در پے، بلا وقفہ۔

### کفارۃ ظہار:

اس عبارت میں مظاہر پر کفارے کی تشریح اور اس کی ترتیب کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مظاہر کے لیے اے ون AONE کو الٹی کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس پر قدرت نہ ہو تو نمبر دو پر مسلسل دو ماہ تک روزہ رکھنا ہے۔ اور اگر مظاہر ضعیف اور کمزور ہو اور روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اب آخری درجہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حکم اور ترتیب کوئی من مانی نہیں ہے بلکہ نص قرآنی سے ہم آہنگ اور مربوط ہے چنانچہ سورۃ مجادلہ میں ہے فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا۔ پھر آگے ہے فان لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل ان یتماسا فمن لم يستطع فإطعام ستين مسکینا الخ اسی نص سے کفارۃ ظہار کا حکم ثابت ہے اور چون کہ اس میں فان لم فان لم کے ذریعے ایک حکم کا دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور فاء ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے ترتیب ثابت ہوگئی۔

قَالَ وَ كُلُّ ذَلِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَ هَذَا فِي الْإِعْتَاقِ وَالصَّوْمِ ظَاهِرٌ لِلتَّنْصِصِ عَلَيْهِ، وَ كَذَا فِي الْإِطْعَامِ، لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ مِنْهُيَّةٌ لِلْحَرَمَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِهَا عَلَى الْوُطِيِّ لِيَكُونَ الْوُطِيُّ حَلَالًا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ہر چیز وطی کرنے سے پہلے ہے اور یہ حکم آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں ظاہر ہے، اس لیے کہ اس پر نص کی وضاحت ہے۔ اور کھانا کھلانے میں یہی حکم ہے، کیوں کہ ظہار کا کفارہ حرمت کو ختم کرنے والا ہے۔ لہذا اس کو وطی پر مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وطی حلال ہو جائے۔

### اللغات:

﴿مسیس﴾ جماع کرنا۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿اطعام﴾ کھانا کھلانا۔

**ظہار میں کفارے کے لیے وطی سے پہلے ہونے کی شرط:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کے کفارے میں ہر کفارے کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے خواہ وہ کفارہ اعتاق ہو یا صوم ہو یا اطعام ہو، رہا مسئلہ اعتاق اور صوم کا تو ان کے وطی سے پہلے ہونے کی صراحت خود نص قرآنی من قبل ان یتماسا میں موجود ہے اور اطعام کے ساتھ اگرچہ یہ قید نہیں ہے مگر چون کہ کفارہ سے حرمت ظہار ختم ہوتی ہے اس لیے اس کو وطی پر مقدم کرنا اور اس سے پہلے اداء کرنا ضروری ہے تاکہ وطی حلال اور جائز واقع ہو۔

قَالَ وَ تَجْزِي بِالْعَتَقِ الرَّقَبَةَ الْكَافِرَةَ وَالْمُسْلِمَةَ وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ، لِأَنَّ اسْمَ الرَّقَبَةِ يُطْلَقُ عَلَى هَؤُلَاءِ، إِذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الدَّائِ الْمَرْفُوقِ الْمَمْلُوكِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَ يَقُولُ الْكَافَرَةُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهُ إِلَى عَدُوِّ اللَّهِ كَالرَّكُوعِ، وَ نَحْنُ نَقُولُ الْمَنْصُوصُ عَلَيْهِ إِعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَقَدْ تَحَقَّقَ، وَقَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ، ثُمَّ مَقَارَنَةُ الْمَعْصِيَةِ بِحَالٍ بِهِ إِلَى سُوءِ اخْتِيَارِهِ.

**ترجمہ:** اور حق میں کافر مسلمان زماہ، چھوٹا اور بڑا ہر طرح کا رقبہ کافی ہے، کیوں کہ ان سب پر لفظ رقبہ کا اطلاق ہوتا ہے، کیوں کہ رقبہ اس کا نام ہے جو ہر طرح سے غلام اور مملوک ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ رقبہ کافرہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے اسے اللہ کے دشمن کی طرف صرف کرنا جائز نہیں ہے، جیسے زکوٰۃ۔ ہم کہتے ہیں کہ جس چیز پر نص وارد ہوئی ہے وہ رقبہ آزاد کرنا ہے اور کافر کے اعتاق سے بھی حق متحقق ہوگا اور کفارہ دینے سے معتق کا ارادہ اللہ کی اطاعت پر قدرت دینا ہے۔ پھر معصیت سے متصل ہونے کو اس کی بد اختیار کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿تجزی﴾ کافی ہوگا۔ ﴿مرفوق﴾ غلام۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا، پھیرنا۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿تمکن﴾ قدرت دینا۔

مقارنہ ساتھ ملا ہوا ہونا۔

**کفارے میں جائز غلام کی تفصیل:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارہ ظہار میں جو اعتاق کا حکم مذکور ہے وہ ہر طرح کے رقبے کو شامل ہے اور اس میں مسلمان ہونے یا

مذکر اور بڑا ہونے کی کوئی قید یا تخصیص نہیں ہے اور کافر، مونث اور چھوٹا رقبہ آزاد کرنے سے بھی ہمارے یہاں اعتاق تحقیق ہو جائے گا اور کفارہ بھی ادا ہو جائے گا، کیوں کہ رقبہ اس چیز کا نام ہے جو ہر طرح سے مرقوق اور مملوک ہو اور یہ صفت جس طرح رقبہ مسلمہ اور کبیرہ میں موجود ہے اسی طرح رقبہ کافرہ اور رقبہ صغیرہ میں بھی موجود ہے اور چوں کہ نص قرآنی فصحیہ رقبہ میں لفظ رقبہ مطلق ہے اس لیے ہر طرح کا رقبہ اس میں شامل و داخل ہے۔ صاحب کتاب نے ونحن نقول سے اسی کو بیان کیا ہے کہ رقبہ صغیرہ اور اثنی میں تو امام شافعی رحمہ اللہ ہمارے ہم خیال ہیں، لیکن رقبہ کافرہ کے متعلق وہ ہم سے الگ ہیں اور رقبہ کافرہ کے اعتاق اور کفارہ کے معتبر نہیں مانتے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لیے اسے دشمن خدا کی طرف منتقل کرنا درست نہیں ہے جیسے زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور اسے کافر کو دینا جائز نہیں ہے۔

وقصدہ الخ: یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل الکفارة حق اللہ تعالیٰ کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کفارہ دینے سے متقن کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ رقبہ مولیٰ کی خدمت سے چھٹکارا پا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قادر ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ اس فعل کی وجہ سے اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ لیکن اگر پھر بھی وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوتا تو یہ اس کے بد اعتقاد اور بد خیال ہونے کی علامت ہے۔

وَلَا تُجْزَى الْعُمَيَاءُ وَلَا الْمَقْطُوعَةُ الْيَدَيْنِ أَوْ الرَّجْلَيْنِ لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ وَهِيَ الْبَصَرُ أَوْ الْبَطْشُ أَوْ الْمَشْيُ وَهُوَ الْمَانِعُ، أَمَّا إِذَا اخْتَلَّتِ الْمَنْفَعَةُ فَهِيَ غَيْرُ مَانِعٍ حَتَّى يَجُوزَ الْعَوْرَاءُ وَمَقْطُوعَةُ إِحْدَى الْيَدَيْنِ وَ إِحْدَى الرَّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ لِأَنَّهُ مَا فَاتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ بَلْ اخْتَلَّتْ، بِخِلَافٍ مَا إِذَا كَانَتْ مَقْطُوعَتَيْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَيْثُ لَا يَجُوزُ لِفَوَاتِ جِنْسِ مَنَفَعَةِ الْمَشْيِ إِذْ هُوَ عَلَيْهِ مُتَعَدِّرٌ، وَيَجُوزُ الْأَصَمُّ وَالْقِيَاسُ أَنَّ لَا يَجُوزُ وَهُوَ رَوَايَةُ النَّوَادِرِ لِأَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفَعَةِ إِلَّا أَنَّا اسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ، لِأَنَّ أَصْلَ الْمَنْفَعَةِ بَاقٍ فَإِنَّهُ إِذَا صَبَحَ عَلَيْهِ يَسْمَعُ حَتَّى لَوْ كَانَ بِحَالٍ لَا يَسْمَعُ أَصْلًا بِأَنَّ وَلَدًا أَصَمَّ وَهُوَ الْآخِرُ لَا يُجْزِيهِ.

**ترجمہ:** اور اندھا اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹا ہوا رقبہ کافی نہیں ہے، اس لیے کہ منفعت کی جنس فوت ہے اور وہ بینائی ہے یا پکڑنا یا چلنا ہے حالانکہ جنس منفعت کا فوت ہونا ادائے کفارہ سے مانع ہے، لیکن اگر منفعت میں خلل ہو تو وہ مانع نہیں ہے یہاں تک کہ کانایا الگ الگ طرف سے ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا رقبہ جائز ہے، اس لیے کہ جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ مختل ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے جب ایک ہاتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف سے کٹے ہوئے ہوں، چنانچہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ چلنے کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہے، کیوں کہ اس کے لیے چلنا دشوار ہے۔ اور بہرہ غلام آزاد کرنا جائز ہے جب کہ قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو اور یہی نوادر کی روایت ہے، اس لیے کہ جنس منفعت فوت ہے، لیکن ہم نے احتساباً اسے جائز قرار دیا ہے، کیوں کہ اصل منفعت باقی ہے، اس لیے جب چیخ کربات کی جائے گی تو وہ یقیناً سن لے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس حال میں ہو کہ بالکل نہ سنتا ہو بایں طور کہ وہ مازاد بہرہ ہو اور گونگا بھی ہو تو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿عمیاء﴾ نابینا۔ ﴿بصر﴾ دیکھنا۔ ﴿بطش﴾ گرفت، پکڑنا۔ ﴿مشی﴾ چلنا۔ ﴿اختلت﴾ خراب ہوگئی۔ خلل زدہ ہوگئی۔ ﴿عوراء﴾ یک چشم گل، کانا۔ ﴿أصم﴾ بہرا۔ ﴿صیح﴾ چیخا جائے۔ ﴿آخرس﴾ گونگا۔

## کفارے میں ادائیگی کے لیے ناکافی غلام کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارہ ظہار میں اندھے رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے رقبہ کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ ان رقبات میں منفعت کی جنس یعنی دیکھنا اور پکڑنا یا چلنا فوت ہے اور جنس منفعت سے فوت ہونے والا رقبہ ہلاک شدہ رقبہ کے درجے میں ہوتا ہے اور ہلاک شدہ رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے جنس منفعت سے فوت شدہ رقبہ کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

أما إذا النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جنس منفعت یکسر فوت نہ ہو بلکہ منفعت میں خلل واقع ہو جائے تو ایسے رقبہ کو آزاد کرنا صحیح ہے اور منفعت کا اختلال مانع جواز نہیں ہے، اسی لیے کانے اور ایک ہاتھ اور اس کے دوسری طرف والا پیر کٹا ہوا رقبہ آزاد کرنا جائز ہے، کیوں کہ ان میں جنس منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ کہ مختل ہوئی ہے اور اختلال مانع جواز نہیں ہے۔

بخلاف ما إذا النخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی رقبہ کا ایک ہی ہاتھ اور ایک ہی پیر کٹا ہو لیکن دونوں ایک ہی حصے کے ہوں بایں معنی کہ دونوں دائیں طرف کے ہوں یا دونوں بائیں طرف کے ہوں تو اس صورت میں اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بھی جنس منفعت فوت ہے اس لیے اس پوزیشن میں رقبہ کے لیے چلنا سہارا اور دشوار ہے۔

ویجوز الأصم النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ بہرے رقبہ کو آزاد کرنا جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے اور یہی نوادر کی بھی روایت ہے، اس لیے کہ اندھے کی طرح بہرنے کے حق میں بھی جنس منفعت فوت ہو چکی ہے اور اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ جنس منفعت کا فوت ہونا مانع جواز ہے۔ لیکن استحساناً بہرے رقبہ کے اعتاق کو جائز قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ اس کی منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ بہرے پن کی وجہ سے مختل ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر زور سے آواز لگائی جائے تو بہرہ آدمی بھی سن لیتا ہے، معلوم ہوا کہ بہرہ کی منفعت فوت نہیں ہوئی ہے بلکہ مختل ہوئی ہے اور مختل المنفع رقبہ کا اعتاق جائز ہے۔ تاہم اگر کوئی رقبہ اتنا زیادہ بہرہ ہو کہ وہ پیدائشی بہرہ ہو اور بالکل نہ سن سکتا ہو تو پھر اس کا اعتاق جائز نہیں ہے کیوں کہ اب اس کی جنس منفعت فوت ہو چکی ہے۔

## فائدہ:

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے ولد اصم کے بعد وہو الآخر س کا اضافہ کر کے یہ اشارہ دیا ہے کہ مادر زاد بہرہ کی شناخت اس کے گونگے پن سے ہوگی۔ (عنایہ)

وَلَا يَجُوزُ مَقْطُوعُ إِنْهَامِي الْيَدَيْنِ لِأَنَّ قُوَّةَ الْبُطْشِ بِهِمَا فَيَقْوَاهُمَا يَفُوتُ جِنْسُ الْمُنْفَعَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْمَجْنُونُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ، لِأَنَّ الْإِنْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَانَتْ الْمَنَافِعُ، وَالَّذِي يُجَنُّ وَ يُفْقِدُ حُرِّيَّتَهُ، لِأَنَّ الْإِخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ، وَلَا يُجْزِي عِنَقُ الْمُدَبَّرِ وَ أُمُّ الْوَلَدِ لِأَسْتَحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ بِجَهَةِ فَكَانَ

الرِّقُّ فِيهِمَا نَاقِصًا، وَ كَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي أَدَّى بَعْضَ الْمَالِ، لِأَنَّ إِعْتَاقَهُ يَكُونُ بَدَلًا، وَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُجْزِيهِ لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهِ، وَ لِهَذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الْإِنْفِسَاخَ، بِخِلَافِ أُمُومِيَةِ الْوَلَدِ وَ التَّنْذِيرِ، لِأَنَّهُمَا لَا يَتَحَمَّلَانِ الْإِنْفِسَاخَ.

**ترجمہ:** اور دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کئے ہوئے رقبہ کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ انگوٹھوں ہی سے پکڑنے کی قوت متعلق ہے، لہذا ان کے فوت ہونے سے جس منفعت فوت ہو جائے گی۔ اور اس مجنون رقبہ کا اعتاق جائز نہیں ہے جسے (ذرا برابر) عقل نہ ہو، اس لیے کہ جو ارح سے فائدہ اٹھانا صرف عقل کے ذریعے ہوتا ہے، لہذا یہ رقبہ بھی منفعت کو فوت کرنے والا ہو گیا۔ اور وہ رقبہ جو مجنون بھی رہتا ہے اور اسے افاقہ بھی ہو جاتا ہے اس کا اعتاق جائز ہے، کیوں کہ اختلالی منفعت مانع نہیں ہے۔ اور مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دونوں ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہو گئے ہیں لہذا ان میں رقیّت ناقص ہو گئی ہے۔ اور ایسے ہی وہ مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو (اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے) اس لیے اس کا اعتاق بدل کے ساتھ ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکاتب کو آزاد کرنا جائز ہے، اس لیے کہ (اس میں) من کل وجہ رقیّت موجود ہے، اسی لیے کتابت فسخ ہونے کو قبول کرتی ہے، برخلاف ام ولد ہونے اور مدبر ہونے کے، اس لیے کہ یہ دونوں فسخ کو قبول نہیں کرتے۔

## اللغات:

﴿ابہام﴾ انگوٹھا۔ ﴿بطش﴾ گرفت، پکڑ۔ ﴿جوارح﴾ اعضائے جسمانی۔ ﴿یجن﴾ پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے۔ ﴿یفیق﴾ افاقہ ہو جاتا ہے، مرض ختم ہو جاتا ہے۔ ﴿اختلال﴾ خلل آنا۔ ﴿حریۃ﴾ آزادی۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿انفساخ﴾ فسخ ہو جانا۔

## کفارے میں ادائیگی کے لیے ناکافی غلام کا بیان:

اوپر کی عبادت میں کئی ایک مسئلے بیان کیے گئے ہیں جو ان شاء اللہ ترتیب وار آپ کے سامنے آئیں گے (۱) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جس رقبہ کے دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کئے ہوئے ہوں اس کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اشیاء کو لینے اور پکڑنے میں انگوٹھے کا نمایاں رول ہوتا ہے اور گرفت و مضبوطی میں انگوٹھوں سے تقویت ملتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انگوٹھا نہ ہونے سے یہ چیزیں فوت ہو جائیں گی۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ فوات منفعت مانع جواز ہے، اس لیے اس طرح کے رقبہ کا اعتاق جائز نہیں ہے۔

ولايجوز المجنون النخ: فرماتے ہیں کہ وہ غلام جو مجنون ہو گیا ہے اور اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو اور کسی بھی چیز کو وہ نہ سمجھ سکتا ہو اور اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ اعضاء و جوارح سے نفع اٹھانا عقل پر موقوف ہے اور جو مفقود العقل ہو ظاہر ہے کہ عدم انتفاع کی وجہ سے وہ مفقود المنفعت بھی ہوگا اور مفقود المنفعت کا اعتاق درست نہیں ہے، ہاں اگر کوئی رقبہ کبھی پاگل رہتا ہو اور کبھی اسے ہوش آ جاتا ہو تو اس کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ افاقہ کی وجہ سے وہ محتل المنفعت ہے اور محتل المنفعت کا اعتاق درست ہے۔

ولایجزی عتق المدبر النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مدبر اور مکاتب غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ جواز کفارہ کے لیے رقبہ ضروری ہے اور رقبہ مطلق ہے جس کا فرد کامل معتبر ہوگا اور رقبہ کا فرد کامل وہ غلام ہے جو من کل وجہ مملوک اور مرقوق ہو جب کہ مدبر اور مکاتب ایک جہت سے مستحق حریت ہو جاتے ہیں، اس لیے ان میں رقیق ناقص رہتی ہے، لہذا من کل وجہ مرقوق نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اعتاق جائز نہیں ہے۔

وکذا المکاتب النخ: فرماتے ہیں کہ وہ مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ حصہ اداء کر دیا ہو اس کو بھی کفارے میں آزاد کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ بدل دینے کی وجہ سے اس کا اعتاق عوض اور بدل کے ساتھ ہوگا جب کہ کفارہ خالص اللہ کا حق ہے اور عبادت ہے جو عوض کے ساتھ درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حسن بن زیادؓ نے امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ مکاتب کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ مکاتب جب تک مکمل بدل کتابت اداء نہیں کرتا اس وقت تک اس میں من کل وجہ رقیق موجود رہتی ہے اور حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے المکاتب عبد ما بقی علیہ درہم یعنی جب تک مکاتب پر بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی رہے گا اس وقت تک وہ غلام ہی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کچھ عوض اداء کرنے کے بعد بھی مکاتب کتابت کو فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ اس میں رقیق رہتی ہے اور جب مکاتب میں رقیق موجود رہتی ہے تو پھر اس کا اعتاق بھی درست اور جائز ہوگا۔

اس کے برخلاف ام ولد اور مدبر کا معاملہ ہے تو چوں کہ دونوں فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اور ان میں رقیق بھی ناقص رہتی ہے، اس لیے ان کا اعتاق درست نہیں ہے۔

فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتِبًا لَمْ يُوَدَّ شَيْنًا جَازًا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لَهُ أَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجَهَةِ الْكِتَابَةِ فَاشْتَبَهَ الْمُدَبِّرَ، وَلَنَا أَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❶ الْمُكَاتِبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ، وَالْكِتَابَةُ لَا يَنَافِيهِ فَإِنَّهُ فُكَّ الْحَجَرِ بِمَنْزِلَةِ الْإِذْنِ فِي التِّجَارَةِ إِلَّا أَنَّهُ بَعُوضٌ فَيُلْزَمُ مِنْ جَانِبِهِ، وَلَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ بِمُقْتَضَى الْإِعْتَاقِ إِذْهُوَ يَحْتَمِلُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُسَلَّمُ لَهُ الْأَكْسَابُ وَالْأَوْلَادُ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِي الْمَحَلِّ بِجَهَةِ الْكِتَابَةِ، أَوْ لِأَنَّ الْفُسْخَ ضَرُورِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے کچھ بھی اداء نہیں کیا ہو تو جائز ہے، لیکن امام شافعیؒ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ کتابت کی وجہ سے وہ غلام حریت کا مستحق ہو چکا ہے لہذا یہ مدبر کے مشابہ ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رقیق من کل وجہ قائم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس پر ایک درہم باقی ہے اور کتابت حریت کے مبنی نہیں ہے اس لیے کہ یہ ممانعت کو دور کرنا ہے اور اذن فی التجارة کے درجے میں ہے مگر چوں کہ کتابت عوض کے بدلے میں ہے لہذا مولیٰ کی طرف سے لازم ہوگی۔ اور اگر عقد کتابت اعتاق سے مانع ہوتا تو مقتضی اعتاق سے فسخ ہو جاتا اس لیے کہ وہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے، لیکن غلام کی کمائی اور اس کی اولاد کو اسی کے سپرد کیا جائے گا کیوں کہ محل میں آزادی کتابت

کی وجہ سے ہے اس لیے کہ نسخ ضرورتاً ثابت ہے جو ولد اور کسب کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿فلک﴾ توڑنا، ہٹانا، کھولنا۔ ﴿حجر﴾ پابندی۔ ﴿یستلم﴾ سپرد کیا جائے گا۔ ﴿اکتساب﴾ واحد

کسب۔

## تخریج:

① اخرجه ابو داؤد فی کتاب العتق باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابتہ، حدیث رقم: ۳۹۲۶۔

## مکاتب کو کفارے میں آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفارہ ظہار میں ہمارے یہاں ایسے مکاتب کو آزاد کرنا جائز ہے جس نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہ کیا ہو، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اس طرح کے مکاتب کا اعتاق جائز نہیں ہے، ان کی دلیل مدبر پر قیاس ہے یعنی جس طرح تہبیری وجہ سے مدبر آزادی کا مستحق ہو چکا ہے اور اس کی رقیق میں نقص آ گیا ہے اسی لیے اسے کفارے میں آزاد کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب بھی مستحق آزادی ہو چکا ہے اور اس کی رقیق میں بھی کمی آ گئی ہے، لہذا مدبر کی طرح اس کا اعتاق بھی جائز نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب مکاتب نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا ہے تو وہ من کل وجہ رقیق اور مملوک ہے اس لیے اس کا یہ عقد نسخ کا بھی احتمال رکھتا ہے اور پھر حدیث پاک المکاتب عبد مابقی علیہ درہم کے ذریعے بھی مکاتب کے رقیق ہونے پر ٹھہر لگا دیا گیا ہے، اس لیے وہ شرعاً رقیق ہے اور رقیق کا اعتاق درست اور جائز ہے، رہا مسئلہ اس کے عقد کتابت کرنے کا تو یہ عقد مانع اعتاق نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی چیز اپنی ضد سے باطل ہوتی ہے اور کتابت مکاتب کی ضد نہیں ہے بلکہ وہ تو ممانعت اور رکاوٹ کے ازالے کے لیے ہے اور جس طرح اگر کوئی مولیٰ اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دے کر ما ذون فی التجارة کر دے تو اس اذن سے اس کی رقیق پر کوئی آنچ نہیں آتی اسی طرح صورت مسئلہ میں عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب کی رقیق پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور وہ بدستور رقیق رہے گا اور جب رقیق رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا اعتاق بھی درست ہوگا۔

إلا أنه بعوض الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر عقد کتابت اذن فی التجارة کی طرح ہے اور صرف ممانعت دور کرنے کا نام ہے تو جس طرح ما ذون کی اذن کو ختم کرنے میں مولیٰ ہوتا ہے اسی طرح نسخ کتابت میں بھی اسے مستقل ہونا چاہیے حالانکہ مکاتب کی رضامندی کے بغیر مولیٰ تنہا عقد کتابت کو نسخ نہیں کر سکتا، آخر اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رکاوٹ دور کرنے کے حوالے سے تو عقد کتابت اور اذن فی التجارة میں واقعی کوئی فرق نہیں ہے مگر چونکہ اذن فی التجارة بلا عوض ہے اور عقد کتابت بالعوض ہے اور مولیٰ کی طرف سے لازم ہے، اس لیے اس میں غلام کی رضامندی ضروری ہوگی اور اذن فی التجارة چونکہ مفت میں ہے اور بلا عوض ہے اس لیے اس کو ختم کرنے میں مولیٰ خود مختار ہوگا اور عبد ما ذون کی رضامندی ضروری نہیں ہوگی۔ اور اس فرق کے ہوتے ہوئے اذن فی التجارة اور عقد کتابت کو ہر اعتبار سے ایک سمجھنا غلط ہوگا۔

ولو كان مانعا يها من سابقه سوال کا تسلیبی جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم عقد کتابت کو اعتناق سے مانع قرار دیدیں تو بھی اس سے صورت مسئلہ میں مکاتب کے اعتناق پر کوئی حرف نہیں آئے گا، کیوں کہ جیسے ہی مظاہر کسی مکاتب کو آزاد کرے گا تو مقتضائے اعتناق کی وجہ سے آزادی سے پہلے عقد کتابت فسخ ہو جائے گا کیوں کہ وہ فسخ ہونے کا احتمال رکھتا ہے، لہذا جب اعتناق سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہو جائے گا تو یہ رقیق کامل کا اعتناق ہو گا نہ کہ مکاتب کا اور رقیق کامل کا اعتناق جائز ہے۔

إلا أنه يسلم المخ: یہاں سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ بہ قول آپ کے مکاتب کو کفارے میں اداء کرنا جائز ہے اور مقتضائے اعتناق کی وجہ سے اعتناق سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اس کی اولاد اور اس مکاتب کی کمائی سب مولیٰ کے لیے ہونی چاہیے کیوں کہ عقد کتابت کے فسخ ہونے کی وجہ سے وہ رقیق ہو گیا اور رقیق کا سب کچھ مولیٰ کے لیے ہوتا ہے، حالاں کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ مکاتب کی کمائی اور اولاد اس کی اپنی ہو گئی، آخر ایسا کیوں ہے؟ صاحب کتاب نے اس سوال کے بھی دو جواب دیئے ہیں (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ اس کو جو آزادی ملی ہے وہ کتابت کی وجہ سے ملی ہے اس لیے اس کی رقیق اتنی کامل نہیں ہے کہ اس کی ساری کمائی مولیٰ کو دی جائے۔ (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں عقد کتابت کا فسخ ہونا صحیح اعتناق کی ضرورت کے لیے ضرورتاً ثابت ہے اور الضرورة تقدر بقدرها والے ضابطے کے تحت فسخ کتابت کا اثر صرف جواز اعتناق میں ہو گا نہ کہ دیگر چیزوں میں، لہذا اس کی کمائی اور اس کی اولاد کے حق میں کتابت کا معاملہ باقی رہے گا اور جس طرح دیگر مکاتب کی کمائی اور اولاد اس کی اپنی ملک ہوتی ہے اور مولیٰ کا اس میں کچھ نہیں ہوتا اسی طرح مذکورہ مکاتب کی بھی کمائی اور اس کی اولاد اس کی اپنی ملک ہوگی اور مولیٰ کا اس میں کوئی داؤ نہیں لگے گا۔

وَإِنْ اشْتَرَىٰ أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ يَنْوِي بِالشِّرَاءِ الْكُفَّارَةَ جَاَزَ عَنْهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ، وَعَلَىٰ هَذَا الْخِلَافِ كُفَّارَةُ الْيَمِينِ، وَالْمُسْتَأَلَةُ تَأْتِيكَ فِي كِتَابِ الْإِيمَانِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید اس حال میں خریدنے سے وہ کفارہ دینے کی نیت کیے ہوئے ہے تو یہ کفارہ سے جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور اسی اختلاف پر کفارہ یمین ہے۔ اور کتاب الایمان میں ان شاء اللہ یہ مسئلہ آپ کے سامنے آئے گا۔

### اللغات:

یہ نیت کرتا ہے۔

### باپ بھائی کو کفارے کی نیت سے خریدنا:

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کفارہ ظہار میں رقبہ آزاد کرنے کی نیت سے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خریدا اور اسے کفارہ ظہار میں دے دیا تو ہمارے یہاں کفارہ ادا ہو جائے گا جب کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اداء نہیں ہوگا، ہمارا اور ان حضرات کا یہی اختلاف کفارہ قسم میں بھی ہے جو پوری شرح وسط کے ساتھ آئندہ آ رہا ہے۔



فَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوسِرٌ وَ صَمِنَ قِيمَةَ بَاقِيهِ لَمْ يَجْزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ يَحْزُرُ عِنْدَهُمَا، لِأَنَّهُ يَمْلِكُ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتَقًا كُلُّ الْعَبْدِ عَنِ الْكُفَّارَةِ وَهُوَ مُلْكُهُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْمُعْتَقُ مُعْسَرًا، لِأَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّعَايَةُ فِي نَصِيبِ الشَّرِيكِ فَيَكُونُ إِعْتَاقًا بِعَوَضٍ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ نَصِيبَ صَاحِبِهِ يَنْتَقِصُ عَلَى مُلْكِهِ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَيْهِ بِالضَّمَانِ وَ مِثْلُهُ يَمْنَعُ الْكُفَّارَةَ.

**ترجمہ:** پھر اگر مظاہر نے مشترک غلام کے نصف حصے کو آزاد کیا اور وہ مالدار ہے اور باقی غلام کی قیمت کا وہ ضامن ہو گیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں یہ اعتاق جائز نہیں ہے اور حضرات صاحبین کے یہاں جائز ہے، کیوں کہ وہ شخص ضمان کی وجہ سے اپنے شریک کے حصے کا مالک ہو گیا ہے، لہذا وہ پورے غلام کو کفارہ میں آزاد کرنے والا ہو گیا اور وہ اس غلام کا مالک بھی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب آزاد کرنے والا تنگ دست ہو، اس لیے کہ غلام پر دوسرے شریک کے حصے میں کمانا واجب ہے لہذا یہ اعتاق بالعوض ہو گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس مظاہر کے شریک کا حصہ اس کی ملکیت پر ناقص ہو گیا پھر ضمان کے ذریعے منتقل ہو کر آزاد کرنے والے کی طرف آیا اور ایسا ہونا کفارہ ظہار سے مانع ہے۔

## اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار، گنجائش والا۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست۔ ﴿سعاية﴾ کوشش کرنا۔

## مشترک غلام کے ایک حصے کو آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر نے کفارہ ظہار میں ایسا غلام آزاد کیا جو اس کے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک تھا اور اس نے اپنے حصے کا نصف غلام آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے میں آنے والے غلام کی قیمت کا ضمان لے لیا، اب اس اعتاق کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو معتق کی حالت اور اس کی پوزیشن دیکھی جائے گی چنانچہ اگر معتق غریب اور تنگ دست ہو تو بالاتفاق ایسا کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، لیکن اگر معتق مالدار ہو تو حضرت امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے، حضرات صاحبین کے یہاں صورت مسئلہ میں اعتاق جائز ہے جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں ناجائز حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب مظاہر نے اپنے حصے کے نصف غلام کو آزاد کر کے اپنے شریک کے حصے کی بقدر قیمت کا ضمان لے لیا تو گویا وہ اس کا بھی مالک ہو گیا اور اس طرح پورا غلام آزاد کرنے والا ہو گیا اور پورا غلام آزاد کرنے سے اعتاق بھی جائز ہو جاتا ہے اور کفارہ بھی متحقق ہو جاتا ہے اس لیے صورت مسئلہ میں اعتاق متحقق ہو جائے گا۔

باں اگر معتق اور مظاہر تنگ دست ہو تو اس صورت میں ایسا کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اب غلام پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے دوسرے مولیٰ کے حصے کی رقم کما کر اداء کرے، اس لیے کہ اس کا معتق تنگ دست ہے اور اس صورت میں یہ اعتاق بالعوض ہوگا اور اعتاق بالعوض شریعت میں معتبر نہیں ہے لہذا معتق کے معسر ہونے کی صورت میں اعتاق بھی جائز نہیں ہے۔

ولابی حنیفہ رحمہ اللہ حضرت امام مہتمم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب معتق نے اپنے حصے کے نصف کو آزاد کر دیا تو اس

شریک کا حصہ نصف سے کچھ کم ہو گیا، کیوں کہ غلام کی رقیّت پورے مجموعے میں تھی نہ کہ نصف میں، لہذا اب شریک کے نصف میں ملکیت کو برقرار رکھنا دشوار ہو گیا اور اسی کا نام نقص ہے، اب اگرچہ معتق دوسرے شریک کو اس کے حصے کی رقم دے کر اس غلام کو خرید لیتا ہے مگر چوں کہ اس میں پہلے ہی نقصان در آیا ہے، اس لیے وہ نقصان اب بھی برقرار رہے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ مظاہر نے کامل غلام نہیں آزاد کیا ہے، بلکہ اس سے کچھ ناقص آزاد کیا ہے جب کہ جواز اعتاق اور ادائے کفارہ کے لیے کامل واکمل اور مکمل رقبہ کا آزاد کرنا ضروری ہے، اسی لیے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت میں اعتاق متحقق نہیں ہوگا۔

وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَةَ عَنْهَا حَازَ، لِأَنَّهُ أَعْتَقَهُ بِكَلَامَيْنِ وَالنَّقْصَانُ مَتَمَكِّنٌ عَلَى مِلْكِهِ بِسَبَبِ الْإِعْتَاقِ بِجَهَةِ الْكُفَّارَةِ، وَمِثْلُهُ غَيْرُ مَا نَعِيَ كَمَنْ أَضْجَعَ شَاةً لِلْأُضْحِيَةِ فَأَصَابَ السَّيِّئِينَ عَيْنَهَا، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّ النَّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ، وَهَذَا عَلَى أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا الْإِعْتَاقُ لَا يَتَجَزَّى، فَإِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَا يَكُونُ إِعْتَاقًا بِكَلَامَيْنِ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے اپنے کفارے میں اپنا نصف غلام آزاد کیا پھر باقی کو بھی کفارے میں آزاد کر دیا تو جائز ہے، اس لیے کہ اس نے غلام دو مرتبہ کلام کر کے آزاد کیا ہے اور وہ نقصان جو اس کی ملکیت میں پیدا ہوا ہے وہ کفارہ کی وجہ سے اعتاق کے سبب ہے اور اس جیسا نقصان مانع جواز نہیں ہے۔ جیسے کسی شخص نے قربانی کرنے کے لیے بکری لٹائی اور چھری اس کی آنکھ کو لگ گئی۔ برخلاف اس صورت کے جو اس سے پہلے گزر چکی۔ کیوں کہ اس میں شریک کی ملکیت میں نقصان پیدا ہوا ہے۔ اور یہ تفصیل حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اصل پر ہے، لیکن صاحبین کے یہاں چوں کہ اعتاق تجزی نہیں ہوتا، اس لیے نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہوگا اور دو مرتبہ کلام کر کے آزاد کرنا نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿اعتق﴾ آزاد کیا۔ ﴿أضجع﴾ لٹایا۔ ﴿سگین﴾ چھری۔ ﴿عین﴾ آنکھ۔ ﴿لا یتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔

## اپنے ہی غلام کو آدھا آدھا کر کے آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ نصف نصف کر کے دو مرتبہ میں اسے بطور کفارہ آزاد کرے تو یہ آزاد کرنا درست اور جائز ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں بھی جائز ہے اور حضرات صاحبین کے یہاں بھی جائز ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں دو کلام سے غلام آزاد ہوگا اور حضرات صاحبین کے یہاں پہلی دفعہ میں آزاد ہو جائے گا۔ رہا مسئلہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں دوسری مرتبہ میں نقصان آنے کا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ یہ نقصان اسی مظاہر اور ایک ہی مالک کی ملکیت میں واقع ہوا ہے اور اعتاق اور کفارہ ہی کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے یہ مانع جواز نہیں ہوگا، اس کے برخلاف اس سے پہلے والے مسئلے میں امام صاحب رحمہ اللہ جو عدم جواز کے قائل ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ وہاں نقصان دوسرے شریک کی ملکیت میں تھا، اس لیے مانع تھا۔

کمن أضجع الخ: صاحب کتاب نے صورت مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قربانی کرنے کے لیے بکری لٹائی اور اعتاق سے چھری بجائے گردن پر چلنے کے اسکی آنکھ میں لگ گئی تو اگرچہ یہ عیب ہے مگر یہ عیب مانع اضحیہ نہیں ہے کیوں کہ یہ عیب اضحیہ اور قربانی ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں اگرچہ دو مرتبہ کلام کر کے آزاد کرنے میں عیب ہے مگر چون کہ یہ عیب خود اعتاق اور کفارے کے سبب پیدا ہوا ہے اس لیے مانع جواز نہیں ہوگا۔

وهذا على أصل الخ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ پوری تقریر و تفصیل حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان اور ان کے مسلک کے مطابق ہے اور حضرات صاحبین کے یہاں معاملہ بالکل واضح ہے اور کوئی جھنجھٹ نہیں ہے، کیوں کہ ان کے یہاں اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا، اس لیے جب مظاہر نے پہلی مرتبہ نصف غلام آزاد کیا تو اسی وقت پورا غلام آزاد ہو گیا اور ایک ہی کلام سے معاملہ کلیئر ہو گیا۔

وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِي طَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ لَمْ يَجْزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّى عِنْدَهُ، وَشَرَطُ الْإِعْتَاقِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْمَسِيسِ بِالنِّصْفِ، وَإِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا إِعْتَاقُ النِّصْفِ إِعْتَاقُ الْكُلِّ فَحَصَلَ الْكُلُّ قَبْلَ الْمَسِيسِ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے کفارہ ظہار میں اپنا نصف غلام آزاد کرنے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا پھر باقی غلام آزاد کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیوں کہ ان کے یہاں اعتاق میں تجزی ہوتا ہے اور از روئے نص اعتاق کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے ہو جب کہ نصف غلام کا اعتاق جماع کے بعد ہوا ہے اور حضرات شیخین کے یہاں نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے لہذا پورا اعتاق جماع سے پہلے حاصل ہوا ہے۔

### اللغات:

﴿یتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔

### مذکورہ بالا مسئلہ کا ثمرہ اختلاف:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کفارہ ظہار میں اپنا نصف غلام آزاد کرنے کے بعد اپنی اس بیوی سے جماع کر لیا جس سے اس نے ظہار کیا تھا، اس کے بعد باقی غلام کو آزاد کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں یہ اعتاق جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے یہاں عتق میں تجزی ہو سکتی ہے اس لیے شروع میں اور پہلی دفعہ میں صرف نصف غلام آزاد ہوا ہے اور اس کے بعد اس نے جماع کر لیا ہے، حالاں کہ کفارہ ظہار کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے اداء کیا جائے اور صورت مسئلہ میں جماع سے پہلے صرف نصف کفارہ اداء کیا گیا ہے، اس لیے اعتاق جائز نہیں ہوگا اور کفارہ بھی اداء نہیں ہوگا، لیکن حضرات صاحبین کے یہاں اعتاق بھی متحقق ہوگا اور کفارہ بھی اداء ہو جائے گا، کیوں کہ ان کے یہاں نصف کا اعتاق کل کا اعتاق ہے، لہذا گویا کہ پورا اعتاق جماع سے پہلے واقع ہوا ہے اس لیے درست اور جائز ہے۔

وَإِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرَ مَا يَتَّقُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا أَيَّامُ التَّشْرِيقِ، أَمَّا التَّابِعُ فَلِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ، وَشَهْرُ رَمَضَانَ لَا يَقَعُ عَنِ الظَّهَارِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ مَا أُوجِبَهُ اللَّهُ، وَالصَّوْمُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ مِنْهُيٌّ عَنْهُ فَلَا يَنْوُبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْكَامِلِ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر اس چیز کو نہ پائے جسے آزاد کرے تو اس کا کفارہ مسلسل دو ماہ تک روزے رکھنا ہے جس میں ماہ رمضان نہ ہو، عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہ ہو اور نہ ہی ایام تشریق ہوں۔ رہا مسلسل روزے رکھنا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ منصوص علیہ ہے اور ماہ رمضان ظہار سے نہیں واقع ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اس چیز کو باطل کرنا ہے جسے اللہ نے واجب کیا ہے، اور ان ایام میں روزہ کو منع کیا گیا ہے، لہذا (ان ایام کا روزہ) واجب کامل کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿متتابعین﴾ پے درپے بلا فصل۔ ﴿یوم النحر﴾ عید الاضحیٰ کا دن۔ ﴿منہی﴾ ممنوع۔ ﴿لا ینوب﴾ نائب نہیں بنے گا۔  
**کفارے میں روزے رکھنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مظاہر کو کفارے میں دینے کے لیے رقبہ نہ مل سکے، یا رقبہ موجود ہو لیکن وہ شخص اس کو لینے اور خریدنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ لگا تار دو ماہ تک روزہ رکھے اور ان دو ماہ کے بیچ میں نہ تو ماہ رمضان ہو اور نہ ہی عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے دن ہوں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ متابع اور پے درپے کی شرط اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم نے فصیام شہرین متتابعین کے اعلان سے متابع کو لازم اور ضروری قرار دے دیا ہے اس لیے اس میں متابع شرط ہے۔ اور ماہ رمضان کا درمیان میں نہ ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر صیام رمضان کو کفارہ ظہار سے واقع مان لیں تو اس چیز کو باطل کرنا لازم آئے گا جسے اللہ نے واجب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بندے کو اس چیز کے ابطال کا حق نہیں ہے جسے اللہ نے واجب کیا ہے، اس لیے ماہ رمضان کے روزے کفارہ ظہار سے واقع نہیں ہوں گے۔ اسی طرح صوم ظہار کے درمیان ایام منہی عنہ یعنی ایام تشریق و عیدین کا نہ ہونا بھی ضروری ہے، کیوں کہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے لا تصوموا فی هذه الايام فانها ايام اكل وشرب وبعل یعنی ان ایام میں روزے نہ رکھو، اس لیے کہ یہ کھانے پینے اور جماع کرنے کے دن ہیں۔

فَإِنْ جَامَعَ النِّبِيُّ ظَاهَرَ مِنْهَا مِنْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا، أَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا يَسْتَأْنَفُ، لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ التَّابِعُ، إِذْ لَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ وَهُوَ الشَّرْطُ، وَإِنْ كَانَ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْمَسِيسِ شَرْطَهَا فَمِيمًا ذَهَبًا إِلَيْهِ تَقْدِيمُ الْبَعْضِ وَفِيمَا قُلْتُمْ تَاخِيرُ الْكُلِّ عَنْهُ، وَلَهُمَا أَنَّ الشَّرْطَ فِي الصَّوْمِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْمَسِيسِ وَأَنْ يَكُونَ خَالِيًا عَنْهُ ضَرُورَةٌ بِالنَّصِّ، وَهَذَا

الشَّرْطُ يَنْعَدُّ بِهِ فَيَسْتَأْنِفُ، وَإِنْ أَفْطَرَ مِنْهَا يَوْمًا بَعْدَ أَوْ بِغَيْرِ عَذْرِ اسْتَأْنَفَ لِفَوَاتِ التَّابِعِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَيْهِ عَادَةً.

**ترجمہ:** پھر اگر مظاہر نے ان دو ماہ کے دوران اس عورت سے وطی کر لی جس سے ظہار کیا تھا، خواہ رات کو عہداوطی کی یاد نہ کو بھول سے وطی کی تو حضرات طرفین کے یہاں از سرنو روزہ رکھے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نئے سرے سے روزہ نہ رکھے، اس لیے کہ وطی تتابع سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہی شرط ہے اور اگر یہ صوم کو وطی پر مقدم کرنا شرط ہے لیکن جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کچھ روزوں کی تقدیم ہے لیکن جو صورت تم نے اختیار کی ہے اس میں تمام روزے وطی سے مؤخر ہیں۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ روزے کی شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے ہو نیز وطی سے خالی ہو ضرورت نص کی وجہ سے اور وطی کرنے سے یہ شرط معدوم ہو جاتی ہے اس لیے مظاہر از سرنو روزہ رکھے گا۔ اور اگر اس نے ان دو ماہ میں ایک دن بھی افطار کر لیا خواہ نذر سے ہو یا بغیر عذر کے تو از سرنو روزہ رکھے، اس لیے کہ تتابع فوت ہے اور وہ شخص اس پر عادت قادر ہے۔

### اللُّغَاتُ:

﴿عامداً﴾ جان بوجھ کر۔ ﴿استأنف﴾ نئے سرے سے شروع کرے۔ ﴿تتابع﴾ بلا فصل ہونا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿تقدیم﴾ مقدم کرنا۔

### کفارے کے روزوں کے دوران جماع کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفارہ صوم کے درمیان اپنی ظہار کردہ بیوی سے وطی کر لی خواہ اس نے رات کو جان بوجھ کر وطی کی یا دن میں بھول کر وطی کی، بہر صورت حضرات طرفین کے یہاں وہ شخص از سرنو روزہ رکھے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں از سرنو روزے نہیں رکھے بلکہ اس کے سابقہ روزے باقی رہیں گے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عہدا جماع کرنے سے اسی طرح دن میں ناسیا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور جب روزہ فاسد نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ تتابع بھی فاسد نہیں ہوگا اور جب تتابع نہیں فاسد ہوگا تو استیناف کی ضرورت نہیں رہے گی کیوں کہ جو چیز عدم استیناف کی شرط تھی وہ پائی گئی۔

و إن كان تقديمه الخ: سے ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ من قبل أن يتماسا کی وجہ سے کفارہ ظہار کے روزوں کو وطی پر مقدم کرنا شرط ہے اور درمیان میں جماع کرنے کی وجہ سے یہ شرط نہیں پائی گئی، اس لیے اس صورت میں کفارہ نہیں اداء ہونا چاہیے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی یہ معلوم ہے کہ روزوں کو وطی سے مقدم کرنا شرط ہے لیکن جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کچھ روزے تو وطی سے مقدم ہیں جب کہ طرفین کی اختیار کردہ صورت میں پورے کے پورے روزے وطی سے مؤخر ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ تقدیم البعض اور تاخیر البعض تاخیر الكل سے آسان ہے، اس لیے کہ کفارہ کی عدم ادائیگی آپ کے مسلک کے مطابق ہونی چاہیے نہ کہ ہمارے۔

ولهما أن الشرط الخ: حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ روزوں کے ذریعے کفارہ اداء کرنے کے لیے از روئے نص دو چیزیں شرط ہیں (۱) روزے جماع سے پہلے پہلے رکھے جائیں (۲) اور یہ تمام روزے جماع سے خالی ہوں اور جماع کی وجہ سے شرط ثانی (یعنی روزوں کا جماع سے خالی ہونا) معدوم ہو جاتی ہے اور چونکہ شرط اول اس کے لوازمات میں سے ہے اس لیے جب

شرط ثانی معدوم ہوگی تو شرط اول بھی معدوم ہوگی اور تتابع فوت ہو جائے گا اور جب تتابع فوت ہوگا تو ظاہر ہے کہ استیناف عود کر آئے گا۔

و ان افطر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو ماہ کے دوران افطار کر لیا تو اور کوئی روزہ توڑ دیا تو اسے چاہیے کہ وہ پھر سے اس روزے رکھے، کیوں کہ اس نے تتابع کو فوت کر دیا ہے حالاں کہ وہ شخص بے درپے روزے رکھنے پر قادر تھا، لہذا جب اس نے خود تتابع کو فوت کر دیا ہے تو پھر اس پر استیناف لازم ہوگا۔

وَ اِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يَجْزُ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ، لِاَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ التَّكْفِيرِ بِالْمَالِ، وَ اِنْ اَعْتَقَ الْمُوَلٰى اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يَجْزِهِ، لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ الْمِلْكِ فَلَا يَصِيْرُ مَالِكًا بِتَمْلِيْكَهٖ.

**ترجمہ:** اور اگر غلام نے (اپنی بیوی سے) ظہار کر لیا تو روزے کے علاوہ کفارہ میں کچھ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ غلام کی کوئی ملک نہیں ہے لہذا وہ مال سے کفارہ دینے والوں میں سے نہیں ہوگا۔ اور اگر مولیٰ نے آزاد کر دیا یا اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے لہذا مولیٰ کے مالک کرنے سے وہ مالک نہیں ہوگا۔

## اللَّغَاتُ:

﴿لم يجز﴾ جائز نہیں ہے۔ ﴿تکفیر﴾ کفارہ دینا۔ ﴿اعتق﴾ آزاد کر دیا۔ ﴿اطعم﴾ کھانا کھلا دیا۔

## غلام کے لیے کفارہ ظہار:

مسئلہ یہ ہے کہ کسی غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کا کفارہ صرف اور صرف روزے سے اداء ہوگا اور روزے کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا کفارہ ادا نہیں ہوگا نہ تو عتق رقبہ سے اور نہ ہی اطعام سے، اس لیے کہ غلام کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا جب کہ عتق رقبہ وغیرہ کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے اور غلام تو تہی دست ہے اور پھر اس میں مالک بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر غلام کی طرف سے اس کا مولیٰ رقبہ کو آزاد کر دے یا کھانا کھلا دے تو یہ بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ جب غلام میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو دوسرے کی تملیک سے وہ مالک نہیں ہو سکتا۔

وَ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصَّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِيْنًا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِاِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِيْنًا (سورة المجادلة: ۴)، وَ يَطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بَرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَتَهُ ذٰلِكَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ① فِيْ حَدِيْثِ اَوْسِ ابْنِ الصَّامِتِ وَ سَهْلِ بْنِ صَخْرِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بَرٍّ، وَ لَانَ الْمُعْتَبِرِ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَ قَوْلُهُ اَوْ قِيْمَتُهُ ذٰلِكَ مَذْهَبُنَا، وَ قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الرِّكَآةِ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”جو شخص روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے“ اور مظاہر ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع تمر یا جو یا اس کی

قیمت دے اس لیے کہ اوس بن صامت اور سہل بن صحر کی حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہر مسکین کے لیے نصف صاع گندم ہے، اور اس لیے کہ ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت کو دور کرنا معتبر ہے، لہذا اسے صدقہ الفطر پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ماتن کا قول اوقیمتہ ذلک ہمارا مذہب ہے۔ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿اَطْعَم﴾ کھانا کھلائے۔ ﴿ستین﴾ ساٹھ۔ ﴿نصف صاع﴾ پونے دو کلو۔ ﴿بر﴾ گندم۔ ﴿تمر﴾ کھجور۔ ﴿شعیر﴾ جو۔

## تخریج:

① اخرجه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ باب فی کفارة الیمین من قال نصف صاع، حدیث: ۱۲۲۰۴۔

## کفارے میں کھانا کھلانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مظاہر کے حق میں کفارۂ ظہار کا سب سے اعلیٰ اور افضل درجہ یہ ہے کہ وہ رقبہ آزاد کرے، لیکن اگر مظاہر عتق رقبہ پر قادر نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ روزہ رکھے، یہ دوسرا درجہ ہے۔ اور اگر روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو اب تیسرا اور آخری درجہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ مساکین کو غلہ دے یا کھانا کھلائے اور اس حکم کی دلیل قرآن کریم کا یہ اعلان ہے فمن لم يستطع فاطعام ستین مسکینا۔ پھر واضح رہے کہ کفارۂ ظہار اگر طعام کے ذریعے اداء کیا جائے گا تو اس میں یہ بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ مقدار بھی مکمل ہو اور تعداد بھی پوری ہو چنانچہ ساٹھ مسکینوں کو طعام دیا جائے، اور ہر ہر مسکین کو نصف صاع گندم کے برابر غلہ دے نہ تو اس مقدار سے کم دے اور نہ ہی زیادہ دے، اس مسئلے کی دلیل وہ احادیث ہیں جو حضرت اوس بن صامت اور حضرت سہل بن صحر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں اور جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں مظاہر کا کفارۂ ظہار ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا یا غلہ دینا ہے اور یہ مقدار گندم سے نصف صاع ہے (جب کہ تمیر یا جو سے ایک صاع ہے) اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفارہ بالطعام کا مقصد ہر ہر مسکین کے ایک دن کی حاجت کو دور کرنا ہے لہذا کفارۂ ظہار کو مقدار کے متعلق صدقہ الفطر پر قیاس کیا جائے گا اور چون کہ صدقہ الفطر کی مقدار نصف صاع گندم یا ایک صاع تمیر یا جو ہے، لہذا ایک مسکین کے حق میں کفارۂ ظہار کی بھی یہی مقدار ہوگی۔

وقوله الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدروٹی نے متن میں جو اوقیمتہ ذلک کی عبارت پیش کی ہے وہ ہمارا یعنی احناف کا مسلک و مذہب ہے کہ ہمارے یہاں صدقہ الفطر وغیرہ میں گندم اور تمر وغیرہ کی قیمت دی جاسکتی ہے لیکن شوافع کے یہاں عین غلہ کی ادائیگی ضروری ہے اور قیمت دینے سے واجب فی الذمہ ساقط نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کو ہم کتاب الزکوٰۃ میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں فلا نعیدهنا۔

فَإِنْ أَعْطَى مَنَّا مِنْ بُرٍّ وَ مَنَوَيْنِ مِنْ تَمَرٍ أَوْ شَعِيرٍ جَارَ لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ، إِذَا الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ۔

ترجمہ: پھر اگر مظاہر نے ایک من گیہوں دیا اور دو من کھجور یا جو دیا تو جائز ہے کیوں کہ مقصود حاصل ہو گیا ہے، اس لیے کہ جنس متحد ہے۔

## اللغات:

﴿من﴾ صاع کا چوتھائی۔ ﴿بر﴾ گندم۔

## کفارہ میں ملی جلی اجناس سے کھانا کھلانا:

حل عبارت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ایک صاع میں کل چار من ہوتے ہیں لہذا اس اعتبار سے ایک من ربع صاع کا ہوگا، اب اگر کسی مظاہر نے مساکین کو ایک من گندم دیا اور دو من کھجور یا جو دیا تو چوں کہ ان کا مجموعہ نصف صاع گندم کے برابر ہو گیا، اس لیے مقصود اطعام حاصل ہو گیا اور پھر گندم اور شعیر وغیرہ کی جنس بھی من حیث الاطعام و دفع الجوع متحد ہے، لہذا ایسا کرنا درست اور جائز ہے۔

وَإِنْ أَمَرَ غَيْرُهُ أَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظَهَارِهِ فَفَعَلَ أَجْزَأُ، لِأَنَّهُ اسْتَقْرَأَ مَعْنَى، وَالْفَقِيرُ قَابِضٌ لَهُ أَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهِ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهُ ثُمَّ تَمْلِكُهُ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے دوسرے کو حکم دیا کہ اس کے کفارہ ظہار کے عوض دوسرا آدمی کھانا کھلا دے اور اس نے وہ کام انجام دے دیا تو اداء ہو جائے گا، کیوں کہ یہ شکل قرض لینے کے معنی میں ہے اور فقیر پہلے مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا پھر اپنے لیے، لہذا مظاہر کا مالک بننا پھر اس فقیر کو مالک بنانا متحقق ہو جائے گا۔

## اللغات:

﴿يطعم﴾ کھلا دے۔ ﴿اجزاء﴾ اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ ﴿استقراض﴾ قرض لینا۔ ﴿تملك﴾ مالک بننا۔ ﴿تمليك﴾ مالک بنانا۔

## کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کھانا کھلانے کا حکم دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے کسی دوسرے شخص کو حکم دیا کہ وہ اس کے کفارہ ظہار کی طرف سے مساکین کو کھانا کھلا دے اور اس نے ایسا کر دیا تو جائز اور درست ہے، کیوں کہ یہ شکل معنا قرض لینے کی طرح ہے چنانچہ فقیر پہلے مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا پھر اپنے لیے قبضہ کرے گا، چنانچہ جب فقیر مظاہر کے لیے قبضہ کرے گا تو اس کا مالک ہونا متحقق ہو جائے گا۔ اور جب اپنے لیے قبضہ کرے گا تو پھر مالک بنانا بھی متحقق ہو جائے گا۔

فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَكَلُوا أَوْ كَثِيرًا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُجْزِيهِ إِلَّا التَّمْلِكُ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّمْلِكَ أَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ وَلَا يَنْبُؤُ مَنَابَهُ الْإِبَاحَةُ، وَلَنَا أَنَّ الْمَنْصُوصَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيقَةُ فِي التَّمْكِينِ مِنَ الطَّعْمِ، وَفِي الْإِبَاحَةِ ذَلِكَ كَمَا فِي التَّمْلِكِ، أَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكَاةِ الْإِيْتَاءُ وَفِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْإِدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِكِ حَقِيقَةٌ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے مساکین کو صبح اور شام کا کھانا دیا تو جائز ہے خواہ ان لوگوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تملیک کے سوا کچھ جائز نہیں ہے، زکوٰۃ اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ مالک بنانا



ضرورت کو زیادہ پورا کرنے والا ہے، لہذا مباح کرنا اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ منصوص علیہ اطعام ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں طعام پر قدرت دینا اور تملیک کی طرح مباح کرنے میں بھی یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، رہی زکوٰۃ تو اس میں واجب ایتاء ہے اور صدقۃ الفطر میں واجب اداء ہے اور یہ دونوں حقیقتاً مالک بنانے کے لیے ہیں۔

## اللغات:

﴿عَدَاهُمْ﴾ ان کو صبح کا کھانا دیا۔ ﴿عَشَاهُمْ﴾ ان کو رات کا کھانا دیا۔ ﴿لَا یَجْزِی﴾ نہیں کافی ہوگا۔ ﴿لَا یَنُوب﴾ منابہ ﴿اس کے قائم مقام نہ ہوگا۔﴾ ﴿اَبَاحْتُ﴾ اجازت دینا۔ ﴿تَمَکِیْنُ﴾ قدرت دینا۔

## ساتھ مسکینوں کو تملیک کے بغیر کھانا کھلانا:

صورت مسئلہ میں اگر کسی مظاہر نے ساتھ مساکین کو ایک دن صبح و شام کو کھانا کھلا دیا تو جائز ہے خواہ ان لوگوں نے زیادہ کھایا ہو یا کم، اس لیے کہ اطعام کا مقصود مساکین کی ایک دن کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور یہ ضرورت صبح و شام کھانا کھلانے سے پوری ہو جاتی ہے، اس لیے یہ جائز ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کھانے کو زکوٰۃ اور صدقۃ فطر پر نیاں کرتے ہیں یعنی جس طرح زکوٰۃ اور صدقۃ فطر میں تملیک ضروری ہے اسی طرح طعام میں بھی تملیک ضروری ہے اور اطعام یعنی کھانا کھلانا تملیک کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ اطعام آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے فاطعام ستین مسکینا اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں طعام پر قدرت دینا اور جس طرح مالک بنانے میں یہ معنی موجود ہیں اسی طرح اطعام بھی جائز ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اطعام میں تملیک بدرجہ اتم موجود ہے اور اطعام سے مساکین کی ضرورت زیادہ پوری ہوتی ہے، اس لیے کہ اس صورت میں نہ تو ان کو محنت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی تیل مصالحہ خرچ کرنے کی۔

أما الواجب الخ: یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کفارہ ظہار والے اطعام کو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ زکوٰۃ میں ایتاء فرض ہے اور صدقۃ فطر میں ادا کرنا فرض ہے اور ایتاء اور اداء دونوں کے دونوں تملیک کے لیے ہیں اور یہ معنی ان میں قدرت دینے سے متحقق نہیں ہوں گے۔ اس کے برخلاف کفارہ ظہار میں ایتاء اور اداء ضروری نہیں ہے، اس لیے طعام پر قدرت دینے سے کفارہ اداء ہو جائے گا۔

وَلَوْ كَانَ فِيمَنْ عَشَاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيمٌ لَا يُجْزِيهِ، لِأَنَّهُ لَا يَسْتَوْفِي كَامِلًا، وَلَا بَدُّ مِنَ الْإِدَامِ فِي خُبْزِ الشَّعِيرِ لِيُمْكِنَهُ الْإِسْتِيفَاءُ إِلَى الشَّعْبِ، وَفِي خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَا يَشْتَرَطُ الْإِدَامُ.

**ترجمہ:** اور اگر ان مساکین میں جنہیں اس نے شام کا کھانا کھلایا ہے کوئی شیرخوار بچہ ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوگا کیوں کہ بچہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا ہے۔ اور جو کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ پیٹ بھر کر روٹی کھانا ممکن ہو اور گندم کی روٹی میں سالن کا ہونا شرط نہیں ہے۔

## اللغات:

﴿صَبِيٌّ﴾ بچہ۔ ﴿لَا يَسْتَوْفِي﴾ پورا وصول نہیں کیا۔ ﴿إِدَام﴾ سالن۔ ﴿خُبْز﴾ روٹی۔ ﴿شَعِير﴾ جو۔ ﴿اِسْتِيفَاءُ﴾

وصول کرنا۔ ﴿شبع﴾ پیٹ بھرنا۔ ﴿حنطۃ﴾ گندم۔

### مذکورہ بالا مسئلہ کی ایک اور صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر صبح وشام کھانے والے مساکین میں کوئی شیرخوار بچہ ہو تو کفارہ اداء نہیں ہوگا، کیوں کہ شیرخوار بچہ کھانا بھی کھاتا ہے اور دودھ بھی پیتا ہے لہذا صرف طعام سے وہ کما حقہ کھانا کھانے والا نہیں شمار ہوگا۔ اس لیے کفارہ بھی اداء نہیں ہوگا۔  
ولابد الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن سبزی کا ہونا ضروری ہے تاکہ اچھی طرح سیر ہو کر کھانا کھالیا جائے، لیکن اگر گندم کی روٹی ہو تو بغیر سالن کے بھی کام چل جائے گا، اس لیے کہ گیسوں کی روٹی سالن کے بغیر بھی کھائی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ أُعْطِيَ مُسْكِينًا وَاحِدًا سِتِّينَ يَوْمًا أَجْزَأُ وَ إِنْ أُعْطَاهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا عَنْ يَوْمِهِ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ سَدَّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ، وَالْحَاجَةُ تَتَجَدَّدُ فِي كُلِّ يَوْمٍ، فَالذَّفْعُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي كَالذَّفْعِ إِلَى غَيْرِهِ، وَ هَذَا فِي الْإِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ وَأَمَّا التَّمْلِيكُ مِنْ مُسْكِينٍ وَاحِدٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفْعَاتٍ فَقَدْ قِيلَ لَا يُجْزِيهِ، وَقِيلَ يُجْزِيهِ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى التَّمْلِيكِ تَتَجَدَّدُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّ التَّفْرِيقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کافی ہے اور اگر ایک مسکین کو ایک ہی دن دے دیا تو جائز نہیں ہے سوائے ایک دن کے، کیوں کہ مقصود تو محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت ہر دن نئی پیدا ہوتی ہے، لہذا اسی مسکین کو دوسرے دن دینا ایسا ہے جیسے دوسرے مسکین کو دینا۔ اور یہ حکم اباحت میں بلا اختلاف جائز ہے، رہا ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ دینا تو ایک قول یہ ہے جائز نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے، کیوں کہ تملیک کی ضرورت ہر دن نئی ہوتی رہتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب ایک ہی مسکین کو ایک مرتبہ دے دیا، کیوں کہ متفرق کر کے دینا از روئے نص واجب ہے۔

### اللغات:

﴿یومہ﴾ اسی دن۔ ﴿سدخلۃ﴾ ضرورت پوری کرنا۔ ﴿تتجدد﴾ نئی ہو جاتی ہے۔ ﴿إباحۃ﴾ اجازت دینا۔ ﴿تملیک﴾ مالک بنانا۔ ﴿دفعات﴾ واحد دفعۃ؛ ایک مرتبہ دینا۔ ﴿تفریق﴾ متفرق کرنا، علیحدہ علیحدہ کرنا۔

### ایک ہی مسکین کو کھانا کھلا دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے ایک ہی مسکین کو ساٹھ یوم تک کھانا دیا تو یہ جائز ہے اور ایسا کرنے سے کفارہ اداء ہو جائے گا، لیکن اگر صرف ایک ہی دن دیدیا تو صرف اسی دن کا کفارہ اداء ہوگا اور اس کے علاوہ میں سے اداء نہیں ہوگا، کیوں کہ مسکین کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ محتاج کی ضرورت پوری ہو اور چوں کہ ضرورت انسانی ہر دن بدلتی رہتی ہے، اسی لیے اگر ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دیا تو کافی ہے، لیکن اگر ایک ہی دن دیا تو کافی نہیں ہوگا لیکن اگر علاحدہ علاحدہ ساٹھ دنوں تک دیا تو کافی ہوگا کیوں کہ ایک کو دینا دوسرے دن دوسرے مسکین کو دینے کی طرح ہے، تو گویا یہ ایسا ہے کہ اس نے ہر دن الگ الگ مسکین کو دیا ہے۔  
وهذا في الإباحة الخ: فرماتے ہیں کہ ایک ہی مسکین کو دن میں دینے سے عدم کفارہ کا جواز بلا اختلاف ہے اور اس میں کسی

کا اختلاف نہیں ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ ایک فقیر کو ایک ہی دن میں ساٹھ مرتبہ اگر کفارے کی مقدار غلے کا مالک بنایا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ تملیک کی ضرورت ہر دن نئی نوٹیلی ہو سکتی ہے اور ایک انسان کو ایک دن میں متعدد مرتبہ حاجت پیش آ سکتی ہے، اس لیے تملیک والی صورت درست ہے اس کے برخلاف طعام والی صورت درست نہیں ہے، کیوں کہ ایک آدمی کو ایک ہی دن میں مختلف مرتبہ کھانے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

اس کے برخلاف اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ایک ہی مرتبہ دے دیا تو کافی نہیں ہوگا، کیوں کہ فاطعام ستین مسکینا کے اعلان سے بھس قرآنی الگ الگ کر کے دینا واجب ہے، اس لیے ایک ہی مرتبہ دینے سے کافی نہیں ہوگا۔

وَإِنْ قَرُبَ إِلَيْهِ ظَاهَرٌ مِنْهَا فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ، لِأَنَّهُ تَعَالَى مَا شَرَطَ فِي الْإِطْعَامِ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْمَسِيسِ إِلَّا أَنَّهُ يَمْنَعُ مِنَ الْمَسِيسِ قَبْلَهُ، لِأَنَّهُ رَبَّمَا يَقْدِرُ عَلَى الْإِعْتَاقِ وَالصَّوْمِ فَيَقْعَانِ بَعْدَ الْمَسِيسِ، وَالْمَنْعُ لِمَعْنَى فِي غَيْرِهِ لَا يُعْذَرُ الْمَشْرُوعِيَّةَ فِي نَفْسِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر کھانا دینے کے درمیان اس عورت سے وطی کر لی جس سے ظہار کیا تھا تو از سر نو کھانا نہ کھائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کھانا دینے میں اس کے جماع سے پہلے نہ ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، لیکن کھانا دینے سے پہلے اس کو وطی کرنے سے روک دیا جائے گا، اس لیے کہ بسا اوقات مظاہر آزاد کرنے اور روزہ رکھنے پر قادر ہو جاتا ہے، لہذا وہ دونوں وطی کے بعد واقع ہوں گے۔ اور وہ ممانعت جو معنی غیر کی وجہ سے ہو وہ اس مشروعیت کو معدوم نہیں کرتی جو فی ذاتہ ہو۔

## اللَّغَاتُ:

﴿قرب﴾ قریب ہو گیا، مراد جماع کر لیا۔ ﴿خلال﴾ درمیان۔ ﴿لم يستأنف﴾ نئے سرے سے شروع نہ کرے گا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿لا یعدم﴾ نہیں معدوم کرتا۔

## دورانِ اطعام جماع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے طعام کے ذریعے کھانا دینا شروع کیا اور ساٹھ دن کے دوران اس نے اپنی ظہار کردہ بیوی سے وطی کر لی تو اس وطی سے اس کے کفارے میں کوئی خلل نہیں ہوگا اور اسے از سر نو کھانا کھلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے کفارہ بالطعام کو بیان کرتے ہوئے من قبل ان یتماسا کی قید نہیں لگائی ہے، اس لیے دورانِ اطعام وطی کرنے سے استیناف نہیں لازم ہوگا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تکمیلِ طعام سے پہلے اس شخص کو وطی کرنے سے روکا جائے گا، کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ شخص طعام کی تکمیل سے پہلے صوم یا اعتاق پر قادر ہو جائے اور اس کا کفارہ صوم یا اعتاق کی طرف منتقل ہو جائے اور وطی کر لینے کی وجہ سے یہ بعد الوطی واقع ہو جالیں کہ بھس قرآنی صوم اور اعتاق کا قبل الوطی ہونا ضروری ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس شخص کو تکمیلِ طعام سے پہلے وطی کرنے سے باز رکھا جائے۔

والمنع لمعنی الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کھانا دینے سے پہلے یا اس کے دوران وطی کرنا ممنوع لغیرہ ہے اور کھانا دینا مشروع لذاتہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ممنوع لغیرہ مشروع لذاتہ کے منافی نہیں ہے، اس لیے دوران اطعام یا اطعام سے پہلے وطی کرنا مفسد اطعام نہیں ہے اور جب وطی مفسد اطعام نہیں ہے تو استیناف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وَ إِذَا أَطْعَمَ عَنْ ظَهَارَيْنِ سِتِّينَ مَسْكِينًا لِكُلِّ مَسْكِينٍ صَاعًا مِنْ بَرٍّ لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ وَ أَبِي يُونُسَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ يُجْزِيهِ عَنْهُمَا وَإِنْ أَطْعَمَ ذَلِكَ عَنْ إِفْطَارٍ وَ ظَهَارٍ أَجْزَأُهُ عَنْهُمَا، لَهُ أَنَّ بِالْمُؤَدَى وَفَاءً بِهِمَا وَالْمَصْرُوفُ إِلَيْهِ مَحَلٌّ لَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوْ اخْتَلَفَ السَّبَبُ أَوْ فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ، وَلَهُمَا أَنَّ النِّيَّةَ فِي الْجِنْسِ الْوَاحِدِ لَعَوَّ وَفِي الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ وَإِذَا لَغَتِ النِّيَّةَ وَالْمُؤَدَى يَصْلُحُ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةً، لِأَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ أَذْنَى الْمَقَادِيرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانُ دُونَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهَا كَمَا إِذَا نَوَى أَصْلَ الْكُفَّارَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا فَرَّقَ فِي الدَّفْعِ، لِأَنَّهُ فِي الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِي حُكْمِ مَسْكِينٍ آخَرَ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے اپنے دو ظہار کے کفارے میں ساٹھ مسکین کو غلہ دیا، فی مسکین ایک صاع گندم کے اعتبار سے تو حضرات شیخین کے یہاں صرف ایک ہی ظہار سے کافی ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں ظہار سے کافی ہوگا اور اگر اس نے افطار اور ظہار کے کفارے سے کھانا دیا تو بالاتفاق دونوں کی طرف سے کافی ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جو طعام اداء کیا گیا ہے وہ دونوں ظہار کے لیے کافی ہے اور جن لوگوں کو طعام دیا گیا ہے وہ ان کا محل بھی ہیں لہذا یہ طعام دونوں ظہار سے اداء ہو جائے گا جیسا کہ اگر سبب مختلف ہو جائے یا متفرق کر کے دیا جائے، حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ایک جنس میں نیت لغو ہوتی ہے اور دو جنسوں میں معتبر ہوتی ہے اور جب نیت لغو ہوگئی اور اداء کیا ہوا طعام ایک کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے کہ نصف صاع سب سے کم مقدار ہے تو نصف صاع سے کم میں منع کیا جائے گا نہ کہ زیادہ میں۔ لہذا ایک ہی کفارہ سے واقع ہوگا جیسا کہ اس صورت میں جب مظاہر نے اصل کفارہ کی نیت کی ہو۔ برخلاف اس صورت کے جب اس نے الگ الگ کر کے دیا ہو، کیوں کہ دوبارہ دینے میں وہ دوسرے فقیر کے درجے میں ہے۔

### اللغات:

﴿لَمْ يُجْزِهِ﴾ اس کو کافی نہیں ہوگا۔ ﴿أَطْعَمَ﴾ کھلا دیا۔ ﴿مُؤَدَى﴾ جو ادا کیا گیا ہے۔ ﴿وَفَاءً﴾ پوری ادائیگی۔ ﴿مَصْرُوفٍ﴾ جن پر خرچ کیا گیا ہے۔  
دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے طعام کے ذریعے کفارہ اداء کرنا شروع کیا، اور اس طرح کیا کہ ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گندم دیدیا تو حضرات شیخین کے یہاں صرف ایک کفارہ اداء ہوگا اور وہ شخص ایک ہی ظہار سے کفارے سے بری ہوگا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں یہ طعام دونوں ظہار کے لیے کفارہ بن جائے گا اور وہ شخص بری

الذمہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر مظاہر پر کفارہ ظہار بھی ہو اور کفارہ افطار بھی یعنی عمدہ روزہ توڑنے کا کفارہ بھی ہو اور اس نے اس طرح سے ساٹھ مساکین کو ایک صاع گندم کے اعتبار سے کھانا دیا ہو تو دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔ لیکن پہلی صورت میں حضرات شیخین کے یہاں صرف ایک کفارہ اداء ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دونوں ظہار کے کفارے اداء ہو جائیں گے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایک کفارہ میں ایک مسکین کا حصہ نصف صاع ہے، لیکن جب مظاہر نے ہر ہر مسکین کو ایک صاع گندم دیا تو ظاہر ہے کہ یہ مقدار دونوں کفاروں کے لیے کافی ہوگئی اور پھر جن لوگوں کو دیا گیا ہے وہ کفارے کا محل بھی ہیں لہذا دونوں ظہار کا کفارہ اداء ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں دو کفارہ اداء ہوتا ہے جب سبب مختلف ہو یعنی ایک ظہار کا ہو اور دوسرا افطار وغیرہ کا ہو، یا اس صورت میں جب اس نے نصف نصف صاع کر کے الگ سے دیا ہو یعنی ایک ساتھ نہ دیا ہو۔ تو جس طرح ان صورتوں میں دو کفارہ اداء ہوتا ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔

ولہما الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جنس واحد میں نیت لغو اور بیکار ہوتی ہے، کیوں کہ نیت تو اشیائے مختلفہ اور اجناس مختلفہ میں امتیاز کے لیے ہوتی ہے اور صورت مسئلہ میں جب دونوں کفارے ظہار کے تھے تو اس میں دونوں کی نیت کرنا لغو ہے اور جب نیت لغو ہوگئی ہے تو طعام کی اداء کردہ مقدار چوں کہ ایک کفارہ کی صلاحیت تو رکھتی ہے اس لیے کہ نصف صاع کفارے کی ادنیٰ مقدار ہے لہذا اس سے کم تو مانع کفارہ ہوگا لیکن اس سے زیادہ مانع نہیں ہوگا، اس لیے ایک صاع دینے سے وہ شخص صرف ایک ظہار سے بری ہوگا اور اس کا ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر اس نے متفرق کر کے دیا یعنی پہلے ایک مسکین کو نصف صاع دیا پھر اسی کو نصف صاع دیا تو اس صورت میں دونوں کفارے اداء ہو جائیں گے۔ کیوں کہ متفرق کر کے دینا الگ الگ مسکین کو دینے کے درجے میں ہے اور الگ الگ دینے کی صورت میں اداء اور جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظَهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْبُوِي عَنْ إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهَا، وَكَذَا إِذَا صَامَ أَرْبَعَةً أَشْهُرًا أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ مَسْكِينًا جَازَ، لِأَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ، فَلَا حَاجَةَ إِلَى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ.

**ترجمہ:** اور جس شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے دو رقبہ آزاد کر دیا حالانکہ ان میں سے کسی ایک متعین کی نیت نہیں کی تو دونوں کی طرف سے جائز ہوگا۔ اور ایسے ہی کسی نے چار ماہ روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکین کو کھانا دیا تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ جنس متحد ہے اور متعین کرنے والی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

### دو کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر ایک ہی جنس کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے لاعلیٰ التعین دو رقبہ آزاد کر دیا یا لگا تار چار ماہ روزہ رکھ لیا یا ۱۲۰ مسکینوں کو کھانا دے دیا تو وہ دونوں کفاروں سے بری الذمہ ہو جائے گا، کیوں کہ جب دونوں کفارے ایک ہی جنس کے ہیں تو پھر ان میں نیت کی ضرورت ہی نہیں ہے اور ۲ رقبہ چار ماہ کے روزے یا ۱۲۰ مساکین کا طعام ان دونوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، اس لیے وہ شخص ہر طرح سے بری ہو جائے گا۔

وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً أَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَيْبِهِمَا شَاءَ، وَإِنْ أَعْتَقَ عَنْ ظَهَارٍ وَ قَتَلَ لَمْ يَجْزُ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَا يُجْزِيهِ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفُصْلَيْنِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَحَدِهِمَا فِي الْفُصْلَيْنِ لِأَنَّ الْكُفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمُقْصُودِ جِنْسٍ وَاحِدٍ، وَجَهٌ قَوْلِ زُفَرٍ رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَنَّهُ أَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظَهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ عَنْ أَحَدِهِمَا بَعْدَ مَا أَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوجِ الْأَمْرِ مِنْ يَدِهِ، وَلَنَا أَنْ نَبْنِيَهُ التَّعْيِينَ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرِ مُفِيدٍ قَتْلُهُ، وَفِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلَفِ مُفِيدٌ، وَاخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَهُوَ الْكُفَّارَةُ هُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ، نَظِيرُ الْأَوَّلِ إِذَا صَامَ يَوْمًا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيهِ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ، وَنَظِيرُ الثَّانِي إِذَا كَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَإِنَّهُ لَا بَدْلَ فِيهِ مِنَ التَّمْيِيزِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** اور اگر مظاہر نے دو ظہار کے بدلے میں ایک رقبہ آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اسے یہ اختیار ہے کہ اس کو دونوں میں سے جس کے لیے چاہے متعین کر دے اور اگر اس نے ظہار اور قتل کے عوض ایک رقبہ آزاد کیا تو ان میں سے کسی طرف سے بھی جائز نہیں ہوگا۔ امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کسی بھی طرف سے کافی نہیں ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اسے دونوں میں سے ایک کے لیے کرنے کا اختیار ہے، اس لیے کہ تمام کفارے مقصود کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔ امام زفر رحمہ اللہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ہر ظہار کے عوض نصف غلام آزاد کیا ہے اور دونوں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد اسے کسی ایک کے لیے متعین کرنے کا حق نہیں ہے اس لیے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ متحدہ جنس میں اس کی نیت تعین مفید نہیں ہے لہذا وہ لغو ہو جائے گی اور مختلفہ جنس میں (نیت تعین) مفید ہوتی ہے اور جنس کا مختلف ہونا حکم میں ہے اور وہ یہاں کفارہ ہے اس لیے کہ سب مختلف ہے۔ پہلے کی نظیر یہ ہے کہ جب کسی شخص نے رمضان کے دو روزوں کی قضا کے بدلے ایک دن روزہ رکھا تو اسے ایک دن کی قضا سے کافی ہوگا۔ اور دوسرے کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر قضا اور نذر کے روزے ہوں تو اس میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

## اللَّغَاتُ:

﴿لا یجزی﴾ نہیں کافی ہوگا۔

## دو مختلف کفاروں کی بیک وقت ادائیگی:

عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں مختلف فیہ ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے ان دونوں کی طرف سے ایک رقبہ آزاد کیا تو اب اسے اختیار ہے ان دونوں میں سے جس کفارے اور جس ظہار کے لیے وہ چاہے اسے متعین کر دے (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس پر ظہار اور قتل کے دو کفارے واجب ہوں اور اس نے غیر متعین کر کے ایک رقبہ آزاد کیا ہو تو وہ کسی کی طرف سے بھی جائز نہیں ہوگا یہ حکم ہمارے یہاں ہے، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں

مسکوں میں کسی کی طرف سے بھی کفارہ اداء نہیں ہوگا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اسے کفارے کو لازم اور متعین کرنے کا اختیار ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تمام کفارے مقصد کے اعتبار سے ایک ہیں کیوں کہ سب کا مقصد پردہ پوشی اور گناہ زائل کرنا ہے اور جنس واعد میں نیت کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے جس طرح پہلے والے مسئلے میں اسے تعین کا حق ہے اسی طرح دوسرے والے مسئلے میں بھی اسے تعین کا حق ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس نے کسی کفارہ کی نیت نہیں کی اور تعین جرم کے بغیر کفارہ اداء کر دیا تو گویا یہ دونوں جرم کا کفارہ ہوا اور نصف نصف ہر ایک کے حق میں آیا اور نصف غلام آزاد کرنا معتبر نہیں ہے اس لیے کسی بھی جرم کا کفارہ اداء نہیں ہوگا اور ایک مرتبہ دو جرم کی طرف سے اداء کرنے کی وجہ سے چوں کہ معاملہ اس شخص کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اس لیے اب بعد میں اسے تعین کا اختیار نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر جرم متحد الجنس ہو تو نیت لغو ہوتی ہے اور اگر مختلف الجنس ہو تو مفید ہوتی ہے، اب ان دونوں مسکوں میں سے پہلے مسئلے میں جرم متحد الجنس ہے یعنی دونوں کفارہ ظہار ہیں اس لیے اس میں بدون تعین کے آزاد کرنے کے بعد بھی تعین کا اختیار ہوگا اور دوسرے مسئلے میں چوں کہ جرم مختلف الجنس ہے اور ایک کفارہ ظہار ہے اور دوسرا کفارہ قتل اس لیے اس میں نیت تعین لغو ہوگی اور ایک رقبہ دونوں کی طرف سے آزاد ہوگا، مگر چوں کہ وہ نصف ہے اس لیے کسی بھی کفارے کی طرف سے جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ نصف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

واختلاف الجنس في الحكم الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب کفارہ قتل اور کفارہ ظہار دونوں میں اعتاق رقبہ موجود ہے تو یہ متحد الجنس ہوا نہ کہ مختلف الجنس، لہذا جس طرح پہلے والے مسئلے میں کفارہ دینے والے کے لیے کسی ایک کی نیت کرنا درست ہے اسی طرح دوسرے والے مسئلے میں بھی نیت اور تعین درست ہونی چاہیے حالاں کہ دوسرے مسئلے میں آپ تعین کو ممنوع قرار دیتے ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟

یہاں اسی کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ جنس کا مختلف ہونا حکماً ہے کیوں کہ اگرچہ دونوں کا کفارہ اعتاق ہے مگر وجوب اعتاق کا سبب الگ الگ ہے، چنانچہ ایک میں یہ سبب ظہار ہے اور دوسرے میں قتل ہے اور ظاہر ہے کہ قتل اور ظہار دونوں الگ الگ ہیں اس لیے صورت ثانیہ میں اختلاف جنس حکماً ہے اور شئی من حیث الحکم بھی موثر ہوتی ہے۔

نظیر الاول الخ: فرماتے ہیں کہ ہم نے جو متحد الجنس اور مختلف الجنس کے حوالے سے دو مسئلے بیان کیے ہیں ان کی نظیر بھی آپ ملاحظہ کر لیں (۱) متحد الجنس والی صورت کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر رمضان کے دو روزوں کی قضاء واجب ہو اور وہ بغیر تعین کے ایک قضاء روزہ رکھ لے تو اس ایک روزے کو دونوں میں سے جس دن کے لیے چاہے متعین کر سکتا ہے، کیوں کہ دونوں باقی روزے متحد الجنس ہیں (۲) مختلف الجنس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص کے ذمے رمضان کا ایک روزہ قضاء ہو اور نذر کا بھی ایک روزہ قضاء ہو، اب اگر وہ تعین کے بغیر ایک قضاء روزہ رکھتا ہے تو کسی طرف سے بھی اداء نہیں ہوگا، کیوں کہ مختلف الجنس کی صورت میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں نیت معدوم ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلہ اتم۔

## بَابُ اللَّعَانِ

یہ باب احکام لعان کے بیان میں ہے

لعان کو ظہار کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لعان کی بہ نسبت ظہار اباحت کے زیادہ قریب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر غیر منکوحہ عورت کی طرف لعان کی نسبت کی جائے گی تو حد قذف واجب ہوگی اور حد کا واجب ہونا خالص معصیت ہے جس میں اباحت کا کوئی شائبہ نہیں رہتا جبکہ ظہار میں اباحت کا شائبہ رہتا ہے، اسی لیے لعان کو ظہار سے مؤخر کر دیا گیا ہے۔ (عناویہ و ہنایہ)

**لعان:** باب مفاعلت کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں الطَّرْدُ وَالْإِبْعَادُ یعنی بھگانا اور رحمت سے دور کرنا اور

لعان کے شرعی معنی ہیں شہادات تجری بین الزوجین مقرونۃ باللعن والغضب یعنی لعن اور غضب سے ملی ہوئی ان چار شہادتوں کا نام لعان ہے جو زوجین میں جاری ہوتی ہیں، لعان کا رکن وہ شہادت ہے جو قسم کے ساتھ موکد ہو۔

لعان کا سبب: مرد کا اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگانا ہے جو موجب قذف ہو۔

لعان کی شرط: نکاح کا قیام اور اس کی بقاء ہے۔

لعان کا حکم: لعان کے بعد وطی اور استمتاع من المرأة کی حرمت ہے۔ (ملاحظہ ہو ہنایہ ۳۶۳/۵ - بیروت)

قَالَ إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَاءِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاضِيهَا أَوْ نَفْيٍ نَسَبٍ وَلَدَهَا وَطَالَبَتْهُ بِمُوجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللَّعَانُ، وَالْأَصْلُ أَنَّ اللَّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُوَكَّدَاتٌ بِالْإِيمَانِ مَقْرُونَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِي حَقِّهِ وَ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَاءِ فِي حَقِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ (سورة النور : ۶)، وَالْإِسْتِثْنَاءُ إِنَّمَا يَكُونُ مِنَ الْجَنَسِ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ (سورة النور : ۶)، نَصَّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِينِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُوَكَّدَةُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِي جَانِبِهِ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَ فِي جَانِبِهَا بِالْغَضَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزِّنَاءِ، إِذَا ثَبَتَ هَذَا نَقُولُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ، لِأَنَّ الرُّكْنَ فِيهِ الشَّهَادَةُ، وَلَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاضِيهَا لِأَنَّهُ قَائِمٌ فِي حَقِّهِ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِحْصَانِهَا وَ يَجِبُ بِنَفْيِ الْوَأَدِّ لِأَنَّهُ لَمَّا نَفْيٍ وَلَدَهَا صَارَ



قَازِفًا لَهَا ظَاهِرًا، وَلَا يُعْتَبَرُ احْتِمَالُ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهِ بِالْوُطْئِ مِنْ شُبْهَةٍ كَمَا إِذَا نَفَى اجْنِبِي نَسَبَهُ عَنْ أَبِيهِ الْمَعْرُوفِ وَ هَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهِ فَتَنِيَهُ عَنِ الْفِرَاشِ الصَّحِيحِ قَدْ فُتِنَ حَتَّى يَظْهَرَ الْمُلْحَقُ بِهِ وَيُشْتَرَطُ طَلَبُهَا لِأَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوقِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ دونوں شہادت کے اہل ہیں اور عورت ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے پر حد لگائی جاسکے۔ یا شوہر نے اس کے بچے کے نسب کی نفی کی اور بیوی نے اس سے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو اس پر لعان کرنا واجب ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں لعان وہ شہادتیں ہیں جو قسم کے ساتھ موکد ہوں، لعن کے ساتھ متصل ہوں اور شوہر کے حق میں حد قذف کی قائم مقام ہوں اور بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوں، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ (یعنی لاعنین کے پاس ان کے نفوس کے علاوہ دوسرے گواہ نہ ہوں) اور استشاء صرف جنس کا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”تو ان میں سے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہیں جو اللہ کی قسم کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ نے شہادت اور یحیٰی دونوں کی صراحت فرمائی ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ لعان کا رکن ایسی شہادت ہے جو یحیٰی کے ساتھ موکد ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رکن کے ساتھ شوہر کی جانب میں لعن کو متصل کر دیا اگر وہ جھوٹا ہوگا اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اور عورت کی جانب میں اللہ (نے رکن کے ساتھ) غضب کو ملایا اور وہ حد زنا کے قائم مقام ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ زوجین کا شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ لعان میں شہادت رکن ہے اور عورت کا اس صفت پر ہونا ضروری ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاسکے اس لیے کہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، لہذا بیوی کا پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ اور بچے کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوگا کیوں کہ جب شوہر نے بیوی کے بچے کی نفی کر دی تو ظاہر اودہ اس پر تہمت لگانے والا ہو گیا۔ اور اس احتمال کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کہ وطی بالشہبہ کی وجہ سے وہ لڑکا شوہر کے علاوہ کا ہو۔ جیسے اگر کوئی اجنبی شخص اپنے معروف باپ سے اپنے نسب کی نفی کر دے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نسب میں اصل فراش صحیح ہے۔ اور فراش فاسد صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ لہذا شوہر کا فراش صحیح کی نفی کرنا تہمت ہے یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے جو صحیح کے ساتھ ملحق ہے۔ اور بیوی کا مطالبہ کرنا شرط ہے اس لیے کہ وہ اس کا حق ہے لہذا اس کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے تمام اور حقوق میں یہی شرط ہے۔

## اللغات:

﴿قذف﴾ الزام لگایا۔ ﴿یحد﴾ حد لگایا جاتا ہے۔ ﴿قاذف﴾ تہمت لگانے والا۔ ﴿موجب﴾ سبب بننے والا۔ ﴿ایمان﴾ واحد یمین، قسمیں۔ ﴿مقرونہ﴾ ملی ہوئی۔ ﴿احصان﴾ پاک دامن ہونا۔

## لعان کی حقیقت اور حیثیت:

اس دراز نفس عبارت میں لعان کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے اگر کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا اس عورت کے بچے کے نسب کو اپنے سے منع کر دیا اور کہا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے، بلکہ کسی اور کا ہے اور میاں بیوی

دونوں شہادت کے اہل ہیں یعنی فاسق و فاجر اور غلام باندی نہیں ہیں نیز عورت محضہ اور پاک دامن ہے اور اس کے پاس کوئی مجہول النسب لڑکا یا ولد الزنا بھی نہیں ہے اور وہ عورت شوہر سے لعان کا مطالبہ کرتی ہے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے اور چار قسموں کے ساتھ اپنی براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے، اسی طرح بیوی پر بھی قسم کھانا واجب ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعان کے باب میں اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں لعان کی شہادتیں اللہ کی قسم کے ساتھ موکد ہیں اور لفظ لعان کے ساتھ متصل ہیں اور لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، یعنی زمانہ جاہلیت میں قذف اور تہمت لگانے کی سزا حد قذف تھی اور یہ حد ابتدائے اسلام میں بھی باقی تھی چنانچہ قرآن کا اعلان ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو بأربعة شهداء فاجلدوہم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ أبداً وأولئک ہم الفاسقون یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں لیکن پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور آئندہ کبھی ان کی شہادت کو قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔ یہ حکم بہت دنوں تک تھا لیکن بعد میں آیت لعان نازل ہوئی اور یہ حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ پھر قرآن کریم نے اعلان کیا والذین یرمون أزواجہم ولم یکن لہم شہداء الا أنفسهم فشہادۃ أحدهم أربع شہادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسة أن لعنة اللہ علیہ إن کان من الکاذبین ویدرؤا عنها العذاب أن تشہد أربع شہادات باللہ انہ لمن الکاذبین، والخامسة أن غضب اللہ علیہا إن کان من الصادقین۔

یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے دعوے کے علاوہ کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی شہادت یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں دفعہ میں یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اس کے بعد اس عورت سے اس طرح سزا مل سکتی ہے کہ وہ بھی چار قسم کھا کر کہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ میں کہے اس پر خدا کا غضب ہو اگر وہ (اس کا شوہر) سچا ہو۔

صاحب بنایہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے استدلال اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ شہداء سے أزواج کا استثناء کیا ہے اور استثناء میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے لہذا زوج شہداء میں سے ہوگا یعنی وہ بھی شاہد ہوگا اور بدوین شہادت شاہد کا تحقق نہیں ہو سکتا اور اس مسئلے میں چون کہ لعان کی حکایت بیان کرنے کا نام شہادت ہے لہذا لعان شہادت کے ساتھ متصل ہوگا اور وہ شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ موکد ہوگی۔

ثم قرن الخ: فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی شہادت میں فرق یہ ہے کہ مرد کے حق میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو لفظ لعان کے ساتھ ملایا گیا ہے بشرطیکہ شوہر اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے، اس کے برخلاف عورت کی جانب میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو غضب کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور اس کے حق میں لعان حد زنا کے قائم مقام ہے۔

إذا اثبت هذا الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب آپ لعان کی حقیقت اور حیثیت سے واقف ہو گئے تو یہ یاد رکھئے کہ ہم نے زوجین کے لیے اہل شہادت ہونے کی جو شرط لگائی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ شہادت لعان کا رکن ہے اور چون کہ شوہر کے حق میں لعان قذف کے قائم مقام ہے اس لیے عورت کے محضہ اور پاک دامن ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔

و یجب بنفی الخ: فرماتے ہیں کہ بچہ کے نسب کی نفی کرنے کی وجہ سے بھی لعان واجب ہوگا کیوں کہ بچے کے نسب کی نفی کرنا درحقیقت اس کی ماں پر تہمت لگانا ہے اور تہمت لگانے ہی کی وجہ سے لعان واجب ہوتا ہے اس لیے بچہ کی نسب کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوگا جیسے اگر کوئی اجنبی کسی بچے کے معروف باپ سے اس کے نسب کی نفی کر دے تو وہ شخص بھی اس کی ماں پر تہمت لگانے والا ہوگا اور اس پر بھی لعان واجب ہوگا۔

و لا یعتبر سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کی نفی کر دے تو اس سے لعان نہیں واجب ہونا چاہیے، کیوں کہ محض نفی کرنے سے اس کا ولد الزناء ہونا اور کی ماں کا زانیہ ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس عورت کے ساتھ طبعی بالشبہ کی گئی ہو اور اس وطی سے یہ بچہ پیدا ہوا ہو، لہذا جب یہ احتمال ہے تو پھر براہ راست اس پر تہمت کا لیبل لگانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احتمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اگر کوئی اجنبی کسی بچے کی اس کے مشہور باپ سے نسب کی نفی کرتا ہے تو وہ تہمت لگانے والا شمار ہوتا ہے اور اس پر لعان واجب ہوتا ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تہمت بھی ثابت ہوگی اور لعان بھی واجب ہوگا۔ اور اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ نسب کے سلسلے میں فراش صحیح ہونا اصل ہے اور فراش فاسد اس کی فرع ہے، لہذا جب تک قطعی طور پر فراش فاسد کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک فراش صحیح یعنی باپ کا اپنے بیٹے کے نسب کی نفی کرنے کو تہمت سمجھا جائے گا۔

و یشرط طلبہا الخ: فرماتے ہیں کہ وجوب لعان کے لیے عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ لعان اسی کا حق ہے اور ظاہر ہے کہ حق بغیر مطالبے کے نہیں ملا کرتا۔ فقط واللہ اعلم۔ عبدالحلیم قاسمی بستوی

فَإِنْ اَمْتَنَعَ مِنْهُ حَبْسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يَكْلَعَنَّ اَوْ يَكْذِبَ نَفْسَهُ، لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى اِيْقَانِهِ فَيُحْبَسُ بِهِ حَتَّى يَأْتِي بِمَا هُوَ عَلَيْهِ اَوْ يَكْذِبَ نَفْسَهُ لِيَرْتَفَعَ السَّبَبُ، وَ لَوْلَا عَنْ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ لِمَا تَكُونَا مِنَ النَّصِّ إِلَّا أَنَّهُ يَتَّخِذُ بِالزَّوْجِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُدَّعِي.

ترجمہ: لیکن اگر شوہر لعان کرنے سے انکار کر دے تو حاکم اسے قید کر دے یہاں تک کہ وہ لعان کر لے یا اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر دے، کیوں کہ یہ شوہر پر حق واجب ہے اور وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہذا اس کے بدلے میں اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ شوہر ماوجب علیہ کو اداء کر دے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے، تاکہ سبب ختم ہو جائے۔ اور اگر شوہر نے لعان کر لیا تو بیوی پر بھی لعان کرنا واجب ہے اس نص کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی، لیکن ابتداء شوہر سے کی جائے گی اس لیے کہ وہ مدعی ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿امتنع﴾ رک گیا۔ ﴿حبس﴾ قید کر دے۔ ﴿ایفاء﴾ ادا کرنا، پورا کرنا۔ ﴿یحبس﴾ قید کیا جائے گا۔

تہمت لگانے کے بعد لعان نہ کرنے والے خاوند کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ تہمت لگانے کے بعد اگر بیوی مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے، لیکن اگر شوہر لعان سے نکر

جائے اور انکار کر دے تو حاکم وقت اسے محبوس و مقید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعان کر لے یا اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر دے تاکہ آگے کی کاروائی کی جاسکے، اور انکار کرنے پر حاکم وقت اس لیے اسے محبوس کرے گا کہ قذف لگانے کی وجہ سے شوہر پر لعان کرنا ایک حق بن کر واجب ہو چکا ہے اور وہ اس حق کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہذا اب اس کی رہائی اور خلاصی کے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو وہ لعان کر دے یا اپنے کو جھوٹا بتا دے تاکہ لعان کا سبب یعنی زوجین میں سے ایک کا دوسرے کی تکذیب کرنا ختم ہو جائے اور شوہر پر حد قذف جاری کر دی جائے۔ اور اگر وہ لعان کر لیتا ہے تو پھر بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ بھی لعان کرے، اس لیے کہ ہماری تلاوت کردہ آیت نص میں بیوی کے لیے بھی لعان کرنے کا حکم مذکور ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **وَيَدْرُؤْا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ تَاَمُّ لِعَانَ كِي** ابتداء شوہر ہی سے کی جائے گی کیوں کہ اسی نے تہمت لگا کر لعان کا دروازہ کھولا ہے اور لعان شہادت کا نام ہے اور شوہر ہی اس کا مدعی ہے۔ (عنایہ)

**فَاِنْ اٰمَنَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتَّى تَلَاَعْنَ اَوْ تُصَدِّقَهُ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلَى اِيْقَانِهِ فَتُحْبَسُ فِيْهِ.**

**ترجمہ:** اور اگر بیوی انکار کر دے تو حاکم اسے قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کر لے یا شوہر کی تصدیق کر دے، اس لیے کہ لعان اس پر واجب شدہ حق ہے اور وہ اس کے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہذا اس حق میں بیوی کو قید کیا جائے گا۔

**لعان سے فرار اختیار کرنے والی بیوی کے لیے حکم:**

یہ ہے کہ اگر عورت لعان کرنے سے انکار کر دے تو شوہر کی طرح حاکم بیوی کو بھی قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کر دے یا اپنے شوہر کی تصدیق کر دے، کیوں کہ شوہر کے لعان کرنے کے بعد اس کی طرح بیوی پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اور چوں کہ وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے، اس لیے انکار کی صورت میں اسے بھی محبوس کیا جائے گا۔

**وَ اِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا اَوْ كَافِرًا اَوْ مَحْدُوْدًا فِي الْقَذْفِ فَقَذَفَ اَمْرًا۟هُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ، لِأَنَّهُ تَعَدَّرَ اللَّعَانُ لِمَعْنٰی مِنْ جِهَتِهِ فَيَصَارُ اِلَى الْمَوْجِبِ الْاَصْلِيِّ وَهُوَ الثَّابِتُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْاٰیٰةُ (سورة النور : ۴)، وَاللِّعَانُ خَلْفَ عَنْهُ.**

**ترجمہ:** اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا محدود فی القذف ہو اور اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگا دی تو اس پر حد واجب ہے، اس لیے کہ شوہر کی طرف سے ایک معنی کی وجہ سے لعان معذور ہو گیا ہے، لہذا موجب اصلی کی طرف عود کیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ** سے ثابت ہے اور لعان اس کا خلیفہ ہے۔

**اللَّغَاتُ:**

﴿قَذَفَ﴾ الزام لگایا، تہمت لگائی۔ ﴿یَرْمُوْنَ﴾ الزام لگاتے ہیں۔ ﴿مُحْصَنٰتٍ﴾ پاک دامن عورتیں۔ ﴿خَلْفَ﴾

خلیفہ، بدل۔

## شوہر کا اہل شہادت نہ ہونے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر غلام ہو یا میاں بیوی دونوں کافر ہوں یا شوہر محدود فی القذف ہو یعنی اس کو ایک مرتبہ تہمت کی حد لگ چکی ہو اور پھر اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگا دی تو اب حکم یہ ہے کہ اس شخص سے لعان نہیں کرایا جائے گا بلکہ اس پر حد واجب ہوگی، کیوں کہ کافر یا غلام یا محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے وہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہ گیا اور لعان کے لیے شوہر کا اہل شہادت میں سے ہونا ضروری ہے، اس لیے لعان کرنا اور کرانا چوں کہ معذور ہو گیا، لہذا قذف کے موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیوں کہ قذف کی یہی سزا ہے اور یہ سزا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ثابت ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتو بأربعة شهداء فاجلدوہم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لہم شهادة ابدًا الخ: اور چوں کہ لعان اس اصل یعنی حد قذف کا نائب اور خلیفہ ہے اس لیے خلیفہ پر عمل معذور ہونے کی صورت میں حکم اصل کی طرف عود کر آئے گا۔

وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مُحَدُّودَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَازِفُهَا بَأَنَّ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً أَوْ زَانِيَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ لِانْعِدَامِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَهُوَ عَدَمُ الْإِحْصَانِ فِي جَانِبِهَا وَامْتِنَاعُ اللَّعَانِ لِمَعْنَى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا إِذَا صَدَّقْتُهُ، وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ أَرْوَاجِهِمُ الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ، وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوكِ، وَلَوْ كَانَا مُحَدُّودَيْنِ فِي قَذْفٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر تو شہادت کا اہل ہو لیکن بیوی باندی ہو یا کافرہ ہو یا محدودہ فی القذف ہو یا ان عورتوں میں سے ہو جس کے تہمت لگانے والے پر حد نہ جاری کی جاتی ہو بایں طور کہ وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا زانیہ ہو تو اس کے شوہر پر نہ تو حد ہے اور نہ ہی لعان، اس لیے کہ شہادت کی اہلیت معدوم ہے اور وہ عورت کی جانب میں محصنہ نہ ہونا ہے اور لعان کی ممانعت ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو عورت کی طرف سے ہے لہذا حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ اس صورت میں (حد ساقط ہو جاتی ہے) جب بیوی شوہر کی تصدیق کر دے۔ اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مقدس اصل ہے کہ چار قسمیں ایسی ہیں جن میں میاں بیوی کے درمیان لعان نہیں ہے وہ یہودی اور نصرانی عورت جو کسی مسلمان کے تحت ہو اور باندی جو آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور آزاد عورت جو غلام کے نکاح میں ہو۔ اور اگر میاں بیوی دونوں محدود فی القذف ہوں تو شوہر پر حد جاری ہوگی۔

## اللغات:

﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿قاذف﴾ الزام لگانے والا۔ ﴿صبیۃ﴾ بچی۔ ﴿مجنونۃ﴾ پاگل عورت۔ ﴿احصان﴾ پاک دامن۔ ﴿صدقۃ﴾ اس کی تصدیق کردی۔

## تخریج:

## عورت کے اہل شہادت نہ ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر شہادت کی اہلیت رکھتا ہو لیکن اس کی بیوی شہادت کی اہل نہ ہو یا اس طور کہ وہ کسی کی باندی ہو یا کافر ہو یا کسی پر تہمت لگانے کی وجہ سے اس پر حد لگائی گئی ہو یا وہ بچی یا پاگل یا زانیہ ہو اور اس کے تہمت لگانے پر حد نہ جاری کی جاتی ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ تو حد جاری ہوگی اور نہ ہی لعان، لعان تو اس لیے نہیں جاری ہوگا کہ اس کی بیوی شہادت کے لائق نہیں ہے جب کہ جریان لعان کے لیے زوجین میں سے ہر ایک کا شہادت کے لائق ہونا ضروری ہے۔ اور حد اس لیے نہیں جاری ہوگی کہ وہ عورت محضہ اور پاک دامن نہیں ہے۔

وامتناع اللعان الخ: فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں چوں کہ عورت ہی شہادت کی اہل نہیں ہے اور پھر وہ محضہ بھی نہیں ہے اس لیے عدم لعان کا سبب خود اسی کی طرف سے متحقق ہوا ہے لہذا وہ شوہر کے ذمے نہ حد کو ساقط کر دے گا۔

والاصل الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ لعان کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اصل ہے کہ چار قسمیں اور چار جوڑے ایسے ہیں جن میں زوجین کے مابین لعان نہیں جاری ہوتا (۱) شوہر مسلمان ہو لیکن بیوی یہودیہ ہو (۲) شوہر مسلمان ہو لیکن بیوی نصرانیہ ہو (۳) شوہر آزاد ہو لیکن بیوی باندی ہو (۴) شوہر غلام ہو اور بیوی آزاد ہو۔ اس کے برخلاف اگر میاں بیوی دونوں محدود فی القذف ہوں اور شوہر بیوی پر تہمت لگائے تو شوہر پر حد قذف واجب ہوگی، کیوں کہ محدود فی القذف ہونے کی وجہ سے شوہر شہادت کا اہل نہیں ہے اور چوں کہ لعان کا آغاز شوہر کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے اس کے حق میں عدم اہلیت کو منع لعان کا سبب قرار دیں گے اور اگرچہ بیوی بھی محدود فی القذف ہے اور اس کے حق میں بھی شہادت معدوم ہے، اس حوالے سے وہ بھی منع لعان کا سبب ہے، مگر چوں کہ ابتداء شوہر کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے لعان کے واقع ہونے اور نہ ہونے میں سب سے پہلے شوہر کی اہلیت کو دیکھا جائے گا۔ (عنا یہ شرح عربی ہدایہ)

وَصَفَّةُ اللَّعَانِ أَنْ يَتَّيِدَى الْقَاضِيُ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُولُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنِّي لِمَنْ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتَهَا بِهِ مِنَ الزِّنَاءِ وَيَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَاهَا بِهِ مِنَ الزِّنَاءِ يُشِيرُ إِلَيْهَا فِي جَمِيعِ ذَلِكَ، ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ تَقُولُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنَّهُ لِمَنْ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ مِنَ الزِّنَاءِ وَتَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيَّ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ مِنَ الزِّنَاءِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصِّ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يَأْتِي بِلَفْظَةِ الْمَوَاجَهَةِ يَقُولُ فِيمَا رَمَيْتُكَ بِهِ مِنَ الزِّنَاءِ لِأَنَّهُ أَقْطَعُ لِلْإِحْتِمَالِ، وَجَهٌ مَا ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ أَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَايَةِ إِذَا انْصَمَّتْ إِلَيْهَا الْإِشَارَةُ انْقَطَعَ الْإِحْتِمَالُ.

ترجمہ: اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شوہر سے اس کا آغاز کرے چنانچہ شوہر چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یہ کہے میں اللہ کی

قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کا عیب لگایا ہے اس سلسلے میں میں سچا ہوں۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے اگر اس عورت پر زنا کی تہمت لگانے میں وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ہر دفعہ اس عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔ پھر عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یہ کہے میں ایک اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اگر اس میں وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ نص دلیل ہے جو ہم نے تلاوت کی۔ اور حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ شوہر لفظ خطاب کو استعمال کرے اور یوں کہے جو میں نے تجھ کو زنا کا عیب لگایا ہے، اس لیے کہ یہ کلی طور پر احتمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اور قدوری میں جو عبارت مذکور ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب لفظ غائب کے ساتھ اشارہ ملتا ہے تو احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

### اللَّعَاتُ:

﴿صفة﴾ طریقہ۔ ﴿ر میت﴾ میں نے جو الزام لگایا ہے۔ ﴿مواجهة﴾ خطاب کا صیغہ۔ ﴿انصمت﴾ ساتھ مل جائے۔

### لعان کا طریقہ:

اس عبارت میں لعان کی کیفیت اور اس کی صورت کو بیان کیا ہے، لیکن اسے سمجھنے سے پہلے یہ یاد رکھیے کہ جب شوہر نے بیوی پر تہمت لگائی اور اس نے لعان کا مطالبہ کیا تو سب سے پہلے قاضی اس عورت سے معافی تلافی کی بات کرے، لیکن اگر بیوی اس پر آمادہ نہ ہو اور شوہر قذف اور تہمت کا انکار کر دے تو قاضی بیوی سے دو عادل گواہ طلب کرے۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے یا شوہر خود ہی قذف کا اقرار کر لے تو شوہر سے بینہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر شوہر کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر لعان واجب ہوگا۔ (مختصر البدایہ، ۳/۵۷۳)

اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی سب سے پہلے شوہر کو سامنے لائے اور اسی سے لعان کا آغاز کرے چنانچہ شوہر بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کل پانچ مرتبہ شہادت دے جن میں سے چار مرتبہ ان الفاظ کے ساتھ دے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت پر زنا کا عیب لگایا ہے اس سلسلے میں، میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس عیب میں میں جھوٹا نکلوں یا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہے۔

اس کے بعد عورت بھی پانچ مرتبہ شہادت دے اور شروع کے چار دفعات میں یوں کہے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر زنا کا عیب لگایا ہے اس میں وہ جھوٹا ہے، اور پانچویں دفعہ میں کہے کہ اگر وہ اس عیب میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے، یہ لعان کی کیفیت اور اس کے طریقے کا بیان ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”والذین یرمون أزواجہم ولم یکن شہداء إلا انفسہم فشہادۃ أحدہم الخ“۔

وروی الحسن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حسن بن زیادؒ نے امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ شوہر اپنی شہادت میں غائب کے بجائے مخاطب کا صیغہ استعمال کرے اور فیما رہا ما بہ من الزنا کی جگہ یوں کہے کہ فیما رمیتک بہ من الزنا، کیوں کہ رہا میں باغائب کی ضمیر ہے اور غائب میں غیر کا احتمال رہتا ہے جب کہ حاضر اور مخاطب میں یہ احتمال کلی طور پر منقطع رہتا ہے۔

مگر آگے فرماتے ہیں کہ کتاب میں جو غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے وہ بھی احتمال غیر کو کلی طور پر ختم کر رہا ہے، اس لیے کہ

اس غائب کے ساتھ اشارہ بھی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اشارہ تو ہر طرح کے احتمال کے لیے قاطع ہے۔

قَالَ وَ إِذَا التَّعَنَّا لَا تَقَعُ الْفُرْقَةُ حَتَّى يَفْرَقَ الْقَاضِيُ بَيْنَهُمَا، وَ قَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَقَعُ بِتَلَاُعِنِهِمَا لِأَنَّهُ تَغَبَّتِ الْحُرْمَةُ الْمُؤَبَّدَةُ بِالْحَدِيثِ، وَ لَنَا أَنْ تُبَوَّتِ الْحُرْمَةُ يَقَوَّتِ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوفِ فَيُلْزِمُهُ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيُ مَنَابَهُ دَفْعًا لِلظُّلْمِ، دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ ذَلِكَ الْمَلَا عَنِ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَهِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا، قَالَهُ بَعْدَ اللَّعَانِ، وَ تَكُونُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيِ انْتَسَبَ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْعَيْنِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جب میاں بیوی نے لعان کر لیا تو فرقت نہیں واقع ہوگی یہاں تک کہ ان دونوں میں قاضی تفریق کر دے، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کے لعان کرنے سے ہی جدائی واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ از روئے حدیث لعان سے حرمت موبدہ ثابت ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثبوت امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے لہذا شوہر پر تسریح بالا احسان لازم ہوگا لیکن جب شوہر اس سے رک گیا تو دفع ظلم کے پیش نظر قاضی اس کے قائم مقام ہو گیا۔ اور اس پر لعان کرنے والے صحابی کا قول دلیل ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے پاس کہا تھا اے اللہ کے رسول میں نے اس عورت پر جھوٹ باندھا اگر میں اسے روکوں تو وہ تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے، انہوں نے یہ جملہ لعان کے بعد کہا ہے۔ اور یہ فرقت حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کے یہاں طلاق بائن ہوگی، اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا جیسے عین میں ہے۔

## اللَّعَاتُ:

﴿التعنا﴾ دونوں لعان کر چکے۔ ﴿فرقة﴾ علیحدگی، جدائی۔ ﴿تلاعن﴾ آپس میں لعان کرنا۔ ﴿مؤبدہ﴾ ابدی، ہمیشہ والی۔ ﴿يقوت﴾ فوت کرتا ہے۔ ﴿امساك﴾ روکے رکھنا، ٹھہرانا۔ ﴿تسريح﴾ چھوڑنا، جانے دینا۔ ﴿ناب﴾ نائب ہوگا۔ ﴿منابہ﴾ اس کی جگہ۔ ﴿عنین﴾ غیر قادر علی الجماع۔

## تخریج:

① اخرجه البخاری فی کتاب الطلاق باب اللعان و من طلق بعد اللعان: ۵۳۰۸.

## لعان کے بعد علیحدگی کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب زوجین نے لعان کر لیا تو ہمارے یہاں محض لعان سے فرقت نہیں واقع ہوگی بلکہ قاضی کی تفریق سے فرقت واقع ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر لعان کے بعد شوہر بیوی کو طلاق دے یا اس سے ظہار کرے تو طلاق بھی واقع ہوگی اور ظہار بھی واقع ہوگا۔ اس کے برخلاف امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محض لعان ہی سے فرقت واقع ہو جائے گی اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے المتلاعنان لا یجتمعان ابدا یعنی لعان کرنے والا جوڑا کبھی بھی یکجا نہیں ہو سکتا، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حدیث پاک میں مطلق لعان پر دائمی تفریق کا حکم لگایا گیا ہے اور اس میں قاضی وغیرہ کی کوئی قید یا شرط نہیں



ہے، اس لیے صرف لعان ہی سے فرقت ثابت ہوگی اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان کی وجہ سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور حرمت کا ثبوت امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے اور امساک بالمعروف کے فوت ہونے کی صورت میں شوہر پر تسریح بالاحسان یعنی اچھے طریقے پر بیوی کو رخصت کرنا واجب ہے، مگر جب وہ ایسا نہیں کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سے ظلم دور کرنے کے لیے قاضی اس کے شوہر کا قائم مقام ہو کر تسریح بالاحسان کا فریضہ انجام دے گا اور دونوں میں تفریق کرے گا اور اس کی تفریق کے بغیر فرقت نہیں واقع ہوگی۔

دل علیہ الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مسلک کی تائید حضرت عویمرحمہ اللہ نے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے آپ ﷺ کے دربار اقدس میں پیش کیا تھا۔ اس واقعے سے وجہ استدلال بایں طور ہے کہ اگر محض لعان سے فرقت واقع ہو جاتی تو اس کے بعد حضرت عویمرحمہ اللہ کو طلاق دینے کا حق نہ ہوتا اور نہ ہی آپ ﷺ ان کو روکنے کا حکم دیتے، بلکہ طلاق دینے پر انہی کی سرزنش کرتے کہ لعان کے بعد جب خود ہی فرقت واقع ہو چکی ہے تو اب تمہارے طلاق سے کیا ہوگا لیکن آپ ﷺ کا ان پر نکیر نہ فرمانا اس امر کی بین دلیل ہے محض لعان سے فرقت نہیں واقع ہوتی بلکہ اس کے بعد تفریق قاضی کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۳۷۶/۵)

وتكون الفرقة الخ: فرماتے ہیں کہ لعان کرنے اور قاضی کی تفریق کرنے سے، بعد جو فرقت ہوگی وہ حضرات طرفین کے یہاں طلاق بائن شمار ہوگی، اس لیے جب کہ تسریح الاحسان میں قاضی شوہر کا نائب ہے تو ظاہر ہے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب ہوگا اور چون کہ عورت سے ظلم دور کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود مینونت ہی سے حاصل ہوگا اس لیے مذکورہ فرقت طلاق بائن ہوگی جیسا کہ عین مرد اور اس کی بیوی میں اگر قاضی تفریق کر دے تو یہ تفریق بھی طلاق بائن ہی شمار ہوتی ہے۔

وَهُوَ خَاطِبٌ إِذْ كَذَّبَ نَفْسَهُ عَنْهُمَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ تَحْرِيمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا، نَصَّ عَلَى التَّائِيدِ، وَلَهُمَا أَنْ الْإِكْذَابَ رُجُوعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوعِ لَا حُكْمَ لَهَا، وَلَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَ مُتَلَاعِنَيْنِ وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَلَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْإِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ.

ترجمہ: اور شوہر جب اپنے آپ کو جھٹلا دے تو حضرات طرفین کے یہاں (اس عورت سے دوبارہ) نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعان دائمی حرمت ہے، اس لیے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”لعان کرنے والے زوجین کبھی بھی اکٹھا نہیں ہو سکتے“ آپ ﷺ نے حرمت کے دائمی ہونے کی صراحت فرمادی ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اپنے آپ کو جھٹلانا (اپنے قول سے) رجوع کرنا ہے اور رجوع کے بعد شہادت کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اور جب تک میاں بیوی لعان کرتے ہیں اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتے، لیکن جھٹلانے کے بعد نہ تو لعان باقی رہا اور نہ ہی اس کا حکم، اس لیے اب میاں بیوی جمع ہو سکتے ہیں۔

اللغات:

﴿مؤبد﴾ ابدی، ہمیشہ والی۔ ﴿إكذاب﴾ جھٹلانا۔

تخریج:

## لعان کے بعد دوبارہ شادی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لعان اور قاضی کی تفریق کے بعد شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو دوبارہ وہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرات طرفین کا مسلک یہ ہے کہ شوہر دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد وہ عورت ہمیشہ ہمیش کے لیے اس شخص پر حرام ہوگئی اور اب آئندہ وہ کبھی بھی اس سے نکاح نہیں کر سکتا، ان کی دلیل یہ حدیث ہے المتلاعنان لا یجتمعان ابدا یعنی لعان کرنے والا جوڑا دوبارہ کبھی بھی یکجا نہیں ہو سکتا اور اس حدیث سے وجہ استدلال اس طرح ہے کہ جب حدیث پاک میں ابدی اور دائمی حرمت کی صراحت اور وضاحت کر دی گئی ہے تو پھر بلا وجہ اس میں تاویل کرنا بیکار ہے۔

حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب لعان کرنے کے بعد شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو گویا کہ اس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اس کے اپنے قول سے رجوع کرنے کے بعد شہادت کا حکم باطل ہو گیا اور جب شہادت کا حکم باطل ہو گیا تو لعان بھی ختم ہو گیا اس لیے اب دوبارہ ان دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے۔

رہی وہ حدیث جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی متدل ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کا صحیح مطلب یہ ہے کہ لعان کرنے والے جب تک لعان کر رہے ہیں اور لعان پر باقی ہیں اس وقت تک ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا، لیکن لعان کے بعد تو وہ جمع ہو سکتے ہیں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور حدیث موقوف سے اتنا زبردست حکم نہیں ثابت ہوا کرتا کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک حلال عورت کو حرام کر دیا جائے۔

وَلَوْ كَانَ الْقَذْفُ بِنَفْيِ الْقَاضِي نَسَبَهُ وَ الْحَقُّهُ بِأَمِّهِ، وَ صُورَةُ اللَّعَانِ أَنْ يَأْمُرَ الْحَاكِمُ الرَّجُلَ، فَيَقُولُ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنِّي لِمِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُكَ بِهِ مِنْ نَفْيِ الْوَلَدِ، وَ كَذَا فِي جَانِبِ الْمَرْأَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر تہمت لگانا بچے کی نفی کرنے کے ذریعے ہو تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کر دے گا اور اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے گا۔ اور لعان کی صورت یہ ہوگی کہ حاکم اس شخص کو اس کا حکم دے چنانچہ وہ کہے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ لڑکے کی نفی کرنے کا جو میں نے تجھے عیب لگایا ہے میں اس میں سچا ہوں اور ایسے ہی عورت کی طرف بھی ہے۔

## اللغات:

﴿قذف﴾ تہمت۔ ﴿نفی﴾ نفی کر دے۔ ﴿رمیت﴾ میں نے الزام لگایا ہے۔

## نفی ولد کی تہمت کا لعان:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے بیوی پر لگائی جانے والی تہمت بچے کی نفی کی ہو اور شوہر نے اپنی ذات اور اپنے نطفے سے اس بچے کے نسب کا انکار کر دیا ہو تو پھر لعان کے بعد قاضی اس شخص سے بچے کے نسب کی نفی کر دے گا اور اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے گا۔ اور اس صورت میں لعان کا طریقہ یہ ہوگا کہ شوہر کہے میں نے بچے کی نفی کر کے جو تجھ پر زنا کا عیب لگایا ہے، اس

میں سچا ہوں۔ اور بیوی یوں کہے کہ میرے بچے کے نسب کی اپنے نطفے سے نفی کر کے جو تو نے مجھ پر عیب لگایا ہے اس میں تو جھوٹا ہے۔

وَلَوْ قَدْ فَهًا بِالزَّانَا وَ نَفِي الْوَلَدِ ذَكَرَ فِي اللَّعَانِ الْأَمْرَيْنِ ثُمَّ يَنْفِي الْقَاضِي نَسَبَ الْوَلَدِ وَيُلْحِقُهُ بِأَمِّهِ لِمَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَى وَلَدَ امْرَأَةٍ هَلَالِ ابْنِ أُمَيَّةَ عَنْ هَلَالٍ وَالْحَقُّ بِهَا، وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ هَذَا اللَّعَانِ نَفَى الْوَلَدِ فَيُوقَرُ عَلَيْهِ مَقْصُودُهُ فَيَتَصَمَّنُهُ الْقَضَاءُ بِالتَّفْرِيقِ، وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ الْقَاضِي يُفَرِّقُ وَيَقُولُ قَدْ أَلْزَمْتُهُ أَمَّهُ وَ أَخْرَجْتُهُ مِنْ نَسَبِ الْآبِ، لِأَنَّهُ يَنْفَكُ عَنْهُ فَلَا بَدَّ مِنْ ذِكْرِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی پر زنا اور نفی ولد دونوں کی تہمت لگائی تو لعان میں دونوں باتیں ذکر کی جائیں پھر قاضی (باپ سے) بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کی ہلال سے نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا تھا اور اس لیے کہ اس لعان کا مقصد بچے کی نفی کرنا ہے لہذا شوہر پر کما حقہ اس کا مقصد پورا کیا جائے گا، لہذا جدا کرنے کا فیصلہ اس کو شامل ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قاضی تفریق کرے اور یوں کہے کہ میں نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا اور اسے باپ کے نسب سے خارج کر دیا، اس لیے کہ بچے کی نفی تفریق سے جدا ہو جاتی ہے لہذا اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

### اللَّعَاتُ:

﴿قَدْ﴾ الزام لگایا۔ ﴿یُوقَرُ﴾ پورا کیا جائے گا۔ ﴿يَتَصَمَّنُ﴾ ضمناً شامل ہوگا۔ ﴿يُفَرِّقُ﴾ علیحدگی کرادے۔

﴿أَلْزَمْتُ﴾ میں نے لازم کر دیا۔ ﴿يَنْفَكُ﴾ جدا ہو جاتا ہے۔

### تَخْرِيجُ:

① اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب اللعان، حدیث: ۲۲۵۶.

### زنا اور نفی ولد کی وجہ سے کیا جانے والا لعان:

مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی بھی تہمت لگائی اور اس کے بچے کے نسب کی نفی بھی کر دی تو لعان کرتے وقت فیما بین میتک بہ من الزنا ونفی الولد کہہ کر دونوں باتوں کی وضاحت کرنا ضروری ہے اور جب وضاحت کے ساتھ لعان ہو جائے تو پھر قاضی اس شخص سے بچے کی نفی کر دے اور اسے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے، اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے بچے کی نفی کر دی تھی اور آپ ﷺ نے لعان کے بعد اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا تھا، لہذا جہاں بھی قاضی باپ کے نسب کی نفی کرے گا وہاں بچے کو ماں کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس لعان کا مقصد ہی یہی ہے کہ باپ کے نطفے سے بچے کی نفی ہو جائے اور چوں کہ زوجین کے مابین قاضی کے تفریق سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے تفریق قاضی والا فیصلہ نفی ولد کے لیے بھی کافی ہوگا، گویا کہ صاحب ہدایہ کی نگاہ میں امام قدوری رحمہ اللہ کی یہ عبارت ثم ینفی القاضی نسب الولد ویلحقہ بأُمِّہ زائد ہے اور یہاں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ تفریق قاضی کے ضمن

میں بچے کی نفی شامل اور داخل ہے۔ (عنایہ)

اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کے لیے تفریق کے بعد بھی بچے کے نسب کی باپ سے نفی کرنا اور بیویوں کہنا ضروری ہے کہ میں نے اسے اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا اور اس کے باپ کے نسب سے خارج کر دیا، کیوں کہ لعان کے ذریعے میاں بیوی کی تفریق بچے کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، اس لیے کہ بچے کی نفی تفریق باللعان سے جدا بھی ہو سکتی ہے چنانچہ اگر شوہر بیوی پر صرف زنا کی تہمت لگائے تو ظاہر ہے کہ لعان کی وجہ سے زوجین میں تو تفریق ہوگی مگر بچے کی نفی نہیں ہوگی اس لیے بچہ کی نفی کے لیے علیحدہ اس کی وضاحت ضروری ہے۔

فَإِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَكَذَبَ نَفْسَهُ حَدُّهُ الْقَاضِيُ لِإِقْرَارِهِ بِوُجُوبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ، وَحَلَّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، وَهَذَا عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ أَهْلُ اللَّعَانِ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ الْمُنَوِّطُ بِهِ وَهُوَ التَّحْرِيمُ، وَكَذَلِكَ إِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهِ لِمَا بَيَّنَّا، وَكَذَا إِذَا زَنَّتْ فَحُدَّتْ لِإِنْفَاءِ أَهْلِيَّةِ اللَّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا.

**ترجمہ:** پھر اگر شوہر نے (اپنے قول سے) رجوع کر لیا اور اپنے آپ کو جھٹلادیا تو قاضی اس پر حد جاری کرے اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر وجوب حد کا اقرار کیا ہے اور اس شخص کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اور یہ حکم حضرات طرفین کے یہاں ہے اس لیے کہ جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ لعان کا اہل نہیں رہ گیا لہذا جو حکم اس کے ساتھ متعلق تھا وہ بھی ختم ہو گیا اور وہ حکم تحریم ہے۔ اور ایسے ہی اگر مرد نے بیوی کے علاوہ دوسری عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اسے حد لگائی گئی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی طرح جب کسی عورت نے زنا کیا پھر اسے حد لگائی گئی اس لیے کہ عورت کی طرف سے لعان کی اہلیت منفی ہے۔

### اللغات:

﴿عاد﴾ لوٹ گیا، رجوع کر لیا۔ ﴿اکذب﴾ جھٹلایا۔ ﴿حد﴾ حد لگائے گا۔ ﴿منوط﴾ متعلق۔

### شوہر کے تہمت سے رجوع کر لینے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے آپ کو اس نے جھٹلادیا تو اب قاضی کا کام یہ ہے کہ اس پر حد جاری کرے اور اسے اسی کوڑے لگوائے، اس لیے کہ جب خود ہی اس نے قذف کا اقرار کیا ہے تو گویا وہی اپنے اوپر حد لازم کرنے والا ہو گیا اور انسان کے حق میں اس کا اپنا اقرار معتبر ہوتا ہے، اس لیے اس شخص کو حد لگائی جائے گی۔ اور حد کے بعد حضرات طرفین کے یہاں وہ میاں بیوی دوبارہ آپس میں نکاح کر سکتے ہیں، اس لیے کہ حد جاری ہونے کے بعد شوہر لعان کا اہل نہیں رہ گیا، کیوں کہ لعان نام ہے شہادت کا، اور محدودنی القذف ہونے کی وجہ سے یہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہ گیا، اس لیے اس حوالے سے وہ لعان کا بھی اہل نہیں رہا اور جب لعان اس کے حق میں معدوم ہو گیا تو لعان کی وجہ سے ثابت شدہ حکم یعنی تحریم بھی معدوم ہو جائے گی اور دوبارہ وہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کر سکتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ النِّحْيُ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس جرم میں

اسے حد لگائی گئی تو اس شخص کے لیے بھی مذکورہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، دلیل وہی ہے جو سابق میں گذر چکی۔  
وکذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے لعان کیا پھر عورت نے زنا کیا پھر اس پر حد جاری کی گئی تو اس کے بعد اس کے شوہر کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، کیوں کہ جریان حد کے بعد اس عورت کی جانب لعان کی اہلیت معدوم ہو چکی ہے اور لعان سے ثابت شدہ حکم یعنی تحریم ختم ہو چکی ہے فلا حرج فی التزوج۔

وَإِذَا قَذَفَ امْرَأَتُهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ أَوْ مَجْنُونَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا، لِأَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاضِيُهَا لَوْ كَانَ أَجْنَبِيًّا فَكَذَا لَا يُلَاعَنُ الزَّوْجُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا أَوْ مَجْنُونًا لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَقَذَفُ الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللَّعَانُ، لِأَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يَعْرَى عَنِ الشُّبْهَةِ وَالْحُدُودُ تَنْدَرِي بَهَا.

**ترجمہ:** اور جب مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی حالانکہ وہ چھوٹی ہے یا پاگل ہے تو ان کے مابین لعان نہیں ہوگا کیوں کہ اس صغیرہ پر تہمت لگانے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگر تہمت لگانے والا اجنبی ہو لہذا ایسے ہی شوہر سے لعان نہیں کرایا جائے گا۔ اس لیے کہ لعان حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اور ایسے ہی جب شوہر چھوٹا ہو یا مجنون ہو، اس لیے کہ شہادت کی اہلیت معدوم ہے۔ اور گونگے کے ساتھ لعان متعلق نہیں ہوگا، اس لیے کہ لعان صریح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جیسے حد قذف۔ اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ گونگے کی تہمت شبہ سے خالی نہیں ہے اور شبہات کی وجہ سے حد دو ختم ہو جایا کرتے ہیں۔

### اللغات:

﴿قذف﴾ تہمت لگائی۔ ﴿لا یحد﴾ اس کو حد نہیں لگائی جاتی۔ ﴿أخرس﴾ گونگا۔ ﴿لا یعری﴾ نہیں خالی ہوتی۔ ﴿تندری﴾ ختم ہو جاتی ہیں، زائل ہو جاتی ہیں۔

### تہمت کے بعد لعان واجب نہ ہونے کی صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی چھوٹی ہو یا پاگل ہو اور شوہر اس پر زنا کی تہمت لگا دے تو ان میں لعان نہیں ہوگا، کیوں کہ عورت کے صغیرہ یا مجنونہ ہونے کی وجہ سے اس میں شہادت کی اہلیت معدوم ہے اور اگر کوئی اجنبی کسی صغیرہ یا مجنونہ پر تہمت لگائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوتی اور چوں کہ شوہر کے حق میں لعان حد کے قائم مقام ہے اس لیے جب حد نہیں جاری ہوگی تو لعان بھی نہیں جاری ہوگا۔

اور ایسے ہی اگر عورت کے بجائے مرد صغیر یا مجنون ہو اور وہ تہمت لگائے تو بھی دونوں میں لعان نہیں ہوگا، کیوں کہ صغیر اور مجنون شہادت کے اہل نہیں ہیں اور چوں کہ لعان شہادت ہی سے عبارت ہے اس لیے لعان نہیں ہوگا۔

وللعان الآخرس الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر گونگے نے اپنی بیوی یا کسی دوسری عورت پر زنا کا عیب لگایا تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جس قذف صریح سے متعلق ہوتا ہے اسی طرح لعان بھی قذف صریح سے متعلق ہوتا ہے اور چوں کہ

گوئے کے اشارے میں حتمی طور پر کسی چیز کی وضاحت نہیں ہوتی، اس لیے اس سے لعان متعلق نہیں ہوگا۔ اور اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نکاح اور طلاق وغیرہ میں گوئے کا اشارہ معتبر ہے اسی طرح لعان میں بھی اس کا اشارہ معتبر ہوگا، مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ لعان حد کا نام ہے اور گوئے کے اشارے میں شبہ ہوتا ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

وَ إِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكَ مِنِّي فَلَا لِعَانَ، وَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ زُفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّهُ لَا تَيَقُّنَ لِقِيَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ قَاضِيًا، وَ قَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ اللَّعَانُ يَجِبُ بِنَفْيِ الْحَمْلِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنَى مَا ذَكَرَ فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّا تَيَقَّنَا بِقِيَامِ الْحَمْلِ عِنْدَهُ فَيَتَحَقَّقُ الْقَذْفُ، فَلَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ قَاضِيًا فِي الْحَالِ يَصِيرُ كَالْمُعْلَقِ بِالشَّرْطِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ إِنْ كَانَ بِكَ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِنِّي وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان نہیں ہوگا اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے، اس لیے کہ قیام حمل کا یقین نہیں ہے لہذا وہ شخص تہمت لگانے والا نہیں ہوگا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم میں بچہ جنتی ہے تو حمل کی نفی کرنے سے لعان واجب ہوگا اور مبسوط میں جو بیان کیا گیا ہے اس کے یہی معنی ہیں، کیوں کہ بوقت قذف ہمیں حمل کے موجود ہونے کا یقین ہو گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ جب فی الحال قذف نہیں ہوا تو وہ شرط پر معلق کیے جانے کی طرح ہو گیا تو یہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے کہا اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے جب کہ قذف کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

### اللَّعَاتُ:

﴿تَيَقُّنٌ﴾ یقین کا حصول ہونا۔ ﴿قَاضٍ﴾ تہمت لگانے والا۔

### حمل کی نفی کرنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے یہاں یہ قول لعان نہیں ہوگا جب کہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اس قول کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو یہ لعان شمار ہوگا اور مبسوط میں یہی حکم مذکور ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت شوہر نے لیس حملک منی کہا ہے اس وقت حمل کا ہونا متیقن نہیں تھا اس لیے اس وقت شوہر قاذف نہیں ہوا تو بعد میں کیسے اس پر قذف اور لعان کو لازم کیا جائے۔

حضرات صاحبین رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس قول کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہونے سے یہ یقین ہو جائے گا کہ جس وقت شوہر نے یہ کہا تھا اس وقت بیوی حاملہ تھی اور اس نے حمل کی نفی کر کے اس پر الزام اور قذف عائد کیا ہے، اس لیے اس پر لعان واجب ہوگا۔

قلنا الخ: صاحب رحمۃ اللہ ہدایہ امام اعظم رحمۃ اللہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شوہر کا قول لیس حملک منی ابتداء قذف نہیں ہوا تو یہ معلق بالشرط کی طرح ہو گیا اور ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے ان کان بک حمل فلیس منی کہہ ہو اور قذف کو شرط پر معلق کرنا درست نہیں ہے، اس لیے جب ابتداء ہی میں اس کلام کا قذف نہ ہونا متعین ہو گیا تو بعد میں یہ قذف نہیں ہوگا۔

فَإِنْ قَالَ لَهَا زَيْنَتْ وَ هَذَا الْحَبْلُ مِنَ الزَّوْنِ تَلَاعَنَّا لَوْ جُودَ الْقَذْفِ حَيْثُ ذَكَرَ الزَّوْنُ صَرِيحًا، وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَنْفِيهِ، لِأَنَّهُ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَى الْوَلَدَ عَنْ هَلَالٍ وَقَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا، وَلَنَا أَنَّ الْأَحْكَامَ لَا تَتَرْتَّبُ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ الْوِلَادَةِ لِمَمَّا لِنَمَكِّنِ الْإِحْتِمَالَ قَبْلَهُ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبْلِ بِطَرِيقِ الْوَحْيِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو وہ دونوں لعان کریں اس لیے کہ قذف موجود ہے، کیوں کہ شوہر نے صراحتاً زنا کو ذکر کیا ہے اور قاضی اس حمل کی نفی نہ کرے، امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ (قاضی حمل کی نفی کرے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت ہلال سے ان کے بچے کی نفی فرمائی تھی جب کہ ہلال نے اپنی بیوی کو بحالت حمل قذف لگائی تھی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولادت کے بعد ہی حمل پر احکام مرتب ہوتے ہیں، اس لیے کہ ولادت سے پہلے دوسرا احتمال بھی رہتا ہے۔ اور حدیث اس تاویل پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے بذریعہ وحی حمل موجود ہونے کو معلوم کر لیا تھا۔

## اللغات:

﴿زینت﴾ تو نے زنا کیا ہے۔ ﴿حبل﴾ حمل۔ ﴿تلاعنا﴾ دونوں لعان کریں گے۔

## تخریج:

① أخرجه البخاری فی کتاب الطلاق باب يلحق الولد بالملاعنة، حدیث: ۵۳۱۵ بمعناه.

## حمل کی نفی کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کے پیٹ میں موجود حمل کو بھی زنا کا حمل قرار دیا تو اب لعان ہوگا کیوں کہ شوہر کی جانب سے صریح لفظوں میں قذف لگنا پایا گیا، اس لیے لعان واجب ہوگا البتہ ہمارے یہاں قاضی لڑکے کی نفی نہیں کرے گا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نفی ولد کے بھی قائل ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت ہلال بن امیہ نے بحالت حمل اپنی بیوی پر قذف لگایا تھا تو آپ ﷺ نے ان کے بیٹے کی نفی فرمادی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی نفی کی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے سے متعلق جملہ احکام ولادت کے بعد متعلق ہوتے ہیں، کیوں کہ ولادت سے پہلے حمل کا یقین نہیں ہوتا اور غیر حمل کا شبہ رہتا ہے، اس لیے بلاوجہ بچے کی نفی نہیں کی جائے گی۔

والحدیث محمول الخ: رہا مسئلہ حضرت ہلال سے ان کے بچے کی نفی کا تو وہ اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان

کی اہلیہ کے حاملہ ہونے کا یقین ہو گیا تھا اس لیے اس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَةٍ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِي تَقْبَلُ التَّهْنِیَّةَ وَتَبْتَاعُ آلَةَ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَ لَاعَنَ بِهِ، وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَهُ لَاعَنَ وَ يَبْتُ النَّسَبُ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَصِحُّ نَفْيُهُ فِي مُدَّةِ النَّفَاسِ لِأَنَّ النَّفْيَ يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ قَصِيرَةٍ وَ لَا يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ طَوِيلَةٍ فَفَصَّلْنَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النَّفَاسِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الْوِلَادَةِ وَلَهُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ لِأَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّامِلِ وَ أَحْوَالَ النَّاسِ فِيهِ مُخْتَلِفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُولُهُ التَّهْنِیَّةِ أَوْ سُكُوتُهُ عِنْدَ التَّهْنِیَّةِ أَوْ ابْتِیَاعُهُ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ أَوْ مَضَى ذَلِكَ الْوَقْتُ وَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْيِ، وَ لَوْ كَانَ غَائِبًا وَ لَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْأَصْلَيْنِ.

**ترجمہ:** اور جب مرد نے ولادت کے بعد ہی اپنے بیوی کے بچے کی نفی کر دی یا اس حالت میں نفی کی جب مبارکبادی قبول کی جا رہی تھی یا پیدائش کی چیزیں خریدی جا رہی تھیں تو اس کی نفی کرنا صحیح ہے اور اس کی وجہ سے شوہر لعان کرے۔ اور اگر اس کے بعد نفی کی تو بھی شوہر لعان کرے گا اور نسب ثابت رہے گا۔ یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت نفاس میں نفی کرنا صحیح ہے اس لیے کہ نفی کرنا معمولی مدت میں صحیح ہوتا ہے اور لمبی مدت میں صحیح نہیں ہوتا، لہذا ہم نے ان دونوں کے درمیان مدت نفاس کو فاصلہ بنایا ہے، اس لیے کہ نفاس ولادت کا اثر ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مدت مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے کہ زمانہ غور و فکر کے لیے ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کی حالتیں مختلف رہتی ہیں، لہذا ہم نے اس چیز کا اعتبار کیا ہے جو عدم نفی پر دلالت کرے اور وہ اس کا مبارکباد قبول کرنا یا مبارکبادی کے وقت اس کا خاموش رہنا یا اس کا سامان ولادت خریدنا ہے، یا وقت اس حال میں گزر گیا کہ شوہر بچے کی نفی کرنے سے رکا رہا۔ اور اگر شوہر موجود نہ ہو اور اسے ولادت کا علم نہ ہو پھر وہ آیا تو اب وہ مدت معتبر ہوگی جسے ہم نے دونوں اصولوں پر بیان کیا ہے۔

## اللغات:

﴿عقوب﴾ فوراً بعد۔ ﴿تہنیہ﴾ مبارک باد۔ ﴿تبتاع﴾ خریدی جاتی ہیں۔ ﴿قصیرہ﴾ چھوٹی، لمبائی میں کم۔ ﴿زمانہ﴾ وقت۔ ﴿تامل﴾ سوچ و بچار۔ ﴿قدم﴾ آیا۔

## نفی ولد کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بچہ جتنے ہی اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی، یا پیدائش کے بعد مبارکبادی قبول کی جا رہی تھی اس وقت نفی کر دی یا جب ولادت کے سامان خریدے جا رہے تھے اس وقت میں نفی کی تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ان تین صورتوں میں نفی کرنا درست ہے اور اس نفی کی وجہ سے شوہر پر لعان واجب ہے۔ اور اگر ان امور کے بعد اس نے بچے کی نفی کی تو نفی درست نہیں ہوگی اور اس بچے کا نسب مذکورہ شخص سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر لعان



واجب ہوگا، کیوں کہ قذف پایا گیا۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ ان اوقات ثلاثہ میں نفی کرنے سے اور ان کے بعد جب تک بیوی نفاس میں رہے گی اس وقت تک نفی کرنے سے نفی متحقق ہوگی اور بچے کا نسب اس شخص سے منقطع ہو جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچے کی نفی کم اور معمولی مدت میں ہو سکتی ہے اور لمبی مدت میں نفی نہیں ہو سکتی اور چوں کہ نفاس کی مدت معمولی مدت ہے اور یہ ولادت کا اثر بھی ہے اس لیے ہم نے مدت نفاس کو مدت قصیرہ اور مدت طویلہ کے درمیان فاصل مان کر اس مدت تک کی نفی کو درست اور معتبر قرار دیا۔

ولنا الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مدت اور وقت کو مقرر کرنا اسی لیے ہوتا ہے تاکہ اس میں غور و فکر کیا جاسکے، لیکن انسان کی حالت اور اس کی ذہنی کیفیت ہر مدت اور ہر وقت میں چوں کہ یکساں نہیں رہتی اور ہر آن اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لہذا وقت اور مدت کی تعیین میں کوئی فائدہ نہیں ہے اسی لیے ہم نے ان چیزوں کا اعتبار کیا ہے جو عدم نفی پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اگر بچہ کی پیدائش پر شوہر مبارکبادی قبول کرتا ہے یا لوگ مبارکباد دیتے ہیں اور وہ خاموش رہتا ہے یا ولادت کے سامان خریدتا ہے یا ان چیزوں کے وقوع کا وقت گزر جاتا ہے اور شوہر خاموش رہتا ہے تو پھر یہی سمجھا جائے گا کہ وہ بچے کی ولادت پر خوش ہے اور اسے اپنا لڑکا اور اپنی محنت کا ثمرہ سمجھ رہا ہے۔ اب اگر وہ ان چیزوں کے بعد نفی کرتا ہے تو اس کی نفی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اگر ان چیزوں کے ظہور کے وقت نفی کرتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا موذ خراب ہے اور وہ اس ولادت سے ناخوش ہے اور اسے اپنا بچہ سمجھنے کے لیے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہے۔

ولو كان غانبا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بوقت ولادت شوہر نہیں تھا اور جہاں تھا وہاں اسے ولادت کا علم نہیں ہو سکا پھر گھر آیا تو گھر آنے کے بعد بچے کی نفی اور عدم نفی کے متعلق امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں ان کا اپنا اصول معتبر ہوگا اور حضرات صاحبین کے یہاں ان کے اپنے اصول معتبر ہوں گے۔

قَالَ وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ فَتَنَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِي يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا، لِأَنَّهُمَا تَوَآمَانِ خُلُقًا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ، وَحَدُّ الزَّوْجِ لِأَنَّهُ أَكْذَبَ نَفْسَهُ بِدَعْوَى الثَّانِي وَإِنْ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا، وَلَا عَنِّ لِأَنَّهُ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِي وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ، وَالْإِفْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِنَّهَا عَفِيفَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ وَفِي ذَلِكَ التَّلَاعُنَ كَذَا هَذَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب بیوی نے ایک ہی بطن سے دو بچوں کو جنا اور شوہر نے پہلے بچے کی نفی کر دی اور دوسرے بچے کا اقرار کر لیا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا، اس لیے کہ وہ دونوں جڑواں بچے ہیں جو ایک ہی پانی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور شوہر پر حد قذف لگائی جائے گی کیوں کہ دوسرے بچے کا دعویٰ کر کے اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے۔ اور اگر شوہر نے پہلے بچے کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کر دی تو بھی دونوں کا نسب ثابت ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور شوہر لعان کرے گا اس لیے کہ شوہر نے دوسرے کی نفی کر کے اس (بیوی) پر تہمت لگایا ہے اور اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اور بیوی کے عقیفہ ہونے کا اقرار قذف

سے مقدم ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے کہا کہ بیوی عقیفہ ہے پھر کہا وہ زانیہ ہے اور اس طرح کہنے میں باہمی لعان واجب ہوتا ہے، لہذا اس صورت میں بھی لعان واجب ہوگا۔

### اللغات:

﴿نوام﴾ جزواں بچہ۔ ﴿خِلْفًا﴾ پیدا کیے گئے ہیں۔ ﴿اکذب﴾ جھٹلایا۔ ﴿عفة﴾ پاک دامنی۔ ﴿تلاعن﴾ لعان کرنا۔  
**جزواں بچوں میں سے ایک کی نفی کرنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے ایک پیٹ سے دو بچوں کو جنم دیا یعنی دونوں بچوں کی پیدائش کے درمیان چھ ماہ سے کم مدت کا فاصلہ ہے، لیکن اس کے شوہر نے پہلے بچے کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی نفی معتبر نہیں ہوگی اور دونوں بچے اسی سے ثابت النسب ہوں گے، کیوں کہ یہ دونوں جزواں ہیں اور ایک ہی منی سے پیدا ہوئے ہیں لہذا دونوں شوہر کے ہوں گے اور ایک دوسرے کا اور دوسرا اس کا ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ اور ثبوت نسب کے ساتھ ساتھ شوہر پر حد قذف بھی لگائی جائے گی، کیوں کہ پہلے بچے کا انکار اور دوسرے کا اقرار کر کے اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے اور قذف کے بعد تکذیب کرنے سے حد جاری ہوتا ہے، اسی لیے اس پر حد جاری ہوگی۔

وإن اعترف الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں بچوں میں سے شوہر نے پہلے بچے کا اعتراف کیا اور دوسرے کی نفی کر دی تو اس صورت میں بھی اس کی نفی معتبر نہیں ہوگی اور دونوں بچے اسی سے ثابت النسب ہوں گے، کیوں کہ وہ دونوں جزواں ہیں اور ایک ہی منی اور پانی سے پیدا ہوئے ہیں لہذا اس میں دوسرے کے پانی کا احتمال معدوم ہے اور اس صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا، حد جاری نہیں ہوگی، کیوں کہ اس نے پہلے بچے کا اقرار کر لیا ہے اور دوسرے کی نفی ہے اور چون کہ اس نفی کے بعد اس نے اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اس لیے یہ صرف قذف ہوگا اور اس کی وجہ سے شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

والاقرار الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب صورت ثانیہ میں شوہر نے پہلے بچے کا اقرار اور دوسرے کا انکار کیا ہے تو انکار ثانی کے بعد بھی پہلے کے حق میں اقرار باقی ہے، لہذا اس اقرار کو ثانی کے انکار کے بعد سمجھا جائے اور جس طرح پہلی صورت میں انکار کے اقرار پر مقدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد جاری کی گئی تھی اسی طرح اس صورت میں بھی اس پر حد ہی جاری ہونی چاہیے اور اسے لعان سے بچانا چاہیے؟

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے پہلے بچے کے نسب کا اقرار کر لیا تو گویا اس نے عورت کی عفت اور پاکدامنی کا اقرار کیا ہے، لیکن دوسرے بچے کا انکار کر کے اس نے بیوی پر الزام تھوپ دیا اور یہاں عفت کا اقرار ہر اعتبار سے قذف پر مقدم ہے لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر نے بیوی سے کہا أنت عقیفہ یعنی تم بہت پاک صاف ہو لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد سب پر پانی پھیرتے ہوئے کہتا ہے کہ أنت زانیہ کہ تم سے زیادہ بدکار اور بدچلن میری نگاہ میں کوئی نہیں ہے۔ اور ایسا کہنے کی صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں بھی اس پر لعان ہی واجب ہوگا اور حد نہیں جاری کی جائے گی۔



## بَابُ الْعِنِّينِ وَغَيْرِهِ

یہ باب عنین و غیرہ کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ان لوگوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں جو صحیح سالم ہیں اور نکاح اور طلاق کے لائق ہیں اب یہاں سے ان لوگوں کے احکام بیان کیے جائیں گے جو نکاح کے قابل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سالم غیر سالم پر مقدم ہوتا ہے اس لیے صحیح لوگوں کے احکام کے بعد عنین کے احکام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ عنین اس شخص کو کہتے ہیں جو عورتوں سے ہم بستری کرنے پر قادر نہ ہو خواہ اس کا آلہ تناسل کھڑا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ صاحب بنایہ رحمہ اللہ نے قاضی خاں اور مرغینانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ العنین من لا یصل إلى النساء مع قیام الالہ یعنی جو شخص آلہ تناسل کے ہوتے ہوئے بھی عورت کے پاس جانے یعنی ان سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو، وہ عنین ہے، وفي الجواهر العنین من لا ینتشر ذکرہ یعنی جس کا آلہ منتشر نہ ہوتا ہو وہ عنین ہے، بنایہ ہی میں ہے کہ عنین کو اس لیے عنین کہتے ہیں کہ اس کا ذکر ڈھیلا رہتا ہے اور دائیں بائیں لٹکتا رہتا ہے۔ (بنایہ ۳۹۱/۵)

وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَنِینًا أَجَلَہُ الْحَاکِمُ سَنَةً فَإِنْ وَصَلَ إِلَیْهَا فِیْهَا وَإِلَّا فَرَّقَ بَیْنَهُمَا إِذَا طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذَلِكَ، هَكَذَا رَوَى عَنْ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَلِأَنَّ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَهَا فِی الْوُطْیِ وَ یَحْتَمِلُ أَنْ یَكُونَ الْإِمْتِنَاعُ لِعِلَّةٍ مُّعْتَرِضَةٍ، وَ یَحْتَمِلُ لَاقَةِ أَصْلَیَّةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ مُّعْرِفَةٍ لِذَلِكَ وَ قَدَّرْنَاهَا بِالسَّنَةِ لِاسْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُولِ الْأَرْبَعَةِ، فَإِذَا مَضَتْ الْمُدَّةُ وَ لَمْ یَصِلْ إِلَیْهَا تَبَيَّنَ أَنَّ الْعَجْزَ بِاقِیَةِ أَصْلَیَّةٍ فَفَاتَ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوفِ وَ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّسْرِیْحُ بِالْإِحْسَانِ، فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِیُ مَنَابَهُ فَفَرَّقَ بَیْنَهُمَا، وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا، لِأَنَّ التَّفْرِیقَ حَقُّهَا.

**ترجمہ:** اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے ایک سال کی مہلت دے، چنانچہ اگر (ایک سال کے درمیان) وہ عورت کے پاس گیا تو ٹھیک ہے ورنہ عورت کے تفریق کا مطالبہ کرنے پر حاکم ان دونوں میں تفریق کر دے گا، اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور اس لیے کہ وطی کے سلسلے میں عورت کا حق ثابت ہے اور ہو سکتا ہے کہ شوہر کا وطی سے رکنا کسی پیش آمد بیماری کی وجہ سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اصلی آفت کی وجہ سے ہو، لہذا ایک ایسی مدت ضروری ہے جو اس کی شناخت کرانے

والی ہو اور ہم نے ایک سال کے ذریعے اس مدت کی تعیین کی ہے کیوں کہ سال چاروں فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہذا جب مدت گذر گئی اور شوہر بیوی کے پاس نہیں پہنچا تو یہ واضح ہو گیا کہ عجز آفت اصلہ کی وجہ سے ہے چنانچہ اسماک بالمعروف فوت ہو گیا اور شوہر پر تسریح بالا حسان واجب ہو گیا لیکن جب شوہر اس سے رک گیا تو قاضی اس کے قائم مقام ہو کر ان دونوں میں تفریق کر دے گا۔ اور عورت کا (تفریق کو) طلب کرنا ضروری ہے، کیوں کہ تفریق اس کا حق ہے۔

## اللغات:

﴿عنین﴾ نامرد، غیر قادر علی الجماع۔ ﴿اجل﴾ مہلت دے، مدت مقرر کرے۔ ﴿امتناع﴾ رکنا۔ ﴿معترضۃ﴾ عارضی، پیش آمدہ۔ ﴿افۃ﴾ مصیبت۔ ﴿معرفة﴾ پہچان کرانے والی۔ ﴿قدردنا﴾ ہم نے مقرر کیا ہے۔ ﴿ناب﴾ نائب ہوگا۔

## عنین کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر نامرد اور عنین ہو اور اس کی بیوی قاضی کے دربار میں جا کر تفریق کا مطالبہ کرے تو سب سے پہلے قاضی اس کے شوہر کو علاج و معالجہ کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا اگر ایک سال کے دوران عجز اپنا علاج کرا کے جماع پر قادر ہو جاتا ہے اور بیوی سے وطی کر کے اس کو مطمئن کر دیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ایک سال کے بعد قاضی میاں بیوی میں تفریق کر دیگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عنین کو ایک سال کی مہلت کا حکم حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے چنانچہ صاحب بنایہ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ان حضرات کے اقوال کو نقل کیا ہے، عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ قال قضی عمر بن الخطاب فی العنین أن یؤجل سنة، وعن علی رضی اللہ عنہ یؤجل العنین سنة فإن وصل إليها و إلا فرق بينهما۔ وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال یؤجل العنین سنة فإن جامع و إلا فرق بينهما (بنایہ ۵/۳۹۲) ان تمام آثار روایات سے یہ واضح ہے کہ عنین کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

اور اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ وطی عورت کا ایک ثابت شدہ حق ہے لیکن جب شوہر وطی کرنے سے باز رہا تو یہ بھی احتمال ہے کہ اسے کوئی عارضی بیماری ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پیدائشی اور اصلی بیماری ہے اور اصلی اور عارضی کا پتا لگانے کے لیے ایک مدت درکار ہے، اس لیے ہم نے اس سلسلے میں ایک سال کی تعیین کی اور اس کی جانچ کے لیے ایک سال کی مدت متعین کی کیوں کہ سال سردی، گرمی، ربیع اور خریف کو ملا کر چار فصلوں اور موسموں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں اچھی طرح مرض کی پوزیشن اور کنڈیشن معلوم ہو جاتی ہے۔ اب اگر ایک سال کے بعد وہ آکر بیوی سے ملتا ہے اور اس کا جی بھر دیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ اس کا مرض اصلی اور پیدائشی ہے اور وہ شخص جماع پر قادر نہیں ہو سکتا اور جماع پر قادر نہ ہونے کی صورت میں وہ بیوی کے حق میں اسماک بالمعروف فوت کر چکا ہے، اس لیے اس پر تسریح بالا حسان واجب ہے، لیکن جب شوہر اس سے بھی باز رہا اور اس نے ایسا نہیں کیا تو پھر قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دے گا اور بیوی کو شوہر کے مظالم سے آزاد کر دے گا۔

وَبَلَدَ الْفُرْقَةَ تَطْلِيقًا بَائِنَةً، لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِي أُضِيفَ إِلَى فِعْلِ الزَّوْجِ فَكَأَنَّهُ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ فُسْخٌ، لَكِنَّ النِّكَاحَ لَا يَقْبَلُ الْفُسْخَ عِنْدَنَا، وَإِنَّمَا تَقَعُ بَائِنَةً لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا

لَا يَحْضِلُ إِلَّا بِهَا، لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكْ بَائِنَةٌ تَعُوذُ مُعْلَقَةً بِالْمُرَاجَعَةِ، وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا إِنْ كَانَ خَلَا بِهَا، فَإِنَّ خَلْوَةَ الْعَيْنِ صَحِيحَةٌ، وَيَجِبُ الْعِدَّةُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، هَذَا إِذَا أَقَرَّ الزَّوْجُ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا.

**ترجمہ:** اور یہ فرقت ایک طلاق بائن شمار ہوگی، اس لیے کہ قاضی کا فعل شوہر کے فعل کی طرف منسوب کیا جائے گا تو گویا کہ شوہر نے اسے بذات خود طلاق دی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ فسخ ہے، لیکن ہمارے یہاں نکاح فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ اور یہ فرقت اس لیے بائنہ ہوگی، کہ جو اس کا مقصود ہے یعنی بیوی سے ظلم دور کرنا وہ صرف فرقت بائنہ ہی سے حاصل ہوگا، اس لیے کہ اگر فرقت بائنہ نہیں ہوگی تو شوہر کی مراجعت کر لینے سے وہ پھر لنگی رہے گی۔ اور اگر شوہر نے اس عورت کے ساتھ خلوت کر لی تھی تو اسے پورا مہر ملے گا، اس لیے کہ عین کی خلوت صحیح ہے۔ اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ سب اس وقت ہے جب شوہر نے یہ اقرار کیا ہو کہ وہ بیوی تک نہیں پہنچ سکا ہے۔

### اللُّغَاتُ:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿فسخ﴾ توڑنا۔ ﴿خلا﴾ خلوت کی۔

### عنین کے باب میں قاضی کی تفریق کی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عنین اور اس کی بیوی کے درمیان واقع ہونے والی فرقت ہمارے یہاں طلاق بائن ہوگی کیوں کہ قاضی کا یہ فعل شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ خود شوہر نے اسے طلاق دی ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ اس فرقت کو فسخ قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فرقت بیوی کے مطالبہ تفریق کی وجہ سے ہوئی ہے اور ہر وہ فرقت جو بیوی کی طرف سے ہو وہ فسخ کہلاتی ہے، کیوں کہ بیوی طلاق کی اہل نہیں ہے، مگر ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح جب مکمل ہو جاتا ہے تو فسخ کو قبول نہیں کرتا اس لیے یہ فرقت فسخ نہیں ہوگی۔ اور یہ فرقت اگرچہ بیوی کے مطالبہ تفریق کے بعد آئی ہے مگر اس مطالبہ کا سبب اصلی شوہر ہی ہے اس لیے اصلاً یہ فرقت شوہر کی طرف سے آئی ہے لہذا طلاق بائن شمار ہوگی۔

و إنما تقع الخ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ فرقت کے طلاق بائن ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس فرقت سے مقصود یہ ہے کہ عورت کو شوہر کے مظالم سے نجات مل جائے اور یہ نجات صرف طلاق بائن سے ہی ممکن ہے، کیوں کہ اگر ہم اس کو طلاق رجعی مان لیں تو پھر شوہر مراجعت کر لے گا اور عورت لنگی رہے گی اور مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

ولها کمال مهرها الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عنین نے اس عورت کے ساتھ خلوت کر لی تو اس کی خلوت صحیح ہوگی اور اس ضوت کی وجہ سے عورت پر مہر واجب ہوگا اور عدت بھی واجب ہوگی، کیوں کہ اس کے رحم کے ماء زوج کے ساتھ مشغول ہونے کا وہم ہے اور عدت سے یہ وہم دور ہو سکتا ہے اس لیے عدت واجب ہوگی۔

هذا إذا أقر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب شوہر نے اس بات کا اقرار کیا ہو کہ میں بیوی کے پاس نہیں گیا ہوں لیکن اگر شوہر انکار کر دے تو کیا ہوگا؟ آگے دیکھئے:

وَلَوْ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي الْوُصُولِ إِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ، لِأَنَّهُ يُبَكِّرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفَرْقَةِ، وَالْأَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْجِبَلَةِ، ثُمَّ إِنْ حَلَفَ بَعْلٌ حَقَّقَهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُوَجِّلُ سَنَةً، وَإِنْ كَانَتْ بِكُرًا نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكُرٌ أَجَلَ سَنَةً لِيُظْهَرَ كَذِبُهُ، وَإِنْ قُلْنَ هِيَ تَبَيَّنَ يَحْلِفُ الزَّوْجُ، فَإِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُوَجِّلُ سَنَةً.

**ترجمہ:** اور اگر زوجین نے بیوی کے پاس شوہر کے پہنچنے میں اختلاف کیا تو اگر عورت شیبہ ہو تو شوہر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اس لیے کہ وہ حق فرقت کے استحقاق کا انکار کرتا ہے۔ اور پیدائشی خلقت میں آلہ کی سلامتی اصل ہے۔ پھر اگر شوہر نے قسم کھالی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے (قسم سے) انکار کر دیا تو ایک سال تک اسے مہلت دی جائے گی۔ اور اگر عورت باکرہ ہو تو عورتیں اس کا معائنہ کریں چنانچہ اگر وہ یہ کہہ دیں کہ عورت باکرہ ہے تو شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اس لیے کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ اور اگر عورتیں کہیں کہ یہ عورت شیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ چنانچہ اگر اس نے قسم کھالی تو عورت کا حق نہیں رہا۔ اور اگر اس نے انکار کر دیا تو اسے ایک سال تک مہلت دی جائے گی۔

### اللُّغَاتُ:

﴿ثَبَّ﴾ شادی شدہ۔ ﴿جِبَلَةٌ﴾ فطرت۔ ﴿نَكَلَ﴾ قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ ﴿يُوَجِّلُ﴾ مہلت دی جائے گی۔

### شوہر کے اپنے عین ہونے کا انکار کرنے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے عورت کے پاس جانے اور وطی کرنے کا دعویٰ کیا لیکن بیوی نے انکار کر دیا اور بیوی شیبہ ہے تو قسم کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ شوہر حق فرقت کے عدم ثبوت اور وطی کے ثبوت کا مدعی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا آلہ صحیح سالم ہے اور یہی اصل بھی ہے کہ پیدائشی طور پر آلہ سلامت رہے، لیکن عورت اس سلامتی کی منکر ہے، لہذا اس حوالے سے اس کا قول ظاہر کے خلاف ہے اور شوہر کا قول ظاہر حال کے مطابق ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جس کا قول ظاہر کے موافق ہوتا ہے وہ یقین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں الأصل أن من ساعده الظاهر فالقول قوله مع يمينه، اس لیے صورت مسئلہ میں یقین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

ثم إن حلف الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر قسم کھا لیتا ہے تو بیوی کا حق باطل ہو جائے گا لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو پھر اسے علاج و معالجہ کے لیے ایک سال تک کی مہلت دی جائے گی۔ یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب عورت شیبہ ہو لیکن اگر عورت باکرہ ہو تو پھر اس کا معاملہ چند عورتوں کے سپرد کیا جائے گا جو اس کی بکورت اور ثبوت کا معائنہ کریں گی، چنانچہ اگر وہ عورتیں اس کے باکرہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں تو اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ شوہر کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا۔ اور اگر وہ عورتیں اس کے شیبہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں تو شوہر سے قسم لی جائے گی، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بکارت وطی کے علاوہ وودنے اور منکنے سے زائل ہوئی ہو، لہذا اگر شوہر قسم کھا کر وطی کرنے کی بات کہہ دے گا تو پھر یہ پہلو موکد ہو جائے گا اور عورت کا

حق ختم ہو جائے گا البتہ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو عورت کے دعوے کو ایک قسم کی تقویت ملے گی اور شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، تاکہ وہ علاج و معالجہ کے ذریعے اپنے آپ کو ٹھیک ٹھاک کر لے۔

صاحب بنایہ و عنایہ نے لکھا ہے کہ عورت کی بکورت اور ثیوبت دریافت کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) عورت کی شرمگاہ میں مرغی کا سب سے چھوٹا انڈا داخل کیا جائے، اگر وہ انڈا آسانی سے اس کی شرمگاہ میں چلا جائے تو اسے ثیبہ سمجھا جائے گا لیکن اگر وہ آسانی سے نہ جائے تو پھر اسے باکرہ سمجھیں گے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس عورت کے لیے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہو تو باکرہ ہے ورنہ ثیبہ ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ انڈا توڑ کر شرمگاہ میں ڈالا جائے۔ اگر اندر چلا جائے تو وہ عورت ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے۔ (بنایہ ۳۹۵/۵)

وَإِنْ كَانَ مَجْبُوبًا فُرُقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ إِنْ طَلَبَتْ، لِأَنَّهُ لَا فَايْدَةَ فِي التَّاجِيلِ، وَالْخِصْيَ يُوجَلُ كَمَا يُوجَلُ الْعَيْنُ، لِأَنَّ وَطْئَهُ مَرْجُوٌّ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو عورت کے طلب پر دونوں میں فوراً تفریق کر دی جائے گی، کیوں کہ اسے مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور جس طرح عینین کو مہلت دی جاتی ہے اسی طرح خصی کو بھی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ اس سے وطی کرنے کی توقع ہے۔

**اللغات:**

﴿محبوب﴾ مقطوع الذکر۔ ﴿فرق﴾ علیحدگی کرائی جائے گی۔ ﴿تاجیل﴾ مہلت دینا۔ ﴿خصی﴾ وہ مرد جس کے خصیتین نکال لیے گئے ہوں۔

**محبوب اور خصی کے احکام:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مقطوع الذکر ہو اور اس کے آلہ تناسل کو کاٹ دیا گیا ہو تو جس وقت اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے گی، اسی وقت قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے گا اور اس کے شوہر کو مہلت نہیں دے گا، کیوں کہ مہلت علاج کے لیے دی جاتی ہے اور جب اس کا آلہ ہی ختم ہے تو پھر مہلت دینا بیکار ہے، اس لیے بلا تاخیر و تاویل ان میں تفریق کر دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص خصی ہو اور اس کے نوٹے نکال لیے گئے ہوں تو جیسے عینین کو ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے اسی طرح اسے بھی سال بھر کی مہلت دی جائے گی، کیوں کہ خصی مرد سے وطی کی توقع رہتی ہے اور معجون وغیرہ کھا کر وہ بھی وطی پر قادر ہو سکتا ہے۔

وَإِذَا أَجَلَ الْعَيْنِ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَانْكُرْتُ، نَظَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بَكْرٌ خَيْرَتْ، لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ تَأَيَّدَتْ بِمُؤَيِّدِ هِيَ الْبَكَارَةُ، وَإِنْ قُلْنَ هِيَ نَيْبٌ، حَلَفَ الزَّوْجُ، فَإِنْ نَكَلَ خَيْرَتْ لِتَأْيِيدِهَا بِالنُّكُولِ وَإِنْ حَلَفَ لَا بُخَيْرَ.

**ترجمہ:** اور جب عینین کو ایک سال کی مہلت دی گئی پھر اس نے کہا کہ میں نے اس سے جماع کر لیا ہے اور بیوی نے انکار کر دیا تو

عورتیں اسے دیکھیں، چنانچہ اگر وہ کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو اسے اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ عورتوں کی شہادت مؤید یعنی بیوی کے باکرہ ہونے سے قوی ہوگئی۔ اور اگر عورتوں نے کہا کہ وہ ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو عورت کو اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ انکار زوج سے اسے تائید مل گئی۔ اور اگر شوہر نے قسم کھالیا تو اختیار نہیں دیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿اجل﴾ مہلت دی گئی۔ ﴿جامعت﴾ میں نے جماع کیا ہے۔ ﴿تائدت﴾ تائید یافتہ ہے۔ ﴿بکارة﴾ کنوارا پن۔

**مہلت کے بعد عین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے اور بیوی انکار کرتی ہو:**

مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی نے عین کو ایک سال کی مہلت دیدی تو ایک سال کے اندر اندر عین نے قاضی صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ حضرت والا میں نے اپنا کام کر دیا ہے اور اس عورت سے جماع کر لیا ہے، قاضی اس عورت کی انکوائری کے لیے چند خواتین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے جو مذکورہ عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے کی جانچ کریں، چنانچہ اگر وہ عورتیں اس عورت کو باکرہ قرار دیں تو پھر اسے تفریق اور عدم تفریق کا اختیار ہوگا اور جو وہ چاہے گی اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، کیوں کہ عورتوں کی شہادت اس کے باکرہ ہونے سے مزید مؤکد ہوگئی اس لیے وہ سچی شمار کی جائے گی اور شوہر کو جھوٹا تسلیم کیا جائے گا اور عورت کی منشاء کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

لیکن اگر ان عورتوں نے مذکورہ عورت کو ثیبہ قرار دیا تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو پھر عورت کو اختیار دیا جائے گا، کیوں کہ قسم سے انکار کی وجہ سے عورت کے دعویٰ کو تائید اور تقویت حاصل ہوگئی۔ اس لیے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور اگر شوہر قسم کھالیتا ہے تو اس عورت کا حق باطل ہو جائے گا اور فیصلہ شوہر کے ہاتھ میں ہوگا، کیوں کہ جانچ کنندہ عورتوں کی شہادت اور اس کی قسم کے ہم آہنگ ہونے سے اس کا دعویٰ مضبوط ہو گیا۔

وَإِنْ كَانَ نِكَاحُ فِي الْأَصْلِ فَاَلْقُولُ قَوْلَهُ مَعَ يَمِينِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ، فَإِنْ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذَلِكَ خِيَارٌ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِطُلَانِ حَقِّهَا، وَفِي التَّاجِيلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ، وَيُحْتَسَبُ بِأَيَّامِ الْخَيْضِ وَبِشَهْرِ رَمَضَانَ لَوْ جُودَ ذَلِكَ فِي السَّنَةِ، وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَمَرَضِهَا، لِأَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخَلُّوْا عَنْهُ.

**ترجمہ:** اور اگر عورت پیدائشی ثیبہ ہو تو یمین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس کے بعد اسے اختیار نہیں ملے گا کیوں کہ وہ اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہوگئی ہے۔ اور مہلت دینے میں قمری سال کا اعتبار ہوگا، یہی صحیح ہے، اور ایام حیض اور ماہ رمضان کو بھی شمار کیا جائے گا، اس لیے کہ سال میں یہ پائے جاتے ہیں۔ اور میاں بیوی کی بیماری کے ایام شمار نہیں کیے جائیں گے، کیوں کہ سال کبھی کبھی بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

### اللغات:

﴿بطلان﴾ باطل ہو جانا۔ ﴿تاجیل﴾ مدت مقرر کرنا۔ ﴿یحتسب﴾ حساب کیا جائے گا۔ ﴿قد تخلو﴾ کبھی خالی بھی ہوتا ہے۔



## مہلت کے بعد عین دعویٰ کرے کہ وہ جماع کر چکا ہے اور بیوی انکار کرتی ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت پہلے سے ہی شبہ ہو اور جماع کے متعلق زوجین کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عین کے ساتھ شوہر کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ شوہر ثبوتِ فرقت کا منکر ہے اور بیوی مدعیہ ہے اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کی صورت میں عین کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوگا صاحب ہدایہ نے وقد ذکرناہ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اگر شوہر کے قسم سے انکار کی وجہ سے عورت کو اختیار دیا گیا اور اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اب آئندہ کے لیے اس کا حق خیار ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے ایک مرتبہ شوہر کو اختیار کر کے اپنا حق باطل کر دیا ہے اور وہ اس کے بطلان پر راضی بھی ہوگئی ہے، تو کیا کرے گا قاضی۔

وفي التأجيل الخ: فرماتے ہیں کہ شوہر کو جو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اس میں قمری سال کا اعتبار ہوگا اور یہی صحیح ہے، صحیح کہہ کر حسن بن زیاد کے حوالے سے امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی اس روایت سے احتراز کیا گیا ہے جس میں وہ سال شمسی کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ سال قمری کا اعتبار ہوگا اور سال میں عورت کے ایام حیض اور ایام رمضان وغیرہ سب کا شمار ہوگا، کیوں کہ یہ سب سال کے تحت داخل اور شامل ہیں۔ ہاں میاں بیوی کے بیماری والے ایام سال کی تعداد میں معتبر نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ سال میں ایام مرض کا وجود ضروری نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی سال مرض اور بیماری سے پاک اور صاف ہوتا ہے، اس لیے ایام مرض کا شمار اور اعتبار نہیں ہوگا۔

## فائدہ:

قمری سال میں کل ۳۵۴ دن ہوتے ہیں جب کہ شمسی سال میں ۳۶۵ دن اور ایک دن کا بیسواں ایک سو حصہ بقول صاحب عنایہ، اور ایک دن کا چوتھائی حصہ اور ایک دن کا ایک سو بیسواں حصہ بقول صاحب بنایہ ہوتا ہے۔ (۳۹۷/۵)

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِلزَّوْجِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ، يُرَدُّ بِالْعُيُوبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ الْجَذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُونُ وَالرَّقْتُ وَالْقُرْنُ، لِأَنَّهَا تَمْنَعُ الْإِسْتِيفَاءَ حَسًّا وَطَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ، قَالَ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ فِرًّا مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ، وَلَنَا أَنَّ قَوْتَ الْإِسْتِيفَاءِ أَصْلًا بِالْمَوْتِ لَا يُوجِبُ الْقُسْخَ فَاخْتِلَالُهُ بِهَذِهِ الْعُيُوبِ أَوْلَى وَهَذَا لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ مِنَ الْقَمَرَاتِ، وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو شوہر کو (فسخ نکاح کا) اختیار نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ عیوب سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے جذام سے، برص سے، جنون سے، رقت سے اور قرن سے، اس لیے کہ یہ امراض حساً اور طبعاً دونوں طرح مقصود حاصل کرنے سے مانع ہیں۔ اور طبع کو شرع سے تائید حاصل ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”جذامی شخص سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو“ ہماری دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے کلی طور پر استیفاء کا فوت ہونا موجب فسخ نہیں ہے، تو ان عیوب کی وجہ سے استیفاء کا مختل ہونا بدرجہ اولیٰ موجب فسخ نہیں ہوگا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ فائدہ حاصل کرنا ثمراتِ نکاح میں سے ہے اور شوہر کا استحقاق قابو پانے میں ہے اور وہ حاصل ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿جذام﴾ کوڑھ۔ ﴿برص﴾ چتکبراپن۔ ﴿جنون﴾ پاگل پن۔ ﴿رتق﴾ فرج داخل کا سوراخ نہ ہونا۔ ﴿قرن﴾ کسی ہڈی وغیرہ کے بڑھنے کی وجہ سے فرج میں ذکر داخل کرنے کی جگہ نہ ہونا۔ ﴿استیفاء﴾ وصولی حاصل کرنا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت حاصل کرنا۔  
تخریج:

① اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ باب من کان یتقی المجذوم، حدیث: ۲۴۵۴۳۔

## عورت کے عیوب کی وجہ سے عدم فسخ کا بیان:

دورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت میں کوئی عیب ہو اور وہ اتنا خطرناک ہو کہ جماع سے مانع ہو تو بھی ہمارے یہاں اس عیب کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ پانچ عیوب ایسے ہیں جن میں سے اگر کوئی عیب عورت کو پیش آجائے تو اس عیب کی وجہ سے اس کے شوہر کو فسخ نکاح کا حق ملے گا وہ پانچ عیوب ہیں (۱) جذام کوڑھ کی بیماری (۲) برص جلد کے سفید ہونے کی بیماری (۳) جنون یعنی پاگل پن (۴) رتق یعنی عورت کی شرمگاہ کے حصے میں پیشاب کے راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہ ہو اور جماع ممکن نہ ہو (۵) قرن وہ بیماری کہلاتی ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں ہڈی وغیرہ بڑھی ہو اور راستہ اتنا تنگ ہو کہ مرد اس میں اپنا ذکر داخل نہ کر سکتا ہو۔ (بنایہ ۳۹۸/۵) یہ پانچ عیوب ہیں اور ان میں سے ہر عیب مانع جماع ہے کیوں کہ یا تو طبعاً یہ مانع جماع ہیں یا حاشا چنانچہ آخر کے دونوں یعنی رتق اور قرن حشاً مانع جماع ہیں اور محنت و مشقت کے بعد بھی ان کے ہوتے ہوئے کام یابی نہیں مل سکتی اور پہلے تینوں امراض طبعاً مانع جماع ہیں، کیوں کہ ان میں سے کسی بھی عیب کے ہوتے ہوئے جماع کرنا تو درکنار طبیعت سلیمہ جماع کے متعلق سوچنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ اور یہ انکار اتنا قوی اور زوردار ہوتا ہے کہ خود صاحب شریعت حضرت محمد ﷺ نے اس کی تائید فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے **فِرٌّ مِنَ الْمَجْذُومِ فِرَاذٌ مِنَ الْأَسَدِ** یعنی شیر کو دیکھ کر جس طرح تیزی سے بھاگتے ہو، اسی طرح کوڑھ کے مرض میں مبتلا انسان کو دیکھ کر بھاگا کرو۔ معلوم ہوا کہ ان امراض سے جماع کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے یہ فسخ نکاح کے حق میں مؤثر ہوں گے اور ان میں سے کسی بھی عیب کے پیش آنے کی صورت میں نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ عیب کتنا بھی قوی اور خطرناک ہو لیکن موت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ اور موت کی وجہ سے وطی کا فوت ہونا نکاح کے فسخ کا موجب نہیں ہے تو ان عیوب کی وجہ سے فوات وطی کی صورت میں کیوں کر نکاح فسخ ہوگا جب کہ ان کی وجہ سے مکاحقہ وطی فوت نہیں ہوتی بلکہ اس میں خلل واقع ہوتا ہے، لہذا جب بالکل فوت ہونا موجب فسخ نہیں ہے تو محتمل ہونا تو بدرجہ اولیٰ موجب فسخ نہیں ہوگا۔

وهذا الخ: فرماتے ہیں کہ ان عیوب کی وجہ سے اس لیے بھی نکاح فسخ نہیں ہو سکتا کیوں کہ وطی نکاح کا شرہ ہے اور شوہر کا حق شرہ میں نہیں ہے بلکہ وطی پر قابو پانے میں ہے اور وطی پر قابو پانا ان عیوب کے ہوتے ہوئے بھی ممکن ہے اور علاج و معالجہ کے ذریعے انہیں بھگایا اور دور کیا جاسکتا ہے۔

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جُذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَ

قَالَ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْحَبِّ وَالْعَنَةِ، بِخِلَافِ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلَاقِ. وَلَهُمَا أَنْ الْأَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ وَإِنَّمَا يَنْبَغُ فِي الْحَبِّ وَالْعَنَةِ، لِأَنَّهُمَا يُخْلَانِ بِالْمَقْصُودِ الْمَشْرُوعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَهَذِهِ الْعُيُوبُ غَيْرُ مُحِلَّةٍ بِهِ فَافْتَرَقَا. وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر کو جنون یا برص یا کوڑھ ہو تو حضرات شیخینؒ کے یہاں بیوی کو اختیار نہیں ملے گا، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے اسے اختیار ملے گا جیسا کہ محبوب اور عنین میں ہے۔ برخلاف جانب زوج کے، اس لیے کہ شوہر طلاق کے ذریعے دفع ضرر پر قادر ہے۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو اختیار کا نہ ہونا ہے کیوں کہ اس میں شوہر کے حق کو باطل کرنا ہے لیکن محبوب اور عنین میں اس لیے اختیار ثابت ہوتا ہے کیوں کہ یہ دونوں اس مقصود میں مغل ہیں جس کے لیے نکاح مشروع کیا گیا ہے۔ اور یہ عیوب اس مقصود میں مغل نہیں ہیں، لہذا دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### جب وعنه کے علاوہ شوہر میں کسی دوسرے عیب کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر پاگل ہو یا برص یا جذام کی بیماری میں مبتلا ہو تو حضرات شیخینؒ کے یہاں اس عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں دیا جائے گا، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ اسے فسخ نکاح کا اختیار دینے کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل مقطوع الذکر اور عنین شخص کی بیوی پر قیاس ہے، یعنی جس طرح مقطوع الذکر اور عنین مرد کی بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے اسے فسخ کا اختیار دیا جاتا ہے اسی طرح مجزوم اور مجنون کی بیوی کو بھی فسخ نکاح کا اختیار ملنا چاہیے، کیوں کہ شوہر کے ان عیوب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہے اور اس ضرر کو دور کرنا ضروری ہے اور دفع ضرر کے لیے خیار کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اس لیے خیار دیا جائے گا۔ اس کے بالمقابل اگر بیوی میں یہ عیوب پیدا ہو جائیں تو اسے فسخ نکاح کا اختیار نہیں ملے گا کیوں کہ شریعت نے اسے طلاق کا مالک بنایا ہے اور طلاق میں بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے، اس لیے شوہر طلاق کے ذریعے اپنے ضرر کو دور کر سکتا ہے لہذا اسے اختیار نہیں دیا جائے گا۔

ولہما الخ: حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل بات تو یہی ہے کہ عورت کو خیار نہ دیا جائے، کیوں کہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دینے میں شوہر کے حق کا ابطال ہے اور ایک کو جلا کر دوسرے کو مارنا کوئی دانش مندی نہیں ہے، لیکن مقطوع الذکر اور عنین کی بیوی کو اس لیے اختیار دیا گیا ہے، کیوں کہ یہ دونوں نکاح کے ذریعے ثابت ہونے والے مقصود یعنی وطی کو فوت کر رہے ہیں، لہذا جب یہ دونوں خود مر رہے ہیں تو پھر ان کے ساتھ ان کی بیویوں کو کیوں نہ مارا جائے، اس لیے انہیں زندہ اور تابندہ رکھنے کے لیے شریعت نے ان کی بیویوں کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے۔ اس کے برخلاف جنون اور جذام وغیرہ مقصود نکاح کو فوت نہیں کرتے، بلکہ عارضی طور پر اس میں مغل بنتے ہیں، لہذا ان کی وجہ سے عورتوں کو فسخ جیسا بڑا اختیار نہیں دیا جائے گا ورنہ تو معمولی سی جھڑپ اور جھگڑے کے بعد ہر عورت کو اس کا شوہر پاگل نظر آئے گا اور وہ فسخ کا دعویٰ لے کر قاضی کا دربار کھٹکھٹائے گی۔ بہر حال مجنون اور مجزوم نیز مقطوع الذکر اور عنین میں فرق ہے، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

## بَابُ الْعِدَّةِ

یہ باب احکام عدت کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے فرقت اور اسباب فرقت کو بیان کیا ہے اور چوں کہ عدت اسی فرقت کا اثر ہے اور اثر موثر کے بعد ہوتا ہے، اس لیے طلاق اور فسخ وغیرہ کے بعد عدت کے احکام و مسائل کو بیان کیا جا رہا ہے۔  
عدت کے لغوی معنی ہیں: ایام اقراء المرأة یعنی عورت کے ایام حیض۔

عدت کے شرعی معنی ہیں: تَرْتَبُصُ يلزم المرأة عند زوال ملك المتعة مؤكدا بالدخول أو الخلوة أو الموت: یعنی دخول، خلوت یا موت کے ساتھ مؤکد ملک متعہ کے زوال پر عورت کو لازم ہونے والے انتظار اور تربص کا نام اصطلاح شرع میں عدت ہے۔

عدت کا سبب: نکاح یا شبہ نکاح ہے۔

عدت کی شرط: نکاح کا زوال ہے۔ (بنایہ ۴۰۲/۵، وھکذا فی العنایہ)

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَقًا بَاطِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (سورة البقرة : ۲۲۸)، وَالْفُرْقَةُ إِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَقٍ فَهِيَ فِي مَعْنَى الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِيَةِ عَلَى النِّكَاحِ، وَهَذَا يَتَحَقَّقُ فِيهَا، وَالْأَقْرَاءُ الْحَيْضُ عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ الْأَطْهَارُ، وَاللَّفْظُ حَقِيقَةً فِيهِمَا إِذْ هُوَ مِنَ الْأَضْدَادِ، كَذَا قَالَ ابْنُ السِّكِّيتِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةٌ لِلِاشْتِرَاكِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيْضِ أَوْلَى إِمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ، لِأَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْأَطْهَارِ وَالطَّلَاقِ يُوَقَّعُ فِي طَهَرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا أَوْ لِأَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّحِمِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ أَوْ لِقَوْلِهِ ① (وَعِدَّةُ الْأَمَةِ حَيْضَتَانِ) فَيَلْتَحِقُ بَيَانًا بِهِ.

ترجمہ: جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دی یا بغیر طلاق کے ان دونوں میں فرقت واقع ہوئی اور بیوی آزاد ہے اور ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین

حیض تک رو کے رکھیں اور وہ فرقت جو بغیر طلاق کے ہو وہ طلاق کے معنی میں ہے، اس لیے کہ نکاح پر طاری ہونے والی فرقت میں رحم کے حمل سے پاک ہونے کی شناخت کے لیے عدت واجب ہوئی ہے اور یہ معنی اس فرقت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں اقراء سے حیض مراد ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اطہار مراد ہیں اور لفظ قروء دونوں معنوں میں حقیقی ہے، کیوں کہ وہ اضداد میں سے ہے، ابن السکیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور دونوں معنوں کو یہ لفظ یکبارگی شامل نہیں ہوگا کیوں کہ وہ مشترک ہے۔ اور حیض پر اسے محمول کرنا اولیٰ ہے یا تو لفظ جمع پر عمل کرتے ہوئے، اس لیے کہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے اور طہر ہی میں طلاق بھی دی جائے تو جمع باقی نہیں رہے گا۔ یا اس لیے کہ حیض ہی براءت رحم کو بتاتا ہے اور یہی مقصود ہے، یا آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں، لہذا یہ فرمان قروء کا بیان ہو کر لاحق ہو گیا۔

## اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿یتربصن﴾ انتظار کریں گی۔ ﴿تعرف﴾ جاننا، پہچانا۔ ﴿براءة﴾ غیر مشغول صفائی۔

## تخریج:

① اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب فی سنة طلاق العبد، حدیث: ۲۱۸۹۔

والترمذی فی کتاب الطلاق باب ماجاء ان طلاق الامة تطليقتان، حدیث: ۱۱۸۲۔

## حائضہ آزاد عورت کی عدت طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی یا طلاق رجعی دیا، یا بغیر طلاق کے خیار بلوغ اور خیار عتق وغیرہ کی وجہ سے ان میں فرقت واقع ہوئی اور عورت آزاد ہے نیز ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو ہمارے یہاں اس کی عدت تین حیض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وہ عورتیں جنہیں طلاق دی جائے وہ اپنے آپ کو تین حیض تک رو کے رکھیں“ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض ہے اور بدون طلاق واقع ہونے والی فرقت بھی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے اس لیے اس فرقت پر بھی عدت واجب ہوگی، کیوں کہ عدت کا وجوب اسی مقصد سے ہوتا ہے تاکہ نکاح پر طاری ہونے والی فرقت میں رحم کے ماء زوج کے ساتھ مشغول ہونے یا مشغول نہ ہونے کا علم ہو جائے اور یہ معنی چوں کہ فرقت بغیر طلاق میں بھی موجود ہیں، اس لیے بھی فرقت بدون طلاق، طلاق کے حکم میں ہوگی اور اس فرقت پر بھی عدت واجب ہوگی۔

والاقراء الخ: فرماتے ہیں کہ لفظ اقراء اضداد میں سے ہے اور طہر و حیض دونوں معنوں میں مشترک ہے اور دونوں کے لیے حقیقت ہے، یہی امام لغت ابن السکیت کی رائے ہے، مگر اس لفظ سے دونوں معنی ایک ساتھ نہیں مراد لیے جاسکتے اس لیے فقہائے احناف نے اس سے حیض مراد لیا ہے اور فقہائے شافعی رحمہ اللہ نے اسے طہر پر محمول کیا ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اسے حیض پر محمول کرنا اولیٰ اور بہتر ہے کیوں کہ قرآن کریم میں ثلاثہ قروء وارد ہوا ہے اور قروء قروء کی جمع ہے اور اقل جمع تین کی تعداد ہے لہذا اسے حیض پر محمول کرنے کی صورت میں ہی جمع پر عمل کرنا ممکن ہوگا، کیوں کہ اگر اس سے طہر مراد لیا جائے تو جمع پر عمل معتذر ہوگا، کیوں کہ طلاق میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے اب اگر جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اسے عدت میں شمار

کریں گے تو یقیناً اس طہر کا کچھ نہ کچھ حصہ گزرا ہوگا جس میں طلاق دی گئی ہے اور اس کے بعد مزید دو طہر اور عدت میں محسوب ہوں گے تو اس اعتبار سے تعداد عدت کی مدت دو کامل طہر اور تیسرے طہر کا کچھ یا اس سے زائد حصہ ہوگا اور ثلاثہ پر عمل نہیں ہوگا۔ اور اگر جس طہر میں طلاق واقع کی گئی ہے اسے عدت میں شمار نہ کر کے اس کے علاوہ الگ سے تین طہر کو عدت قرار دیں تو پھر اس اعتبار سے عورت کی عدت دراز ہو جائے گی، کیوں کہ اس طہر کے بعد حیض آئے گا اور اس کے بعد جو طہر آئے گا اس سے عدت شمار ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر قروء سے حیض مراد لیں تو عدت میں بھی آسانی ہوگی کہ جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس کے بعد والے حیض سے عدت شمار ہوگی اور پھر طہر میں طلاق دینے کی سنت پر بھی عمل ہو جائے گا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصد براءت رحم کو معلوم کرنا ہے اور یہ مقصد حیض سے حاصل ہوگا نہ کہ طہر سے، لہذا اس سے بھی قروء کو حیض ہی پر محمول کریں گے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ باندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے طلاق الأُمّة تطليقتان وعدتها حیضتان کا فرمان جاری کر کے اس کے حق میں حیض کو عدت قرار دے کر یہ اشارہ دے دیا ہے کہ عدت کا حساب حیض سے ہوگا اور چوں کہ باندی آزاد عورت کے تابع ہے اس لیے اس کی عدت بھی حیض سے شمار کی جائے گی اور اس حدیث کو ثلاثہ قروء کے لیے مؤرخ اور مفسر قرار دیں گے۔

وَإِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَاللَّائِي يَنْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمُ الْآيَةُ﴾ (سورة الطلاق: ۴)، وَكَذَٰلِكَ الَّتِي بَلَغَتْ بِالسِّنِّ وَلَمْ تَحِضْ بِاخِرِ الْآيَةِ، وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق: ۴)۔

**ترجمہ:** اور اگر بیوی ایسی ہو جس کو صغریٰ یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ”وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو گئی ہوں (ان کی عدت تین ماہ ہے) اور ایسے ہی وہ عورت جو عمر کے اعتبار سے بالغہ ہو گئی ہو اور اسے حیض نہ آتا ہو۔ آخر آیت سے۔ اور اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کر دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل جن دیں۔

### اللَّغَاتُ:

﴿لا تحيض﴾ حیض نہ آتا ہو۔ ﴿صغیر﴾ کم سنی۔ ﴿کبیر﴾ بڑھاپا، بڑی عمر۔ ﴿سن﴾ سالوں کی تعداد عمر۔ ﴿لم تحض﴾ حیض نہ آیا ہو۔ ﴿اجل﴾ مدت مقررہ۔

### غیر حاملہ اور حاملہ کی عدت طلاق:

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس عبارت میں ان عورتوں کی عدت بیان کی ہے جنہیں حیض نہیں آتا، چنانچہ ایک عورت تو وہ ہے جسے صغریٰ اور کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آتا، دوسری عورت وہ ہے جسے کبر سنی اور بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، تیسری وہ عورت ہے جو عمر کے اعتبار سے بالغہ ہو گئی ہو لیکن پھر بھی اسے حیض نہ آتا ہو۔ واضح رہے کہ عورت کی عمر بلوغ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں

سترہ سال ہے اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں پندرہ سال ہے (بنایہ) ان تینوں کی مدت عدت تین ماہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”وہ عورتیں جو حیض سے نامید ہو جائیں، اگر ان کی عدت کے حوالے سے تمہیں کوئی شبہ ہو تو (یاد رکھو) ان کی عدت تین ماہ ہے، لہذا اس آیت کریمہ سے صغیرہ اور کبیرہ عورتوں کی عدت معلوم بھی ہوگئی اور اس عورت کی عدت بھی معلوم ہوگئی جو عمر کے لحاظ سے بالغ ہوگئی ہو لیکن اسے حیض نہ آتا ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد واللّٰہی لم یحضن کی عبارت بیان کی ہے اور اسے واللّٰہی لم یسنن پر عطف کیا ہے اور ان دونوں عمر کے لیے ایک ہی خبر یعنی فعدتھن ثلاثۃ اشھر بیان کیا ہے۔ (عنایہ)

و ان کانت حاملًا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مطلقہ عورت حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم نے حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔

وَ اِنْ كَانَتْ اُمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ لِقَوْلِهِ ﷻ (طَلَاۗقُ الْاُمَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَ عِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ))، وَ لَاَنَّ الرِّقَّ مُنْصِفٌ وَ الْحَيْضَةُ لَا تَتَجَزَّئُ فَكُمَلْتُ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ وَ اِلَيْهِ اَشَارَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْہُ لَوِ اسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَيْضَةً وَ نِصْفًا. وَ اِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَ نِصْفٌ وَ لَاَنَّهُ مُتَجَزِّئٌ فَاَمَكُنَّ تَنْصِيْفُهُ عَمَلًا بِالرِّقِّ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”باندی کی طلاق دو ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں“ اور اس لیے بھی کہ رقیقہ تنصیف کرنے والی ہے اور ایک حیض متجزی نہیں ہوتا لہذا وہ پورا ہوگا اور عدت دو حیض ہوگی۔ اور اسی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا ہے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو باندی کی عدت کو ڈیڑھ حیض قرار دے دیتا۔ اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی، اس لیے کہ مہینہ متجزی ہو سکتا ہے لہذا رقیقہ پر عمل کرتے ہوئے اس کی تنصیف کرنا ممکن ہے۔

## اللغات:

﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿رقی﴾ غلامی۔ ﴿منصف﴾ آدھا کرنے والا۔ ﴿لا تجزئ﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿کملت﴾

پورا ہوگا۔ ﴿تنصیف﴾ آدھا کرنا۔

## تخریج:

① أخرجه ابو داؤد فی کتاب الطلاق باب ی سنة طلاق العبد، حدیث رقم: ۲۱۸۹.

والترمذی فی کتاب الطلاق، باب ما جاء ان طلاق الامۃ تطلیقتان، حدیث رقم: ۱۱۸۲.

## باندی کی عدت طلاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی باندی ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت دو حیض ہوگی، کیوں کہ باندی کی طلاق بھی دو ہی ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ باندی کی طلاق دو ہے اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ باندی رقیقہ اور مملوک ہوتی ہے اور رقیقہ نعمتوں میں تنصیف کر دیتی ہے، اس لیے تنصیف کے پیش نظر تو باندی کی عدت ڈیڑھ

حیض ہونا چاہیے مگر چوں کہ حیض میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے نصف کو ایک مکمل کر کے دو حیض اس کی عدت قرار دے دی گئی۔ اسی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اشارہ ملتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں باندی کی عدت کو ڈیڑھ حیض قرار دے دیتا مگر چوں کہ حیض متجزی نہیں ہوتا اس لیے اس کی عدت کامل دو حیض قرار دیا گیا ہے۔

وإن كانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی، کیوں کہ مہینہ کی تنصیف ممکن ہے، لہذا برقیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تین ماہ کی تنصیف کی جائے گی اور ڈیڑھ ماہ کو عدت قرار دیا جائے گا۔

وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَقَاتِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (سورة البقرة : ۲۳۴)، وَعِدَّةُ الْأَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ، لِأَنَّ الرِّقَّ مُنْصَفٌ، وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لَا طَلَّاقَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق : ۴) وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ شَاءَ بَاهِلَتُهُ أَنَّ سُورَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرَى نَزَلَتْ بَعْدَ الْآيَةِ الَّتِي فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَوْ وَضَعْتُ وَزَوْجَهَا عَلَى سَرِيرَةٍ لَا نَقَضْتُ عِدَّتُهَا وَحَلَّ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ.

**ترجمہ:** اور آزاد عورت کی عدت وفات چار ماہ دس دن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے والذین يتوفون منكم ويذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً یعنی جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویوں کو چھوڑ جائیں ان کی بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں۔ اور باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے، اس لیے کہ رقیق تنصیف کرنے والی ہے۔ اور اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول واولات الاحمال الخ مطلق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورۃ نساء قصری اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جو سورۃ بقرہ میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر بیوی نے اس حال میں بچہ جنم لیا کہ اس کا شوہر تختہ مرگ پر ہو تو بھی اس کی عدت پوری ہوگئی اور اس کے لیے نکاح کرنا حلال ہے۔

## اللغات:

﴿حرة﴾ آزاد عورت۔ ﴿یذرون﴾ چھوڑ دیں۔ ﴿یتربصن﴾ انتظار کریں، رکی رہیں۔ ﴿رقی﴾ غلامی۔ ﴿منصف﴾ آدھا کرنے والا۔ ﴿سریرة﴾ تختہ، جنازے کی چارپائی۔

## عدت وفات زوج:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد عورت کا شوہر وفات پا جائے اور وہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، کیوں کہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے ”والذین يتوفون منكم ويذرون أزواجاً يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشراً“ اور اگر متوفی عنہا زوجہ کوئی باندی ہو تو پھر اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے، کیوں کہ باندی رقیق ہے اور رقیق نعتوں کی تنصیف کر دیتی ہے۔ اور اگر وہ عورت جس کا شوہر مرا ہو خواہ وہ مطلقہ ہو یا حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ



وہ عورت آزاد ہو یا باندی بہر حال اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیوں کہ قرآن کریم کا اعلان واولات الاحمال أجلهن أن یضعن حملهن الخ مطلق ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت کے وضع حمل ہونے میں صریح ہے، لہذا اس میں مطلقہ حاملہ بھی داخل ہوگی اور متوفی عنہا زوجہا بھی شامل ہوگی۔

وقال عبد اللہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت مطلقاً چار ماہ دس دن تھی خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، لیکن جب یہ آیت اتری واولات الاحمال الخ تو پھر مطلق والا حکم منسوخ ہو گیا اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار پائی، اسی لیے حضرت ابن مسعود فرماتے تھے کہ سورہ بقرہ کی یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجاً یتربصن الخ پہلے نازل ہوئی ہے اور سورہ نساء قصریٰ یعنی سورہ طلاق کی یہ آیت واولات الاحمال الخ بعد میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت بقرہ کے لیے ناسخ ہے اور مجھے اس پر اتنا یقین ہے کہ میں اس سلسلے میں مبالغہ کرنے کے لیے تیار ہوں، ان کے اس فرمان مقدس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ اگر بیوی حاملہ ہو اور اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، لیکن تدفین سے پہلے ہی بیوی نے بچہ جن دیا تو بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کے لیے دوسرے شخص سے نکاح کرنا حلال ہوگا کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل تھی اور وہ پایا گیا۔

وَإِذَا وَرِثِیَ الْمُطَلَّقَةُ فِی الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا أَبْعَدُ الْأَجَلِیْنِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ قَالَ أَبُو یُوسُفَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ ثَلَاثُ حِیْضٍ، وَ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا أَوْ ثَلَاثًا، أَمَا إِذَا كَانَ رَجْعِيًّا فَعَلَّيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَبِي یُوسُفَ رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ أَنَّ النِّكَاحَ قَدْ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلِزِمَتْهَا ثَلَاثُ حِیْضٍ وَ إِنَّمَا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِی الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِی حَقِّ الْإِرْثِ وَانْقَطَعَ فِی حَقِّ تَغْيِيرِ الْعِدَّةِ بِخِلَافِ الرَّجْعِيِّ لِأَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِی حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًّا فِی حَقِّ الْعِدَّةِ إِحْتِطًا فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَ لَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ حَتَّى وَرِثَتْهُ امْرَأَتُهُ فَعِدَّتُهَا عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ وَقِيلَ عِدَّتُهَا بِالْحِیْضِ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ النِّكَاحَ حِينَئِذٍ مَا اعْتَبِرَ بَاقِيًّا إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ فِی حَقِّ الْإِرْثِ، لِأَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ.

**ترجمہ:** اور جب مطلقہ مرض الموت میں وارث ہوئی تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے مدت دراز ہوگی اور یہ حکم حضرات طرفین کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین حیض (اس کی عدت) ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طلاق بائن ہو یا تین طلاق ہو، لیکن اگر طلاق رجعی ہو تو بالاتفاق اس پر عدت وفات واجب ہے، حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کی وجہ سے موت سے پہلے ہی نکاح منقطع ہو چکا ہے اور اس عورت پر تین حیض لازم ہو چکے ہیں۔ اور عدت وفات تو اس وقت واجب ہوتی ہے جب وفات کی صورت میں نکاح ختم ہوا ہو، لیکن میراث کے حق میں نکاح باقی ہے اور عدت بدلنے کے حق میں ختم ہو چکا ہے۔ برخلاف طلاق رجعی کے، کیوں کہ (اس میں) من کل وجہ نکاح باقی رہتا ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح

میراث کے حق میں باقی ہے تو احتیاطاً عدت کے حق میں بھی باقی رکھا جائے گا اور دونوں کو جمع کر دیا جائے گا۔  
اور اگر مردہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو قتل کر دیا گیا یہاں تک کہ اس کی بیوی اس کی وارث ہوئی تو اس کی عدت اسی اختلاف پر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی عدت بالاتفاق حیض سے ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں میراث کے متعلق موت کے وقت تک نکاح کو باقی نہیں مانا گیا ہے، کیوں کہ مسلمہ کافر کی وارث نہیں ہوتی۔

## الَّتَات:

﴿ورثت﴾ وارث ہوئی۔ ﴿أبعد﴾ زیادہ دور۔ ﴿أجل﴾ مدت مقررہ۔ ﴿ردۃ﴾ ارتداد، مردہ ہونا۔

## طلاق اور وفات کی عدت جمع ہو جانے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیا یا تین طلاق دیا لیکن بیوی کی عدت کے دوران ہی اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اب یہ عورت مطلقہ بھی ہوئی اور متوفی عنہا زوجہا بھی ہو گئی اور چوں کہ مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدتیں الگ الگ ہیں اور یہ عورت دونوں کی حامل ہے، اس لیے اس پر کون سی عدت واجب ہوگی؟ اس سلسلے میں حضرات فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں، چنانچہ حضرات طرفین کے یہاں وہ عورت عدت طلاق اور عدت وفات میں سے جو لمبی عدت ہوگی اسے پورا کرے گی، مثلاً اگر طلاق کے بعد اسے ایک حیض آیا اور زمانہ طہر اتنا دراز ہو گیا کہ اس کے بعد چار ماہ دس دن گذر گئے تو اب بھی اس کی عدت برقرار ہے اور اس پر مزید دو حیض تک عدت میں رہنا ضروری ہے خواہ یہ دو حیض کتنے دنوں بعد ہی کیوں نہ آئیں، ایسے ہی اگر تیسرے حیض میں شوہر کا انتقال ہوا اور اس میں سے صرف تین یوم باقی تھے تو چوں کہ ابھی چار ماہ دس دن کی تکمیل نہیں ہوئی ہے، اس لیے اب وہ عورت چار ماہ دس دن تک عدت میں رہے گی۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کی عدت صرف تین حیض ہے خواہ اس میں چار ماہ دس دن گذرے ہوں یا نہ گذرے ہوں۔

ومعناہ الخ: فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرات طرفین کا مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جب شوہر نے بیوی کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی ہو، لیکن اگر اس نے طلاق رجعی دی ہو تو پھر سب کے یہاں اس کی عدت عدت وفات ہوگی۔  
پہلے مسئلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب موت سے پہلے ہی اس عورت کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو طلاق کی وجہ سے اس کا نکاح ختم ہو گیا اور اس پر عدت طلاق یعنی تین حیض واجب ہو گئے اور چوں کہ طلاق کا معاملہ وفات سے مقدم ہے اس لیے عدت طلاق ہی کا اعتبار ہوگا اور اس پر طلاق کی عدت یعنی تین حیض ہی واجب ہوں گے، کیوں کہ عدت وفات تو اس صورت میں واجب ہوتی ہے جب موت کی وجہ سے نکاح منقطع ہوا ہو۔

إلا أنه بقي الخ: سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب طلاق کی وجہ سے نکاح منقطع ہوا ہے تو عدت میں شوہر کے مرنے سے اس کی بیوی کو وراثت بھی نہیں ملنی چاہیے حالانکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے وراثت دینے کے حق میں ہیں۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کا سوال بجا ہے اور ہونا تو یہی چاہیے تھا لیکن ہم مجبور ہیں اور اس سلسلے میں حضرات صحابہ بہت پہلے اجماع کر کے یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ امرأۃ فارستحق وراثت ہے اور بیوی کی عدت میں شوہر کا انتقال ہونے سے یہ بات واضح ہوتی کہ وہ عورت امرأۃ فار ہے لہذا اسے وراثت ملے گی۔

اس کے برخلاف اگر شوہر نے طلاق رجعی دی تھی تو اس صورت میں بالاتفاق اس کی بیوی (شوہر کے مرنے پر) مستحق وراثت ہوگی، کیوں کہ طلاق رجعی میں ہر اعتبار سے نکاح باقی اور برقرار رہتا ہے۔

ولہما الخ: حضرات طرفین رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ ہے کہ جب وراثت کے حق میں نکاح کو باقی رکھا گیا ہے تو احتیاطاً عدت کے حق میں بھی اسے باقی رکھا جائے گا اور دونوں عدتوں کو جمع کر کے ابعدا الجلیین کو عدت قرار دیا جائے گا اس لیے کہ جس طرح وہ مطلقہ ہے اسی طرح متوفی عنہا زوجہا بھی ہے۔

ولو قتل علی ردۃ الخ: یہاں سے ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ارتداد کی وجہ سے اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح منقطع ہو جائے گا لیکن پھر بحالت ارتداد ہی اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی مسلمان بیوی اس کے مال کی وارث ہوگی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح مرتد مقتول کی بیوی اس کی وارث ہوتی ہے اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوتی، اسی طرح صورت مسئلہ میں مطلقہ بیوی اپنے متوفی شوہر کی وارث ہوگی اور اس پر عدت وفات واجب نہیں ہوگی، بلکہ اس کی عدت تین حیض ہوں گے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ بھی حضرات طرفین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں مختلف فیہ ہے، لہذا جب فریق مخالف کو یہ تسلیم ہی نہیں ہے تو پھر اس کو لیکر ان کے خلاف استدلال کرنا کیسے درست ہے۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ مرتد کی بیوی کے متعلق بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ طرفین کے یہاں بھی اس کی عدت حیض ہی سے ہوگی اور ان کے نکاح کو وراثت کے حق میں شوہر کی موت کے وقت معتبر نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ بوقت موت شوہر مرتد اور کافر ہے اور اس کی بیوی مسلمان ہے اور ایک مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

فَإِنْ أُعْتِقَتِ الْأَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجَعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ بِقِيَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ، وَإِنْ أُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْنُوتَةٌ أَوْ مَتَوَفَى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْمَبْنُوتَةِ أَوْ الْمَوْتِ.

ترجمہ: پھر اگر باندی اپنی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی گئی تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، کیوں کہ ہر طرح سے نکاح باقی ہے۔ اور اگر یہ باندی اس حال میں آزاد کی گئی کہ وہ معتدہ باندہ ہے یا متوفی عنہا زوجہا ہے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی، اس لیے کہ نکاح بینونت کی وجہ سے یا موت کی وجہ سے زائل ہو گیا ہے۔

اللَّغَاتُ:

﴿اعتقت﴾ آزاد کر دی گئی۔ ﴿امۃ﴾ باندی۔ ﴿حرائر﴾ واحد حرۃ؛ آزاد عورتیں۔ ﴿مبنوتہ﴾ باندہ۔

دوران عدت باندی کا آزاد ہو جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی کسی کے نکاح میں ہو اور اس نے اسے طلاق رجعی دیدی تو پھر عدت کے دوران اس باندی کے موٹی نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ تین حیض عدت گزارے گی، کیوں کہ

اس کو دی گئی طلاق طلاق رجعی ہے اور طلاق رجعی میں ہر طرح سے نکاح باقی رہتا ہے، لہذا یہ ایسا ہے گویا کہ وہ باندی منکوحہ ہونے کی حالت میں آزادی کی گئی ہے اور منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد ہونے کے بعد مطلقہ ہونے پر اسے تین حیض کے ساتھ عدت گزارنی پڑتی، اس لیے اس صورت میں بھی اسے تین حیض کے ساتھ عدت گزارنی ہوگی۔

و ان اعتقت النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ منکوحہ باندی اس حال میں آزادی کی گئی کہ وہ مطلقہ بائنہ تھی اور عدت میں تھی اس کا شوہر مر چکا تھا اور وہ اس کی عدت گزار رہی تھی تو ان دونوں صورتوں میں اس کی عدت، عدت حرار کی طرف منتقل نہیں ہوگی، کیوں کہ طلاق بائن اور موت کی وجہ سے کبھی طور پر بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے اور عدت میں بھی نکاح کا کوئی اثر نہیں رہتا، اس لیے اس کی آزادی کا نکاح اور عدت پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور وہ صرف دو حیض ہی عدت شمار کرے گی۔

وَ اِنْ كَانَتْ اَنْثَىٰ فَاعْتَدَتْ بِالشُّهُورِ ثُمَّ رَأَتْ الدَّمَ انْتَقَضَ عَلَيَّ مَا مَضَىٰ مِنْ عِدَّتِهَا، وَ عَلَيْهَا اَنْ تَسْتَأْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ، وَ مَعْنَاهُ اِذَا رَأَتْ الدَّمَ عَلَى الْعَادَةِ لِاَنَّ عَوْدَهَا يَبْطِلُ الْاِيَّاسَ وَهُوَ الصَّحِيحُ فَظَهَرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْفًا، وَ هَذَا لِاَنَّ شَرْطَ الْخَلِيفَةِ تَحَقُّقُ الْاِيَّاسِ وَ ذَلِكَ بِاسْتِدَامَةِ الْعَجْزِ اِلَى الْمَمَاتِ كَالْفِدْيَةِ فِي حَقِّ الشَّيْخِ الْفَانِي.

ترجمہ: اور اگر مطلقہ (حیض سے) ناامید ہوگئی اور مہینوں سے عدت گزارنے لگی پھر اس نے خون دیکھا تو اس کی عدت پر جتنی مدت گزری ہے وہ ٹوٹ جائے گی اور اس پر از سر نو حیض سے عدت پوری کرنا لازم ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے عادت کے مطابق خون دیکھا، کیوں کہ خون کا دوبارہ آنا ناامیدی کو ختم کر دیتا ہے یہی صحیح ہے چنانچہ یہ واضح ہو گیا عدت بالشہور خلیفہ نہیں تھی اور یہ اس لیے ہے کہ خلیفہ کی شرط ناامیدی کا تحقق ہونا ہے اور یہ تحقق موت تک برابر عجز کے ہونے سے ہوگا جیسے شیخ فانی کے حق میں فدیہ ہے۔

## اللغات:

﴿اَنْثَى﴾ حیض سے مایوس ہونے والی عورت۔ ﴿اعتدت﴾ عدت گزارنے لگی۔ ﴿انتقض﴾ ٹوٹ گئی۔ ﴿مضى﴾ گزر چکی۔ ﴿تستأنف﴾ نئے سرے سے شروع کرے۔ ﴿استدامة﴾ برقرار رہنا۔

## آئیسہ کو حیض آ جانے کا عدت پر اثر:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح اور آسان ہے کہ اگر کوئی عورت حیض سے ناامید ہوگئی اور لگا تار کئی ماہ تک اسے حیض کا خون نہیں آیا پھر وہ مطلقہ ہوئی اور اس نے مہینوں کے حساب سے اپنی عدت گزارنا شروع کر دیا، لیکن عدت کے دوران ہی ایک مرتبہ اسے خون آ گیا اور یہ خون اس کی سابقہ عادت کے مطابق ہے یعنی دم سائل ہے اور دم حیض ہی کی طرح کثیر اور بدبودار ہے (بنایہ) تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق میں عدت بالشہور باطل ہوگئی اور اس پر از سر نو عدت بالحیض لازم اور ضروری ہے، کیوں کہ عادت کے مطابق خون کے عود کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عدت بالشہور عدت بالحیض کا بدل نہیں تھی، کیوں کہ بدل کے لیے شرط یہ ہے کہ

انسان تاحیات اصل پر قادر نہ ہو اس لیے کہ اصل پر قادر ہونے کی صورت میں بدل اور نائب کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ وہ عورت بدل یعنی عدت بالشہور کے ذریعے مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گئی ہے اس لیے اس کے حکم میں حکم شرعی اصل یعنی عدت بالحیض کی طرف عود کر آئے گا اور اب اس کے لیے حیض ہی سے عدت گزارنا لازم ہوگا۔

کالفدیۃ الخ: جیسے اگر کوئی بوڑھا ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ فدیہ دیدے، لیکن اگر فدیہ دینے کے بعد وہ شخص تندرست ہو گیا اور روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو اب اسے از سر نو روزے رکھنے ہوں گے اور فدیہ کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح حیض کے آجانے سے صورت مسئلہ میں بھی عدت بالشہور کا حکم باطل ہو جائے گا اور عدت بالحیض لازم اور ضروری ہوگی۔

وَلَوْ حَاصَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ آيَسَتْ تَعْتَدُ بِالشَّهْرِ تَحَرُّزًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ.

**ترجمہ:** اور اگر عورت کو دو حیض آئے پھر وہ حیض سے ناامید ہو گئی تو اب مہینوں سے عدت گزارے تاکہ بدل اور مبدل دونوں کے اجتماع سے بچا جاسکے۔

### اللغات:

﴿آیست﴾ آئیسہ ہوگی۔ ﴿تعتد﴾ عدت گزارے گی۔ ﴿تحرز﴾ بچنا۔

### حائضہ کے آئیسہ بننے کا عدت پراثر:

یعنی اگر مطلقہ ابتداء حائضہ تھی اور عدت کے دو حیض کی تکمیل کے بعد وہ آئیسہ ہو گئی تو اب اس کو چاہیے کہ نئے سرے سے تین ماہ کی عدت پوری کرے، اس لیے کہ اتمام عدت کے یہی دوراستے ہیں (۱) عدت بالحیض (۲) عدت بالشہور اور چوں کہ وہ عورت عدت بالحیض پر قادر نہیں ہے، اس لیے اب اس کے حق میں عدت بالشہور متعین ہے اور یہ عدت از سر نو پوری کی جائے گی اور اسے عدت بالحیض میں جوڑا نہیں جائے گا ورنہ اصل اور بدل دونوں کا اجتماع لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔

وَالْمُنْكَوْحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةِ عِدَّتْهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ، لِأَنَّهَا لِلتَّعْرِفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لِلْقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَالْحَيْضُ هُوَ الْمَعْرِفُ.

**ترجمہ:** اور جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا ہو اور جس سے وطی بالشبہہ کی گئی ہو ان دونوں کو عدت فرقت اور موت دونوں حالتوں میں حیض ہے، کیوں کہ عدت براءت رحم کو معلوم کرنے کے لیے ہے نہ کہ حق نکاح کی ادائیگی کے لیے۔ اور حیض ہی معرف ہے۔

### منکوحہ فاسدہ اور موطوءہ بالشبہہ کی عدت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گواہوں کے بغیر کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح فاسد ہے، اسی طرح اگر کسی نے رات کے اندھیرے میں دوسری عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کر لی تو یہ وطی بالشبہہ ہے۔ اب منکوحہ فاسدہ اور موطوءہ بالشبہہ میں خواہ مرد

اور عورت کے درمیان تفریق کی جائے اور خواہ مرد مر جائے دونوں صورتوں میں ان دونوں عورتوں پر عدت واجب ہوگی اور وہ عدت بالحیض ہوگی، اس لیے کہ ان دونوں عورتوں کا کوئی نکاحی اور ازدواجی حق نہیں ہوتا، اس لیے ان میں عدت کا جواز صرف براءت رحم کی شناخت کے لیے ہوتا ہے اور یہ کام صرف اور صرف حیض کر سکتا ہے کیوں کہ اگر حیض آیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو پھر رحم کے مشغول ہونے کا علم ہوگا، اس لیے ان کی عدت حیض مقرر کی گئی ہے۔ ہاں اگر یہ عورتیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ اور آنسہ ہوں اور ان کے حق میں حیض سے ناامیدی ہو تو پھر مہینہ حیض کے قائم مقام ہوگا اور عدت بالشہور سے کام چلایا جائے گا۔

وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ أَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حَيَضٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ حَيْضَةً وَاحِدَةً، لِأَنَّهَا تَحِبُّ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَشَابَهَتْ الْإِسْتِبْرَاءَ، وَلَنَا أَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ فَأَشْبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ، ثُمَّ إِمَامُنَا فِيهِ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثُ حَيَضٍ، وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ كَمَا فِي النِّكَاحِ.

**ترجمہ:** اور اگر ام ولد کا مولیٰ اسے چھوڑ کر مر گیا یا مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک حیض ہے، کیوں کہ (اس کی عدت) ملک یمین کے زائل ہونے سے واجب ہوتی ہے تو یہ استبراء کے مشابہ ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت فراش زائل ہونے سے واجب ہوتی ہے، لہذا یہ عدت نکاح کے مشابہ ہے۔ پھر اس حکم میں ہمارے امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہیں۔ اور اگر ام ولد ایسی عورت ہو جس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں جیسا کہ نکاح میں ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿اعتق﴾ آزاد کر دیا۔ ﴿شابہت﴾ مشابہہ ہوگئی۔ ﴿استبراء﴾ رحم کی غیر مشغولیت کا پتہ چلانا۔

### اُمِّ وَلَدِ كِي عِدَت وَفَات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ام ولد کے مولیٰ کا انتقال ہو گیا یا مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت ایک حیض ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد پر عدت کا وجوب ملک یمین کے زائل ہونے سے ہے اور یہ استبراء کے مشابہ ہے اور استبراء چوں کہ ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ام ولد کی عدت صرف ایک حیض ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت زوال فراش کی وجہ سے واجب ہوتی ہے لہذا اس حوالے سے یہ نکاح کے مشابہ ہے اور منکوحہ عورت کی عدت تین حیض ہیں، اس لیے اس ام ولد کی عدت بھی تین حیض ہوں گے اور پھر چوں کہ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں اور انہوں نے ام ولد کی عدت تین حیض قرار دیا ہے، اس لیے اس کی عدت تین حیض ہوں گے۔ اور اگر ام ولد صغیرہ یا آنسہ ہو اور اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ منکوحہ غیر حائضہ کی یہی عدت ہے۔

وَإِذَا مَاتَ الصَّغِيرُ عَنْ امْرَأَتِهِ وَبِهَا حَبْلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، لِأَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ فَصَارَ كَالْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، لِهَمَّا إِطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (سورة الطلاق: ۴)، وَلِأَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةٍ وَضِعَ الْحَمْلُ فِي أُولَاتِ الْأَحْمَالِ فَصُرَتْ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ لَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ لِشَرْعِهَا بِالْأَشْهُرِ مَعَ وَجُودِ الْأَقْرَاءِ، لَكِنَّ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْحَمْلُ مِنْهُ، بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِأَنَّهُ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالشَّهْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِحُدُوثِ الْحَمْلِ، وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ كَمَا وَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا، وَلَا يَلْزَمُ امْرَأَةُ الْكَبِيرِ إِذَا حَدَّثَ لَهَا الْحَبْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ النَّسَبَ يَنْبُتُ مِنْهُ فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا وَلَا يَنْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوُجْهِينِ، لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يَتَصَوَّرُ مِنْهُ الْعُلُوقُ، وَالنِّكَاحُ يَقَامُ مَقَامَهُ فِي مَوْضِعِ التَّصَوُّرِ.

**ترجمہ:** اور اگر بچہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرا اور اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور یہ حکم حضرات طرفین کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ حمل شوہر سے ثابت النسب نہیں ہے، لہذا یہ صغیر کی موت کے بعد پیدا ہونے والے حمل کی طرح ہو گیا۔ حضرات طرفین کی دلیل فرمان باری کا اطلاق ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن دیں۔ اور اس لیے کہ حاملہ عورتوں میں عدت (وفات) وضع حمل متعین کی گئی ہے خواہ مدت وضع کم ہو یا زیادہ، اور یہ عدت فراغ رحم کی شناخت کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ عدت وفات حیض کے ہوتے ہوئے بھی مہینوں کے ساتھ شروع ہے، لیکن چون کہ یہ عدت حق نکاح کی ادائیگی کے لیے ہے اور یہ معنی بچے میں بھی متحقق ہوتے ہیں اگرچہ حمل اس کے نطفے سے نہ ہو۔

برخلاف اس حمل کے جو وفات شوہر کے بعد پیدا ہوا ہو، کیوں کہ جب عدت بالشہور واجب ہو چکی تو حمل پیدا ہونے سے وہ متغیر نہیں ہوگی۔ اور ہمارے مسئلے میں جیسے ہی عدت واجب ہوئی اسی وقت سے وہ حمل کی مدت کے ساتھ واجب ہوئی ہے، اس لیے فرق ظاہر ہو گیا۔ اور بڑے شخص کی بیوی سے اعتراض نہیں وارد ہوتا جب بالغ کی موت کے بعد اس کی بیوی کو حمل ظاہر ہوا ہو، کیوں کہ نسب اس شخص سے ثابت ہو گیا ہے لہذا حکماً یہ حمل بوقت موت موجود رہنے کی طرح ہو گیا۔ اور دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ بچے کا نطفہ نہیں ہوتا، لہذا اس سے علوق متصور نہیں ہوگا اور موضع تصور میں نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

**اللغات:**

﴿حمل﴾ پیٹ، حمل۔ ﴿حادث﴾ بعد میں واقع ہونے والا۔ ﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔

## تابالغ کی حاملہ بیوی کی عدت و وفات:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ لڑکا مراد اور اس کی کوئی حاملہ بیوی تھی تو حضرات طرفین کے یہاں اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی (حضرات ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ عورت کا حمل صغیر سے ثابت نہیں ہے کیوں کہ نابالغ اور صغیر سے وطی متصور نہیں ہے، لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسے صغیر کی موت کے بعد وہ حمل ظاہر ہوا اور موت کے بعد ظہور حمل کی صورت میں بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں بھی مذکورہ عورت کی عدت چار ماہ دس یوم ہوگی۔

حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن کے اعلان سے علی الاطلاق حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دیا ہے اور اس امر سے کوئی بحث نہیں کی ہے کہ وہ عورت طلاق کی وجہ سے عدت میں ہو یا وفات زوج کی وجہ سے اور وہ حمل خواہ شوہر کا ہو یا کسی اور کا، اس لیے آیت کریمہ کے اطلاق کی وجہ سے اس کا حکم ہر حاملہ عورت کو شامل ہوگا اور چوں کہ صورت مسئلہ میں صغیر شخص کی بیوی بھی حاملہ ہے، اس لیے اس کی عدت بھی وضع حمل ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورتوں کے حق میں ”وضع حمل“ سے عدت کا اندازہ لگایا گیا ہے خواہ یہ مدت دراز ہو یا مختصر ہو اور پھر حائضہ حاملہ عورت کی بھی یہی مدت ہے، اس لیے حیض کے ہوتے ہوئے وضع حمل کو عدت و وفات قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ اس عدت کے وجوب کا مقصد نکاح کے حق کو اداء کرنا ہے نہ کہ براءت رحم کو طلب کرنا کیوں کہ رحم کی براءت کا علم صرف حیض سے ہو سکتا ہے، بہر حال جب اس عدت کا مقصد حق نکاح کی ادائیگی ہے اور یہ مقصد چوں کہ صبی میں بھی موجود ہے اس لیے اس کی بیوی کے حق میں بھی یہی عدت (وضع حمل) ہوگی خواہ مذکورہ حمل اس کا ہو یا نہ ہو۔

بخلاف الحمل النخ: یہاں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حمل جو بوقت وفات موجود ہو اسے اس حمل پر قیاس کرنا درست نہیں ہے جو موت کے بعد پیدا ہوا ہو کیوں کہ بوقت وفات حمل نہ ہونے کی صورت میں حقوق نکاح کی ادائیگی کے لیے عدت بالشہور واجب کی گئی ہے اس لیے یہ عدت برقرار رہے گی اور موت کے بعد ظہور حمل کی وجہ سے یہ عدت متغیر نہیں ہوگی۔

وفیمانحن فیہ النخ: اور صورت مسئلہ میں چوں کہ وفات زوج کے وقت حمل موجود ہے اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اس لیے وہ عدت برقرار رہے گی خواہ اس حاملہ کا حمل صغیر کا ہو یا نہ ہو۔ لہذا اس اعتبار سے دونوں مسئلے ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہیں، اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولایلزم النخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جس طرح آپ صغیر کی بیوی کے حق میں تبدیلی عدت کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح بالغ اور کبیر کی بیوی کے حق میں بھی تغیر عدت کا حکم لگانا مناسب نہیں ہے حالاں کہ اگر بالغ مرد کے انتقال کے وقت اس کی بیوی کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر موت کے بعد حمل ظاہر ہو جائے تو پھر یہ عدت وضع حمل والی عدت سے بدل جاتی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ بالغ مرد سے چوں کہ وطی متصور ہے اور نطفہ متحقق ہے اس لیے موت کے بعد پیدا ہونے والے حمل کو بھی شوہر ہی کا حمل قرار دیں گے اور اس حمل کو بوقت



وفات بھی کسی نہ کسی درجے میں موجود مانیں گے لہذا اس کی بیوی کے حق میں عدت کی تبدیلی ہوگی۔ اس کے برخلاف صغیر سے چوں کہ وطی ہی متصور نہیں ہے، لہذا اس کی بیوی کے حمل کو بوقت وفات نہ تو موجود مانا جائے گا اور نہ ہی صغیر سے وہ نسب ثابت کیا جائے گا۔

ولایثبت الخ: فرماتے ہیں کہ خواہ حمل بوقت وفات موجود ہو اور خواہ وفات کے بعد ظاہر ہوا ہو دونوں صورتوں میں صغیر سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ ثبوت نسب کے لیے وطی اور نطفے کی ضرورت پڑتی ہے اور صغیر سے وطی متصور نہیں ہے، اسی لیے صغیر کے حق میں نکاح کو وطی کے قائم مقام بھی نہیں مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ جب اس سے وطی کا امکان ہی نہیں ہے تو پھر بلا وجہ اسے گھما پھرا کر وطی ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فِي حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ، لِأَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ بِثَلَاثِ خُرُصٍ كَوَامِلٍ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو جس حیض میں طلاق واقع ہوئی ہے بیوی اس حیض کو عدت میں شمار نہ کرے، اس لیے کہ عدت پورے تین حیض کے ساتھ مقدر کی گئی ہے، لہذا اس سے کمی نہیں کی جائے گی۔

اللغات:

﴿کوامل﴾ واحد کاملہ: پورے پورے۔

حالت حیض کی مطلقہ کی عدت:

صورت مسئلہ بالکل واضح ہے اور تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

وَإِنْ وُطِئَتِ الْمُعْتَدَةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ، وَيَكُونُ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُولَى وَلَمْ تَكْمِلِ الثَّانِيَةَ فَعَلَيْهَا إِمْتَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ، وَهَذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا تَتَدَاخَلَانِ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْعِبَادَةُ، فَإِنَّهَا عِبَادَةٌ كَفَّ عَنِ التَّزْوِجِ وَالْخُرُوجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ، وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ التَّعَرُّفُ عَنْ فِرَاحِ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَحْدَةِ فَتَتَدَاخَلَانِ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَنْقُضِي بِدُونِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكَفَّ.

ترجمہ: اور اگر معتدہ عورت سے وطی بالشبہہ کی گئی تو اس پر دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور یہ عورت جو حیض دیکھے گی وہ دونوں عدت سے شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوئی اور دوسری مکمل نہ ہوئی ہو تو اس عورت پر دوسری عدت کو پورا کرنا واجب ہے اور یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی، اس لیے کہ مقصود تو عبادت ہے کیوں کہ یہ (عدت) نکاح کرنے اور باہر نکلنے سے روکنے کی عبادت ہے، لہذا

دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی جیسے ایک دن میں دو روزے داخل نہیں ہوتے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (عدت کا) مقصود فراغتِ رحم کی شناخت ہے اور یہ مقصد ایک عدت سے حاصل ہو جاتا ہے، لہذا دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی۔ اور عبادت کے معنی تابع ہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ عدت عورت کے علم کے اور اس کے خود کو روکے بغیر بھی گذر جاتی ہے۔

### اللغات:

﴿وطن﴾ جماع کیا گیا۔ ﴿تداخلت﴾ ایک دوسرے میں داخل ہوں گے۔ ﴿محتسبا﴾ محسوب شمار۔ ﴿کف﴾ رکنا۔ ﴿نزوج﴾ شادی کرنا۔ ﴿تعرف﴾ پہچاننا۔

### معتدہ وطی بالشہیہ کا شمار ہوئی تو دونوں عدتوں کے تداخل کی بحث:

عبارت کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ متن میں المعتدۃ سے مراد وہ عورت ہے جو طلاق بائن کی عدت میں ہو۔ اور مسئلے کی وضع اس صورت میں ہے جب دونوں عدتیں دو مردوں سے ہوں البتہ دونوں کی جنس ایک ہو۔ مسئلے کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور اس عورت نے عدت کے دوران دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا بعد میں جب یہ بات مشہور ہوئی تو قاضی نے دفع فساد کے پیش نظر ان دونوں میں تفریق کر دی تو ظاہر ہے کہ اس پر دو عدتیں واجب ہوں گی، ایک پہلے شوہر کی اور دوسری دوسرے شوہر کی لیکن ہمارے یہاں ان دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور یہ عورت جو بھی حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر دوسری وطی عورت کے ایک حیض آنے کے بعد کی گئی ہو تو اس کے بعد اس پر تین حیض مزید واجب ہوں گے جس میں سے دو حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے اور انہیں چار سمجھا جائے گا اور چوں کہ پہلی عدت میں ایک حیض (پہلا والا) شمار ہو چکا ہے اس لیے اس کی تعداد پوری ہوگئی، لہذا اب تیسرا حیض صرف دوسری عدت میں محسوب ہوگا، تاکہ اس میں تین حیض کی تعداد پوری ہو جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں تداخل نہیں ہوگا اور ہر عدت کے لیے علیحدہ علیحدہ تین تین حیض شمار کرنا ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ وجوب عدت کا مقصد عبادت ہے، اس لیے کہ عدت کے دوران نہ تو معتدہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی بلا ضرورت شرعی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور عبادت میں تداخل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک دن میں اگر کوئی شخص دو روزے رکھے تو درست نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہی روزہ صحیح ہے اسی طرح ایک حیض بھی دو عدت میں محسوب نہیں ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصد رحم کی براءت اور فراغت کو معلوم کرنا ہے اور چوں کہ یہ مقصد ایک عدت سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے بلا وجہ دو عدت واجب کر کے عورت کے انتظار میں اضافہ نہیں کیا جائے گا اور دونوں عدتوں میں تداخل مانا جائے گا۔

ومعنی العبادة الخ: یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم بھی عدت کو عبادت مانتے ہیں مگر اسے تابع قرار دیتے ہیں، کیوں کہ عدت کا مقصد اصلی تو فراغتِ رحم کی طلب ہی ہے اور اگر معتدہ عورت اپنے آپ کو کف سے باز رکھ لے اور کف پر عمل نہ کرے یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نکل جائے یا عدت کے دوران شادی کر لے تو بھی عدت باطل نہیں ہوتی۔ اگر عدت سے عبادت ہی کے معنی مقصود ہوتے اور عبادت ہی اصل ہوتی تو پھر خلاف عدت امور سے وہ باطل ہو جاتی، لیکن اس

کا عدم بطلان اس بات کی دلیل ہے کہ عدت میں عبادت کے معنی تابع ہیں اور جب تابع ہیں تو اس میں تداخل ہو جائے گا۔

وَالْمُعْتَدَةُ عَنْ وَفَاتٍ إِذَا وَطِنَتْ بِالشُّبْهَةِ تَعْتَدُ بِالشُّهُورِ وَتَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيهَا تَحْقِيقًا لِلتَّذَاخُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

**ترجمہ:** اور اگر معتدہ وفات سے وطی بالشبہہ کی گئی تو وہ مہینوں سے عدت شمار کرے گی اور جو حیض دیکھے گی اسے بھی عدت میں شمار کرے گی، تاکہ حتی الامکان تداخل ثابت ہو جائے۔

**معتدہ وطی بالشبہہ کا شمار ہوئی تو دونوں عدتوں کے تداخل کی بحث:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماقبل والا مسئلہ معتدہ بابتہ کے بجائے معتدہ بالوفات کے ساتھ پیش آئے اور اس سے وطی بالشبہہ کر لی جائے تو وہ عورت مہینوں کے ذریعے اپنی عدت پوری کرے اور چار ماہ دس دن میں اسے جو حیض آئے اس کو پہلی عدت میں شمار کرتی ہے، کیوں کہ یہاں عدت کی جنس مختلف ہے، اس لیے ہمارے اور شوافع دونوں کے یہاں تداخل ہوگا۔

وَإِبْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاتِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ، فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتَّى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، لِأَنَّ سَبَبَ وَجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوْ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ إِبْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ وَجُودِ السَّبَبِ، وَمَشَائِخُهَا يُفْتَوْنَ فِي الطَّلَاقِ أَنْ إِبْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِنُتْهِمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

**ترجمہ:** اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق سے ہوگی اور وفات میں وفات کے بعد سے ہوگی، پھر اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی، اس لیے کہ وجوب عدت کا سبب طلاق ہے یا وفات ہے، لہذا عدت کی ابتداء بھی وجوب سبب کے وقت سے معتبر ہوگی۔ اور ہمارے مشائخ طلاق کی صورت میں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ (اس میں) عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی تاکہ آپسی اتفاق کی تہمت دور ہو جائے۔

**اللغات:**

﴿عقوب﴾ فوراً بعد۔ ﴿مضت﴾ گزر گئی۔ ﴿يفتون﴾ فتویٰ دیتے ہیں۔ ﴿مواضع﴾ آپس میں ملے کر لینا۔

**عدت کی ابتداء کا وقت:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عدت طلاق میں ”طلاق“ اور عدت وفات میں ”وفات“ وجوب عدت کا سبب ہے اس لیے طلاق اور وفات کے بعد ہی عدت کا آغاز ہوگا خواہ عورت کو وفات اور طلاق کا علم بعد میں ہوا ہو، اسی لیے اگر عدت کی مدت گزر گئی اور عورت کو وجوب عدت کے سبب کا علم نہیں تھا تو بھی اتمام عدت کا حکم لگایا جائے گا اور عورت کے سبب وجوب کو نہ جاننے کی وجہ سے جاننے کے بعد سے عدت کا آغاز نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلاق کی صورت میں مشائخ بخارا اور سمرقند کا یہ فتویٰ تھا کہ عدت کی ابتداء شوہر کے اقرار

سے ہوگی یعنی اگر میاں بیوی دونوں الگ الگ رہتے تھے اور پھر جب دونوں ملے تو شوہر کہنے لگا کہ میں تین ماہ پہلے تجھے طلاق دے چکا ہوں اور بیوی نے اسے مان لیا تو اس وقت سے عدت کا آغاز ہوگا اور تین ماہ پہلے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، تاکہ میاں بیوی پر الزام عائد نہ ہو کہ انہوں نے آپس میں اتفاق رائے سے طلاق اور انقضائے عدت پر رضا مندی کر لی ہو، اس لیے اُن سے تہمت دور کرنے کے لیے اقرار کے وقت سے اس کی ابتداء مانی جائے گی۔

وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيبُ التَّفْرِيقِ أَوْ عَزْمُ الْوَاطِئِ عَلَى تَرْكِ وَطِئِهَا، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ مِنْ أَخْبَرِ الْوُطْئَاتِ، لِأَنَّ الْوُطْئَ هُوَ السَّبَبُ الْمَوْجِبُ، وَلَنَا أَنَّ كُلَّ وَطْئٍ وَجَدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْعَلُ مَجْرَى الْوُطْئِيَةِ الْوَاحِدَةِ لَا سِتْنَادَ الْكُلِّ إِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَلِهَذَا يَكْتَفِي فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ، فَقَبْلَ الْمُتَارِكَةِ أَوْ الْعَزْمِ لَا تَنْبُتُ الْعِدَّةُ مَعَ جَوَازِ وَجُودِ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّ التَّمَكُّنَ عَلَى وَجْهِ الشُّبْهَةِ أُقِيمَ مَقَامَ حَقِيقَةِ الْوُطْئِ لِخِفَائِهِ، وَمَسَاسُ الْحَاجَةِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهِ.

**ترجمہ:** اور نکاح فاسد میں عورت، تفریق یا واطی کے ترک واطی کا عزم کرنے کے بعد شروع ہوگی۔ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری واطی سے شروع ہوگی، اس لیے کہ واطی ہی وجوب عدت کا سبب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں پائی جانے والی ہر واطی ایک واطی کے قائم مقام ہوتی ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی طرف ہوتی ہے، اسی لیے ایک ہی مہر کافی ہوتا ہے لہذا متارکت یا عزم سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس کے علاوہ کے وجود کا امکان ہے۔ اور اس لیے کہ بطور شبہ واطی پر قدرت حقیقت واطی کے قائم مقام ہے، اس لیے کہ واطی ایک مخفی امر ہے۔ اور واطی کے علاوہ کے حق میں حکم معلوم ہونے کی ضرورت بھی درکار ہے۔

## اللغات:

﴿عزم﴾ پختہ ارادہ۔ ﴿خفاء﴾ مخفی ہونا۔ ﴿تمکن﴾ قدرت حاصل ہونا۔

## نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء کا وقت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد اور عورت کے درمیان نکاح فاسد ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ واجب الرد ہے لیکن اس میں عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب حاکم زوجین کے درمیان تفریق کرے گا یا اس وقت سے ہوگی جب واطی ترک واطی کا عزم مصمم کر لے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء آخری واطی سے ہوگی، اس لیے کہ واطی ہی وجوب عدت کا سبب ہے، کیوں کہ اگر یہ شخص واطی نہ کرتا تو اس عورت پر عدت نہ واجب ہوتی معلوم ہوا کہ وجوب عدت کا محرک اور سبب واطی ہے، اس لیے عدت کی ابتداء آخری واطی سے ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں جتنی واطی کی جاتی ہیں وہ سب ایک ہی واطی کے درجے میں ہیں، اس لیے کہ وہ تمام ایک ہی عقد کی طرف منسوب ہیں اور ان سب کی وجہ سے ایک ہی مہر بھی واجب ہوتا ہے، لہذا تفریق سے پہلے یا ترک واطی کا عزم مصمم کرنے

سے پہلے تفریق ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ ان چیزوں کے بغیر دوبارہ وطی کرنے کا امکان ہے، لہذا جب تک تفریق نہیں ہوگی یا ترک وطی کا عزم مصمم نہیں ہوگا اس وقت تک عدت کی ابتداء نہیں ہوگی۔

ولأن التمكن الخ: یہاں سے دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی وطی ایک امر مخفی ہے اور وطی بالشبہ اس کے قائم مقام ہے۔ اور ہر وہ چیز جو مخفی ہو اور اس کا سبب ظاہر موجود ہو اس میں سبب ظاہر اس کے قائم مقام ہوتا ہے، اس لیے قدرت علی وجہ شبہ وطی کے قائم مقام ہوگی اور ظاہر ہے کہ تفریق یا عزم ترک سے پہلے قدرت علی الوطی کا امکان رہتا ہے، اس لیے جب تک تفریق نہیں ہوگی یا عزم علی ترک نہیں ہوگا اس وقت تک عدت کا آغاز نہیں ہوگا۔

ومساس الحاجة الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حقیقت وطی کا امر مخفی ہونا ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیوں کہ معرفت عدت کی حاجت زوجین کو ہے اور زوجین کے نزدیک حقیقت وطی امر معلوم ہے نہ کہ امر مخفی، لہذا وطی کو امر مخفی قرار دینا درست نہیں ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی زوجین کے علاوہ کو بھی عدت معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ اگر مذکورہ عورت سے کوئی شخص نکاح صحیح کرنا چاہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ وہ عدت کی ابتداء اور انتہاء کے متعلق معلومات حاصل کرے، اس لیے اگرچہ زوجین کے حق میں وطی امر مخفی نہیں ہے، مگر ان کے علاوہ کے حق میں یہ امر مخفی ہے اس لیے اسے مخفی مانا جائے گا۔

وَإِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَةُ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِينِ، لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي ذَلِكَ وَ قَدْ أَتَاهُمُ بِالْكَذِبِ فَتَحْلِفُ كَالْمُودَعِ.

**ترجمہ:** اور جب معتدہ عورت نے کہا کہ میری عدت پوری ہو چکی لیکن شوہر نے اس کی تکذیب کر دی تو قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں امین ہے مگر چوں کہ اسے جھوٹ کے ساتھ متہم کیا گیا ہے، لہذا مودع کی طرح وہ قسم کھائے گی۔

### عدت پوری ہو جانے میں اختلاف کے وقت قول معتبر:

صورت مسئلہ تو آسان ہے کہ اگر معتدہ عدت گزرنے کی خبر دے اور شوہر اس کی تکذیب کرے تو یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ انقضائے عدت کی خبر دینے میں وہ امین ہے اور امین کا قول معتبر ہوتا ہے، مگر چوں کہ شوہر کی تکذیب سے اس کی خبر میں جھوٹ کا شائبہ ہو گیا ہے، اس لیے وہ اپنی خبر کو سچی ثابت کرنے کے لیے قسم کھائے گی تاکہ قسم سے اس کی بات پختہ ہو جائے اور شوہر کی تکذیب بے حیثیت ہو کر رہ جائے، جیسے اگر کسی نے کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھی اور مودع نے کہا کہ وہ ہلاک ہو گئی یا یوں کہا کہ میں نے اسے واپس کر دیا، لیکن مودع نے اس کا انکار کر دیا تو اگر مودع کے پاس بینہ نہ ہو تو یمین کے ساتھ مودع کا قول معتبر ہوگا۔ لأنه أمين وما على الأمين إلا اليمين۔ (عناہ)

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَاطِلًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَ عَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسَقَّلَةٌ، وَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ وَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ نِصْفُ

الْمَهْر، وَ عَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْاُولَى، لَآنَ هَذَا طَلَاَقٌ قَبْلَ الْمَسِيْسِ فَلَا يُوْجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اسْتِيْنَاَفَ الْعِدَّةِ، وَ اِكْمَالَ الْعِدَّةِ الْاُولَى اِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاَقِ الْاَوَّلِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ حَالُ التَّرْوُجِ الثَّانِي فَاِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاَقِ الثَّانِي ظَهَرَ حُكْمُهُ كَمَا لَوْ اشْتَرَاى اُمُّ وَلَدٍ ثُمَّ اَعْتَقَهَا، وَ لَهُمَا اَنَّهَا مَقْبُوْضَةٌ فِيْ يَدِهِ حَقِيْقَةً بِالْوَطِيَّةِ الْاُولَى وَ بَقِيَ اَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ فَاِذَا جُدِدَ النِّكَاحُ وَهِيَ مَقْبُوْضَةٌ نَابَ ذَلِكَ الْقَبْضُ الْمُسْتَحَقُّ فِيْ هَذَا النِّكَاحِ كَالْغَاصِبِ يَشْتَرِي الْمَغْصُوْبَ الَّذِي فِيْ يَدِهِ يَصِيْرُ قَابِضًا بِمَجَرَّدِ الْعَقْدِ فَوَضَحَ بِهَذَا اَنَّهُ طَلَاَقٌ بَعْدَ الدُّخُوْلِ، وَ قَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا اَصْلًا، لَآنَ الْاَوَّلَى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّرْوُجِ فَلَا تَعُوْدُ، وَ الثَّانِيَةَ لَمْ تَجِبْ وَ جَوَابُهُ مَا قُلْنَا.

**ترجمہ:** اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی پھر اس کی عدت میں اس سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دے دیا تو اس پر کامل مہر واجب ہوگا اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوگی۔ اور یہ حکم حضرات شیخین کے یہاں ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر نصف مہر واجب ہے اور اس کی بیوی پر پہلی عدت کا اتمام لازم ہے، اس لیے کہ یہ طلاق قبل الدخول ہے لہذا نہ تو پورا مہر واجب کرے گا اور نہ ہی از سر نو عدت واجب کرے گا۔ رہا پہلی عدت کا اتمام تو وہ طلاق اول سے واجب ہے، لیکن دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہوا مگر جب نکاح ثانی طلاق ثانی سے دور ہو گیا تو طلاق اول کا حکم ظاہر ہو گیا۔ جیسے اگر کسی نے اپنی ام ولد کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اور حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت پہلی وطی سے حقیقتاً اپنے شوہر کے قبضے میں مقید ہے اور وطی اول کا اثر یعنی عدت ابھی بھی باقی ہے، لہذا جب عورت کے مقید ہونے کی حالت میں نکاح کی تجدید ہوئی تو یہ قبضہ اس نکاح (ثانی) کے قبضہ واجبہ کے قائم مقام ہو گیا، جیسے غاصب اگر اس غصب کردہ چیز کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ ہو تو نفس عقد ہی سے وہ قابض ہو جائے گا، لہذا اس سے یہ واضح ہو گیا کہ طلاق بعد الدخول ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عورت پر عدت ہی نہیں واجب ہے، کیوں کہ نکاح ثانی سے پہلی عدت ساقط ہو گئی لہذا اب وہ عود نہیں کرے گی۔ اور دوسری عدت واجب ہی نہیں ہوئی۔ اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

### اللغات:

﴿اِتمام﴾ پورا کرنا۔ ﴿مسیس﴾ جماع۔ ﴿استیناف﴾ نئے سرے سے شروع کرنا۔ ﴿تزوج﴾ شادی کرنا۔ ﴿ارتفع﴾ اٹھ گیا۔ ﴿جدد﴾ نیا کیا گیا۔

### عدت طلاق میں نکاح ہو کر دوبارہ طلاق ملنے والی عورت کی عدت کی بحث:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی، لیکن عدت کے دوران دوبارہ اس سے نکاح کر لیا مگر وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے پھر اسے طلاق دے دیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ حضرات شیخین کے یہاں اس شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور اس کی بیوی پر مستقل دوسری عدت واجب ہوگی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور بیوی پر پہلی عدت کا اتمام

واجب ہوگا۔

صاحب نے ذخیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ایک فقہی ضابطے پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات شیخین کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی کا دخول شمار ہوگا، لیکن امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی میں دخول نہیں شمار ہوگا۔ اس ضابطے کے پیش نظر چوں کہ اس شخص نے نکاح ثانی میں دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دی ہے اور طلاق قبل الدخول کی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پر عدت نہیں واجب ہوتی، اس لیے امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور اس طلاق کی عدت بھی نہیں واجب ہوگی، ہاں پہلی طلاق کی عدت کو پورا کرنا بیوی پر لازم ہوگا۔ کیوں کہ یہ عدت طلاق اول کی وجہ سے واجب ہوئی تھی مگر نکاح ثانی نے اسے دبا دیا تھا، لیکن شوہر نے نکاح ثانی میں دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دیدی تو اس کا حکم معدوم ہو گیا اور اب طلاق اول کا اثر لوٹ آیا اور چوں کہ طلاق اول خلوت اور وطی کے بعد دی گئی ہے اس لیے وہ موجب عدت ہوگی اور عورت پر پہلی عدت کا اتمام لازم ہوگا۔

صاحب کتاب ایک مثال کے ذریعے اسے مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے کسی نے دوسرے آدمی کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد اس نے اس باندی کو اس کے مولیٰ سے خرید کر آزاد کر دیا تو اس کا نکاح فاسد ہو گیا اور اس باندی پر تین حیض واجب ہوں گے، دو حیض تو زوال نکاح کی وجہ سے اور ایک حیض آزاد ہونے کی وجہ سے، کیوں کہ دو حیض فساد نکاح کی وجہ سے بطور عدت واجب ہوئے تھے مگر ابھی اس کے حق میں عدت کا حکم ظاہر نہیں ہوا ہے کیوں کہ ملک یمین موجود ہے اور ملک یمین مانع عدت ہے، لیکن جب شوہر نے اس کو آزاد کر دیا تو مانع عدت زائل ہو گیا اور باندی کے حق میں بھی عدت کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس پر مزید ایک حیض واجب ہو گیا۔ اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی نکاح ثانی سے طلاق اول کا حکم معدوم تھا، لیکن جب بدون وطی نکاح ثانی میں طلاق دی گئی تو طلاق اول کا حکم عود کر آیا اور اس پر عدت اولیٰ کا اتمام لازم کیا گیا۔

ولہما الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ عورت پہلی وطی کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضے میں مقید ہے اور ابھی تک اس پہلی وطی کا اثر شکل عدت باقی ہے، لہذا جب شوہر نے بحالت عدت اس سے دوبارہ نکاح کیا تو نکاح اول نکاح ثانی کے قبضہ واجبہ کے قائم مقام ہو گیا اور چوں کہ ان حضرات کے یہاں نکاح اول کا دخول نکاح ثانی میں دخول شمار کیا جاتا ہے، اس لیے نکاح ثانی میں اگرچہ قبل الوطی طلاق دی گئی ہے مگر وہ طلاق بعد الدخول ہے اور طلاق بعد الدخول کی صورت میں شوہر پر پور مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوتی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں شوہر پر کامل مہر واجب ہوگا اور بیوی پر مستقل عدت واجب ہوگی۔ مثلاً زید نے بکری بکری غصب کر کے اپنے قبضے میں لے لی پھر غاصب یعنی زید نے بکری سے وہ بکری خرید لی تو صرف خریدنے سے ہی زید اس بکری پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا اور قبضہ جدیدہ کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ قبضہ اولیٰ اشتراء والے قبضے کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اسی طرح نکاح والے مسئلے میں بھی نکاح اول کا دخول نکاح ثانی کے دخول کے قائم مقام ہو جائے گا اور نکاح ثانی والی طلاق کو بعد الدخول مانا جائے گا۔

وقال زفر الخ: فرماتے ہیں کہ جب سب کی اپنی اپنی رائے ہے تو امام زفر رحمہ اللہ کیوں خاموش رہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں عورت پر عدت ہی واجب نہیں ہے نہ تو پہلی عدت کا اتمام واجب ہے اور نہ ہی مستقل دوسری عدت، کیوں کہ

نکاح ثانی کی وجہ سے عدت اولیٰ ساقط ہو چکی ہے، اس لیے اب وہ لوٹ کر آنے سے رہی اور نکاح ثانی چوں کہ وطی اور خلوت سے پہلے طلاق دی گئی ہے، اس لیے اس کے بعد بھی عدت نہیں واجب ہوگی۔

وَ اِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَ كَذَا اِذَا خَرَجَتِ الْحَرْبِيَّةُ اِلَيْنَا مُسْلِمَةً فَاِنْ تَزَوَّجَتْ جَازًا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا، وَ هَذَا كُلُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ قَالَا عَلَيْهَا وَ عَلَى الذِّمِّيَّةِ الْعِدَّةُ، اَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَلَا اخْتِلَافَ فِيْهَا نَظِيرُ الْاِخْتِلَافِ فِيْ نِكَاحِهِمْ مَحَارِمُهُمْ وَ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ، وَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيمَا اِذَا كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ اِنَّهٗ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا، وَ اَمَّا الْمَهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ وَ جَبَّتِ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا اِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَ تَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّلْيِغِ، وَ لَهٗ قَوْلُهُ تَعَالٰی ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تُنكِحُوْهُنَّ ﴾ (سورة الممتحنة : ۱۰)، وَ لِاَنَّ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَ جَبَّتْ كَانَ فِيْهَا حَقُّ بَنِي اٰدَمَ وَ الْحَرْبِيِّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتّٰى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمْلِكِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا، لِاَنَّ فِيْ بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ، وَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُهَا وَ لَا يَطَاقُهَا كَالْحَبْلِيِّ مِنَ الرِّثَاءِ، وَ الْاَوَّلُ اَصَحُّ.

**ترجمہ:** اور اگر ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو اس پر عدت نہیں واجب ہے اور ایسے ہی اگر حربیہ عورت مسلمان ہو کر ہماری طرف نکل آئی (تو اس پر بھی عدت نہیں واجب ہے) چنانچہ اگر اس نے نکاح کر لیا تو جائز ہے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو (تو ممنوع ہے) اور یہ سب حضرات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ حربیہ اور ذمیہ پر عدت واجب ہے۔ رہی ذمیہ تو اس کے متعلق یہ اختلاف اس اختلاف کی نظیر ہے جو ذمیوں کا اپنی عمار سے نکاح کرنے کے سلسلے میں ہے اور ہم کتاب النکاح میں اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول اس صورت میں ہے جب ذمیوں کا یہ عقیدہ ہو کہ ان کی مطلقہ پر عدت نہیں ہے، رہی مہاجرہ تو اس کے متعلق حضرات صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر دوسرے سبب سے فرقت ہوتی تو عدت واجب ہوتی، لہذا بتائیں دارین کو وجہ سے بھی عدت واجب ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب مرد نے ہجرت کی اور بیوی کو دارالحرب میں چھوڑ دیا، اس لیے کہ اسے شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یہ ہے کہ لا جناح علیکم ان تنکحوهن یعنی تمہارے لیے ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس لیے جہاں عدت واجب ہوتی ہے وہاں آدمی کا حق ہوتا ہے جب کہ حربی جہاد کا مستحق ہے اسی لیے وہ ملکیت کا محل (بھی) ہو سکتا ہے، الا یہ کہ اس کی بیوی حاملہ ہو، اس لیے کہ اس کے پیٹ میں ثابت النسب بچہ ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس حاملہ سے نکاح جائز ہے البتہ اس سے (شوہر) وطی نہ کرے جیسے حاملہ من الزنا اور پہلا قول اصح ہے۔

**ذمیہ اور حربیہ کی عدت:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی شخص نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دی یا کوئی حربیہ عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے



دارالکفر چلی آئی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان دونوں عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے اور یہ عورتیں اگر چاہیں تو بلا عدت و انتظار اپنا نکاح کر سکتی ہیں، ہاں اگر حریہ عورت حاملہ ہو تو پھر دارالاسلام آنے کے بعد بھی وضع حمل سے پہلے وہ نکاح نہیں کر سکتی۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں دونوں عورتوں پر عدت واجب ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ذمی عورت کے سلسلے میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عدم وجوب عدت کا قول اسی صورت میں ہے جب ذمیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ ان کی مطلقہ پر عدت واجب نہیں ہے۔

رہی دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آنے والی عورت کا مسئلہ تو اس کے متعلق حضرات صاحبین جو وجوب عدت کے قائل ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر بتائیں دارین کے علاوہ کسی دوسری وجہ مثلاً موت یا طلاق سے فرقت ہوتی تو عدت واجب ہوتی لہذا بتائیں دارین کی وجہ سے واقع ہونے والی فرقت سے بھی عدت واجب ہوگی، ہاں اگر عورت کے بجائے مرد ہجرت کر کے دارالاسلام آیا تو پھر اس کی بیوی پر عدت نہیں واجب ہوگی، کیوں کہ دارالحرب میں اس عورت کو شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے اور جب شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے تو پھر وجوب عدت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے یا ایہا الذین امنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات الخ اور اگے فرمایا کہ ولا جناح علیکم ان تنکحوھن الخ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حریہ عورتیں مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام چلی آئیں تو ان کا ایمانی امتحان لے لو اور پھر ان سے نکاح کر لو، اس میں حرج نہیں ہے، صاحب بنایہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق لا جناح علیکم ان تنکحوھن فرمایا ہے اور اس میں انقضائے عدت وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، لہذا وجوب عدت کا حکم لگانے سے نص قرآنی پر زیادتی ہوگی جو درست نہیں ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ عدت جہاں بھی واجب ہوتی ہے وہاں شوہر کا حق ہوتا ہے، تاکہ اس کے پانی کی حفاظت کی جائے اور اس کی محنت و مشقت میں دوسرے کی محنت کا انضمام نہ ہو، اور یہ بات بھی طے ہے کہ اسی آدمی کے پانی کی حفاظت کی جاتی ہے جو معزز و مکرم ہو، اور حربی ملعون و منحوس ہوتا ہے اور انسانوں کی فہرست سے خارج جمادات کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اسے آلو، ٹماٹر اور مٹر کی طرح بازاروں میں فروخت کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے پانی کی کوئی حفاظت نہیں ہوگی اور اس کی بیوی پر عدت بھی نہیں واجب ہوگی۔ البتہ اگر حریہ عورت حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ حربی مرد سے اس کا حمل ثابت النسب ہے اور فراش ثابت ہے، لہذا حدیث من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسقی ماء ہ زرع غیرہ کے پیش نظر وضع حمل سے پہلے حریہ عورت سے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

وعن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حریہ مہاجرہ عورت سے نکاح جائز ہے خواہ وہ حاملہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ وضع حمل سے پہلے اس سے وطی نہ کی جائے، جیسے حاملہ من الزناء سے نکاح جائز ہے مگر وضع حمل سے پہلے وطی ممنوع ہے، لیکن پہلا قول یعنی عدم جواز نکاح والا قول زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ جب اس کا حمل ثابت النسب ہے تو پھر اس میں باتھذالناماسب نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

## فصل

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جن کا کرنا یا نہ کرنا معتدہ عورتوں کے لیے ضروری ہے

قَالَ وَ عَلَى الْمُبْتَوَةِ وَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا إِذَا كَانَتْ بِالْعَةِ مُسْلِمَةً عَلَيْهَا الْحِدَادُ، أَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجَهَا فَلِقَوْلِهِ ① ((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا))، وَ أَمَّا الْمُبْتَوَةُ فَمَذْهَبُنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا حِدَادَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ وَجَبَ إِظْهَارًا لِلتَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ زَوْجٍ وَفِي بَعْضِهَا إِلَى مَمَاتِهِ، وَقَدْ أَوْحَشَهَا بِالْإِبَانَةِ فَلَا تَأْسَفُ بِقَوْتِهِ، وَ لَنَا مَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ② ((نَهَى الْمُعْتَدَةَ أَنْ تَحْتَضِبَ بِالْحِنَاءِ)) وَقَالَ ((الْحِنَاءُ طِيبٌ))، وَ لِأَنَّهُ يَجِبُ إِظْهَارًا لِلتَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ الَّذِي هُوَ سَبَبٌ لِمَصْرُفِهَا وَ كِفَايَةُ مُرْنِهَا، وَ الْإِبَانَةُ أَفْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتَّى كَانَ لَهَا أَنْ تَغْسِلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ متوتہ اور متوفی عنہا زوجہ اگر بالغ اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب ہے، رہی متوفی عنہا زوجہ تو وہ اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرنا حلال نہیں ہے لیکن اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔ یہی متوتہ (اور اس کا مسئلہ) تو وہ ہمارا مذہب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سوگ نہیں ہے، کیوں کہ سوگ ایسے شوہر کے انتقال پر اظہار افسوس کے لیے واجب ہوا ہے جس نے اپنی موت تک اس عورت کا معاہدہ پورا کیا ہو حالاں کہ اس شخص نے جدا کر کے اس کو وحشت میں ڈال دیا ہے، لہذا اس کی جدائی پر افسوس نہیں کیا جائے گا۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے معتدہ کو حناء کا خضاب لگانے سے منع کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ حنا خوشبو ہے۔ اور اس لیے کہ سوگ نکاح کی اس نعمت کے فوت ہونے پر اظہار افسوس کے لیے ہوتا ہے جو عورت کی حفاظت اور اس کی ضروریات کی

کفایت کا سبب ہے۔ اور ابانت عورت کے لیے موت زوج سے بھی زیادہ بھیا تک ہے یہاں تک کہ ابانت سے پہلے عورت کے لیے اپنے مردہ شوہر کو غسل دینا جائز ہے، لیکن ابانت کے بعد جائز نہیں ہے۔

### اللَّغَات:

﴿حداد﴾ سوگ کرنا، زیب و زینت اور باہر نکلنے کو ترک کرنا۔ ﴿تأسف﴾ افسوس، حسرت۔ ﴿إبانة﴾ بائن کرنا۔ ﴿معتدة﴾ عدت گزارنے والی۔ ﴿تختضب﴾ بال رنگے، خضاب لگائے۔ ﴿حناء﴾ مہندی۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿صون﴾ حفاظت، بچاؤ۔ ﴿مؤن﴾ خرچے +

### تخریج:

① اخرجه البخاری فی کتاب الجنائز باب احداث المرأة علی غیر زوجها، حدیث: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱.

② اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب فیما تجتنب المعتدة فی عدتها، حدیث: ۲۳۰۵، ۲۳۰۲.

### عدت میں سوگ اور ترک زینت:

اس عبارت میں سوگ کا بیان ہے جس کی تفصیل و تشریح آئندہ عبارت میں خود ہی آرہی ہے، سوگ کے متعلق یہاں یہ حکم ہے کہ متوتہ یعنی وہ عورت جس کے میاں سے جدائی ہوگئی ہو خواہ طلاق بائن سے ہو یا طلاق مغلظہ سے یا خلع سے اس پر اور وہ عورت جسے چھوڑ کر اس کا شوہر مر گیا ہو اس پر ہمارے یہاں سوگ کرنا واجب ہے، متوفی عنہا زوجہا پر وجوب سوگ کے سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان دلیل ہے کہ لا تحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثة أيام إلا علی زوجها أربعة شہر وعشرا، یعنی جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے اپنے شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے۔

متوفی عنہا کے لیے سوگ کرنا تو متفق علیہ طور پر واجب ہے، لیکن متوتہ پر وجوب سوگ کا حکم صرف ہمارے یہاں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں متوتہ پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ سوگ صرف اس شوہر کے انتقال پر واجب ہوتا ہے جس نے موت تک بیوی کی رفاقت ادا کی ہو اور تادم حیات اس کے دکھ درد میں شریک رہا ہو۔ اور بائنہ کرنے والا مرد چوں کہ اپنی زندگی ہی میں عورت کو وحشت میں مبتلا کر دیتا ہے، اس لیے وہ ایک نہیں بلکہ ایک ہزار مرتبہ مرے تو بھی اس بد بخت پر سوگ نہیں کیا جائے گا۔

ولنا الخ: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متوتہ پر وجوب سوگ کے سلسلے میں ہماری دلیل یہ حدیث ہے أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی المعتدة أن تختضب بالحناء وقال الحناء طیب یعنی آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو رنگ حناء کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور حناء کو آپ نے خوشبو قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہے کہ حدیث میں مطلقاً معتدہ کو حناء کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور معتدہ طلاق یا معتدہ وفات میں کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے، اس لیے ہر معتدہ پر سوگ واجب ہے۔ گم خواہ وہ معتدہ وفات ہو یا معتدہ نکاح۔

معتدہ طلاق اور مہوتہ پر وجوب سوگ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس کا وجوب نکاح کی اس نعمت عظمیٰ کی زوال پر ہوتا ہے جو عورت کی حفاظت اور اس کی ضروریات کی کفالت و کفایت کا سبب ہے۔

اور یہ نعمت جس طرح وفات زوج سے زائل ہوتی ہے اسی طرح ابانت زوج سے بھی زائل ہوتی ہے، بلکہ ابانت عورت کے حق میں موت سے بھی زیادہ بھیا تک ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ عورت ابانت سے پہلے تو اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے، لیکن ابانت کے بعد نہیں دے سکتی، اس لیے اس حوالے سے بھی مہوتہ پر سوگ واجب کرنا مفید اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مہوتہ پر عدم وجوب سوگ ہی کا قول بہتر اور مناسب ہے اور آج کے زمانے میں چوں کہ معمولی سی تکرار پر بھی ابانت ہو جاتی ہے اس لیے عورت بیچاری کتنے شوہروں کے لیے سوگ کرے گی لہذا مہوتہ پر سوگ کے عدم وجوب کا قول ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ عبدالحلیم قاسمی بستوی

وَالْحِدَادُ وَيَقَالُ الْإِحْدَادُ وَهَمَّا لَعْنَانِ أَنْ تَتْرَكَ الطَّيِّبَ وَالزَّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالذَّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إِلَّا مِنْ وَجَعٍ، وَالْمَعْنَى فِيهِ وَجْهَانِ أَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ إظهارِ النَّاسِفِ، وَالْقَائِي أَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ دَوَاعِي الرِّغْبَةِ فِيهَا وَهِيَ مَمْنُوعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ لَتَجَنُّبِهَا كَيْلًا تَصِيرَ ذَرِيعَةً إِلَى الْوُقُوعِ فِي الْمُحْرَمِ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ((لَمْ يَأْذَنْ لِلْمُعْتَدَةِ فِي الْإِسْتِحْالِ)) وَالذَّهْنُ لَا يَغْرَى عَنْ نَوْعٍ طَيِّبٍ وَفِيهِ زِينَةُ الشَّعْرِ وَلِهَذَا يُنْمَعُ الْمُحْرَمُ عَنْهُ، قَالَ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ، لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً، وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ لَا الزَّيْنَةُ، وَلَوْ اعْتَادَتِ الذَّهْنَ فَخَافَتْ وَجَعًا فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا أَيْبَحُ لَهَا، لِأَنَّ الْغَالِبَ كَالْوَاقِعِ وَكَذَا لُبْسُ الْحَرِيرِ إِذَا احتَاجَتْ إِلَيْهِ لِعُدْرٍ لَا بَأْسَ، وَلَا تَخْضِبُ بِالْحِنَاءِ لِمَا رَوَيْنَاهُ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا بَعْضُفٍ وَلَا يَزَعْفَرَانٍ لِأَنَّهُ يَقُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطَّيِّبِ.

**ترجمہ:** حداد اور کہا جاتا ہے اِحداد یہ دونوں دو لغتیں ہیں جن کے معنی ہیں کہ عورت خوشبو لگانا، زینت اختیار کرنا، سرمہ لگانا اور تیل لگانا سب ترک کر دے (خواہ وہ تیل خوشبودار ہو یا بغیر خوشبودار ہو) مگر عذر کی وجہ سے۔ اور جامع صغیر میں إِلَّا مِنْ وَجَعٍ (درد سے) ہے اور اس میں دو طرح سے دلیل مذکور ہے، ان میں سے ایک وہ ہے جو ہم بیان کر چکے یعنی افسوس ظاہر کرنا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں اس عورت میں اسباب رغبت ہیں حالاں کہ اسے نکاح سے منع کیا گیا ہے، لہذا وہ ان چیزوں سے احتراز کرے، تاکہ یہ چیزیں حرام میں واقع ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں اور یہ بات صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور تیل لگانا ایک طرح کی خوشبو سے خالی نہیں ہوتا ہے اور اس میں بالوں کی زینت ہے، اسی لیے محرم کو اس سے روکا جاتا ہے۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے اور مراد دواء ہے نہ کہ زینت۔ اور اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہو اور اسے درد کا اندیشہ ہو اور یہ امر ظاہر ہو تو اس کے لیے تیل لگانا مباح ہوگا، اس لیے کہ غالب واقع کی طرح ہے۔ اور ایسے ہی

اگر عذر کی وجہ سے عورت کو ریشم پہننے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور معتدہ رنگ حناء نہ استعمال کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے اور ایسا کپڑا بھی نہ پہنے جو کم اور زعفران کے رنگ سے رنگا ہو، اس لیے کہ اس سے خوشبو پھوٹی رہتی ہے۔

## اللغات:

﴿حداد﴾ سوگ کرنا۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿کحل﴾ سرمہ۔ ﴿دھن﴾ تیل۔ ﴿مطیب﴾ خوشبودار۔ ﴿وجع﴾ درد۔ ﴿تجنب﴾ پرہیز کرے۔ ﴿اکتحال﴾ سرمہ لگانا۔ ﴿حریو﴾ ریشم۔ ﴿حناء﴾ مہندی۔ ﴿العصفر﴾ ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے۔

## تخریج:

① أخرجه البخاری فی کتاب الطلاق باب الکحل للحادة، حدیث ۵۳۳۸، بمعناه.

## سوگ کی وضاحت:

سوگ کی وضاحت اور اس کی حقیقت بیان کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس عبارت میں اسی کا بیان ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حداد اور اِحداد دونوں کے معنی ہیں سوگ کرنا جس کی تفصیل یہ ہے کہ عورت عدت کے دوران نہ تو خوشبو لگائے، نہ سرمہ لگائے نہ تو زینت اختیار کرے یعنی نہ تولالی پوڑا اور کریم لگائے اور نہ ہی تیل لگائے، ہاں اگر ان میں سے کسی چیز کے استعمال کرنے میں اسے ضرورت ہو اور اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو یا جامع صغیر کی صراحت کے مطابق عورت کو تیل وغیرہ نہ استعمال کرنے پر سر میں درد کا خوف اور خدشہ ہو تو پھر ان چیزوں کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ معتدہ کے حق میں ترک زینت پر دو دلیلیں ہیں، ایک تو وہی ہے جو گذر چکی یعنی نکاح کی نعمت کے زوال پر اظہارِ افسوس ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے لوگ اس عورت میں دل چسپی لیں گے اور اس سے نکاح کی رغبت ظاہر کریں گے، حالانکہ دورانِ عدت معتدہ کو نکاح سے باز رکھا گیا ہے، اس لیے وہ عورت احتیاطاً ان چیزوں کے استعمال سے گریز کرے تاکہ ان کی وجہ سے وہ حرام کاری میں واقع نہ ہو۔

اسی لیے تو آپ ﷺ سے ایک معتدہ نے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، لیکن انہی خرابیوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے اسے اجازت نہیں دی تھی۔ اور معتدہ کے لیے تیل کا استعمال بھی ممنوع ہے، کیوں کہ تیل میں بھی ایک طرح کی خوشبو ہوتی ہے اور بالوں کی زینت ہوتی ہے اسی لیے تو محرم کو تیل کے استعمال سے روکا گیا ہے، کیوں کہ احرام میں بھی زیب و زینت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

قال إلا من عذر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بہنائے دواء معتدہ کو ان چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اسے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن آرائش کے طور پر ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہو اور اس کے ترک پر سروغیرہ میں درد کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ قوی ہو تو بھی تیل لگانے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ جو چیز غالب ہوتی ہے وہ واقع کی طرح ہوتی ہے، لہذا غالب کو واقع کا درجہ دے دیا جائے گا۔

وکذا لبس الحریر الخ: فرماتے ہیں کہ عذر اور ضرورت کی وجہ سے معتدہ کے لیے ریشم بھی پہننے کی اجازت ہے۔

و لا تختضب الخ : معتدہ کے لیے رنگ حنا کے استعمال کی بھی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حناء کو خوشبو قرار دیا ہے، اسی طرح کم اور زعفران کے رنگ سے رنگ ہوئے کپڑے بھی پہننا معتدہ کے لیے ممنوع ہے، کیوں کہ اس سے بھی خوشبو پھوٹی ہے اور خوشبو کا استعمال معتدہ کے لیے ممنوع ہے۔

قَالَ وَ لَا حِدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ، لِأَنَّهَا غَيْرُ مُخَاطَبَةٍ بِحُقُوقِ الشَّرْعِ، وَ لَا عَلَى صَغِيرَةٍ، لِأَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوعٌ عَنْهَا، وَ عَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ، لِأَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ بِحُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى فِيمَا لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلَى، بِخِلَافِ الْمُنْعِ مِنَ الْخُرُوجِ، لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّهِ، وَ حَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ کافرہ عورت پر سوگ نہیں ہے، کیوں کہ وہ حقوق شرع کی مخاطب نہیں ہے، اور صغیرہ پر بھی سوگ نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے اللہ کا خطاب اٹھالیا گیا ہے، اور باندی پر سوگ کرنا واجب ہے کیوں کہ وہ ان امور میں حقوق اللہ کی مخاطب ہے جن میں مولیٰ کا حق باطل نہیں ہوتا۔ برخلاف باہر جانے کی ممانعت کے، اس لیے کہ اس میں مولیٰ کا حق باطل ہو جاتا ہے اور بندے کا حق اس کی ضرورت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿حداد﴾ سوگ۔ ﴿امۃ﴾ باندی۔

### کافرہ عورت کے لیے سوگ کا حکم:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کافرہ عورت کا شوہر مرجائے تو اس کافرہ عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ سوگ اللہ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور کافرہ عورت شرع کی مخاطب نہیں ہے، ایسے ہی صغیرہ پر بھی سوگ واجب نہیں ہے، اس لیے کہ صغیرہ سے بھی خطاب الہی کو اٹھالیا گیا ہے اور بدون خطاب وجوب نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر کسی باندی کا شوہر مرجائے تو اس پر سوگ کرنا واجب ہے، کیوں کہ وہ امور جن میں مولیٰ کے حقوق کا ابطال لازم نہیں آتا ان میں باندی حقوق اللہ کی مخاطب ہے اور سوگ میں چوں کہ مولیٰ کے حق کا ابطال نہیں ہے اس لیے باندی پر سوگ کرنا واجب ہے، البتہ اس سوگ میں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت شامل نہیں ہوگی، کیوں کہ اس ممانعت میں مولیٰ کے حق کا ابطال ہے اور حق العبد حق اللہ سے مقدم ہے، اس لیے زیب و زینت کے ترک میں تو باندی پر سوگ ہے لیکن خروج کے حق میں سوگ نہیں ہے۔

قَالَ وَ لَيْسَ فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ وَ لَا فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ إِحْدَادٌ، لِأَنَّهَا مَا فَاتَهَا نِعْمَةُ النِّكَاحِ لِتُظْهِرَ التَّاسُّفَ، وَ الْإِبَاحَةَ أَصْلٌ.

**ترجمہ:** اور ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں ہے، کیوں کہ نعمت نکاح زائل نہیں ہوئی ہے تاکہ افسوس کرنا ظاہر ہو اور اباحت اصل ہے۔

## ام ولد اور منکوحہ فاسدہ کے لیے عدم حداد کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ام ولد کے مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا یا وہ مولیٰ مر گیا یا کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا تو ان دونوں عورتوں پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ سوگ کا وجوب نعمت نکاح کے زوال پر ہوتا ہے۔ اور ام ولد اور نکاح فاسد والی عورت کے حق میں نعمت نکاح زائل نہیں ہوئی، اس لیے اظہار افسوس کے لیے سوگ وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ زیب و زینت کی اباحت اصل ہے، لہذا یہ حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

وَلَا يَنْبَغِي أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ، وَلَا بَأْسَ بِالْتَّعْرِیْضِ فِي الْخِطْبَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵) إِلَى أَنْ قَالَ ﴿وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)، قَالَ ❶ ((الْبَسْرُ النِّكَاحُ))، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا التَّعْرِیْضُ أَنْ يَقُولَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَتَزَوَّجَ، وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوفِ إِنِّي فِيمَكَ لَرَاغِبٌ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَجْتَمِعَ.

**ترجمہ:** معتدہ کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں ہے تاہم منگنی کی تعریض کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”اس تعریض میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جو عورتوں کو نکاح کا پیغام دینے کے سلسلے میں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لیکن تم پوشیدہ طور پر بھی ان سے کوئی وعدہ نہ کرو، مگر یہ کہ قاعدے کے مطابق کوئی بات کہو“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سر کے معنی ہیں نکاح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تعریض یہ ہے کہ مرد یوں کہے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اور قول معروف کے سلسلے میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ تمہارے متعلق مجھے دل چسپی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک ساتھ ہو جائیں۔

## اللغات:

﴿تخطب﴾ پیغام نکاح دیا جائے۔ ﴿تعریض﴾ اشارہ کرنا۔ ﴿عرضتم﴾ اشارہ کہو۔ ﴿خطبة﴾ منگنی، پیغام نکاح۔ ﴿لا تواعدوهن﴾ ان سے وعدہ مت لو۔

## تخریج:

❶ لم اجده قال الزبلي هذا الحديث غريب جداً.

## معتدہ کو پیغام نکاح دینا:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ معتدہ عورت کو صراحۃً نکاح کا پیغام دینا ممنوع اور غیر مناسب ہے اور قرآن نے اسے منع کیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ولا تعزموا عقدة النکاح حتی يبلغ الكتاب أجله یعنی زمانہ عدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کا ارادہ بھی مت کرو، البتہ اشارتاً اور کنایتاً نکاح کی تعریض کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ خود قرآن کریم سے اس کی اجازت ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ولا جناح علیکم فیما عرّضتم بہ من خطبة النساء۔ تعریض کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے اگر کوئی مرد یوں کہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں یا میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل

جائے وغیرہ وغیرہ، تو اس طرح کی تعریض کی اجازت ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ تعریض میں کہیں بھی نکاح کا وعدہ نہیں ہونا چاہیے، نہ تو صراحۃً اور نہ ہی کنایۃً، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کنایۃً وعدہ نکاح سے بھی منع فرمایا ہے، چنانچہ قرآن نے کہا کہ وَلٰكِنْ لَا تَوَاعِدْ وَهِنْ سِرًّا اِلَّا اَنْ تَقُولُوْا قَوْلًا مَّعْرُوفًا۔ اور سر کے متعلق فرمان نبوی یہ ہے کہ وہ نکاح ہے۔ لہذا اس سے وعدہ نکاح کی ممانعت ثابت ہوئی۔ اور قول معروف کے متعلق حضرت سعید بن جبیر کا فرمان یہ ہے کہ اس سے مراد مرد کا یہ قول ہے اِلٰی لِرَاغِبٍ فِیْکَ وَ اِنِّیْ اُرِیدُ اَنْ نَجْتَمِعَ۔

وَلَا يَجُوزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمُبْتَوَاتِ الْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا وَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَ بَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا، اَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالٰی ﴿وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (سورة الطلاق : ۱)، قِيلَ الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوجِ، وَ قِيلَ الزِّنَاءُ، وَ يَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ، وَ اَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلَا تَنْفَقُ لَهَا فَتَحْتَاجُ اِلَى الْخُرُوجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ وَ قَدْ يَمْتَدُّ اِلَى اَنْ يَهْجُمَ اللَّيْلُ وَ لَا كَذَلِكَ الْمُطَلَّقَةُ، لِاَنَّ النَّفَقَةَ دَارَةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَالِ زَوْجِهَا حَتَّى لَوْ اخْتَلَعَتْ عَلَى نَفَقَةٍ عِدَّتِهَا قِيلَ اِنَّهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَ قِيلَ لَا تَخْرُجُ، لِاَنَّهَا اُسْقَطَتْ حَقَّهَا فَلَا يَطْلُبُ بِهٖ حَقٌّ عَلَيْهَا۔

**ترجمہ:** اور مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ کے لیے رات اور دن میں اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اور متوفی عنہا زوہدان میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر نکل سکتی ہے، لیکن اپنے گھر کے علاوہ (کسی دوسری جگہ) رات نہ گزارے۔ رہی مطلقہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ”کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں الا یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کریں۔ کہا گیا کہ فاحشہ نفس خروج ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ فاحشہ زنا ہے۔ اور یہ عورتیں اقامت حد کے لیے نکلیں گی۔ رہی متوفی عنہا زوہدا تو چون کہ اس کا نفقہ نہیں ہوتا، لہذا طلب معاش کے لیے وہ دن میں نکلنے کی محتاج ہے۔ اور کبھی کبھی تلاش معاش رات آنے تک دراز ہو جاتا ہے۔

اور مطلقہ ایسی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا نفقہ اس کے شوہر کے مال سے جاری رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی عدت کے نفقہ پر خلع کیا تو ایک قول یہ ہے کہ دن میں نکلے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں نکلے گی، اس لیے کہ اس نے اپنا حق ساقط کر دیا، لہذا اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہوگا۔ جو اس پر لازم ہے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿مبتوتہ﴾ باندہ۔ ﴿لا تبیت﴾ رات نہ گزارے گی۔ ﴿فاحشہ﴾ کھلی برائی۔ ﴿یہجم﴾ طاری ہو جائے۔ ﴿دارۃ﴾

بہنے والا، جاری۔

**معتدۃ کے لیے گھر سے نکلنا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو اس عورت کے لیے بلا ضرورت شرعی یا



انسانی رات اور دن کے کسی بھی حصے میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ ضرورت شرعی مثلاً اقامتِ حدود وغیرہ کے لیے یا ضرورت انسانی مثلاً قضاء حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ اس کے برخلاف متوفی عنہا زوجہا میں بھی گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور رات کے کچھ حصے میں بھی نکل سکتی ہے، البتہ وہ رات اسی مکان میں گزارے جہاں اپنے شوہر کیساتھ رہتی تھی، اور رات کو ہر حال میں گھر چلی آئے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ الْخِلَافَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مَبِينَةٍ“ یعنی اگر مطلقہ عورتیں کھلی ہوئی بے حیائی کریں مثلاً بدکاری یا چوری کریں تو انہیں گھر سے نکالا جاسکتا ہے، اسی طرح فاحشہ کے متعلق بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے نفس خروج ہے یعنی اگر یہ عورتیں بلا ضرورت گھر سے باہر نکلیں تو پھر ہمیشہ کے لیے انہیں نکال دو، یا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا بلا ضرورت نکل جانا ہی فحش اور بے حیائی ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ فاحشہ سے زناء مراد ہے اور زناء کرنے کی وجہ سے اقامتِ حدود کے لیے انہیں نکالا جائے گا۔ اس میں سے پہلا قول ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ کا ہے اور اس کو امام اعظم رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور اسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ (بنیہ ۵/۴۳۵)

متوفی عنہا زوجہا کو پورے دن اور رات کے کچھ حصے میں نکلنے کی اجازت ہے، کیوں کہ موتِ زوج کی وجہ سے شوہر کی طرف سے ملنے والا اس کا نفقہ موقوف ہو جاتا ہے، اس لیے طلبِ معاش کے لیے اسے گھر سے باہر نکلنا ہی ہوگا اور ظاہر ہے کہ کاروبار میں دن کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار رات بھی ہو جاتی ہے، اسی لیے ہم اسے رات کے کچھ حصے میں بھی نکلنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف مطلقہ کا یہ حال نہیں ہے کیوں کہ عدت کے زمانے میں مطلقہ کو اس کے شوہر کے مال سے نفقہ اور خرچہ ملتا رہتا ہے، اس لیے اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عورت نے عدت کے زمانے میں اپنے شوہر سے نفقہ عورت کے بدلے خلع کر لیا تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں اس کے لیے طلبِ معاش کی خاطر نکلنے کی اجازت ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں اسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیوں کہ اس نے خود ہی خلع کر کے اپنا حق ساقط کر دیا ہے، لہذا اس کے اپنے فعل سے شریعت کا حق باطل نہیں ہوگا۔

وَعَلَى الْمُعْتَدَةِ أَنْ تَعْتَدَ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُضَافُ إِلَيْهَا بِالسُّكْنَى حَالٍ وَقُرْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ﴾ (سورة الطلاق: ۱)، وَالْبَيْتُ الْمُضَافُ إِلَيْهَا هُوَ الْبَيْتُ الَّذِي تَسْكُنُهُ، وَلِهَذَا لَوْ زَارَتْ أَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا كَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَ فِيهِ، وَقَالَ ❶ (الْمَنْزِلُ الَّذِي تَسْكُنُهُ) (اُسْكُنِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ)۔

**ترجمہ:** اور معتدہ پر واجب ہے کہ اسی مکان میں عدت گزارے جو فرقت اور موت کے وقوع کے وقت سکنی اور رہائش کے حوالے سے عورت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَلَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِهِنَّ“ اور عورت کی طرف جو گھر منسوب ہوتا ہے وہ وہی گھر ہوتا ہے جس میں عورت رہتی ہے، اسی لیے اگر بیوی اپنے اہل خانہ کی زیارت کے لیے گئی اور اس کے شوہر

نے اسے طلاق دے دی تو اس عورت پر اپنے گھر واپس لوٹ کر اس میں عدت گزارنا لازم ہے اس عورت سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس کا شوہر شہید ہو گیا تھا تم اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ مدت عدت پوری ہو جائے۔

### اللغات:

﴿بصاف﴾ منسوب کیا جاتا ہے۔ ﴿تسکن﴾ رہائش رکھتی ہے۔

### تخریج:

① اخرجه الترمذی فی کتاب الطلاق باب ان تعتد المتوفی عنها زوجها، حدیث: ۱۲۰۴۔

والبیہقی فی السنن الکبری، حدیث: ۱۵۲۷۷۔

### عدت کس گھر میں گزارنی جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کی وفات یا وقوع طلاق کے وقت معتدہ عورت جس مکان میں رہتی تھی اس پر لازم ہے کہ اسی مکان میں عدت گزارے، کیوں کہ فرمان خداوندی ولا تخرجنہا من بیوتہن اس پر دلیل ہے اور عورت کا گھر وہی ہے جس میں وہ رہتی ہے، اسی لیے اگر بیوی اپنے ماں باپ سے ملنے اپنے میکہ گئی اور وہاں اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو بھی اس عورت پر یہ واجب ہے کہ وہ وہاں سے اپنے گھر آئے اور وہیں آکر عدت گزارے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک عورت کا شوہر شہید ہو گیا تھا تو اس سے آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا کہ اپنے گھر میں رہو اور دستور شرعی کے مطابق جب تک تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلو، اس سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ عورت کے لیے رہائشی مکان ہی میں عدت گزارنا واجب ہے۔

وَإِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيهَا فَأُخْرِجَهَا أَوْ رَوَّتْهُ مِنَ النَّصِيبِ، لَإِنَّ هَذَا انْتِقَالٌ بِعُذْرٍ، وَالْعِبَادَاتُ تُؤْتَرُ فِيهَا الْأَعْذَارُ، وَصَارَ كَمَا إِذَا خَافَتْ عَلَى مَتَاعِهَا، أَوْ خَافَتْ سُقُوطَ الْمَنْزِلِ أَوْ كَانَتْ فِيهَا بَاجِرٌ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيهِ.

**ترجمہ:** اور اگر انتقال کردہ شوہر کے گھر میں بیوی کا حصہ اس کے لیے ناکافی ہو اور ورثہ نے اسے اپنے حصے سے نکال دیا تو یہ عورت منتقل ہو جائے، کیوں کہ یہ منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے عورت کو اپنے سامان کا خوف ہو یا گھر گرنے کا اندیشہ ہو یا وہ عورت اس گھر میں کرائے پر رہتی تھی اور اب کرایہ اداء کرنے کے لیے روپیہ وغیرہ نہ پائے۔

### اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿سقوط﴾ گرنا۔ ﴿اجر﴾ اجرت، کرایہ۔

### خاوند کے گھر میں رہنا ممکن نہ ہونے کی صورت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتدہ وفات عورت کا حصہ اس کے شوہر کے مکان سے بہت کم ہو اور رہنے کے لیے ناکافی ہو اور دوسرے

ورثاء بھی رہائش کے لیے اپنا حصہ دینے کو تیار نہ ہوں تو اس صورت میں اس عورت کے لیے مکان میت سے منتقل ہو کر کسی دوسرے محفوظ اور پردہ دار مقام پر عدت گزارنا درست ہے، کیوں کہ یہ انتقال عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہیں، لہذا یہاں بھی یہ عذر کف عن الخروج والی عبادت میں مؤثر ہوگا۔

وصار کما الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر ایسی ہے جیسے بیوی کو اپنے مال کے چوری ہونے کا خدشہ ہو یا مکان گرنے کا اندیشہ ہو یا وہ کرایہ کے مکان میں مقیم ہو، اب کرایہ اداء کرنا اس کے بس میں نہ ہو تو ان صورتوں میں نقل مکانی کے حق میں عذر موجود ہے، اس لیے نقل مکانی کی گنجائش ہے، اسی طرح گھر کے رہائش کے لیے ناکافی ہونے کی صورت میں بھی نقل مکانی کی اجازت اور گنجائش ہوگی۔

ثُمَّ إِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَطْلَاقٍ بَائِنٍ أَوْ ثَلَاثٍ لَا بُدَّ مِنْ سُتْرَةٍ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ لَا بَأْسَ لِأَنَّهُ مُعْتَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فَاسِقًا يَخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَيَحْنِذُ تَخْرُجُ، لِأَنَّهُ عَذْرٌ، وَلَا تَخْرُجُ عَمَّا انْتَقَلَتْ إِلَيْهِ، وَالْأُولَى أَنْ يَخْرُجَ هُوَ وَيَتْرُكَهَا.

**ترجمہ:** پھر اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ کی وجہ سے فرقت واقع ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان پردہ کا ہونا ضروری ہے، پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ شوہر اس کے حرام ہونے کا معترف ہے لیکن اگر شوہر فاسق ہو اور اس سے عورت کو خدشہ ہو تو اس وقت عورت (شوہر کے گھر سے) باہر نکل جائے، اس لیے کہ یہ عذر ہے اور جہاں منتقل ہو کر جائے وہاں سے نہ نکلے۔ اور بہتر یہ ہے کہ خود شوہر نکل جائے اور عورت کو چھوڑ دے۔

## اللغات:

﴿فرقة﴾ علیحدگی۔ ﴿سترة﴾ پردہ۔

## عدت میں شوہر کے ساتھ رکھا جانے والا روئیہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن یا طلاق مغلطہ دی گئی اور وہ شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنے لگی تو اس طرح عدت گزارے کہ میاں بیوی کے درمیان پردہ حائل رہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے اختلاط اور انضمام سے بچتے رہیں اور پردہ ڈالنے کے بعد ایک ساتھ رہیں کیوں کہ طلاق کے بعد شوہر بیوی کی حرمت کا معترف ہے، اس لیے قوی امید ہے یہی ہے کہ وہ اب گڑبڑ نہیں کرے گا، لہذا اب دونوں کے ایک مکان میں رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر شوہر فاسق ہو اور اس کی جانب سے عورت پر دست درازی کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کو چاہیے کہ شوہر کا مکان چھوڑ کر کسی دوسرے رشتہ دار وغیرہ کے یہاں چلی جائے اور وہیں رہ کر عدت گزار لے، کیوں کہ شوہر کا فاسق ہونا عذر ہے اور عذر کی وجہ سے نقل مکانی کی اجازت ہے۔ البتہ اگر کسی وجہ سے نقل مکانی کی ضرورت پیش آجائے تو بہتر یہ ہے کہ عورت کے بجائے خود شوہر ہی گھر چھوڑ کر کسی جگہ چلا جائے اور اس عورت کو اپنے مکان میں عدت پوری کر لینے دے، کیوں کہ عورت کا شوہر کے مکان میں عدت گزارنا واجب ہے اور شوہر کا اس مکان میں رہنا مباح ہے

اور ظاہر ہے کہ واجب کی رعایت کرنا اولیٰ ہے۔ (عنایہ)

وَ اِنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا امْرَاَةٌ ثَقَّةٌ تَقْدِرُ عَلَى الْحِيلُولَةِ فَحَسَنٌ، وَ اِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْيَخْرُجْ، وَ الْاُولٰى خُرُوجُهُ، وَ اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا إِلَى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فِي غَيْرِ مِصْرٍ، فَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا وَ بَيْنَ مِصْرٍهَا اَقْلُ مِنْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ إِلَى مِصْرِهَا، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِاِبْتِدَاءِ الْخُرُوجِ مَعْنَى، بَلْ هُوَ بِنَاءٌ.

**ترجمہ:** اور اگر زوجین نے اپنے درمیان کسی ثقہ عورت کو حائل کر دیا جو درمیانی روک پر قدرت رکھتی ہو تو یہ اچھا ہے۔ اور اگر مکان ان دونوں پر تنگ ہو تو عورت کو گھر سے نکل جانا چاہیے اور مرد کا نکلنا بہتر ہے۔ اور جب عورت اپنے شوہر کے ساتھ نکل کر مکہ گئی اور شوہر نے اسے تین طلاق دے دیا، یا غیر مصر میں اسے چھوڑ کر مر گیا تو اگر عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہو تو وہ اپنے شوہر کی طرف لوٹ آئے، کیوں کہ یہ خروج معنا ابتدائی خروج نہیں ہے، بلکہ بناء ہے۔

### اللغات:

﴿ثَقَّةٌ﴾ قابل اعتماد۔ ﴿حِيلُولَةٌ﴾ حائل ہونا، بیچ میں آ جانا۔ ﴿ضَاقَ﴾ تنگ ہو گیا۔

**شوہر کے گھر میں عدت نہ گزارنے کا ایک عذر:**

مسئلہ یہ ہے کہ اگر اتفاق رائے سے میاں بیوی اپنے درمیان کسی قابل اعتماد اور بھروسہ مند عورت کو بطور پردہ رکھ لیں اور وہ عورت ان دونوں کے درمیان سد سکندری اور دیوار اپنی کا کام کرے تو یہ بہتر ہے۔ اور اگر شوہر کا مکان تنگ ہو اور دونوں کی رہائش کے لیے ناکافی ہو تو پھر بیوی کے لیے اس مکان سے علیحدہ ہو کر کسی دوسری جگہ عدت گزارنا درست ہے، تاہم زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورت کے بجائے شوہر ہی کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے وقد مرّ وجہہ۔

وَ اِذَا خَرَجَتْ النِّخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لیے گھر سے باہر نکلی اور راستے میں ہی شوہر نے اسے طلاق دیدی یا شوہر کا انتقال ہو گیا تو جس مقام پر یہ معاملہ پیش آیا ہے اگر وہاں سے عورت کا شوہر وطن تین دن سے کم کی مسافت پر ہو تو حکم یہ ہے کہ وہ عورت اپنے شوہر واپس آ کر اپنے رہائشی مکان میں ہی عدت گزارے۔ اس لیے کہ یہ واپس ہونا معنی کے اعتبار سے ابتداء خروج نہیں ہے۔ بلکہ جو پہلا خروج تھا اسی پر مبنی ہے اور ابتداء خروج اس لیے نہیں ہے کہ مادون مدت السفر نکلنا معتدہ عورت کے لیے جائز اور مباح ہے اس لیے گھر واپس لوٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَ اِنْ كَانَتْ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءٌ كَانَ مَعَهَا وَلِيٌّ اَوْ لَمْ يَكُنْ، مَعْنَاهُ اِذَا كَانَ إِلَى الْمَقْصِدِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ اَيْضًا، لِأَنَّ الْمَكْتَفِي فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَخَوْفُ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوجِ، إِلَّا أَنَّ الرَّجُوعَ اُولٰى لِيَكُونَ الْاِعْتِدَادُ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ.

**ترجمہ:** اور اگر تین دن کی مسافت ہو تو اگر چاہے تو لوٹ آئے اور اگر چاہے تو چلی جائے خواہ اس کے ساتھ کوئی ولی ہو یا نہ ہو،

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مقصد کی طرف بھی تین دن کی مسافت ہو، کیوں کہ اس مکان میں ٹھہرنا اس عورت کے حق میں نکل جانے سے زیادہ خطرناک ہے، لیکن واپس آنا زیادہ بہتر ہے تاکہ عدت پوری کرنا شوہر کے گھر میں ہو۔

## اللَّغَاتُ:

﴿مسیرہ﴾ مسافت۔ ﴿مضت﴾ چلتی رہے۔

## حالت سفر میں بیوہ ہو جانے والی کی عدت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کا انتقال ایسی جگہ ہوا یا اس نے بیوی کو ایسے مقام پر طلاق دی جہاں سے مکہ بھی تین دن کی مسافت پر ہو اور اس کا وطن بھی تین دن کی مسافت پر ہو تو اس حالت میں عورت کو اختیار ہے اگر اس کا دل کہے تو لوٹ کر اپنے وطن چلی جائے اور اگر چاہے تو جائے قصد یعنی مکہ چلی جائے اور اس دوران اس کے ساتھ ولی کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، کیوں کہ جائے حادثہ پر ٹھہرنا اور وہاں ٹھہر کر اجنبیت کی حالت میں عدت گزارنا اس عورت کے حق میں وہاں سے کوچ کرنے سے زیادہ خطرناک ہے، اس لیے اس جگہ سے منتقل ہونا اور پھر اپنے وطن کی طرف منتقل ہونا زیادہ بہتر ہے، تاکہ وہ گھر پہنچ کر اپنوں سے مل لے اور شوہر کی موت کے صدمے کو کچھ دیر کے لیے بھلا دے اور شوہر کے مکان میں عدت گزار لے۔

قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ طَلَّقَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجَهَا فِي مِصْرٍ فَإِنَّهَا لَا تَخْرُجُ حَتَّى تَعْتَدَ ثُمَّ تَخْرُجُ إِنْ كَانَ بِهَا مُحْرَمٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِنْ كَانَ مَعَهَا مُحْرَمٌ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ أَنْ تَعْتَدَ، لَهُمَا أَنْ نَفْسَ الْخُرُوجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِأَذَى الْغُرْبَةِ وَ وَحْشَةِ الْوَحْدَةِ، وَ هَذَا عُذْرٌ، وَ إِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلْسَّفَرِ وَ قَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرَمِ، وَ لَهُ أَنْ الْعِدَّةُ أُمْنَعُ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرَمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرَمٍ، وَ لَيْسَ لِلْمُعْتَدَةِ ذَلِكَ، فَلَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوجَ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرَمِ فِي الْعِدَّةِ أُولَى.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے بیوی کو کسی شہر میں تین طلاقیں دیں یا اسے چھوڑ کر مر گیا تو بیوی عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے باہر نہ نکلے، پھر اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو نکلے۔ اور یہ حکم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے ساتھ کوئی محرم ہو تو عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے نکلنے میں اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اجنبیت کی تکلیف اور تنہائی کی وحشت کو دور کرنے کے لیے نفس خروج مباح ہے اور یہ عذر (بھی) ہے۔ تاہم سفر کرنا حرام تھا لیکن محرم کی وجہ سے وہ بھی دور ہو گیا۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت میں ٹکنا بدون محرم سفر کرنے سے زیادہ ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت کے لیے محرم کے بغیر مادون السفر کی مقدار میں ٹکنا جائز ہے جب کہ معتدہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے، لہذا جب بدون محرم عورت کے لیے

سفر میں جانا حرام ٹھہرا تو عدت میں نکلنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

## اللغات:

﴿تعنت﴾ عدت گزارے۔ ﴿غربة﴾ اجنبیت۔ ﴿وحدۃ﴾ تنہائی۔

## حالت سفر میں بیوہ ہو جانے والی کی عدت:

اس سے پہلے جو فرقت اور موت کے وقوع سے عورت کے وطن جانے یا نہ جانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ جنگل اور غیر مصر سے متعلق تھا، اب یہاں سے مصر اور شہر میں وقوع فرقت کے مسئلے کو جامع صغیر کے حوالے سے بیان کیا جا رہا ہے اسی لیے متن میں قال کا فاعل امام محمد رحمہ اللہ ہیں (بنایہ) مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے سفر کے دوران کسی شہر میں عورت کو طلاق دی، یا کسی شہر میں اس کا انتقال ہوا تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ عورت وہیں عدت پوری کرے اور عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے قدم نہ نکالے، پھر جب عدت پوری ہو جائے تو بھی محرم کے بغیر وہاں سے نہ نکلے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو عدت پوری ہونے سے پہلے وہاں سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور محرم کے ہوتے ہوئے اسی شہر میں عدت پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ مسافرت اور اجنبیت کی تکلیف دور کرنے اور تنہائی کی وحشت کو بھگانے کے لیے نفس خروج مباح اور جائز ہے اور مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کا خوف ایک طرح کا عذر بھی ہے اور آپ پڑھ آئے ہیں کہ عذر کی وجہ سے نقل مکانی کی گنجائش ہے، اس لیے اس معتمدہ کے لیے بھی مذکورہ شہر سے نکلنے کی اجازت ہے۔ اور پھر عورت کے حق میں سفر کی حرمت کا سبب محرم کا نہ ہونا ہے اور چونکہ اس کے ساتھ محرم موجود ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی اسے نکلنے کی اجازت مرحمت کی جائے گی۔

وله ان العدة الخ: حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بدون محرم سفر کرنے کے مقابلے میں عورت کا عدت میں نکلنا زیادہ خطرناک ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر معتمدہ عورت محرم کے بغیر مقدار سفر سے کم مسافت کے لیے نکل سکتی ہے، لیکن معتمدہ اپنی جگہ سے نکل نہیں سکتی اور اس کے حق میں یہ بھی ممنوع ہے، لہذا جب معتمدہ کے حق میں اتنی سخت پابندیاں ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے سفر کرنا زیادہ سنگین ہے، کیوں کہ جب غیر معتمدہ کے لیے مقدار سفر کی مسافت کے لیے بدون محرم نکلنا ممنوع اور حرام ہے تو معتمدہ کے حق میں سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



## بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

یہ باب ثبوت نسب کے احکام کے بیان میں ہے

صاحب کتاب جب معتدہ کی تینوں قسموں یعنی ذوات الحیض، ذوات الاشهر اور ذوات الاحمال کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب ذوات الاحمال کے لازم یعنی ثبوت نسب کا باب ذکر فرما رہے ہیں تاکہ ملزوم اور لازم کے مابین مناسبت و مطابقت برقرار رہے۔

وَمَنْ قَالَ اِنْ تَزَوَّجْتُ فَلَانَةً فِیْهِ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدْتُ وَلَدًا لِسِتَّةِ اشْهُرٍ مِنْ یَوْمِ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَ عَلَیْهِ الْمَهْرُ، اَمَّا النَّسَبُ فَلَا تَنْتَهَا فِرَاشُهُ، لِأَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ اشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقْلٍ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِی حَالَةِ النِّكَاحِ، وَالتَّصَوُّرُ ثَابِتٌ بِأَنَّ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ یُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْإِنْزَالُ النِّكَاحَ، وَالنَّسَبُ یُحْتَاطُ فِیْ إِبْتِائِهِ، وَ أَمَّا الْمَهْرُ فَلَانَةً لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِیًا حُكْمًا فَتَنَكَدَ الْمَهْرُ بِهِ.

**ترجمہ:** اس شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ مطلقہ ہے پھر اس نے اس عورت سے نکاح کیا اور اس عورت نے یوم نکاح سے چھ ماہ پر بچہ جنا تو یہ بچہ اسی مرد کا ہے اور اس پر پورا مہر واجب ہے، رہا نسب کا ثبوت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ مذکورہ عورت اس کی فراش ہے، اس لیے جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا تو وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا ہے، لہذا طلاق سے پہلے بحالت نکاح ہی علوق ہوا اور اس کا امکان بھی ہے بایں طور کہ اس شخص نے اس عورت سے وطی کرتے وقت نکاح کیا ہوا اور انزال نکاح کے موافق ہوا ہو۔ اور نسب کے اثبات میں احتیاط برتا جاتا ہے، رہا مسئلہ مہر کا تو جب اس شخص سے (بچے کا) نسب ثابت ہو گیا تو اس کو حکماً واطی قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے مہر مؤکد ہو گیا۔

**اللغات:**

﴿علوق﴾ استقرار نطفہ۔ ﴿یخالط﴾ جماع کر رہا تھا۔

**اثبات نسب کی ایک مثال:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، لیکن پھر اس نے

اس عورت سے نکاح کیا اور عورت نے وقت نکاح سے ٹھیک چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا تو وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا اور اس آدمی پر پورا مہر واجب ہوگا، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بچہ کا نسب اس شخص سے اس لیے ثابت ہوگا کہ وہ عورت اس کی فراش ہے اور حدیث میں صاحب فراش کے لیے نسب کو ثابت مانا گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا الولد للفراش، وللعاهر الحجر ”یعنی صاحب فراش کو بچہ ملتا ہے اور زانی کو پتھر“ اس لیے وہ بچہ تو اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا۔

اور پھر جب عورت نے وقت نکاح سے چھ ماہ پر بچہ جنا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ بچہ وقت طلاق سے چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہوا ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ طلاق سے پہلے بحالت نکاح عورت کے پیٹ میں علوق تھا اور اس علوق کے ثبوت کا امکان بھی ہے، وہ اس طرح کہ مرد نے عورت سے مخالطت کرتے ہوئے اس کے پیٹ پر لیٹ کر نکاح کیا ہو اور ایجاب و قبول ہوتے ہوئے ادخال اور انزال ہو کر نطفہ قرار پایا گیا ہو اور طلاق واقع ہوتے ہوئے شوہر اپنے کام سے فارغ ہو چکا ہو، لہذا اس امکان کے ہوتے ہوئے وہ بچہ اسی شخص کا ہوگا، کیوں کہ اثبات نسب کے معاملے میں احتیاط برتا جاتا ہے اور حتی الامکان نو مولود بچے کو ثابت النسب قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور پھر فقہ کا یہ ضابطہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ الأصل عندنا أن العبرة في ثبوت النسب بصحة الفراش وكون الزوج من أهله، لا بالتمكن من الوطئ یعنی ثبوت کے متعلق ہمارے یہاں صحت فراش اور شوہر کے قابل وطئ ہونے کا اعتبار ہے، اور قدرت علی الوطئ شرط نہیں ہے۔ اور یہاں دونوں چیزیں موجود ہیں۔

وأما المهر النخ: فرماتے ہیں کہ جب اس شخص سے بچہ ثابت النسب ہو جائے گا تو اسے حکماً واطی قرار دیں گے اور عورت کی طلاق کو طلاق بعد الدخول مانیں گے اور طلاق بعد الدخول کی صورت میں شوہر پر پورا مہر واجب ہوتا ہے، لہذا یہاں بھی اس پر پورا مہر واجب ہوگا۔

قَالَ وَ يَبْتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّاقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ تُقَرَّ بِانْقِصَاءِ عِدَّتِهَا لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِي حَالَةِ الْعِدَّةِ لِحَوَازِ أَنَّهَا تَكُونُ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سَتَيْنِ بَانَ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِصَاءِ الْعِدَّةِ وَبُتَّ نَسَبُهُ لَوْجُودِ الْعُلُوقِ فِي النِّكَاحِ أَوْ فِي الْعِدَّةِ، وَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوقُ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَ يَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً، لِأَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ لَا نِفَاقَ الزَّوَاجِ مِنْهَا فَيَصِيرُ بِالْوُطْئِ مُرَاجِعًا.

ترجمہ: اور مطلقہ رجعیہ کے لڑکے کا نسب ثابت ہوگا بشرطیکہ اس نے دو سال یا اس سے زیادہ میں بچہ جنا ہو اور اپنی عدت کے پوری ہونے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ بحالت عدت علوق کا احتمال ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ عورت ممتدہ الطہر ہو۔ اور اگر اس عورت نے دو سال سے کم مدت میں بچہ جنا ہو تو انقضائے عدت کی وجہ سے وہ اپنے شوہر سے باندہ ہو جائے گی اور بچے کا نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ نکاح میں یا عدت میں علوق موجود ہے۔ اور شوہر رجعت کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ طلاق سے پہلے بھی علوق کا احتمال ہے اور طلاق کے بعد بھی، اس لیے شک کی وجہ سے وہ مراجعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے دو سال سے زائد میں بچہ جنا تو



رجعت ہو جائے گی کیوں کہ علق طلاق کے بعد ہے اور ظاہر یہی ہے کہ وہ اسی سے ہو، کیوں کہ عورت سے زنا منشی ہے، لہذا وطی کرنے سے وہ مراجعت کرنے والا ہو جائے گا۔

### اللغات:

﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿علق﴾ استقرار حمل۔ ﴿بانت﴾ بانٹ ہو جائے گی۔

### مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ احناف کے یہاں امکانی اور خیالی نسب بھی ثابت ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس عورت نے طلاق کے وقت سے دو سال یا اس سے زائد مدت میں بچہ جنا تو وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا بشرطیکہ اس دوران عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ انقضائے عدت کا اقرار نہ کرنے کی صورت میں ہم اس عورت کو ممتدة الطهر مان سکتے ہیں اور اس کی عدت دراز ہونے سے کی وجہ سے یہ امکان ہے کہ زمانہ عدت میں شوہر نے اس سے وطی کر لی ہو، اس لیے کہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے، لہذا اس وطی سے ایک طرف تو بچے کا نسب ثابت ہوگا اور دوسری طرف رجعت ثابت ہوگی۔

اور اگر اس عورت نے دو سال سے کم مدت میں بچہ جنا تو وہ اپنے شوہر سے بانٹ ہو جائے گی، اس لیے کہ حاملہ ہونے کی وجہ سے اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور وضع حمل سے وہ بانٹ ہو جائے گی، البتہ اس صورت میں بھی بچہ کا نسب اسی شخص سے ثابت ہوگا، کیوں کہ یا تو یہ وطی حالت نکاح میں ہوئی ہے یا پھر عدت میں۔ اور چوں کہ یہ عورت معتدہ رجعیہ تھی، اس لیے بحالت عدت اس سے وطی کرنا شرعاً درست تھا، لہذا مذکورہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا، مگر اس وطی سے شوہر رجعت کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ ہمیں اس وطی کے قبل الطلاق اور بعد الطلاق ہونے میں شک ہے لہذا اس حوالے سے رجعت میں شبہ ہے اور شک و شبہ کی وجہ سے رجعت کا ثبوت نہیں ہوتا۔

و ان جاءت به لاكثر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر طلاق کے وقت سے دو سال سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا تو اس صورت میں ثبوت نسب کے ساتھ ساتھ رجعت بھی ثابت ہوگی، کیوں کہ دو سال سے زائد مدت میں بچے کا پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ علق طلاق کے بعد بحالت عدت ہوا ہے، کیوں کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور یہ بچہ دو سال سے زائد مدت میں آیا ہے اور عورت کی طرف سے زنا منشی ہونے کی وجہ سے ظاہر حال بھی یہی ہے کہ وہ علق شوہر ہی کا ہوگا اور چوں کہ یہ علق عدت کے دوران ہوا ہے اس لیے موجب رجعت ہوگا۔

وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سِنَتَيْنِ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقَدْ طَلَّقَ، فَلَا يُتَقَنَّ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوقِ فَيُثْبِتُ النَّسَبُ اِحْتِيَاطًا، وَإِذَا جَاءَتْ بِهِ لِتَمَامِ سِنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ، لِأَنَّ الْحَمْلَ حَدَثَ نَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ، لِأَنَّ وَطْيَهَا حَرَامٌ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ، لِأَنَّهُ

التَّزْمَةُ، وَلَهُ وَجْهٌ بَأَنَّ وَطِئَهَا بِشُبْهَةٍ فِي الْعِدَّةِ.

**ترجمہ:** اور وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لڑکے کا نسب ثابت ہوگا جب اس نے دو سال سے کم میں بچہ جنا ہو، کیوں کہ بوقت طلاق بچے کے موجود ہونے کا احتمال ہے لہذا علوق سے پہلے زوال فراش کا یقین نہیں ہے، اس لیے احتیاطاً نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر عورت نے فرقت کے وقت سے پورے دو سال میں بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ حمل طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے لہذا اس شخص سے نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے، مگر یہ کہ شوہر بچہ کا مدعی ہو، اس لیے کہ اس نے اس کا التزام کر لیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر نے عدت میں اس عورت سے وطی بالشبہہ کر لیا ہو۔

### اللغات:

﴿مبتوتہ﴾ باندہ۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے لیا ہے۔

### باندہ کے بچے کا ثبوت نسب:

اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو طلاق بائن دی گئی یا تین طلاق دے کر وہ مغفلہ کی گئی اور پھر طلاق کے وقت سے دو سال سے کم مدت میں اس عورت نے بچہ جنا تو وہ بچہ اس کے شوہر سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہونے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بوقت طلاق عورت کے پیٹ میں بچہ تھا، لہذا علوق سے پہلے عورت کے فراش زائل ہونے کا یقین نہیں رہ گیا، اس لیے احتیاطاً اس بچے کا نسب ثابت مانا جائے گا، کیوں کہ ثبوت نسب میں احتیاط برتا جاتا ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فرقت کے وقت سے پورے دو سال پر بچہ پیدا ہوا تو شوہر سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں یہ یقین ہے کہ یہ حمل طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے، اس لیے کہ اسے طلاق سے پہلے کا قرار دینے میں اکثر مدت حمل کو دو سال سے زائد مانا پڑے گا جو درست نہیں ہے، لہذا یہ حمل بعد الطلاق ہوگا، اس لیے وہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، اور کھینچ تان کر اسے ثابت بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ مطلقاً باندہ سے وطی کرنا شوہر کے لیے حلال نہیں ہے، ہاں اگر شوہر اس نسب کا دعویٰ کرے اور اسے اپنانے کے لیے تیار ہو تو پھر اس کی ذات سے وہ ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے خود ہی اس بچے کے نسب کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، لہذا اسے منع کرنے اور روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور پھر اس کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ شوہر نے معتدہ باندہ کی عدت میں اس سے وطی بالشبہہ کر لی ہو، لہذا اس امکان کے پیش نظر بھی احتیاطاً نسب کو ثابت ہی مانیں گے۔

فَإِنْ كَانَتْ الْمُبْتُوتَةُ صَغِيرَةً يُجَامَعُ مِنْهَا فَبَاءَتْ بِوَلَدٍ لِّتِسْعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمُهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ يَغْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِلَى سَتَيْنِ، لِأَنَّهَا مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ حَامِلًا وَلَمْ تُقَرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاشْبَهَتْ الْكُبِيرَةَ، وَلَهُمَا أَنْ لَا نَقْضَاءَ عِدَّتَيْهَا جِهَةً مُعَيَّنَةً وَهُوَ الْأَشْهُرُ فِيمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِالْإِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ إِقْرَارِهَا، لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ

الْخِلَافَ، وَالْإِفْرَارَ يَحْتَمِلُهُ، وَإِنْ كَانَتْ مُطْلَقَةً طَلَاً رَجْعِيًّا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَهُ يَنْبُتُ إِلَى سَبْعَةِ وَعِشْرِينَ شَهْرًا، لِأَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِئًا فِي آخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلَاثَةُ الْأَشْهُرُ ثُمَّ تَأْتِي بِهِ لِأَكْثَرِ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سِتَّتَانِ، وَإِنْ كَانَتْ الصَّغِيرَةُ ادَّعَتِ الْحَبْلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيهَا وَفِي الْكَبِيرَةِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ بِإِفْرَارِهَا يَحْكُمُ بِلُغْوِهَا.

**ترجمہ:** پھر اگر مطلقہ جائے اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے جماع ممکن ہو اور اس نے (طلاق کے وقت سے) نو ماہ پر بچہ جنا تو وہ نسب مرد کے ذمے لازم نہیں ہوگا یہاں تک کہ حضرات طرفین کے یہاں نو ماہ سے کم میں وہ بچہ جنے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو سال تک اس سے نسب ثابت ہوگا، (ان کی دلیل یہ ہے) کہ وہ عورت معتدہ ہے اور اس کے حاملہ ہونے کا احتمال ہے اور اس نے عدت گزرنے کا اقرار بھی نہیں کیا ہے، لہذا وہ بالغہ عورت کے مشابہ ہوگئی۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کی عدت گزرنے کا ایک متعین وقت ہے اور وہ عدت کے مہینے ہیں تو ان کے گزرنے پر شریعت نے انقضائے عدت کا حکم لگا دیا ہے۔ اور یہ چیز دلالت میں عورت کے اقرار سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ حکم شرعی خلاف کا احتمال نہیں رکھتا جب کہ اقرار خلاف واقع کا احتمال رکھتا ہے۔

اور اگر وہ صغیرہ طلاق رجعی سے مطلقہ ہو تو بھی حضرات طرفین کے یہاں یہی حکم ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوگا، اس لیے کہ آخر عدت میں شوہر کو واطی قرار دیا جائے گا اور وہ تین ماہ ہیں پھر اس عورت نے اکثر مدت حمل میں بچہ جنا اور وہ دو سال ہیں۔ اور اگر صغیرہ نے عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کیا تو اس کا اور کبیرہ کا حکم یکساں ہے، اس لیے کہ صغیرہ کے اقرار (حمل) سے اس کے بالغہ ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

## اللغات:

﴿لم تفر﴾ اقرار نہیں کیا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا۔ ﴿مضی﴾ گزرنا۔ ﴿حبل﴾ حاملہ ہونا۔

## مطلقہ صغیرہ کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورت جس کو ایک طلاق بائن دی گئی یا اسے تین طلاق دی گئیں وہ صغیرہ ہے لیکن پھر بھی اس کے ساتھ جماع کیا جاسکتا ہے، بہر حال اسے طلاق دی گئی اور اس نے طلاق کے وقت سے نو ماہ پر بچہ جنا اور عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو حضرات طرفین کے یہاں اس کے شوہر پر اس بچے کے نسب کو اپنا نا لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر وہ صغیرہ نو ماہ سے کم مدت میں بچہ جنتی ہے تو ان حضرات کے یہاں وہ نسب شوہر کے ذمہ لازم ہوگا اور شوہر سے اس کا ثبوت ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ دو سال تک وہ نسب شوہر کے ذمہ لازم ہوگا اور طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر ہونے والا بچہ شوہر ہی سے ثابت النسب ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ صغیرہ معتدہ ہے اور اس سے امکان جماع کے پیش نظر اس کے حاملہ ہونے کا احتمال ہے اور یہ احتمال دو طرح سے ہے (۱) وہ صغیرہ بوقت طلاق حاملہ ہو (۲) تین ماہ کے بعد عدت گزرنے کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو۔ ان

میں سے پہلی صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور دوسری صورت میں وہ بالغہ کے مشابہ ہوگی اور چوں کہ اس نے انقضائے عدت کا اقرار نہیں کیا ہے، اس لیے بالغہ اور کبیرہ عورت کی طرح دو سال تک اس کے بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔ (عنایہ)

ولہما الخ: حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس صغیرہ کی عدت گزرنے کا ایک وقت متعین ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان واللہی لم یحصن فعدتہن ثلاثۃ اشھر سے تین ماہ ہیں، لہذا ان تین ماہ کے گزرنے پر شریعت اس عورت کی انقضائے عدت کا حکم دیدیگی خواہ اس نے عدت گزرنے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور شریعت کا فیصلہ بیوی کے اقرار سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگا، کیوں کہ وہ خلاف واقع کا احتمال نہیں رکھتا جب کہ بیوی کا اقرار اس کا احتمال رکھتا ہے، اس لیے فیصلہ شریعت کے سامنے اس عورت کے اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

وإن كانت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر وہ صغیرہ مطلقہ رجعیہ ہو تو بھی حضرات طرفین کے یہاں یہی حکم ہے یعنی اگر طلاق کے وقت سے نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں اس صورت میں ستائیس ماہ تک اس کا نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ طلاق رجعی ہونے کی وجہ سے عدت کے دوران اس سے وطی کرنا درست ہے، لہذا یہ کہا جائے گا کہ شوہر نے عدت کے آخری ایام میں اس سے وطی کی ہوگی اور یہ بچہ اکثر مدت حمل میں پیدا ہوا ہے، اس لیے ۲۳ ماہ تو اکثر مدت حمل کے ہوں گے اور تین ماہ عدت کے، کل ملا کر ستائیس ماہ ہو جائیں گے۔

وإن كانت الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر صغیرہ نے اپنی عدت کے دوران حمل کا دعویٰ کیا اور اپنے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو اس کا حکم اور کبیرہ عورت کا حکم یکساں ہوگا، کیوں کہ دعویٰ حمل کی وجہ سے وہ کبیرہ عورت کے ساتھ لاحق کر دی جائے گی اور کبیرہ کو اگر طلاق بائن دی جائے تو دو سال سے کم مدت میں بچہ آنے پر نسب ثابت ہوگا اور اگر طلاق رجعی دی جائے تو ستائیس ماہ تک بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ (عنایہ)

وَيُثْبِتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوُفَاةِ وَبَيْنَ السَّنَتَيْنِ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ بِهِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاتِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَا يُثْبِتُ النَّسَبُ، لِأَنَّ الشَّرْعَ حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُورِ لِنَعْيِنِ الْجِهَةَ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقْرَتْ بِالْإِنْقِضَاءِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الصَّغِيرَةِ، إِلَّا أَنَّا نَقُولُ لَانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً أُخْرَى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ، بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا عَدَمُ الْحَمْلِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوغِ، وَفِيهِ شَكٌّ.

**ترجمہ:** اور متوفی عنہا زوجہا کے بچے کا نسب شوہر کی وفات سے لے کر دو سال کے اندر اندر ثابت ہوگا، امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر عدت وفات پوری ہونے کے چھ ماہ بعد اس عورت نے بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ شریعت نے جہت عدت متعین ہونے کی وجہ سے مہینوں کے ذریعے اس کی عدت پوری ہونے کا حکم دے دیا ہے، لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے خود انقضائے عدت کا اقرار کیا جیسا کہ صغیرہ کے مسئلے میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں اس کی عدت پوری ہونے کی دوسری راہ بھی ہے اور وہ وضع حمل ہے۔ برخلاف صغیرہ کے، اس لیے کہ اس میں حمل کا نہ ہونا اصل ہے، کیوں کہ بلوغ سے پہلے صغیرہ محل حمل نہیں ہے

اور اس میں شک ہے۔

## اللغات:

﴿انقضاء﴾ پورا ہو جانا، مکمل ہونا۔ ﴿اقرت﴾ اقرار کیا ہے۔

## معتدہ وفات کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے اور وہ عورت کبیرہ بالغہ ہو تو ہمارے یہاں اس کے شوہر کی وفات سے لے کر دو سال کے اندر اندر اگر وہ بچہ جنمتی ہے تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن کی تکمیل کے بعد سے چھ ماہ پر اسے بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ جب عدت کے دوران اس عورت کا حمل ظاہر نہیں ہوا اور اس نے حمل کا دعویٰ بھی نہیں کیا تو شریعت کی جانب سے مقرر کردہ ایام عدت یعنی چار ماہ دس دن پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور یہ خود اس عورت کے انقضائے عدت کے اقرار کی طرح ہو جائے گا اور انقضائے عدت کے بعد چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا، لہذا صورت مسئلہ میں بھی چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ جیسا کہ صغیرہ کے مسئلے میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

إذا أنانقول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا کبیرہ کو صغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ کبیرہ بالغہ ہوتی ہے اور اس کے حاملہ ہونے کا قوی یقین ہوتا ہے اور پھر انقضائے عدت سے پہلے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت وضع حمل ہوگی، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر دو سال کے اندر اندر بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف صغیرہ کا مسئلہ ہے تو چوں کہ بلوغت سے پہلے صغیرہ حمل نہیں ہوتی، اس لیے اس میں حمل کا نہ ہونا ہی اصل ہے اور یہ متیقن ہے جب کہ اس کے بالغ ہونے کا مسئلہ مشکوک ہے اور شک کے مقابلے میں چوں کہ یقین کا درجہ بڑھا ہوتا ہے اس لیے صغیرہ کے حق میں یقین یعنی عدم بلوغ پر عمل کیا جائے گا اور شک یعنی بلوغ اور حمل پر عمل نہیں ہوگا اس لیے اسے قیاس بھی نہیں جاسکتا ہے۔

وَ إِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَبْتُنُ نَسَبُهُ، لِأَنَّهُ ظَهَرَ كَذِبُهَا بِبَقِيْنِ فَبَطَلَ الْإِقْرَارُ، وَإِنْ جَاءَتْ بِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَبْتُنْ، لِأَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِبُطْلَانِ الْإِقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَهُ، وَ هَذَا اللَّفْظُ بِاطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ كُلَّ مُعْتَدَّةٍ.

**ترجمہ:** اور جب معتدہ نے اپنی عدت گزرنے کا اقرار کیا پھر چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ یقینی طور پر اس کا جھوٹ واضح ہو گیا، لہذا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اور اگر چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہمیں بطان اقرار کا علم نہیں ہے، کیوں کہ حمل کے اقرار کے بعد پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اور اپنے اطلاق کی وجہ سے یہ لفظ ہر معتدہ کو شامل ہے۔

## اللَّعَاتُ:

﴿انقضاء﴾ پورا ہونا، مکمل ہونا۔

### معتدہ کے اپنی عدت کے گزر جانے کا اقرار کرنے کے بعد بچہ جننا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک معتدہ نے اپنی عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اس کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس نے بچہ جننا تو وہ بچہ شوہر سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کا پیدا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ انقضائے عدت کے اقرار کے وقت یہ عورت حاملہ تھی اس لیے اس کی عدت وضع حمل تھی نہ کہ متعینہ جہت، لہذا وہ عورت انقضائے عدت کے اقرار میں جھوٹی ثابت ہوئی، اس لیے اس کا اقرار باطل ہو جائے گا اور نسب ثابت ہو جائے گا۔ البتہ اگر اقرار کے بعد چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں اس نے بچہ جننا تو پھر اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ انقضائے عدت کے اقرار کے بعد وہ عورت حاملہ ہوئی ہو، لہذا اس صورت میں چوں کہ بطلان اقرار کا یقین نہیں ہے، لہذا اس کا اقرار باطل نہیں ہوگا اور نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔

وهذا اللفظ الخ: فرماتے ہیں کہ متن میں لفظ المعتدہ چوں کہ مطلق ہے، اس لیے وہ ہر معتدہ کو شامل ہوگا خواہ وہ معتدہ رجعیہ ہو یا بانئہ ہو یا معتدہ وفات ہو سب کا یہی حکم ہے۔

وَإِذَا وَلَدَتْ الْمُعْتَدَةُ وَلَدًا لَمْ يَبْتَ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ حَبْلٌ ظَاهِرًا وَاعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيُثْبِتُ النَّسَبَ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ، وَقَالَ أَبُو يُونُسَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ عَلَيْهِ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ أَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقُضِي بِإِقْرَارِهَا بَوْضِعِ الْحَمْلِ وَالْمُنْقُضِي لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى إِبْتِاتِ النَّسَبِ إِبْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبْلُ أَوْ صَدَرَ الْإِعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ، لِأَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعْيِينُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا.

**ترجمہ:** اور اگر معتدہ نے بچہ جننا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا یہاں تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی ولادت کی شہادت دیں، مگر یہ کہ وہاں حمل ظاہر ہو، یا شوہر کی جانب سے اقرار پایا جائے تو بغیر شہادت کے نسب ثابت ہو جائے گا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش ثابت ہے اور فراش نسب کو ثابت کرنے والا ہے اور تعین ولد کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہ بچہ اسی عورت کا ہے لہذا ایک آدمی کی شہادت سے بچہ متعین ہو جائے گا جیسا کہ نکاح موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے وضع حمل کا اقرار کرنے سے عدت پوری ہوگئی اور پوری ہوئی چیز حجت

نہیں ہوتی، اس لیے نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور اس میں مکمل حجت شرط ہوگی۔

برخلاف اس صورت کے جب حمل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار حمل صادر ہو، اس لیے کہ نسب تو ولادت سے پہلے ثابت ہے اور ایک عورت کی شہادت سے تعیین ثابت ہو جائے گی۔

### اللغات:

﴿حبل﴾ حمل۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿تنقضی﴾ ختم ہوگی، پوری ہوگی۔

### معتدہ عن طلاق کے بچے کا ثبوت نسب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی معتدہ نے بچہ جنا اور شوہر نے اس کا انکار کر دیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں جب تک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کی ولادت کی گواہی نہ دیدیں اس وقت تک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، ہاں اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر اسے ماننے کے لیے تیار ہو تو بدون شہادت نسب ثابت ہو جائے گا، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ خواہ پہلے سے حمل ظاہر ہو یا نہ ہو اور خواہ شوہر نے حمل کا اقرار کیا ہو یا انکار بہر صورت ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے عورت کا اپنے شوہر کی فراش ہونا ثابت اور متیقن ہے اور فراش ہونا ہی ثبوت نسب کے لیے کافی و دوائی ہے، اس لیے اثبات نسب کے لیے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ صرف اس بچے کے عورت کا بچہ ہونے کے لیے نشان دہی کی ضرورت ہے اور یہ کام ایک عورت کی گواہی سے چل جائے گا، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ جیسے اگر نکاح باقی ہوتے ہوئے عورت بچہ جنے تو پھر ایک عورت کی شہادت سے اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

ولابی حنیفۃ رحمہ اللہ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اس عورت نے وضع حمل کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار کی وجہ سے اس کی عدت پوری ہوگی اور جو چیز گزر جاتی ہے وہ حجت نہیں بن سکتی اس لیے شوہر کے انکار کرنے کی صورت میں نئے سرے سے اثبات نسب کی ضرورت ہوگی اور نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کے لیے شہادت کاملہ اور حجت تامہ کی ضرورت ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ انکار زوج کی صورت میں نصاب شہادت یعنی دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت شرط ہے، اس کے برخلاف اگر حمل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اس کا اقرار ہو تو پھر اثبات نسب کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس کے لیے کمال شہادت بھی شرط نہیں ہوگا، اس لیے اس صورت میں ایک عورت کی شہادت سے کام چل جائے گا۔ اور مزید شہادت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فَإِنْ كَانَتْ مُعْتَدَةً عَنْ وَفَاءٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرَثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَ لَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ أَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، وَ هَذَا فِي حَقِّ الْإِرْثِ ظَاهِرٌ، لِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِمْ فَيُقْبَلُ فِيهِ تَصْدِيقُهُمْ، أَمَّا فِي حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَبْتُ فِي حَقِّ غَيْرِهِ؟ قَالُوا إِنْ كَانُوا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ يَبْتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ، وَلِهَذَا قِيلَ تَشْتَرِطُ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ، وَ

فَيْلَ لَا تُشْتَرَطُ، لِأَنَّ الثُّبُوتَ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِلثُّبُوتِ فِي حَقِّهِمْ بِإِقْرَارِهِمْ، وَمَا ثَبَتَ تَبَعًا لَا يُرَاعَى فِيهِ الشَّرَاطُ.

**ترجمہ:** پھر اگر عورت معتدہ وفات ہو (اور اس نے ولادت کا دعویٰ کیا) اور ورثاء نے ولادت کے سلسلے میں اس کی تصدیق کر دی لیکن ولادت پر کسی نے گواہی نہیں دی تو سب کے یہاں وہ لڑکا اس شوہر کا بیٹا ہے۔ اور یہ حکم وراثت کے حق میں تو ظاہر ہے کیوں کہ میراث ان کا خالص حق ہے، لہذا اس میں ورثاء کی تصدیق قبول کی جائے گی۔ رہا نسب کے حق میں؟ تو کیا ان کے علاوہ کے حق میں نسب ثابت ہوگا؟ مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء شہادت کے اہل ہوں گے تو قیام حجت کی وجہ سے نسب ثابت ہوگا، اسی لیے ایک قول یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط نہیں ہے، کیوں کہ ورثاء کے علاوہ دوسروں کے حق میں نسب کا ثبوت ان کے اقرار کی وجہ سے ان کے حق میں ثبوت کے تابع ہے، اور جو چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط کی رعایت نہیں کی جاتی۔

### اللَّغَاتُ:

صدق تصدیق کی۔ لا یراعی نہیں رعایت رکھی جاتی۔

### معتدہ وفات کے بچے کا ثبوت نسب کا طریقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوا اور اس عورت نے دو سال مکمل ہونے سے پہلے بچہ پیدا کرنے کا دعویٰ کیا اور شوہر کے ورثاء میں کچھ لوگوں نے دعویٰ ولادت کی تصدیق بھی کر دی لیکن ان لوگوں نے ولادت پر شہادت نہیں دی تو ان کی تصدیق ہی ثبوت ولادت کے لیے کافی ہوگی اور بچہ اپنے مرے ہوئے باپ سے ثابت النسب ہوگا۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وراثت کے حق میں اس بچے کا نسب ثابت ہونا تو ظاہر ہے یعنی بچہ دیگر ورثاء کے ساتھ باپ کی جائداد کا وارث ہوگا، اس لیے کہ میراث خالص ورثاء کا حق ہے، لہذا ان کے حقوق میں ان کی تصدیق کو بلاچوں چرا قبول کیا جائے گا اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہونے دی جائے گی۔

أما في حق النسب الخ: رہا یہ مسئلہ کہ عوام الناس میں اس بچے کا نسب مرنے والے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مشائخ کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر تصدیق کرنے والے ورثاء شہادت کے اہل ہوں یعنی سب مرد ہوں یا کچھ مرد اور کچھ عورتیں ہوں اور وہ سب عادل ہوں تو تمام لوگوں کے حق میں اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور عوامی سطح پر وہ مرنے والے کا بیٹا شمار ہوگا، کیوں کہ مصدقین کے اہل شہادت ہونے سے حجت کاملہ اور شہادت تامہ پائی گئی اور شہادت تامہ ہر چہار جانب سے نسب کو ثابت کر دیتی ہے۔

ولهذا قيل الخ: صاحب کتاب نے مصدقین ورثاء کے لیے اہل شہادت ہونا شرط قرار دیا ہے، اسی لیے بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ تصدیق میں لفظ شہادت کا استعمال کرنا شرط ہے، لیکن بعض دوسرے مشائخ کی رائے یہ ہے کہ لفظ شہادت شرط نہیں ہے، اس لیے کہ ان وارثوں کی تصدیق کی وجہ سے اصلاً نسب ان کے حق میں ثابت ہوگا اور پھر ان کے واسطے سے تابع ہو کر دوسروں



کے حق میں ثابت ہوگا اور جو چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط وغیرہ کی رعایت نہیں کی جاتی اور بدون شرائط بھی وہ چیز ثابت ہو جاتی ہے۔

وَ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَنْبُتْ نَسَبُهُ، لِأَنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَنْبُتْ نَسَبُهُ مِنْهُ، اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ سَكَتَ، لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَةٌ، فَإِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَنْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتَّى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ بِلَا عَيْنٍ، لِأَنَّ النَّسَبَ يَنْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَاللِّعَانِ إِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَذْفِ، وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ وَجُودُ الْوَلَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ بِدُونِهِ.

**ترجمہ:** اور جب مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یوم نکاح سے چھ ماہ پہلے اس عورت نے ایک بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ علوق نکاح پر مقدم ہے، لہذا وہ شوہر کا نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ جنا تو شوہر سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، خواہ شوہر اس کا اقرار کرے، یا سکوت اختیار کیے رہے۔ کیوں کہ فراش بھی موجود ہے اور مدت (ولادت) بھی مکمل ہے۔ پھر اگر شوہر ولادت کا انکار کر دے تو وہ ایک ایسی عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا جو ولادت کی شہادت دے، یہاں تک کہ اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر دیا تو وہ لعان کرے گا، اس لیے کہ فراش موجود ہونے سے نسب ثابت ہو جاتا ہے اور لعان صرف تہمت لگانے سے واجب ہوتا ہے۔ اور لعان کے لیے بچے کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ بچہ کے بغیر بھی لعان صحیح ہو جاتا ہے۔

### اللِّغَاتُ:

﴿علوق﴾ استقرار حمل۔ ﴿فصاعدا﴾ اس سے بڑھ کر۔ ﴿جحد﴾ انکار کیا۔ ﴿نفی﴾ نفی کر دی۔ ﴿قذف﴾ تہمت زنا۔

### منکوحہ کے بچے کے ثبوت نسب کی مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور یوم نکاح کے بعد سے لے کر چھ ماہ سے کم مدت میں اس عورت نے ایک بچہ کو جنم دیا تو وہ بچہ مذکورہ شخص سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے کہ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے اور یہ بچہ چوں کہ چھ ماہ سے پہلے پیدا ہوا ہے اس لیے وہ شوہر کی وطی اور اس کی منی سے نہیں ہوگا، اس لیے شوہر سے اس کا نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ اگر وقت نکاح سے پورے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا خواہ شوہر اس کی ولادت اور نسب کا اقرار کرے یا خاموش رہے، بہر دو صورت وہ بچہ اسی شخص سے ثابت النسب ہوگا، کیوں کہ اس کی ماں اس آدمی کی فراش ہے اور ولادت کی مدت (یعنی چھ ماہ) بھی پوری ہے۔

ہاں اگر چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر نے اس کی ولادت کا انکار کر دیا تو ایک ایسی عورت جو بوقت ولادت موجود ہو اس کی شہادت سے ولادت کا ثبوت ہو جائے گا اور مزید کسی شاہد اور شہادت کی ضرورت نہیں پڑے گی، لیکن

اگر اب بھی شوہر سے اپنی اولاد ماننے کے لیے تیار نہ ہو اور اس بچے کی نفی کر دے تو اس پر لعان واجب ہے، کیوں کہ جب فراش صحیح موجود ہے تو پھر نسب کے ثابت ہونے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے لیکن پھر بھی شوہر کا انکار اس کی بد معاشی کا غماز ہے اس لیے اس پر لعان واجب ہوگا۔

اور لعان اس لیے واجب ہوگا کہ شوہر بچے کا انکار اور اس کی نفی کر کے اس عورت پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اور تہمت زنا ہی کی وجہ سے لعان واجب ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں شوہر پر لعان واجب ہوگا اور اس کے لیے لڑکے کا وجود ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ وجود ولد کے بغیر بھی لعان ثابت اور صحیح ہوتا ہے۔

فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ تَزَوَّجْتُكَ مِنْدُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَقَالَتْ هِيَ مِنْدُ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَهُوَ ابْنُهُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا، فَإِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سَفَاحٍ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْإِسْتِحْلَافَ وَهُوَ عَلَى الْإِخْتِلَافِ.

**ترجمہ:** پھر اگر عورت نے بچہ جنما اس کے بعد زوجین میں اختلاف ہو گیا چنانچہ شوہر نے کہا میں نے تجھ سے چار ماہ سے نکاح کیا ہے اور بیوی نے کہا کہ چھ ماہ سے نکاح کیا ہے تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ شوہر کا بیٹا ہوگا، اس لیے کہ ظاہر حال عورت کے لیے شاہد ہے، کیوں کہ ظاہر تو یہی ہے کہ وہ نکاح سے بچے جنمے گی، نہ کہ زنا سے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ نے قسم لینے کو بیان نہیں کیا ہے، حالاں کہ وہ مختلف فیہ ہے۔

## اللُّغَاتُ:

﴿تلد﴾ بچہ جنمتی ہے۔ ﴿سفاح﴾ بدکاری، زنا۔ ﴿استحلاف﴾ قسم لینا۔

## مدت نکاح میں اختلاف کے وقت قول معتبر کا بیان:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک جوڑے میں نکاح ہوا اور نکاح کے بعد ان کے آگن میں ایک پھول کھلا جسے لے کر میاں بیوی میں اختلاف ہو گیا چنانچہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے صرف چار ماہ پہلے تجھ سے نکاح کیا ہے، اس لیے یہ لڑکا میرا نہیں ہے، بیوی کہتی ہے کہ موج و مستی کے ایام بھول گئے میاں جی میں تجھے ماہ سے آپ کے نکاح میں ہوں تو اس اختلاف میں بیوی کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اسی کے شوہر کا ہوگا، کیوں کہ ظاہر حال میں اسے زنا سے سمجھنا بعید از فہم ہے، اس لیے فقہی ضابطہ الأصل ان من ساعده الظاهر فالقول قولہ کے پیش نظر بیوی ہی کی بات معتبر ہوگی اور وہ بچہ اس شخص سے ثابت النسب ہوگا۔

ولم يذکر الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے استحلاف یعنی قسم لینے اور نہ لینے کا تذکرہ نہیں کیا ہے حالاں کہ مسئلہ استحلاف مختلف فیہ ہے، چنانچہ صاحبین کی استحلاف کے قائل ہیں جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ عدم استحلاف کے۔ (بنایہ ۴۶۴/۵)

وَ اِنْ قَالَ لَامْرَأَتِهِ اِذَا وَلَدَتْ فَانْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ امْرَاَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تُطْلَقْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَ قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ تَطْلُقُ لَآنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِي ذَلِكَ، قَالَ ❶ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ، وَ لَآنَّهَا لَمَّا قَبِلْتُ فِي الْوِلَادَةِ تَقْبُلُ فِيمَا يَتَنَبَّيُ عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ، وَ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَنَّهَا ادَّعَتْ الْحِسْنَ فَلَا يَنْبُتُ إِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ، وَ هَذَا، لِآنَّ شَهَادَتَهُنَّ ضَرُورِيَّةٌ فِي حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهُ يَنْفَكُ عَنْهَا.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا جب تو بچہ جنے تجھے طلاق ہے پھر ایک عورت نے بچہ جننے پر گواہی دی تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں وہ مطلقہ نہیں ہوگی، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ ولادت کے سلسلے میں ایک عورت کی شہادت حجت ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”وہ امور جن میں مرد دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے، ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ اور اس لیے کہ جب ولادت میں ایک عورت کی شہادت مقبول ہے تو جو چیز ولادت پر مبنی ہو یعنی طلاق اس میں بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہذا حجت تامہ کے بغیر اس کا ثبوت نہیں ہوگا۔ اور یہ حکم اس لیے ہے کہ ولادت کے سلسلے میں عورتوں کی شہادت (کا جواز) بر بنائے ضرورت ہے، لہذا طلاق کے حق میں وہ شہادت ظاہر نہیں ہوگی، اس لیے کہ طلاق ولادت سے جدا ہو سکتی ہے۔

### اللغات:

﴿ ادعت ﴾ دعویٰ کیا ہے۔ ﴿ حنث ﴾ قسم ٹوٹنا۔ ﴿ انشاء ﴾ مشروط کی شرط کا پایا جانا۔ ﴿ ینفک ﴾ جدا ہوتی ہے۔

### تحریج:

❶ اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ باب ما تجوز فیہ شہادۃ النساء، حدیث رقم: ۲۰۷۰۸ بمعناہ.

### طلاق کے معلق بالولادة ہونے کی صورت میں ایک عورت کی ولادت کی گواہی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی صاحبہ سے کہا کہ جب تم بچہ جنو گی تو تمہیں طلاق ہے، اب کچھ مہینوں کے بعد ایک عورت نے یہ خبر دی کہ فلاں کی بیوی نے بچہ کو جنم دیا ہے، لیکن شوہر نے اسے ماننے سے صاف انکار کر دیا اور پھر یہ مسئلہ اس صورت میں وضع ہے جب بیوی کا حمل بھی ظاہر نہیں تھا اور نہ ہی شوہر نے اس حمل کا اقرار کیا تھا تو اس سلسلے میں سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ وہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی جب کہ آپ کے دونوں شاگردوں کا کہنا ہے کہ اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ولادت کا مسئلہ اور مرحلہ عورتوں کے ساتھ خاص ہے، اور ثبوت ولادت کے لیے ایک عورت کی شہادت بھی کافی دوائی ہے چنانچہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، ارشاد نبوی ہے شہادۃ النساء جائزۃ فیما لا یستطیع الرجال النظر الیہ یعنی عورتوں سے متعلق جن امور میں مردوں کو دیکھنے کی قدرت نہیں ہے ان میں صرف عورتوں کا ہی سکھ چلتا ہے اور جو وہ کہتی ہیں وہی ہوتا ہے، لہذا ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جائے گی، اور صورت مسئلہ میں چون کہ طلاق کو ولادت ہی پر معلق اور

مبنی کیا گیا تھا، اس لیے جب ولادت ثابت ہوگی تو لازماً طلاق بھی واقع اور ثابت ہوگی اور وہ عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں بیوی نے ولادت کا دعویٰ کر کے دراصل اپنے شوہر پر حائض ہونے اور اس کی معلق کردہ طلاق کے واقع ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور چوں کہ شوہر اس کا منکر ہے، اس لیے اس کا اثبات حجت کا ملہ اور شہادت تامہ سے ہوگا اور ایک عورت کی شہادت حجت ناقصہ ہے، اس لیے اس سے وقوع طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا، ہاں اس شہادت سے ولادت اور نسب کا ثبوت ہوگا، کیوں کہ ولادت کے باب میں بر بنائے ضرورت عورتوں کی شہادت کو معتبر مانا گیا ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ الضرورة تنقذ بقدرها یعنی ضرورت کا ثبوت بقدر ضرورت ہی ہوتا ہے، اس لیے ایک عورت کی شہادت صرف ثبوت ولادت میں موثر ہوگی اور وقوع طلاق میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، کیوں کہ طلاق ولادت سے الگ ہے اور اس کے لیے لازم اور اسے مستلزم نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہو کر بھی پائے جاسکتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ أَقَرَّ بِالْحَبْلِ طَلَّقَتْ بِغَيْرِ شَهَادَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ، لِأَنَّهُ لَا بَدَأَ مِنْ حُجَّةٍ لِدَعْوَاهَا الْحَيْضَ وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا، وَلَهُ أَنْ الْإِقْرَارَ بِالْحَبْلِ إِقْرَارٌ بِمَا يُفْضِي إِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ، وَلِأَنَّهُ أَقَرَّ بِكُونِهَا مُؤْتَمَنَةً فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا فِي رَدِّ الْأَمَانَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بدون شہادت وہ مطلقہ ہو جائے گی اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں دایہ کی شہادت شرط ہوگی، اس لیے کہ بیوی کے دعوائے حنف کے لیے حجت ضروری ہے اور دایہ کی شہادت اس سلسلے میں حجت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ ہونے کا اقرار اس چیز کا اقرار ہے جس کی طرف یہ حمل پہنچے گا اور وہ ولادت ہے۔ اور اس لیے بھی کہ شوہر نے بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کیا ہے، لہذا امانت واپس کرنے میں بھی اس کا قول مقبول ہوگا۔

### اللَّغَاتُ:

﴿اقر﴾ اقرار کیا ہے۔ ﴿حبل﴾ حاملہ ہونا۔ ﴿قابله﴾ دالی، بچہ جنوانے والی۔ ﴿يفضي﴾ پہنچاتا ہے۔ ﴿مؤتمنة﴾

امانت دار۔

### مذکورہ بالا صورت میں شوہر کے اقرار حمل کا اثر:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنے قول إذا ولدت ولدا فانت طالق کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا اور جب بیوی نے ولادت کا دعویٰ کیا تو اس سے انکار نہیں کیا تو وہ عورت بغیر شہادت کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مطلقہ ہو جائے گی، لیکن حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی وقوع طلاق کے لیے حسب سابق ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت شرط ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت نے ولادت کا دعویٰ کر کے اپنے شوہر کے حائض ہونے کا دعویٰ کیا ہے لہذا اس کے لیے حجت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کام دایہ کی شہادت سے چل سکتا ہے۔ اس لیے وقوع طلاق کے لیے دایہ کی شہادت شرط

ہوگی، کیوں کہ وہ اس سلسلے میں حجت ہے۔

حضرت امام عالی مقام علیہ الرحمۃ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیا تو یہ اقرار ثبوت ولادت کی سب سے بڑی دلیل بن گیا اور اس اقرار میں حمل کے نتیجے میں ولادت کا اقرار بھی شامل ہے یعنی حمل کا اقرار کر کے گویا شوہر نے ولادت کا اقرار کر لیا، اس لیے اب کسی شہادت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو اس کے ضمن میں بیوی کے امانت دار ہونے اور اس کے بطن میں شوہر کے نفطے کے پرورش پانے کا بھی اقرار ہوا، اور جب بیوی کا امانت دار ہونا ثابت ہو چکا ہے تو رد امانت اور وضع امانت یعنی ولادت کے سلسلے میں اسی قول معتبر ہوگا اور بلا دلیل ثابت ہوگا۔

قَالَ وَ أَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَانِ لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا الْوَلَدُ لَا يَنْقُى فِي الْبُطْنِ أَكْثَرَ مِنْ سِتَيْنِ وَ لَوْ بَطَلَ مَغْزِلٌ وَ أَقْلُهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ حَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (سورة الاحقاف: ۱۵)، ثُمَّ قَالَ ﴿وَ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ (سورة لقمان: ۱۴) فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ، وَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقْدِرُ الْأَكْثَرُ بِأَرْبَعِ سِنِينَ، وَ الْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، وَ الظَّاهِرُ أَنَّهَا قَالَتْهُ سَمَاعًا، إِذِ الْعَقْلُ لَا يَهْتَدِي إِلَيْهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے بچہ دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا اگرچہ وہ تھکے کے سایہ کے برابر ہو۔ اور اس کی اقل مدت چھ ماہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچہ کا حمل اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوتا ہے پھر فرمایا کہ اس کا دودھ چھوڑنا دو سال میں ہوتا ہے لہذا حمل کے لیے چھ ماہ باقی رہ گئے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اکثر مدت حمل کا چار سال سے اندازہ لگایا ہے، لیکن ہماری روایت کردہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے سن کر ہی اسے بیان کیا ہوگا۔ اس لیے کہ عقل اس اندازے کی طرف راہ نہیں پاسکتی۔

## اللغات:

﴿ظل﴾ سایہ۔ ﴿معزل﴾ چرنے کی سوئی، تھکا۔ ﴿فصال﴾ دودھ چھڑانا۔

## اکثر مدت حمل:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان دلیل ہے کہ الولد لا یبقی فی البطن اکثر من ستین الخ یعنی بچہ دو سال سے زیادہ ماں کے پیٹ میں نہیں رہتا خواہ وہ تھکے کے سایہ کے برابر ہو، صاحب ہدایہ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں اور ان کی ذات سے امت کو بیشتر مسائل معلوم ہوئے ہیں اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے سن کر ہی یہ مدت بیان کی ہوگی، کیوں کہ عقل اس طرح کی مدت کا اندازہ نہیں لگا سکتی۔

وأقله ستة أشهر الخ: فرماتے ہیں کہ حمل اقل مدت چھ ماہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حمل اور فصال دونوں کی

ایک ساتھ مدت بیان فرمائی، اس کے بعد و فصالہ فی عامین کے فرمان سے دودھ چھوڑنے کے لیے ۲۴ ماہ متعین کر دیا، لہذا بدیہی طور پر حمل کی اقل مدت ۶ چھ ماہ متعین ہے۔

والشافعی رحمہ اللہ علیہ النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ حمل کی اکثر مدت چار سال قرار دیتے ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بعض حضرات اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے بھی زائد دنوں تک رہے ہیں مثلاً محمد بن عجلان چار سال تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہے اور ضحاک بن مزاحم پانچ سال تک رہے (عنایہ) اس لیے اکثر مدت حمل کو دو سال میں محصور کرنا درست نہیں ہے، لیکن ہماری بیان کردہ روایت عائشان کے خلاف حجت اور دلیل ہے۔

وَمَنْ تَزَوَّجَ أَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ، وَإِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ، لِأَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَلَكَدُ الْمُعْتَدَةِ، فَإِنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى الشِّرَاءِ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَكَدُ الْمَمْلُوكَةِ، لِأَنَّهُ يُضَافُ الْحَادِثُ إِلَى أَقْرَبِ وَفِيهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ، وَهَذَا إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَيْنَانًا أَوْ خُلْعًا أَوْ رَجْعِيًّا، أَمَّا إِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَغْتَبُ النَّسَبُ إِلَى سَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ، لِأَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيظَةً فَلَا يُضَافُ الْعُلُوقُ إِلَّا إِلَى مَا قَبْلَهُ، لِأَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالشِّرَاءِ.

**ترجمہ:** جس نے کسی باندی سے نکاح کیا پھر (وطی کے بعد) اس کو طلاق دے دی اور پھر اسے خرید لیا تو اگر یوم خرید سے چھ ماہ سے کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا تو شوہر کو نسب لازم ہوگا، ورنہ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی صورت میں وہ معتدہ کا بچہ ہے، کیوں کہ علوق ثراء پر مقدم ہے۔ اور دوسری صورت میں وہ مملوکہ عورت کا بچہ ہے۔ اس لیے کہ حادث کو اس کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لہذا نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب ایک طلاق بائن ہو یا خلع ہو یا طلاق رجعی ہو، لیکن اگر دو طلاق ہو تو وقت طلاق سے دو سال پر نسب ثابت ہو جائے گا (اس لیے کہ) (دو طلاق سے) باندی اپنے شوہر پر حرمت غلیظہ کے ساتھ حرام ہوگئی، لہذا علوق کو طلاق سے پہلے کی حالت کی طرف منسوب کیا جائے گا، اس لیے کہ ثراء کی وجہ سے یہ باندی حلال نہیں ہو سکتی۔

## اللغات:

﴿علوق﴾ استقرار رحم۔ ﴿یضاف﴾ منسوب کیا جاتا ہے۔

**باندی بیوی کو طلاق دینے کے بعد خریدنے کی صورت میں ثبوت نسب:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر وطی کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دی اور اس کے بعد اس کے مالک سے اس باندی کو خرید لیا تو اگر خریدنے کے دن سے چھ ماہ کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا تو مشتری کے ذمے اسے اپنانا اور اس سے اپنا نسب متعلق کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا تو پھر مشتری پر (جو اس کا شوہر بھی ہے) اس بچے کو اپنانا اور اپنا نسب اس سے متعلق کرنا لازم نہیں ہوگا۔ یہ دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت کی

دلیل یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں بچہ کی ولادت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نطفہ خریدنے سے پہلے ہی قرار پایا ہے اور خریدنے سے پہلے چوں کہ وہ عورت معتدہ تھی اس لیے وہ معتدہ کا بچہ ہوا اور معتدہ کے بچے کا نسب بدون دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس صورت میں اس بچے کا نسب شوہر پر لازم ہوگا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جب چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ کی پیدائش ہوئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اشتراء کے بعد ملکِ یمین کی حالت میں نطفہ قرار پایا ہے اور وہ مملوکہ کا بچہ ہے اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ حادثہ اور نو پیدا شدہ چیز کو اس کے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور مملوکہ باندی کے بچے کا نسب دعویٰ نسب کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے۔

وهذا إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ما قبل میں بیان کردہ تفصیلات اس وقت ہیں جب اس باندی کو ایک طلاق بائن دی گئی ہو یا ایک طلاق رجعی دی گئی ہو یا اس نے خلع کیا ہو، لیکن اگر شوہر نے اسے دو طلاق دیا ہو تو وقت طلاق سے دو سال تک نسب ثابت ہوگا، کیوں کہ باندی کے حق میں دو طلاق اکثر تعدا طلاق ہے، لہذا دو طلاق سے وہ باندی حرمت غلیظہ کے ساتھ باندہ ہو کر شوہر کے لیے حرام ہوگئی اور اب شوہر کے لیے اس سے وطی کرنا ممکن نہیں رہا نہ تو نکاح کے طور پر اور نہ ہی ملکِ یمین کے طور پر لہذا اب مابعد الطلاق کی طرف علق کو منسوب نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے قبل الطلاق کی حالت پر محمول کریں گے اور طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر اندر اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

وَمَنْ قَالَ لَا مَتَّهِ إِنْ كَانَ فِي بَطْنِكَ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدْتُ عَلَى الْوِلَادَةِ امْرَأَةً فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ، وَنَبُتُ ذَلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْإِجْمَاعِ.

**ترجمہ:** جس شخص نے اپنی باندی سے کہا اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو میرے نطفے سے ہے، پھر ایک عورت نے ولادت پر گواہی دی تو وہ اس کی ام ولد ہوگی، اس لیے کہ صرف تعین ولد کی ضرورت ہے اور یہ بالاتفاق دایہ کی شہادت سے ثابت ہو جائے گی۔

**اللغات:**

﴿قابلة﴾ دایہ۔

**ام ولد بننے کی ایک صورت:**

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہے تو میرے نطفے سے ہے اس کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں اس باندی نے بچہ جنا اور ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو اس بچے کا نسب مولیٰ سے ثابت ہو جائے گا اور وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی، کیوں کہ یہاں صرف بچہ تعین کی ضرورت ہے اور دایہ کی شہادت سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اس لیے اس شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

وَمَنْ قَالَ لِعَلَّامٍ هُوَ ابْنِي ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ أُمُّ الْعَلَّامِ وَقَالَتْ أَنَا امْرَأَتُهُ هُوَ ابْنُهُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَهُوَ ابْنُهُ تَرْتَانِهِ، وَفِي التَّوَادِرِ جَعَلَ هَذَا جَوَابَ الْإِسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهَا الْإِمْرَأَةُ، لِأَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَنْبَغُ

بِالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْئِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِينِ فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ وَجْهَ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَسْئَلَةَ فِيمَا إِذَا كَانَتْ مَعْرُوفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَبِكَوْنِهَا أُمُّ الْغَلَامِ، وَالنِّكَاحُ الصَّحِيحُ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ لَذَلِكَ وَضَعًا وَعَادَةً.

**ترجمہ:** جس شخص نے کسی بچے کو کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے پھر وہ مر گیا اس لڑکے کی ماں آئی اور اس نے کہا کہ میں میت کی بیوی ہوں اور یہ اس کا بچہ ہے تو وہ اس کی بیوی ہوگی اور وہ غلام میت کا لڑکا ہوگا اور دونوں میت کے وارث ہوں گے۔ اور نوادر میں اسے حکم احتمالی قرار دیا گیا ہے جب کہ قیاس یہ ہے کہ عورت کو میراث نہ ملے، کیوں کہ جس طرح نسب نکاح صحیح سے ثابت ہوتا ہے نکاح فاسد اور وطی بالشبہ سے بھی ثابت ہوتا ہے اور ملک یمین سے بھی ثابت ہوتا ہے، لہذا میت کا قول نکاح کا اقرار نہیں ہوا۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے جب عورت کا آزاد ہونا اور لڑکے کی ماں ہونا معروف ہو۔ اور نکاح صحیح ثبوت نسب کے لیے وضع اور عادت کے طور پر متعین ہے۔

### اللغات:

﴿قِرْتَان﴾ وہ دونوں وارث ہوں گے۔ ﴿حُرِّيَّة﴾ آزاد ہونا۔

**بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک معتمدی ہوگا یا نہیں:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک بچے کو دیکھا اور کہا ہو ابنی یہ میرا بیٹا ہے، اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا پھر اس لڑکے کی ماں آئی اور اس نے کہا کہ میں میت کی بیوی ہوں اور یہ لڑکا میت کا بیٹا ہے تو استحساناً ماں اور بیٹے دونوں میت کے وارث ہوں گے، لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف بیٹا وارث ہو اور ماں وارث نہ ہو، کیوں کہ باپ نے صرف بیٹے کو اپنانے کا اقرار کیا ہے، ماں کو نہیں، اور بیٹے کا اقرار ماں کے اقرار کو مستلزم نہیں ہے، اس لیے نکاح صحیح کے علاوہ نکاح فاسد، وطی بالشبہ اور ملک یمین کے طور پر بھی وطی کرنے سے بھی بیٹا معرض اور وجود میں آسکتا ہے، لہذا میت کا ہذا ابنی کہنا صرف بیٹے کے حق میں مفید ہوگا اور اس سے نکاح کا اقرار نہیں ہوگا، اس لیے صرف بیٹا اس کا وارث ہوگا نہ کہ وہ عورت۔

استحسان کی دلیل کہ صورت مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے جب عورت کی حریت معروف ہوتا کہ ملک یمین کے طور پر وطی کا احتمال ختم ہو جائے اور اس عورت کا مذکورہ بچے کی ماں ہونا بھی لوگوں میں مشہور ہو، تاکہ نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کا احتمال ختم ہو جائے اور صرف نکاح صحیح باقی رہ جائے اور چوں کہ نکاح صحیح ثبوت نسب کے لیے متعین ہے، اس لیے وہ لڑکا اسی عورت کا ہوگا اور ماں بیٹے دونوں کو میراث ملے گی۔

وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتْ الْوَرِثَةُ أَنْتِ أُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا، لِأَنَّ ظُهُورَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِي دَفْعِ الرِّقِّ، لَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْمِيرَاثِ.



**ترجمہ:** اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ عورت آزاد ہے اور ورثاء نے کہا کہ تم ام ولد ہو تو اسے میراث نہیں ملے گی، اس لیے کہ حریت کا ظہور دار الاسلام کے اعتبار سے دفع رقیّت کے لیے حجت ہے۔ نہ استحقاق میراث کے لیے ہے۔

### اللغات:

﴿حرّة﴾ آزاد عورت۔ ﴿دق﴾ غلامی۔

### بچے کے ثبوت نسب کا نتیجہ اس کی ماں تک معتدی ہوگا یا نہیں:

فرماتے ہیں کہ اگر ماسبق میں مذکورہ عورت کا آزاد ہونا معلوم نہ ہو اور میت کے ورثاء اسے میت کی ام ولد قرار دیں تو نہ تو وہ ام ولد ہوگی اور نہ ہی اسے میراث ملے گی، میراث تو اس لیے نہیں ملے گی کہ اس کا آزاد ہونا متعین نہیں ہے اور اگر چہ دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے اس کی رقیّت معدوم سمجھی جا رہی ہے لیکن دارالاسلام صرف دفع رقیّت میں مؤثر ہے، استحقاق وراثت میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے، اس لیے اسے میراث نہیں ملے گی، مگر وہ مملوک اور ام ولد بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ دارالاسلام اس سے رقیّت کو دفع کر رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



## بَابُ حَضَانَةِ الْوَلَدِ وَمَنْ أَحَقُّ بِهِ

یہ باب بچے کی پرورش اور پرورش کے سب سے زیادہ مستحق  
افراد کے بیان میں ہے

صاحب کتاب جب ثبوت نسب کے مسائل و دلائل کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب حضانت اور پرورش کے احکام و مسائل کو بیان کر رہے ہیں، کیوں کہ ولادت اور ثبوت نسب کے بعد سب سے پہلا مرحلہ حضانت ہی کا ہے۔ صاحب بنایہ علامہ محمود عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ شریعت میں ولایت کا حق اس شخص کو ہے جو متفق علیہ ہو اور پھر ولایت کے بھی کئی درجے ہیں، اسی لیے شریعت نے تصرف کی ولایت کا حق باپ کو دیا ہے، کیوں کہ وہ قوی الرائے ہوتا ہے اور فقہ بھی اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ اور حضانت اور پرورش کی ولایت ماں سے متعلق کی گئی ہے، کیوں کہ ماں بچے پر زیادہ شفیق ہوتی ہے اور گھر میں رہ کر ہمہ وقت اس کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے۔ (۳۷۱/۵)

وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَلَا أَمَّ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ لِمَا رَوَى ((أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ۚ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءٌ وَحِجْرِي لَهُ حَوَى وَتُدْبِي لَهُ سِقَاءً وَزَعَمَ أَبُوهُ أَنَّهُ يَنْزِعُهُ مِنِّي فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْزَوِجِي))، وَلَئِنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحَضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرُ وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيقُ رضی اللہ عنہ رِيفَهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ، قَالَ حِينَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُونَ مَتَوَافِرُونَ.

**ترجمہ:** اور جب میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے تو ماں بچے کے زیادہ حقدار ہے اس روایت کی وجہ سے کہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول یہ میرا بیٹا ہے جس کے لیے میرا پیٹ طرف رہا اور میری گود اس کے لیے خیمہ رہی اور میرے پستان اس کے لیے ڈول رہے اور اس کا باپ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے، اور اس لیے کہ ماں زیادہ مشفق ہوتی ہے اور حضانت پر اسے زیادہ قدرت ہوتی ہے لہذا بچے کو اس کے سپرد کرنے میں زیادہ شفقت ہوگی۔ اور اسی طرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ اے عمر اس بچے کے لیے عورت کا تھوک تمہارے شہد مصفی سے بھی زیادہ بہتر ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ جب ان کے اور ان کی

بیوی کے درمیان فرقت ہوئی تھی اور اس وقت صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔

## اللغات:

﴿بطنی﴾ میرا پیٹ۔ ﴿وعاء﴾ برتن۔ ﴿حجر﴾ گود۔ ﴿حوی﴾ پناہ گاہ، خیمہ۔ ﴿ٹندی﴾ چھاتی، پستان۔ ﴿سقاء﴾ مشکیزہ، ڈول، پینے کا برتن۔ ﴿بنزع﴾ چھین لے گا، کھینچ لے گا۔ ﴿اشفق﴾ زیادہ مہربان۔ ﴿ریق﴾ تھوک، لعاب دھن۔ ﴿عسل﴾ شہد۔ ﴿شہد﴾ شہد جو مونم سے نچوڑا نہ گیا ہو۔

## تخریج:

① أخرجه ابوداؤد في كتاب الطلاق باب من أحق بالولد، حديث: ۲۲۷۶.

## زوجین میں سے پرورش کا زیادہ حقدار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جائے تو ان کا بچہ ماں کے حوالے کیا جائے گا اور ماں ہی اس بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار ہوگی بشرطیکہ وہ کسی اجنبی شخص سے دوسرا عقد نہ کرے، اس حکم کی پہلی دلیل اس عورت کا واقع ہے جس نے دربار رسالت میں اپنے بچے کی نشوونما اور دیکھ ریکھ کی حالتوں کو بیان کر کے اپنے شوہر کے متعلق بچہ چھیننے کا الزام لگایا تھا اور آپ ﷺ نے انت احق به مالہم تنزوحی کے فرمان سے اس بچہ کی حق دار اس کی ماں یعنی اسی عورت کو قرار دیا تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں بچہ پر زیادہ مہربان ہوتی ہے اور ہمہ وقت اس کے ناز و نخرے برداشت کرتی رہتی ہے اس لیے پرورش کے حوالے سے بچہ ماں کے حوالے کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام عاصم رضی اللہ عنہما کے مابین فرقت طلاق واقع ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے تو اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا کہ اے عمر بچہ کی ماں کا تھوک اس کے لیے تمہارے شہد مصفیٰ کھلانے سے بھی زیادہ بہتر ہے، گویا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان سے یہ اشارہ دیدیا تھا کہ بچے کی پرورش کا زیادہ حق اس کی ماں کو ہے اور یہ فرمان کبار صحابہ کی موجودگی میں صادر ہوا تھا، لیکن کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تھی جس سے یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا تھا۔

وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْآبِ عَلَى مَا نَذَرُوا وَلَا تُجْبَرُ الْأُمُّ عَلَيْهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَصَانَةِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمُّ فَاُمُّ الْأُمِّ أُولَى مِنْ أُمِّ الْآبِ وَإِنْ بَعْدَتْ، لِأَنَّ هَذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْأُمّهَاتِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمُّ الْأُمِّ فَاُمُّ الْآبِ أُولَى مِنَ الْآخَوَاتِ لِأَنَّهَا مِنَ الْأُمّهَاتِ وَلِهَذَا تَحْرُزُ مِيرَاتُهُنَّ السُّدُسُ وَلِأَنَّهَا أَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالْآخَوَاتُ أُولَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ، لِأَنَّهُنَّ بَنَاتُ الْأَبَوَيْنِ وَلِهَذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيرَاثِ، وَفِي رَوَايَةِ الْخَالَةِ أُولَى مِنَ الْأَخْتِ لِأَبٍ لِقَوْلِهِ ﷺ ((الْخَالَةُ وَالِدَةٌ))، وَفِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى

الْعَرْشُ ﴿سورة يوسف : ۱۰۰﴾ اَنَّهُا كَانَتْ خَالَتَهُ.

**ترجمہ:** اور (بچے کا) نفقہ اس کے باپ پر لازم ہوگا جیسا کہ (آگے چل کر) ہم اسے بیان کریں گے اور ماں کو حضانت پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو۔ پھر اگر بچے کی ماں نہ ہو تو اس کی نانی دادی سے زیادہ پرورش کی حق دار ہے اگرچہ وہ دور کے درجے کی ہو، اس لیے کہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے آتی ہے، پھر اگر نانی نہ ہو تو دادی بہنوں سے زیادہ حقدار ہوگی، اس لیے کہ وہ بھی ماؤں میں سے ہے، اسی لیے دادی کو بھی ماؤں کی میراث یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ دادی کی شفقت پیدائشی قربت سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ پھر اگر بچے کی دادی بھی نہ ہو تو بہنیں، پھوپھیوں اور خالائوں سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ وہ (بچے کے) ماں باپ کی لڑکیاں ہیں، اسی لیے انہیں میراث میں مقدم کیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ خالہ باپ شریک بہن سے زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”خالہ ماں ہوتی ہے“ اور ارشاد خداوندی و دفع ابویہ علی العرش کی تفسیر میں کہا گیا کہ ابویں میں سے ایک حضرت یوسف کی خالہ تھیں۔

### اللغات:

﴿نفقة﴾ اخراجات، خرچ۔ ﴿لا تجبر﴾ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿عست﴾ ہو سکتا ہے کہ۔ ﴿حضانة﴾ پرورش کرنا۔ ﴿تستفاد﴾ حاصل کی جاتی ہے۔ ﴿عمۃ﴾ پھوپھی۔ ﴿قدم﴾ مقدم کی گئی ہے۔

### تخریج:

① اخرجه بخاری فی کتاب الصلح باب کیف یکتب، حدیث رقم: ۳۶۹۹.

### ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بچے کی پرورش اور اس کی حضانت وغیرہ کا پورا نفقہ اس کے باپ پر لازم ہوگا اور کتاب النفقہ میں اس کی پوری تفصیل آئے گی۔ اور بچے کی پرورش کی زیادہ حق دار اس کی ماں ہی ہے لیکن اگر ماں کسی وجہ سے پرورش نہ کر سکے تو اسے پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر ماں کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو پھر ماں کو منایا جائے گا اور اسی منت ساجت کی جائے گی۔

فان لم تکن النخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی ماں نہ ہو یا وہ دوسری شادی کر لے تو پھر ماں کی ماں یعنی بچے کی نانی اس کی دادی سے پرورش کی زیادہ حق دار ہوگی خواہ وہ اوپر کے درجے کی ہو یعنی پر نانی اور سکر نانی ہو، کیوں کہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے مستفاد ہوتی ہے، اس لیے ماں کی ماں باپ کی ماں سے زیادہ حق دار ہوگی۔ پھر اگر بچے کی نانی بھی نہ ہو تو دادی بہنوں سے زیادہ حق دار ہوگی، اس لیے کہ نانی امہات میں سے ہے، اسی لیے دادی کو بھی میت کی میراث سے ماں کے برابر یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اور پھر قربت نسبی کی وجہ سے دادی کی شفقت بہنوں سے زیادہ بڑی ہوئی ہے۔

فان لم تکن النخ: فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی دادی بھی نہ ہو تو پھر بہنوں کا نمبر ہے اور بہنیں بچے کی پھوپھیوں اور خالائوں سے زیادہ حق دار ہوں گی۔ اس لیے کہ بہنیں بچے کے باپ اور ماں کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور وہ قربت کے اعتبار سے بچے سے زیادہ

قریب ہوتی ہیں، اسی لیے میراث میں بہنوں کا حصہ عمت اور خالات سے مقدم ہے۔

وفي رواية الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ماں اور باپ دونوں شریک یعنی حقیقی بہن خالہ اور پھوپھی سے مقدم ہے۔ اگر صرف باپ شریک بہنیں ہوتو مبسوط کی کتاب الطلاق کی وضاحت کے مطابق وہ بہن خالہ سے مقدم نہیں ہوگی، کیوں کہ پرورش کے درجات ماں کی طرف سے چلتے ہیں اور خالہ ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہے، اس لیے حقیقی بہن نہ ہونے کی صورت میں خالہ کا حق مقدم ہوگا اور پھر حدیث پاک میں الخالة والدہ کا فرمان جاری کر کے خالہ کی قرابت اور اس کی شفقت کو مزید اجاگر کر دیا گیا ہے اور پھر قرآن کریم کی آیت روفع ابویہ علی العرش الخ: میں بھی ایک تفسیر کے مطابق ابوین میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں نہیں بلکہ ان کی خالہ داخل ہیں، کیوں کہ واقعات یہ بتاتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔

وَقَدْ تَقَدَّمَ الْأَخْتُ لِأَبٍ وَ أُمٍّ لِأَنَّهَا أَشْفَقُ، ثُمَّ الْأَخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأَخْتُ مِنَ الْأَبِ، لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُنَّ مِنْ قَبْلِ الْأُمِّ، ثُمَّ الْخَالَاتُ أُولَى مِنَ الْعَمَّاتِ تَرْجِيحًا لِقَرَابَةِ الْأُمِّ، وَ يَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلْنَ الْأَخَوَاتُ، مَعْنَاهُ تَرْجِيحُ ذَاتِ قَرَابَتَيْنِ، ثُمَّ قَرَابَةِ الْأُمِّ ثُمَّ الْعَمَّاتِ يَنْزِلْنَ كَذَلِكَ.

**ترجمہ:** اور حقیقی بہن (دیگر بہنوں سے) مقدم ہوگی، کیوں کہ وہ زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پھر ماں شریک بہن کا نمبر ہے اور سب سے اخیر میں باپ شریک بہن کا نمبر ہے، کیوں کہ ان کا حق ماں کی جانب سے ثابت ہے۔ پھر خالائیں پھوپھیوں سے زیادہ حق دار ہیں ماں کی قرابت کو ترجیح دیتے ہوئے پھر وہ بھی بہنوں کی طرح اتریں گی یعنی دو قرابت والی کو ترجیح ہوگی پھر ماں کی قرابت والی کو۔ پھر پھوپھیاں بھی اسی طرح اتریں گی۔

**ماں کے بعد حق حضانت کس کو حاصل ہوگا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حق حضانت کے استحقاق کا دار و مدار قربت اور زیادتی شفقت پر ہے اسی لیے ماں نانی اور دادی کے نہ ہونے کی صورت میں بچے کی حقیقی بہنیں اس کی علاقائی اور اخپانی بہنوں سے مقدم ہوں گی، کیوں کہ وہ ذو قرابتین ہے اور اس کی شفقت دیگر بہنوں سے بڑھی ہوئی ہے، پھر اگر یہ بہن نہ ہو تو بچے کی اخپانی بہن اس کی علاقائی بہن سے مقدم ہوگی اور سب سے اخیر میں علاقائی بہن کا نمبر ہوگا، اس لیے کہ عورتوں کے لیے حق حضانت ماں ہی کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لہذا جو عورت ماں سے جتنا زیادہ قریب ہوگی اسی حساب سے اس کا حصہ اور نمبر بھی ہوگا۔

ثم الخالات الخ: فرماتے ہیں کہ خالائیں ماں سے زیادہ قریب ہوتی ہیں، اس لیے حقیقی، اخپانی اور علاقائی کے اعتبار سے درجہ بدرجہ خالائوں کو حق حضانت ملے گا اور خالائوں کے بعد یعنی ان کی عدم موجودگی میں حسب مراتب یہ حق پھوپھیوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْهُ هُوَ لَاءٍ يَسْقُطُ حَقُّهَا لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ زَوْجَ الْأُمِّ إِذَا كَانَ أجنبيًا يُعْطِيهِ نَزْرًا وَيَنْظُرُ إِلَيْهِ

شَرًّا فَلَا نَظَرَ، قَالَ إِلَّا الْجَدَّةُ إِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَ أَبِيهِ فَيَنْظُرُ لَهُ، وَكَذَلِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُو رَحْمٍ مَحْرَمٌ مِنْهُ لِقِيَامِ الشَّفَقَةِ نَظَرًا إِلَى الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ، وَ مَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزْوِجِ يَعُودُ إِذَا ارْتَفَعَتِ الزَّوْجِيَّةُ، لِأَنَّ الْمَنَاعَ قَدْ زَالَ.

**ترجمہ:** اور ان عورتوں میں سے جس عورت نے بھی اپنا نکاح کر لیا اس کا حق ساقط ہو جائے گا اس حدیث کی وجہ سے جسے ہم روایت کر چکے۔ اور اس لیے جب ماں کا شوہر اجنبی ہوگا تو وہ بچہ کو حقیر چیز دے گا اور اسے تیز نگاہ سے دیکھے گا لہذا شفقت معدوم ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں کہ سوائے نانی کے جب اس کا شوہر بچے کا دادا ہو، کیوں کہ دادا اس کے باپ کے قائم مقام ہے اس لیے وہ اس بچے پر نظر عنایت کرے گا۔ اور ایسے ہی ہر وہ شوہر جو اس بچے کا ذرہ محرم ہو، اس لیے کہ قرابت قریبہ کی طرف نظر کرتے ہوئے شفقت موجود ہے۔ اور جس عورت کا حق حضانت ساقط ہو گیا تو زوجیت ختم ہوتے ہی وہ حق لوٹ آئے گا، کیوں کہ مانع زائل ہو گیا۔

### اللغات:

﴿تنزوجت﴾ شادی کر لی۔ ﴿نزد﴾ بے قیمت چیز، گھٹیا سامان۔ ﴿شزد﴾ غصہ، عیب چینی۔ ﴿جدۃ﴾ دادی، نانی۔ ﴿يعود﴾ لوٹ آئے گا۔

### شادی کرنے سے حق حضانت کا سقوط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بہن، خالہ، دادی، نانی اور پھوپھی میں سے انہی عورتوں کو حق حضانت ملتا ہے جن کی شادی نہ ہوئی ہو یعنی خالہ اور پھوپھی وغیرہ جب تک غیر شادی شدہ ہوں گی اس وقت انہیں یہ حق ملے گا لیکن اگر ان میں سے کسی کی شادی ہوگئی تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث پاک میں ماں کو یہ حق دیتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا انت احق بہ مالہم تنزوجی کہ جب تک تم دوسرا نکاح نہیں کرتی ہو اس وقت بچے کی پرورش کی سب سے زیادہ حق دار تم ہی ہو، چوں کہ آپ ﷺ نے ماں کے حق میں مالہم تنزوجی کی شرط لگائی ہے لہذا یہ شرط ماں کی قائم مقام دیگر عورتوں کے حق میں بھی جاری اور لاگو ہوگی، کیوں کہ ماں ہی کے ذریعے اور واسطے سے انہیں یہ حق ملتا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت کے نکاح کر لینے کے بعد اس کی اور اس کے شوہر کی تمام توجہات اپنے بچے پر ہوگی اور اجنبی ہونے کی وجہ سے وہ شوہر اس بچے کو معمولی سی چیز کھانے پینے کے لیے دے گا اور اس کی طرف نظر حقارت سے دیکھے گا اور یہ بچہ بے توجہی اور عدم التفات کا شکار ہو جائے گا۔

و إلا الجدة الخ: و کل من تزوج سے استثناء کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی نانی اس کے دادا سے نکاح کرتی ہے تو اس صورت میں نانی کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ نانی اور دادا دونوں مل کر اچھی طرح سے اس کی دیکھ رکیہ کا انتظام کریں گے اور دادا چوں کہ بچے کے باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اس لیے وہ اس بچے پر نظر کرم کرے گا اور اس کے حق میں بے توجہی کا خدشہ ختم ہو جائے گا فلا حرج فی تزوج الجدة جد الولد۔

و كذلك الخ: فرماتے ہیں کہ نانی اور دادا کی طرح ہر اس شخص کے ساتھ کی جوڑی صحیح ہوگی جو بچے کا قریبی رشتے دار ہو، کیوں کہ قربت قرابت کی وجہ سے شفقت موجود ہے اس لیے ماں خالہ، پھوپھی اور بہن وغیرہ کا بچے کے ذورحم محرم کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ومن سقط الخ: فرماتے ہیں کہ نکاح کرنے کی وجہ سے جس عورت کا حق حضانت ختم ہو گیا ہو وہ حق زوجیت ختم ہونے سے دوبارہ لوٹ آئے گا، کیوں کہ زوجیت ہی مانع تھی، لہذا اذا زال المانع عاد الممنوع والے فقہی ضابطے کے پیش نظر مانع کے ختم ہونے سے ممنوع بھی ختم ہو جائے گا اور حق حضانت بحال ہو جائے گا۔

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصِمَ فِيهِ الرَّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعَصِيًّا، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مَحْرَمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ.

**ترجمہ:** پھر اگر بچے کے اہل خانہ میں سے کوئی عورت نہ ہو اور اس کی پرورش کے متعلق مردوں نے جھگڑا کیا ہو تو ان میں سب سے زیادہ مقدم وہ ہوگا جو عصبہ ہونے میں سب سے زیادہ قریب ہو، کیوں کہ ولایت اقرب کے لیے ہے اور ان کی ترتیب اپنی جگہ معلوم ہو چکی ہے، لیکن صغیرہ بچی غیر محرم عصبہ کو نہیں دی جائے گی جیسے مولیٰ عتاقہ اور چچا کا بیٹا۔ فتنہ سے بچنے کے لیے۔

### اللغات:

﴿اختصم﴾ جھگڑا کریں۔ ﴿لا تدفع﴾ نہیں دی جائے گی۔ ﴿عتاقہ﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿تحوز﴾ بچاؤ۔

### حضانت کے حقدار مردوں کا بیان:

فرماتے ہیں اگر بچے کے اہل خانہ میں کوئی عورت نہ ہو جو اس کی حضانت کے امور کو نبھاسکے اور مردوں نے اس کی پرورش کے متعلق اختلاف کر لیا ہو تو علی الترتیب ان مردوں کو یہ حق ملے گا جو عصبہ ہونے میں بچے سے زیادہ قریب ہوں گے، کیوں کہ یہ ولایت اقرب کے لیے ہے لہذا جو جتنا قریبی عصبہ ہوگا اس کا حق اتنا ہی مقدم ہوگا یعنی باپ، دادا پردادا، لکڑ اور سکڑ دادا، پھر بھائیوں میں سے حقیقی علاقائی اور اس کے بعد چچا وغیرہ کا نمبر ہوگا اور سب سے اخیر میں مولیٰ عتاقہ کا نمبر ہے، لیکن واضح رہے کہ مولیٰ عتاقہ کا نمبر صرف لڑکے میں آئے گا، اسی لیے فرمایا ہے کہ اگر بچی ہو اور مردوں اور عورتوں میں سے کوئی ولی نہ ہو تو لڑکی مولیٰ عتاقہ کے سپرد نہیں کی جائے گی اور نہ ہی چچا زاد بھائی کے سپرد کی جائے گی، کیوں کہ بچی کو ان کے حوالے کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور بچے کی حق میں شفقت بھی معدوم ہے۔

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْعَلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحَدَهُ وَيَشْرَبُ وَحَدَهُ وَيَلْبَسُ وَحَدَهُ، وَيَسْتَنْجِي وَحَدَهُ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَسْتَنْجِيَ فَيَأْكُلَ وَحَدَهُ وَيَشْرَبُ وَحَدَهُ وَيَلْبَسُ وَحَدَهُ، وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ، لِأَنَّ تَمَامَ

الْإِسْتِغْنَاءُ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْإِسْتِجْعَاءِ، وَوَجْهُهُ أَنَّهُ إِذَا اسْتَعْنَى يُحْتَاجُ إِلَى التَّأَذُّبِ وَالتَّخَلُّقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَأَخْلَاقِهِمْ، وَالْأَبْ أَقْدَرُ عَلَى التَّأَذُّبِ وَالتَّقْيِيفِ، وَالْخَصَافُ رَحِمَهُ اللَّهُ قَدَّرَ الْإِسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِينَ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ.

**ترجمہ:** اور ماں اور نانی لڑکے کی (پرورش کی) زیادہ حق دار ہیں یہاں تک کہ وہ تنہا کھانے لگے، تنہا پینے لگے، اکیلے لباس پہننے لگے اور اکیلے استنجاء کرنے لگے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ یہاں تک لڑکا بے پروا ہو جائے اور وہ تنہا کھانے پینے اور لباس پہننے لگے اور (دونوں کا) معنی ایک ہی ہے، اس لیے کہ استغناء کی تکمیل استنجاء پر قدرت کے ذریعے حاصل ہوگی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بچہ مستغنی ہو گیا تو اس کو مردوں کے اخلاق و آداب سیکھنے کی ضرورت ہوگی اور باپ ادب اور تہذیب سکھانے پر زیادہ قادر ہے۔ اور امام خفاف نے غالب پر قیاس کرتے ہوئے سات سال سے مستغنی ہونے کا اندازہ کیا ہے۔

### اللغات:

﴿وحده﴾ اکیلا۔ ﴿بلبس﴾ کپڑے پہنے۔ ﴿فادب﴾ ادب سیکھنا۔ ﴿تخلق﴾ اخلاق و عادات اختیار کرنا۔  
﴿تقفیف﴾ تہذیب سکھانا۔

### لڑکے کی مدت حضانت کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر بچے کے اکیلے کھانے، پینے، لباس پہننے اور تنہا استنجاء کر سکنے تک اس کی دیکھ ریکھ کا معاملہ اس کی ماں اور نانی کے سپرد ہوگا اور یہی دونوں اس کی زیادہ حقدار ہوں گی۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ قدوری میں قدرت علی الاستنجاء کا تذکرہ ہے جب کہ جامع صغیر میں مطلق استغناء کا تذکرہ ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، کیوں کہ بچے کو اسی وقت استغناء حاصل ہوگا جب وہ استنجاء کرنے پر قادر ہو جائے اور بقول صاحب بنایہ قدرت علی الاستنجاء یہ ہے کہ وہ بچہ خود سے ازار کھول لے اور استنجاء کر کے اسے باندھ بھی لے، بہر حال جب وہ بچہ اکیلے ان امور کی انجام دہی پر قادر ہو جائے گا تو اب ماں اور نانی کا حق حضانت ختم ہو جائے گا اور اب اس کی نگہداشت و پرداخت کی ذمہ داری اس کے باپ پر عائد ہوگی، کیوں کہ اب اسے مردوں کے اخلاق و آداب اور ان کے طور و طریقے سیکھنے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں باپ کے زیر سایہ ہم دست ہوں گی، کیوں کہ باپ کو ان اشیاء پر زیادہ قدرت حاصل ہے۔

والخصاف رَحِمَهُ اللَّهُ الخ: فرماتے ہیں کہ امام ابو بکر خفاف علیہ الرحمہ نے بچے کے کھانے، پینے اور پہننے وغیرہ پر قادر ہونے کا اندازہ سات سال سے کیا ہے، لہذا سات سال کی عمر تک تو بچہ ماں اور نانی کے پاس رہے گا اور اس کے بعد باپ کی طرف منتقل ہو جائے گا، صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ وعلیہ الفتویٰ وکذا فی الکافی وغیرہ۔ (۴۷۹/۵)

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَحِيضَ لِأَنَّ بَعْدَ الْإِسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةِ آدَابِ النِّسَاءِ، وَالْمَرْأَةُ عَلَى ذَلِكَ أَقْدَرُ، وَبَعْدَ الْبُلُوغِ تَحْتَاجُ إِلَى التَّحْصِينِ وَالْحِفْظِ، وَالْأَبُ فِيهِ أَقْوَى وَأَهْلَى، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ



أَنَّهَا تُدْفَعُ إِلَى الْآبِ إِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الصِّيَانَةِ.

**ترجمہ:** ماں اور نانی لڑکی کے حائضہ ہونے تک اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہیں، کیوں کہ استغناء کے بعد اسے عورتوں کے آداب سیکھنے کی ضرورت ہے اور عورت اس پر زیادہ قادر ہے، جب کہ بالغ ہونے کے بعد اسے محضہ کرنے اور بچانے کی ضرورت ہوتی ہے اور باپ کو اس میں زیادہ قوت اور رہنمائی حاصل ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کو دیدی جائے، اس لیے کہ اسے حفاظت کی ضرورت ہے۔

### اللغات:

﴿جارية﴾ بچی، لڑکی۔ ﴿أقدر﴾ زیادہ قادر ہے۔ ﴿تحصین﴾ پاک دائمی برقرار رکھنا۔ ﴿أهدی﴾ زیادہ راہ یافتہ۔ ﴿صيانة﴾ حفاظت۔

### لڑکی کی مدت حضانت:

اس عبارت میں لڑکی اور بچی کی مدت حفاظت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک لڑکی بالغ نہ ہو جائے اس وقت وہ اپنی ماں یا اس کی عدم موجودگی میں نانی کے پاس رہے گی اور انہی دونوں کو اس بچی کی پرورش کا سب سے زیادہ حق حاصل ہوگا، کیوں کہ پرورش سے مستغنی ہونے اور از خود کھانے، پینے اور بال وغیرہ درست کرنے پر قدرت کے بعد اسے عورت کے آداب و اخلاق اور ان کے گن سیکھنے کی ضرورت درکار ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کے گن اور ہنر مثلاً کھانا بنانا، کپڑے دھونا اور سینا پر دنا عورتوں کے پاس رہ کر ہی وہ سیکھ سکتی ہے اس لیے بلوغت تک وہ بچی اپنی ماں اور نانی ہی کے پاس رہے گی۔ ہاں بالغ ہونے کے بعد اب نکاح کر کے اسے محضہ کرنے اور غلط راہوں سے اسے بچانے کی ضرورت ہے اور یہ امور باپ سے متعلق ہوتے ہیں کیوں کہ وہ ان پر اچھی طرح قادر ہوتا ہے، اس لیے بلوغت کے بعد بچی باپ کے حوالے کر دی جائے گی۔ اور اب وہی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔

وعن محمد بن عبد اللہ بن الخ: فرماتے ہیں کہ حضرت ہشام رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ لڑکی جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو اس کی تربیت کا حق دار باپ ہو جاتا ہے، اس لیے اس وقت اسے باپ کے حوالے کر دینا چاہیے، کیوں کہ اس عمر میں اسے حفاظت اور گھنے سایہ کی ضرورت درکار ہوتی ہے اور یہ چیز باپ کے پاس ہی مل سکتی ہے۔

وَمَنْ سَوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهَى، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ حَتَّى تَسْتَغْنِي، لِأَنَّهَا لَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِخْدَامِهَا، وَلِهَذَا لَا تُؤَاجِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُودُ، بِخِلَافِ الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا.

**ترجمہ:** اور ماں اور نانی کے علاوہ دیگر عورتیں بچی کے حد شہوت کو پہنچنے تک اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ اور جامع صغیر میں اس کے مستغنی ہونے تک کا قول مذکور ہے، اس لیے کہ ام اور جدۃ کے علاوہ کوئی اور اس سے خدمت لینے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے اس بچی کو خدمت کے لیے کرایہ پر نہیں دے سکتی، لہذا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ برخلاف ام اور جدۃ کے، اس لیے کہ یہ دونوں شرعاً خدمت لینے پر

قادر ہیں۔

## اللغات:

﴿سوا﴾ علاوہ۔ ﴿استخدام﴾ خدمت لینا۔ ﴿لا تواجز﴾ اجرت پر نہیں معاملہ کر سکتی۔

## لڑکی کی مدت حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر صغیرہ کی ماں اور نانی نہ ہوں، تو اسے دیگر عورتوں مثلاً دادی اور خالہ وغیرہ کے پاس صرف حد شہوت کو پہنچے تک چھوڑا جاسکتا ہے اور جامع صغیر میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ صرف مستغنی ہونے یعنی اکیلے کھانے، پینے اور پہننے پر قدرت حاصل ہونے تک چھوڑا جاسکتا ہے، کیوں کہ حد شہوت کو پہنچنے یا مستغنی ہونے کے بعد وہ بچی اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ گھر کے معمولی کام کاج کر سکے اور بڑوں اور بوڑھوں کی تھوڑی بہت خدمت کر سکے اور ماں اور نانی کے علاوہ کسی تیسری عورت کو بچی سے خدمت لینے کا شرعاً حق نہیں ہے، اسی لیے تو ان کے علاوہ کوئی اسے خدمت کے لیے کرایہ پر بھی نہیں دے سکتا ہے، کیوں کہ ام اور جدہ کے علاوہ دیگر عورتیں جب اس بچی سے اپنی خدمت نہیں لے سکتیں تو دوسرے کی کیا خاک خدمت کرائیں گی، اس لیے بہتر یہی ہے کہ حد شہوت کو پہنچنے ہی اس بچی کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا جائے تاکہ تعلیم آداب و اخلاق کا مقصد حاصل ہو جائے، ورنہ تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

قَالَ وَالْأَمَةُ إِذَا أُعْتِقَهَا مَوْلَاهَا وَ أُمُّ الْوَلَدِ إِذَا أُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِي حَقِّ الْوَلَدِ لِأَنَّهُمَا حُرَّتَانِ أَوْ أَنَّ ثُبُوتَ الْحَقِّ، وَلَيْسَ لِهَمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا عَنِ الْحِصَانَةِ بِالْإِشْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ جب باندی کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور ام ولد جب آزاد کر دی گئی تو بچے کے حق میں یہ دونوں آزاد عورت کی طرح ہیں، کیوں کہ ثبوت حق کے وقت ہی یہ دونوں آزاد ہیں، جب کہ آزاد ہونے سے پہلے حضانت ولد کے سلسلے میں ان کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ (اس وقت) مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ دونوں حضانت سے عاجز ہیں۔

## اللغات:

﴿أو ان﴾ وقت، موسم۔ ﴿اشتغال﴾ دوسری طرف سے ہٹ کر کسی کام میں لگنا۔

## باندی کے لیے حق حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنی باندی کا کسی مرد سے نکاح کیا اور اس باندی نے بچہ جنا تو آزاد ہونے سے پہلے وہ باندی اور ام ولد اس بچے کی پرورش کی حق دار نہیں ہوں گی کیوں کہ حریت سے پہلے یہ دونوں مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نہ وہ بچے کی دیکھ بھال کر سکیں گی اور نہ ہی اس کی پرورش اور ترتیب کے امور انجام دے سکیں گی، اس لیے حریت سے پہلے ان کے حقوق میں حق حضانت ثابت نہیں ہوگا، ہاں جب یہ آزاد کر دی گئیں تو اب ان کا یہ حق عود کر آئے گا اور ایک ماں کی طرح باندی اور ام ولد بھی اپنے بچے کی حضانت کی سب سے زیادہ حق دار اور سب سے بڑی علمبردار ہوگی۔

وَالذِّمِّيَّةُ اُحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانُ اَوْ يُخَافُ اَنْ يَأْلَفَ الْكُفْرَ لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذَلِكَ وَاحْتِمَالُ الضَّرَرِ بَعْدَهُ.

**ترجمہ:** اور ذمیہ عورت اپنے مسلمان بچے کی زیادہ حق دار ہے جب تک کہ وہ ادیان کو نہ سمجھتا ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا، اس لیے کہ اس سے پہلے اس کے حق میں شفقت ہے اور اس کے بعد ضرر کا احتمال ہے۔

## اللغات:

﴿لم يعقل﴾ سمجھ نہ لے۔ ﴿یألف﴾ مانوس ہو جائے گا۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔

## ذمیہ کے لیے حق حضانت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد مومن نے ذمیہ عورت سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو بچے کی حضانت اور تربیت ماں ہی کے سپرد ہوگی اور جب تک وہ دین و مذہب کی شناخت اور فہم کے قابل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ ماں ہی کے پاس رہے گا، کیوں کہ بچپن میں اسے ماں کے پاس رکھنے میں اس کے ساتھ شفقت ہے، لیکن جب بچہ ادیان کو سمجھنے لگے یا اس کے کفر سے متاثر ہونے اور اسے اختیار کرنے کا خدشہ ہو تو پھر اسے باپ کے حوالے کر دیا جائے، کیوں کہ اب اگر اسے ماں کے پاس روکا گیا تو ضرر لاحق ہوگا، لہذا الولد یتبع خیر الأبوين دیناً پر عمل کرتے ہوئے اسے باپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

وَلَا خِيَارَ لِلْعُلَامِ وَالْجَارِيَةِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِهَمَّا الْخِيَارُ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَيْرٌ، وَلَنَا أَنَّهُ لِقُصُورِ عَقْلِهِ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَاةُ لِتَخْلِيَّتِهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظَرُ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يَخِيرُوا، وَأَمَّا الْحَدِيثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ ② عَلَيْهِ السَّلَامُ "اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ" فَرُفِقَ لِاخْتِيَارِهِ الْاَنْظَرَ بِدُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ يُحْمَلُ عَلَى مَا اِذَا كَانَ بِالْعَلَا.

**ترجمہ:** اور از خود لڑکے اور لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں اختیار حاصل ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اختیار دیا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اسی کو اختیار کرے گا جس کے پاس اسے آرام ملے گا بچہ اور کھیل کے درمیان تخیل کر دینے کی وجہ سے لہذا نظر شفقت متحقق نہیں ہوگی اور یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ نے بچوں کو اختیار نہیں دیا ہے۔ اور یہی حدیث تو ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اے اللہ اس کو ہدایت دے، لہذا آپ ﷺ کی دعا سے اس بچے کو زیادہ شفقت والی چیز اختیار کرنے کی توفیق مل گئی، یا یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ بچہ بالغ ہو۔

## اللغات:

﴿دعاة﴾ چھوٹ۔ ﴿تخلية﴾ چھوڑ دینا۔

## تخریج:

① خرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب من احق بالولد، حدیث رقم: ۲۲۷۷.

② خرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب اذا اسلم احد الابوين، حدیث رقم: ۲۲۴۴.

## حضانت میں بچے کے اختیار کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکا اور لڑکی خود مختار نہیں ہیں اور انہیں ماں باپ میں سے کسی کے اختیار کا حق نہیں حاصل ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر لڑکا اور لڑکی سن تمیز کو پہنچ جائیں تو ماں باپ میں سے حسب منشاء پسندیدگی کا اختیار ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع بن سنان کی صاحب زادی کو ان کے درمیان بیٹھا کر اسے ماں باپ میں سے ایک کا اختیار دیا تھا اور اس لڑکی نے اپنے باپ کو اختیار کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ غلام اور جاریہ کے لیے اختیار شریعت سے ثابت ہے اور یہ ان کا حق ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بچے کم عقل ہوتے ہیں، اس لیے وہ ماں اور باپ میں سے اسی کو اختیار کریں گے جس کے پاس انھیں آرام زیادہ ملے گا اور جو کھیلنے کودنے کے مواقع زیادہ فراہم کرے گا اور ظاہر ہے کہ اس طرح کرنے میں اُن کی پرورش غلط طریقے پر ہوگی اور اُن کے حق میں شفقت معدوم ہو جائے گی، اس لیے بچوں کو یہ اختیار نہیں دیا جائے گا۔ اور حضرات صحابہ گرام سے صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بچے کو یہ اختیار نہیں دیا ہے۔ رہی وہ حدیث جو شوافع کی مستدل ہے تو صاحب ہدایہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم اھدہ کہہ کر اس بچے کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی تھی اور آپ کی دعا ہی سے اسے وہ چیز ملی تھی جو اس کے حق میں زیادہ شفقت والی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ تو کسی کو یہ حق ہوگا اور نہ ہی کسی کی دعا میں ایسا اثر ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اختیار دینے کا معاملہ اس صورت پر محمول ہے جب بچہ بالغ ہو اور بالغ بچے ہوں تو ہم بھی اختیار دینے کے قائل ہیں۔ لیکن ہدایہ کے عربی شارحین یعنی صاحب بنایہ و عنایہ کی نظروں میں صاحب ہدایہ کا دوسرا جواب درست نہیں ہے، کیوں کہ رافع بن سنان کے واقعہ میں وہی فطیم کا جملہ موجود ہے اور فطیم دودھ پیتے بچے کو کہتے ہیں، لہذا اسے بچہ کے بالغ ہونے پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ (عنایہ و بنایہ ۴۸۴/۵) فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔



## فَصْلٌ

فیصل بچے کو شہر سے باہر گاؤں وغیرہ لیجانے کے بیان میں ہے

وَ إِذَا ارَادَتْ الْمُطَلَّقةُ أَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِضْرَارِ بِالْأَبِ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ بِهِ إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيهِ لِأَنَّهُ التَّزَمَ الْمَقَامَ فِيهِ عُرْفاً وَ شَرْعاً، قَالَ الْعَلَنِيُّ (مَنْ تَاهَلَ بِبَلَدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)، وَ لِهَذَا يَصِيرُ الْحَرْبِيُّ بِهِ ذِمِّيًّا، وَ إِنْ ارَادَتْ الْخُرُوجَ إِلَى مِصْرِ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ فِيهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ إِلَى أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذَلِكَ، وَ هَذِهِ رَوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ وَ ذِكْرِي فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّ لَهَا ذَلِكَ، لِأَنَّ الْعَقْدَ مَتَى وَجَدَ فِي مَكَانٍ يُوجِبُ أَحْكَامَهُ فِيهِ كَمَا يُوجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِهِ، وَ مِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ حَقُّ إِمْسَاكِ الْأَوْلَادِ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الزَّوْجَ فِي دَارِ الْغُرْبَةِ لَيْسَ التَّزَامًا لِلْمَكْتِ فِيهِ عُرْفاً، وَ هَذَا أَصَحُّ، وَ الْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ جَمِيعًا الْوُطْنِ وَ وُجُودِ النِّكَاحِ، وَ هَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ تَفَاوُثٌ، أَمَّا إِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمَكِّنُ لِلْوَالِدِ أَنْ يُطَالَعَ وَلَدَهُ وَ يَبْتَئَ فِي بَيْتِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَ كَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرَبَتَيْنِ، وَ لَوْ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْيَةِ الْمِصْرِ إِلَى الْمِصْرِ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ فِيهِ نَظْرًا لِصَغِيرٍ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِأَخْلَاقِ أَهْلِ الْمِصْرِ وَ لَيْسَ فِيهِ ضَرَرٌ بِالْأَبِ وَ فِي عَكْسِهِ ضَرَرٌ بِالصَّغِيرِ لِتَخَلُّقِهِ بِأَخْلَاقِ أَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ.

**ترجمہ:** اگر مطلقہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لیجانا چاہے تو اسے یہ اختیار نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں باپ کو ضرر پہنچانا ہے تاہم مطلقہ بچے کو اپنے وطن لے جاسکتی ہے جب کہ شوہر نے اس عورت سے اسی وطن میں نکاح کیا ہو، اس لیے کہ شوہر نے عرف اور شرع دونوں اعتبار سے وہیں قیام کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے کسی شہر میں شادی کی تو وہ بھی اہل شہر میں سے ہے، اسی لیے نکاح کرنے سے حربی ذمی ہو جاتا ہے اور اگر مطلقہ نے اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بچے کو لیجانا چاہا اور اسی جگہ نکاح بھی ہوا ہو تو کتاب میں یہ اشارہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہ کتاب الطلاق کی روایت ہے اور جامع صغیر میں یہ مذکور ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے، اس لیے جب عقد کسی جگہ واقع ہوتا ہے تو اس کے احکام بھی اسی جگہ واجب ہوتے ہیں،

جیسے مکان بیچ ہی میں بیچ کی پردگی واجب ہوتی ہے اور منجملہ احکام کے بچوں کے اساک کا بھی حق ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ پردیس میں نکاح کرنے سے ازروئے عرف اس میں ٹھہرنا لازم نہیں ہوتا اور یہ زیادہ صحیح ہے، حاصل یہ ہے کہ (اخراج ولد کے لیے) دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے وطن اور نکاح کا انعقاد۔ اور یہ تفصیل اس وقت ہے جب دونوں شہروں میں تفاوت ہو۔ لیکن اگر دونوں شہر قریب ہوں بایں معنی کہ باپ اپنے بچے کو دیکھ کر اپنے گھر رات گزار سکے، تو نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور دو گاؤں کا بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر بیوی گاؤں سے شہر کی طرف منتقل ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بچے کے لیے شفقت ہے چنانچہ وہ اہل شہر کے اخلاق سے آراستہ ہوگا اور اس میں باپ کا کوئی ضرر نہیں ہے جب کہ اس کے برعکس میں صغیر کو ضرر لاحق ہے، کیوں کہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق سیکھے گا لہذا عورت کو یہ حق نہیں ملے گا۔

### اللغات:

﴿ناہل﴾ اہل خانہ بنائے، شادی کی۔ ﴿امساک﴾ روکنا۔ ﴿دار الغربہ﴾ پردیس، بدیش۔ ﴿التزام﴾ اپنے اوپر لازم کرنا۔ ﴿مکت﴾ ٹھہرنا۔ ﴿یطالع﴾ دیکھے، مشاہدہ کرے۔ ﴿بییت﴾ رات گزارے۔ ﴿اہل السواد﴾ دیہاتی۔

### تخریج:

① أخرجه مجمع الزوائد للهيثمي (۱۵۶/۲) والمسند (۶۲/۱).

### مدت حضانت بچے کو اس کے باپ کے شہر سے منتقل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاق کے بعد اس عورت نے یہ چاہا کہ اپنے بچے کو شہر سے باہر کسی اور مقام پر لیجائے تو شرعاً اسے یہ حق نہیں ملے گا، کیوں کہ ایسا کرنے سے باپ اور بیٹے میں جدائی ہوگی اور اس سے باپ کو ضرر لاحق ہوگا، لہذا باپ سے دفع ضرر کے پیش نظر بچے کو باہر لیجانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ البتہ اگر وہ مطلقہ عورت اس بچے کو اپنے وطن لیجانا چاہے اور شوہر نے اسی وطن میں مذکورہ مطلقہ سے نکاح کر کے عرف اور شرع دونوں اعتبار وہیں سے قیام کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، عرفاً تو اس طور پر کہ عموماً شوہر اسی شہر میں قیام کرتا ہے جس میں نکاح کرتا ہے اور شرعاً اس طرح کہ حدیث پاک میں ہے "من تاهل ببلدة فهو منهم" یعنی جس شخص نے کسی شہر میں نکاح کیا وہ اسی شہر کے باشندوں میں سے شمار ہوگا، اسی لیے تو آدمی جس شہر میں نکاح کرتا ہے وہاں جا کر وہ مقیم والی نماز پڑھتا ہے چنانچہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول من تاهل في بلدة فيصلي بصلاة المقيم" یعنی جس شخص نے کسی شہر میں نکاح کیا تو وہ مقیم شخص کی نماز پڑھے گا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ بچے کو اپنے وطن لے جاسکتی ہے۔

ولهذا بصير الحربي الخ: ہدایہ کے عربی شارحین نے لکھا ہے کہ یہ نثر اکاتب کی غلطی ہے، اسی لیے ہدایہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں اس طرح کی عبارت ہے "أن المستأمن إذا تزوج ذمية لا يصير ذمياً، لأنه يمكنه أن يطلقها ويرجع" یعنی اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امن لیکر آیا اور وہاں اس نے کسی ذمیہ سے نکاح کیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ سکتا ہے کہ وہ ذمیہ کو

طلاق دے کر دارالحرب واپس چلا جائے، مگر راقم کو ایسی تصحیح سے اطمینان نہیں ہے، کیوں کہ ولہذا بصیر کا تعلق التزم المقام فیہ عرفاً و شرعاً سے ہے، اس لیے بہتر توجیہ وہ ہے جو عبارت کو درست مان کر کی جائے اور ولہذا بصیر الحربی بہ ذمیا الخ کا حاصل یہ نکالا جائے کہ اگر کوئی حربی دارالاسلام میں آیا اور امن لے کر رہنے لگا پھر اس نے کسی ذمیہ عورت سے نکاح کر لیا تو اس پر بھی ذمیہ عورت کے احکام جاری ہوں گے اور وہ بھی ذمی ہی شمار ہوگا اور من تاهل ببلدہ فہو منہم سے اس کی تائید بھی ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

و ان اردت الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بچے کو لیجانے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) مبسوط یا قدوری کے کتاب الطلاق کی روایت یہ ہے کہ غیر وطن لیجانے کا اختیار نہیں ہوگا (۲) جامع صغیر کی روایت یہ ہے کہ اسے یہ اختیار ملے گا، کیوں کہ جس جگہ عقد واقع ہوتا ہے اسی جگہ اس عقد کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں، جیسے اگر کسی جگہ عقد بیع واقع ہو تو اسی جگہ بیع کے احکام یعنی بیع اور ثمن کی ادائیگی بھی لازم ہوتی ہے اور چوں کہ عقد کے احکام میں سے اولاد کو روکنے کا بھی حق ہے اس لیے عورت کو یہ اختیار ملے گا، لیکن صاحب ہدایہ کے یہاں پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور اس روایت کے مطابق اخراج ولد کے لیے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے (۱) وطن ہو اور اس وطن میں شوہر کا نکاح بھی ہوا ہو۔ مگر یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب ایک شہر اور دوسرے شہر یا وطن کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ باپ کے لیے دن میں بچے کو دیکھ کر رات اپنے گھر میں گزارنا ممکن نہ ہو، لیکن اگر دونوں شہر اتنے قریب ہوں کہ باپ بچے کو دیکھ کر رات میں اپنے گھر واپس آ سکتا ہو تو پھر اخراج ولد یعنی بچے کو شوہر کے شہر سے باہر نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ اس میں بچے کے لیے بہتری ہے اور وہ شہری ماحول اور اہل شہر کے اخلاق سیکھ کر خود بھی شہری تہذیب و تمدن سے آراستہ ہو جائے گا اور اس کے باپ کو بھی ضرر لاحق نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر عورت بچے کو کسی ایسے گاؤں لیجانا چاہے جہاں نکاح نہ ہوا ہو تو اسے اختیار نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں وہ دیہاتیوں اور گنواروں کے اخلاق سیکھے گا اور اس کی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔



## بَابُ النَّفَقَةِ

یہ باب احکام نفقہ کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے حضانت اور تربیت کا باب بیان کیا ہے اور اب یہاں سے حضانت اور تربیت کے لازم یعنی نفقہ کے باب کو بیان کر رہے ہیں، اس لیے کہ نفقہ اور خرچہ کے بغیر حضانت اور تربیت کا معاملہ ناقص اور ادھورا ہے۔

قَالَ النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا إِلَى مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا، وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾ (سورة الطلاق: ۷)، وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۳)، وَقَوْلُهُ ❶ ﴿الْعَلَيْنَا﴾ فِي حَدِيثِ حَبَّةِ الْوَدَاعِ ((وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ))، وَلِأَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ الْإِحْتِبَاسِ، وَكُلُّ مَنْ كَانَ مُحْبُوسًا بِحَقِّ مَقْصُودٍ لغيرِهِ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ أَصْلُهُ الْقَاضِي وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ، وَهَذِهِ الدَّلَالَةُ لَا فَصْلَ فِيهَا فَتَسْتَوِي فِيهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر ہو جب وہ اپنی ذات شوہر کے گھر سپرد کر دے تو شوہر پر اس کا نفقہ، لباس اور سکئی واجب ہے۔ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قول ”لینفق ذو سعة من سعته“ اصل ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے بقدر نفقہ دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نومولود کے باپ پر ان کی ماؤں کا کھانا اور ان کا کپڑا قاعدے کے مطابق واجب ہے۔ اور حجۃ الوداع والی حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے (اے لوگو) تم پر تمہاری بیویوں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے مطابق واجب ہے۔ اور اس لیے کہ نفقہ روکنے کا عوض ہے اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے حق مقصود کی وجہ سے محبوس ہو تو اس کا نفقہ اسی پر ہوگا، اس کی اصل قاضی ہے اور عامل فی الصدقات ہے۔ اور ان دلائل میں کوئی تفصیل نہیں ہے، لہذا حق نفقہ میں مسلمہ اور کافرہ عورت برابر ہوں گی۔

**اللغات:**

(نفقہ) خرچ، اخراجات۔ (سلمت) حوالے کر دیا، سپرد کر دیا۔ (کسوة) کپڑے۔ (سکئی) رہائش۔



﴿ذو سعة﴾ بالدار، گنجائش والا۔ ﴿مولود له﴾ والد۔ ﴿احتباس﴾ روکنا، گھر وغیرہ میں بند کرنا۔ ﴿تستوی﴾ برابر ہوگی۔  
**تخریج:**

① اخرجہ ابو داؤد فی کتاب المناسک باب صفة حجة النبی ﷺ، حدیث رقم: ۱۹۰۵۔

### بیوی کے حق نفقہ کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی خواہ کافرہ ہو یا مسلمہ ہو یا کتابیہ ہو اگر وہ اپنی ذات شوہر کے اور اس کے گھر کے حوالے کر دیتی ہے تو اس کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے اور نفقے میں کپڑا، کھانا اور رہائش کا انتظام داخل ہے اور وجوب نفقہ کی دلیل یہ آیتیں ہیں (۱) لینفق ذو سعة من سعته (۲) وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف۔ نیز آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں مردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف۔ ان آیات اور حدیث پاک سے وجہ استدلال بایں معنی کہ ہے کہ ان سب میں مسلمہ اور کافرہ کی تمیز اور تفصیل کے بغیر مطلقاً عورتوں کا نفقہ مردوں پر واجب کیا گیا ہے، اس لیے ہر وہ عورت جو اپنی ذات شوہر کے حوالے کرے گی اسے نفقہ ملے گا خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

ولأن النفقة الخ: وجوب نفقة کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نفقہ محبوس ہونے کی جزاء ہے لہذا ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو دوسرے کے کام کاج کے لیے محبوس کرے گا اس کا نفقہ اسی پر واجب ہوگا جس کے لیے وہ محبوس ہوا ہے اور چوں کہ بیوی بھی اپنے آپ کو شوہر کے مقصد اور اس کی منفعت کے لیے محبوس کرتی ہے، اس لیے اس کا نفقہ بھی شوہر ہی پر واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وجوب نفقہ کی اصل قاضی اور زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل کی ذات ہے کیوں کہ یہ دونوں مسلمانوں کے امور و معاملات میں اپنے آپ کو محبوس و مقید کیے رہتے ہیں اور ان کے نفقے اور خرچے کی کفالت عام مسلمانوں کے بینک یعنی بیت المال سے ہوتی ہے، لہذا یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو دوسرے کے لیے اپنے آپ کو محبوس کرے گا اس کا نفقہ اسی پر واجب ہوگا۔

وَتُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ حَالُهُمَا جَمِيعًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ وَ هَذَا اخْتِيَارُ الْحَصَافِ وَ عَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَ تَفْسِيرُهُ أَنَّهُمَا إِذَا كَانَا مُؤَسَّرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْيَسَارِ وَ إِن كَانَا مُعْسَرَيْنِ فَنَفَقَةُ الْإِعْسَارِ، وَ إِن كَانَتْ مُعْسَرَةً وَ الزَّوْجُ مُؤَسَّرًا فَنَفَقَتُهَا دُونَ نَفَقَةِ الْمُؤَسَّرَاتِ وَ فَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسَرَاتِ، وَ قَالَ الْكُرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ﴾ (سورة الطلاق: ۷)، وَ جِهَ الْأَوَّلِ قَوْلُهُ ①  
 (عَلَيْهَا) لِهَذَا أَمْرًا أَبِي سُبَيَانَ ((خُذِي مِنْ مَالِ زَوْجِكَ مَا يَكْفِيكَ وَ لَكَ بِالمَعْرُوفِ))، اَعْتَبَرُ حَالَهَا وَهُوَ الْفَقْرُ فَإِنَّ النِّفْقَةَ تَجِبُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ، وَ الْفَقِيرَةُ لَا تَفْتَقِرُ إِلَى كِفَايَةِ الْمُؤَسَّرَاتِ فَلَا مَعْنَى لِلزِّيَادَةِ، وَ أَمَّا النَّصُّ فَتَحْنُ نَقُولُ بِمَوْجِبِهِ أَنَّهُ يُخَاطَبُ بِقَدْرِ وَسَعِهِ وَ الْبَاقِي دِينَ فِي ذِمَّتِهِ، وَ مَعْنَى قَوْلِهِ بِالمَعْرُوفِ الْوَسْطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ، وَ بِهِ يَتَبَيَّنُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِتَقْدِيرٍ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ عَلَى الْمُؤَسَّرِ مَدَانٍ وَ عَلَى

الْمُعْسِرِ مَدًّا وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ مَدًّا وَلَآنَ مَا وَجَبَ كَفَايَةً لَا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِي نَفْسِهِ.

**ترجمہ:** اور نفقہ کے سلسلے میں میاں بیوی دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ یہ امام خصاص رحمہ اللہ کا اختیار کیا ہوا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی خوش حال ہوں تو خوشحالی والا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں تنگ دست ہوں تو تنگی کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر بیوی تنگ دست ہو اور شوہر خوشحال ہو تو اس عورت کا نفقہ خوشحال عورتوں سے کم اور تنگ دست عورتوں سے زیادہ ہوگا۔

امام کرنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لَیْنَقِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ فرمایا ہے۔ قول اول کی دلیل زوجہ ابوسفیان ہند سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے ”تم اپنے شوہر کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہارے بچے کے لیے اعتدال سے کافی ہو جائے۔ آپ ﷺ نے عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے اور سمجھ داری کی بات بھی یہی ہے، اس لیے کہ نفقہ تو بطریق کفایت ہی واجب ہوتا ہے۔ اور فقیر عورت کو خوشحال عورتوں کی کفایت درکار نہیں ہوتی اس لیے (اس کے حق میں) زیادتی کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ جہاں تک نص قرآنی کا معاملہ ہے تو ہم اس کے موجب کے قائل ہیں یعنی شوہر اپنی وسعت کے بقدر مخاطب کیا گیا ہے۔ اور جو باقی رہے گا وہ اس کے ذمے دین رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان بالعرف کا معنی درمیانی درجے کا ہے اور یہی واجب ہے۔ اور اسی سے یہ واضح ہو گیا کہ اندازہ مقرر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی میلان ہے کہ خوشحال کے ذمہ دُومد، تنگ دست کے ذمے ایک مد اور متوسط کے ذمے ڈیڑھ مد واجب ہے، اس لیے کہ جو چیز بطور کفایت واجب ہوتی ہے اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے شرعاً مقدر نہیں ہوتی۔

## اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار، کشادہ دست۔ ﴿یسار﴾ مالدار، کشادگی و سہولت۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست۔ ﴿اعسار﴾ تنگی، غربت۔ ﴿دون﴾ کم، نیچے۔ ﴿یکفیک﴾ تجھے کافی ہو جائے۔

## تخریج:

① اخرجہ ابوداؤد فی کتاب البیوع باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ، حدیث رقم: ۳۵۳۲۔

و ابن ماجہ فی کتاب التجارات باب ما للرجل من مال ولده، حدیث رقم: ۲۲۹۳۔

## نفقہ کی تعیین کا معیار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نفقہ کی حقیقت اور اس کی حیثیت و مقدار کے سلسلے میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کی حالت اور پوزیشن کو دیکھ کر ہی نفقہ کی تعیین لی جائے گی، یہی امام خصاص علیہ الرحمہ کا اختیار کیا ہوا قول ہے۔ اور اس قول کی تفسیر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو شوہر پر نفقہ یسار واجب ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں تنگ دست ہوں تو شوہر پر تنگ دستی والا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر بیوی یا شوہر میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگ دست ہو تو اس صورت میں اوسط درجے کا نفقہ واجب ہوگا یعنی خوشحال عورتوں کے نفقے سے کم اور تنگ دست عورتوں کے نفقے سے کچھ زیادہ نفقہ واجب ہوگا۔ یہ معتمد

ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَیْسَ فِیْ رِزْقِہٖ فَتْنٌ ۚ وَہُوَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اللہ کے لئے اس کا رزق بے فتنہ ہے اور وہ سب سے سنا دہندہ اور علم والا ہے)۔ اس آیت سے وجہ یعنی وسعت والا شخص اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور تنگ دست شخص (اللہ کے دیئے ہوئے میں سے نفقہ دے، اس آیت سے وجہ استدلال اس معنی کر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یُسْر اور عُسْر دونوں حالتوں میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے لہذا ہم بھی اسی کا اعتبار کرتے ہیں۔

واما النص الخ: فرماتے ہیں کہ نص قرآنی میں جو لینیفوق ذوسعة الخ کا حکم مذکور ہے ہم لوگ بھی اس کے موجب پر عمل کرتے ہیں، لیکن غریب مرد کے حق میں اس کی مالدار بیوی کا نفقہ واجب ہے اگر وہ اسے پورا نہیں اداء کر پارہا ہے تو ماہی اس کے ذمے دین ہوگا جسے وہ وسعت کے بعد اداء کرے گا۔

وَإِنْ أَمْتَعْتَ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النِّفْقَةُ لِأَنَّهُ مَنَعَ بِحَقِّ قَوْتِ الْإِحْتِيَاسِ بِمَعْنَى مِنْ قِبَلِهِ فَيُجْعَلُ كَلَا قَانِتٍ .

**ترجمہ:** اور اگر عورت اپنی ذات کو سپرد کرنے سے رُک گئی حتیٰ کہ اس کا شوہر اسے اس کا مہر دیدے تو اس کو نفقہ ملے گا، اس لیے کہ منع ایک حق کی وجہ سے ہے، لہذا احتباس کا فوت ہونا ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہوگا جو شوہر کی طرف سے پایا جائے گا اس لیے اسے ایسا قرار دیا جائے گا گویا کہ محبوس کرنا فوت نہیں ہوا۔

### اللغات:

﴿احتباس﴾ روکنا، قید کرنا۔

**مہر کی وصولی سے پہلے تسلیم نفس نہ کرنے والی کا نفقہ:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ جب تک شوہر اسے اس کا مہر نہیں دے دیتا اس وقت تک وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہیں کرے گی تو وہ عورت اپنے امتناع میں حق بجانب ہوگی اور مدت امتناع میں وہ نفقہ کی حق دار ہوگی، کیوں کہ یہاں ایک ایسے سبب کی وجہ سے امتناع فوت ہوا ہے جو شوہر کی طرف سے پیش آیا ہے لہذا اسے ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا احتباس ہی فوت نہیں ہوا ہے اور احتباس فوت نہ ہونے کی صورت میں بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں بھی وہ نفقہ کی حق دار ہوگی۔

وَإِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهِ، لِأَنَّهُ قُوْتُ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا، وَإِذَا عَادَتْ جَاءَ الْإِحْتِبَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا امْتَنَعَتْ مِنَ التَّمَكُّينِ فِي بَيْتِ الزَّوْجِ، لِأَنَّ الْإِحْتِبَاسَ قَائِمٌ وَالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوُطْئِ كُرْهًا.

**ترجمہ:** اور اگر عورت نے نافرمانی کی تو اسے نفقہ نہیں ملے گا یہاں تک کہ اپنے شوہر کے گھر واپس چلی جائے، اس لیے کہ احتباس کا فوت ہونا اسی عورت کی طرف سے ہے۔ اور جب وہ عورت اپنے شوہر کے گھر واپس چلی جائے تو احتباس عود کر آئے گا اور نفقہ واجب ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب شوہر کے گھر میں عورت قید رہنے سے انکار کر دے، اس لیے کہ احتباس موجود ہے اور شوہر زبردستی وطی کرنے پر قادر ہے۔

### اللغات:

﴿نشزت﴾ نافرمانی کی۔ ﴿تعود﴾ لوٹ آئے۔ ﴿تمکین﴾ قدرت دینا۔ ﴿کرہا﴾ زبردستی۔

**ناشزہ اور غیر ممکنہ کا نفقہ:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت سرکشی کر کے شوہر کا گھر چھوڑ دے تو جب تک وہ دوبارہ شوہر کے گھر واپس نہیں آ جاتی اس وقت تک اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ مذکورہ احتباس کا فوت ہونا خود عورت کی طرف سے ہے لہذا اس کا نفقہ بند ہو جائے گا، لیکن دوبارہ جب وہ خود کو محبوس کر دے گی تو نفقہ کی حق دار ہوگی اور نفقہ شروع ہو جائے گا۔

بخلاف ما إذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کے گھر میں محبوس ہو، لیکن وہ شوہر کو وطی کرنے اور اپنے آپ پر قدرت دینے

سے روک دے تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ شوہر کے گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے احتباس موجود ہے، لہذا اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ نفقہ تو احتباس ہی کی جزاء ہے اور شوہر زبردستی و طی کرنے پر قادر بھی ہے۔

وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً لَا يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا، لِأَنَّ امْتِنَاعَ الْإِسْتِمْتَاعِ لِمَعْنَى فِيهَا وَالْإِحْتِبَاسُ الْمَوْجِبُ مَا يَكُونُ وَسِيلَةً إِلَى مَقْصُودٍ مُسْتَحَقٍّ بِالنِّكَاحِ وَلَمْ يَوْجَدْ، بِخِلَافِ الْمَرِيضَةِ عَلَى مَا نُبِّئُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهَا النِّفَقَةُ، لِأَنَّهَا عَوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ عِنْدَهُ كَمَا فِي الْمَمْلُوكَةِ بِمِلْكِ الْيَمِينِ، وَلَنَا أَنَّ الْمَهْرَ عَوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَا يَجْتَمِعُ الْعَوَاضَانِ عَنْ مُعَوَّضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُونَ النِّفَقَةِ، وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوُطْيِ وَهِيَ كَبِيرَةٌ فَلَهَا النِّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ، لِأَنَّ التَّسْلِيمَ تَحَقُّقَ مِنْهَا، وَإِنَّمَا الْعِجْزُ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَالْمَجْبُوبِ وَالْعَيْنِ.

**ترجمہ:** اور اگر بیوی اتنی چھوٹی ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ استمتاع کی ممانعت ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جو بیوی میں موجود ہے جب کہ نفقہ کو واجب کرنے والا ہی وہ احتباس ہوتا ہے جو نکاح کے ذریعے ثابت شدہ مقصود کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہو اور وہ احتباس نہیں پایا گیا۔ برخلاف مریضہ عورت کے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے نفقہ ملے گا، اس لیے کہ ان کے یہاں نفقہ ملک کا عوض ہے جیسا کہ ملک یمین کے طور پر مملوکہ عورت کا نفقہ۔ ہماری دلیل یہ ہے مہر ملک کا عوض ہے اور ایک معوض کے دو معوض نہیں جمع ہو سکتے، لہذا صغیرہ کو مہر ملے گا اور نفقہ نہیں ملے گا۔ اور اگر شوہر اتنا چھوٹا ہو کہ جماع پر قادر نہ ہو اور بیوی بالغہ ہو تو اسے شوہر کے مال سے نفقہ ملے گا، اس لیے کہ بیوی کی طرف سے سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور بجز صرف شوہر کی طرف سے ہے، لہذا شوہر مقطوع الذکر اور عینین کی طرح ہو گیا۔

### اللغات:

﴿ لَا يُسْتَمْتَعُ ﴾ فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا۔ ﴿ مَجْبُوب ﴾ مقطوع الذکر۔ ﴿ عَيْنِ ﴾ نامرد۔

### صغیرہ غیر موعودہ کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر بڑا اور بالغ ہو اور بیوی چھوٹی اور نابالغ ہو اور اس سے جماع کرنا ممکن نہ ہو تو ہمارے یہاں اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ صورت مسئلہ میں جماع پر عدم قدرت ایک ایسے سبب سے ہے جو خود بیوی میں موجود ہے یعنی اس کا بالغ نہ ہونا، اس لیے اگرچہ احتباس موجود ہے، مگر وہ ناقص ہے، لہذا یہ سبب اسے مستحق نفقہ ہونے سے روک دے گا، کیوں کہ نفقہ اس احتباس سے واجب ہوتا ہے جو کامل ہو اور جس میں کما حقہ مقصود نکاح یعنی و طی اور استمتاع پر قدرت ہو اور یہاں ایسا کامل احتباس نہیں ہے، اس لیے وہ موجب نفقہ نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف مریضہ عورت کا مسئلہ ہے تو آئندہ چل کر اسے بیان کیا جائے گا، لہذا اس موقع پر مریضہ کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں صغیرہ کو نفقہ ملے گا، کیوں کہ ان کے یہاں نفقہ ملک کا عوض ہے اور شوہر بیوی کا مالک ہے، اس لیے اس پر نفقہ واجب ہوگا جیسا کہ اگر ملک یمین کے طور پر کوئی آدمی کسی عورت کا مالک ہو تو اس پر بھی اس عورت کا نفقہ واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ ملک کا عوض نہیں ہے، بلکہ ملک کا عوض تو مہر ہے، کیوں کہ مہر ہی عقد کے تحت داخل ہو کر مذکور ہوتا ہے، اس لیے وہی عوض بنے گا اور بیوی مہر کی حقدار ہوگی لیکن نفقہ عوض نہیں بن سکتا، کیوں کہ شی واحد کے دو عوض نہیں ہو سکتے۔ لہذا امام شافعی رحمہ اللہ کا نفقہ کو عوض قرار دینا درست نہیں ہے۔

وإن كان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مسئلے کی صورت مذکورہ صورت کے برعکس ہو یعنی بیوی تو بالغ ہو لیکن اس کا شوہر چھوٹا ہو اور جماع پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق ہوگی اور اسے شوہر کے مال سے نفقہ دیا جائے گا، کیوں کہ عورت کی طرف سے تن، من، دھن ہر طرح سے تسلیم کرنا پایا گیا ہے اور ہر احتباس کامل ہے، اس لیے موجب نفقہ ہوگا۔ رہا مسئلہ شوہر کی صغر سن کا تو چون کہ یہ عجز خود شوہر کی طرف سے ہے اور اس میں بیوی کا کوئی دخل نہیں ہے، لہذا یہ چیز اس کے نفقے میں خلل کا باعث نہیں ہوگی۔ اور جس طرح مقطوع الذکر اور نامرد کی بیویوں کو نفقہ ملتا ہے ہکذا صغیر کی بیوی کو بھی نفقہ ملے گا۔

وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دِينٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِأَنَّ قَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا بِالْمَمَاطِلَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بَأْنٌ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ وَكَذَا إِذَا غَضِبَهَا رَجُلٌ كُرْهًا فَذَهَبَ بِهَا، وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، وَالْفُتَوَى عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّ قَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيرًا وَ كَذَا إِذَا حَبَّتْ مَعَ مُحْرَمٍ لِأَنَّ قَوْتَ الْإِحْتِبَاسِ مِنْهَا، وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ، لِأَنَّ إِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ وَلَكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّفَرِ، لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحَقَّةُ عَلَيْهِ، وَ لَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النَّفَقَةُ بِالِاتِّفَاقِ، لِأَنَّ الْإِحْتِبَاسَ قَائِمًا لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَ تَجِبُ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّفَرِ وَ لَا تَجِبُ الْكِرَاءُ لِمَا قُلْنَا.

**ترجمہ:** اور اگر قرض کی وجہ سے عورت کو محبوس کیا گیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ احتباس کا فوت ہونا عورت کی جانب سے نال منول کی وجہ سے ہے۔ اور اگر عورت کی طرف سے احتباس نہ ہو بایں طور کہ وہ ادائے قرض سے عاجز ہو تو بھی یہ احتباس شوہر کی طرف سے نہیں ہوگا اور ایسے ہی اگر عورت کو کوئی شخص زبردستی غصب کر لے گیا تو بھی یہی حکم ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مقصوبہ عورت کو نفقہ ملے گا لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے، کیوں کہ احتباس کا فوت ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے تاکہ احتباس کو حکماً باقی قرار دیا جائے۔ اور ایسے ہی اگر عورت نے اپنے محرم کے ساتھ جج کیا، کیوں کہ احتباس اسی کی طرف سے فوت ہوا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس عورت کو نفقہ ملے گا، اس لیے کہ فرض اداء کرنا ایک عذر ہے، لیکن شوہر پر حضر کا نفقہ واجب ہوگا نہ کہ سفر کا، اس لیے کہ نفقہ حضر ہی شوہر پر واجب ہے، لیکن اگر عورت کیساتھ شوہر نے بھی سفر کر لیا تو بالاتفاق

نفقہ سفر واجب ہوگا، اس لیے کہ احتباس موجود ہے، کیوں کہ شوہر بیوی کے ساتھ موجود ہے، مگر (اس صورت میں بھی) نفقہ حضر واجب ہوگا نہ کہ نفقہ سفر اور کرایہ نہیں واجب ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

### الغائ:

﴿حبست﴾ قید کیا گیا۔ ﴿مما طلة﴾ ٹال مٹول کرنا، قدرت ہوتے ہوئے بھی قرض واپس نہ کرنا۔ ﴿غصب﴾ ناجائز قبضہ کر لیا۔ ﴿کراء﴾ کرایہ۔

### قیدی بیوی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی کو دین اور قرض کی وجہ سے قید کر لیا گیا اور اس کی وجہ سے احتباس فوت ہو گیا تو اس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں احتباس کا زوال عورت کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ اگر وہ قرضہ اداء کرنے میں ٹال مٹول نہ کرتی تو اسے قید نہ کیا جاتا، لہذا اس کا ٹال مٹول کرنا زوال احتباس کی دلیل ہے، اس لیے اس کا نفقہ واجبہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر قرض کی عدم ادائیگی مماطلت کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ عورت کی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے ہو اور وہ ادائیگی قرض پر قادر نہ ہو تو بھی اسے شوہر سے مطالبہ نفقہ کا حق نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں استقرار یعنی قرضہ لینا زوال احتباس کا سبب ہے اور اس سبب کی وجہ سے وہ عورت نفقہ واجبہ سے محروم ہو جائے گی۔

و کذا إذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو دوسرا کوئی شخص غصب کر لے اور احتباس فوت ہو جائے تو بھی بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، یہی مفتی بہ اور معتمد قول ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے نوادر کی روایت یہ ہے کہ اس مقصود بہ عورت کو نفقہ ملے گا، کیوں کہ وہ بیچاری اس سلسلے میں مجبور ہے اور اس نے برضاء و رغبت اپنے آپ کو قید میں نہیں ڈالا ہے، لہذا اس کی طرف سے منع عن الاحتباس نہیں پایا گیا۔ قول اول کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی درجے میں احتباس کا زوال شوہر کی طرف سے نہیں پایا گیا تو اسے حکماً بھی باقی نہیں قرار دے سکتے، اور بدون احتباس عورت مستحق نفقہ نہیں ہوتی، اس لیے مقصود بہ کو نفقہ نہیں ملے گا، اسی طرح اگر شوہر کو چھوڑ کر کسی محرم کے ساتھ عورت سفر حج پر گئی تو بھی اسے نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ اس صورت میں بھی احتباس کا زوال عورت کی طرف سے ہے جو وجوب نفقہ کے منافی ہے۔

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس صورت میں بھی عورت کے لیے وجوب نفقہ کے قائل ہیں اور فریضہ حج کی ادائیگی کو عذر قرار دیتے ہیں، مگر وہ بھی شوہر پر نفقہ حضر کے قائل ہیں نہ کہ نفقہ سفر کے، کیوں کہ بالمعروف کے تحت نفقہ حضر ہی داخل ہے اس لیے کہ نفقہ سفر بہت زیادہ گراں قیمت ہوتا ہے اور یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ سفر میں ہر چیز بہت مہنگی ملتی ہے اور اسٹیشن کی چائے عام جگہ کی چائے سے زیادہ مہنگی اور برباد ہوتی ہے۔

ولو سافر الخ: فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے ساتھ اس کا شوہر بھی سفر میں موجود ہو تو بالاتفاق عورت کے لیے نفقہ واجب ہوگا تاہم اس صورت میں بھی اسے نفقہ حضر ہی دیا جائے گا، لیکن اگر شوہر اپنی طرف سے بترع اور احسان کر کے بیوی کے دامن مرا کو بھر دے تو یہ اچھی بات ہے۔ تاہم شوہر پر کرایہ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ جب شوہر پر نفقہ سفر واجب نہیں ہے تو پھر کرایے کی کیا اوقات ہے۔

وَ اِنْ مَرَضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النِّفْقَةُ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَا نَفَقَةٌ لَهَا اِنْ كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجَمَاعِ لِفَوَاتِ الْاِحْتِبَاسِ لِلْاِسْتِمْتَاعِ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِسُ بِهَا وَيَمْسُهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ، وَالْمَنْعُ بِعَارِضٍ فَأَشْبَهَ الْحَيْضَ، وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهَا إِذَا سَلِمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرَضَتْ تَجِبُ النِّفْقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيمِ، وَ لَوْ مَرَضَتْ ثُمَّ سَلِمَتْ لَا تَجِبُ، لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يَصِحَّ، قَالُوا هَذَا حَسَنٌ وَ فِي لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيرُ إِلَيْهِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر کے گھر بیوی بیمار ہوئی تو اسے نفقہ ملے گا۔ اور قیاس یہ ہے کہ اگر ایسا مرض ہو جو مانع جماع ہو تو بیوی کو نفقہ نہ ملے، کیوں کہ جماع کے لیے احتباس فوت ہو گیا ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ احتباس موجود ہے اس لیے کہ شوہر بیوی سے مانوس ہوگا اور اسے چھوئے گا اور وہ (بیوی) گھر کی حفاظت کرے گی۔ اور مانع ایک عارض کی وجہ سے ہے، لہذا یہ حیض کے مشابہ ہو گیا۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب عورت نے اپنی ذات کو سپرد کر دیا پھر وہ بیمار ہوئی تو نفقہ واجب ہوگا، اس لیے کہ سپرد کرنا پایا گیا اور اگر بیمار ہونے کے بعد اس نے سپردگی کی تو نفقہ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ سپردگی صحیح نہیں ہوئی، حضرات مشائخ نے فرمایا کہ یہ عمدہ قول ہے اور کتاب کا لفظ اسی کی طرف مشیر بھی ہے۔

## اللغات:

﴿یستأنس﴾ انس حاصل کرتا ہے۔ ﴿یمس﴾ چھوتا ہے۔

## مریضہ کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے پیا کے گھر جا کر بیمار ہوئی تو وہ ایام مرض کے نفقہ کی استحساناً حق دار ہوگی خواہ وہ مرض مانع جماع ہو یا نہ ہو۔ جب کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بیوی کو ایسا مرض لاحق ہو جو مانع جماع ہو تو پھر وہ ایام مرض کے نفقہ کی حق دار نہیں ہوگی، کیوں کہ جماع کے حق میں اس کی طرف سے احتباس فوت ہو چکا ہے، اس لیے اس کا احتباس کامل نہیں ہوا اور عورت احتباس کامل کے بغیر مستحق نفقہ نہیں ہوتی۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ہر دن جماع کرنا زوجین کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے اور زہا بیوی کے مرض کا معاملہ تو اگرچہ وہ مرض مانع جماع ہے مگر پھر بھی بیوی کی طرف سے احتباس موجود ہے، کیوں کہ شوہر اسے دیکھ کر اس سے انسیت حاصل کرتا ہے اور چوم چاٹ کر مزے لیتا ہے اور پھر بیوی گھر رہ کر اس کی حفاظت کرتی ہے، اس لیے جماع کو چھوڑ کر باقی تمام چیزوں کے حق میں احتباس موجود ہے اور جماع کے حق میں اس کا زوال ایک عارض یعنی مرض کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ حیض کے مشابہ ہو گیا اور جس طرح ایام حیض میں جماع کے علاوہ ہر چیز کے حق میں احتباس موجود رہتا ہے اور بیوی ایام حیض میں نفقہ کی مستحق ہوتی ہے، اسی طرح ایام مرض میں بھی وہ نفقہ کی مستحق ہوگی۔

وعن أبي يوسف رحمۃ اللہ علیہ الخ: اس سلسلے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی فیصلہ کن بات کہی ہے اور مشائخ نے



اسے نظر استحسان دیکھا اور سراہا بھی ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے کے بعد بیمار ہوئی تو تحقق تسلیم کی وجہ سے وہ مستحق نفقہ ہوگی۔ اور اگر تسلیم نفس سے پہلے وہ بیمار ہوئی اور پھر اس نے سپردگی کی تو مستحق نفقہ نہیں ہوگی۔ کیوں کہ تسلیم ہی صحیح نہیں ہوئی اور چوں کہ بدون تسلیم نفقہ نہیں ملتا، اس لیے اس صورت میں اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ نے اس فیصلہ کن قول کو سراہا ہے اور قدوری کی عبارت میں اس کا اشارہ بھی ہے۔

قَالَ وَ تَفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النَّفَقَةُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا وَ نَفَقَةُ خَادِمِهَا، وَالْمُرَادُ بِهَذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَ لِهَذَا ذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسخِ وَ تَفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةَ خَادِمِهَا، وَ وَجْهُهُ أَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَ هَذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذْ لَا بُدَّ لِإِمْنِهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کا اور اس کے خادم کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ اور اس سے خادم کے نفقہ کو بیان کرنا مقصود ہے، اسی لیے بعض نسخوں میں یہ مذکور ہے و تفرض علی الزوج إذا كان موسرا نفقة خادمها۔ اور اس کی دلیل یہ کہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب ہے اور نفقہ خادم کفایت زوجہ کے اتمام میں سے ہے، کیوں کہ عورت کے لیے خادم کا ہونا ضروری ہے۔

## اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔

## مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کے نفقہ کے ساتھ ساتھ اس کے خادم کا بھی نفقہ واجب ہوگا خواہ وہ خادم مرد ہو یا عورت، اور اس عبارت سے خادم کے نفقہ کو بیان کرنا مقصود ہے، اسی لیے قدوری کے بعض نسخوں میں و تفرض علی الزوج إذا كان موسرا نفقة خادمها کی عبارت موجود ہے اور اس میں خادم کے نفقہ کی وضاحت اور صراحت موجود ہے۔ نفقہ خادم کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کی کفایت کرنا واجب ہے اور چوں کہ بیوی کے لیے ایک خادم کا ہونا گریز ہے، اس لیے خادم کا نفقہ بیوی کی کفایت کے اتمام سے ہوگا اور بیوی کے ساتھ ساتھ خادم کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

وَ لَا تَفْرَضُ لِأَكْثَرِ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ، وَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَ قَالَ أَبُو يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَفْرَضُ نَفَقَةُ الْخَادِمَيْنِ، لِأَنَّهَا تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّخْلِ وَ إِلَى الْآخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ يَقُومُ بِالْأَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى اثْنَيْنِ، لِأَنَّهُ لَوْ تَوَلَّى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهِ كَانَ كَافِيًا فَكَذَا إِذَا أَقَامَ الْوَاحِدَ مَقَامَ نَفْسِهِ، وَ قَالُوا إِنَّ الزَّوْجَ الْمُوسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرَ مِنْ نَفَقَةِ امْرَأَتِهِ وَهُوَ أَذْنَى الْكِفَايَةِ وَ قَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ اعْسَارِهِ وَهُوَ رِوَايَةٌ

الْحَسَنَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ، خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ أَذْنَى الْكَفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِي بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا.

**ترجمہ:** اور ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ نہیں فرض کیا جائے گا اور یہ حکم حضرات طرفین کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو خادموں کا نفقہ فرض کیا جائے گا، اس لیے کہ بیوی ایک خادم سے داخلی مصالحوں کو پورا کرانے کی محتاج ہے اور دوسرے سے خارجی مصالحوں کی تکمیل میں محتاج ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی خادم دونوں کاموں کو پورا کر سکتا ہے، اس لیے دو خادموں کی ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے اگر از خود شوہر بیوی کی کفایت کرے تو یہ کافی ہے تو ایسے ہی جب اس نے ایک شخص کو اپنے قائم مقام کر دیا تو بھی کافی ہے۔

حضرات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ مالدار شوہر پر خادم کے نفقہ کے وہ مقدار لازم ہوگی جو تنگ دست آدمی پر اپنی بیوی کے نفقہ سے لازم ہوتی ہے۔ اور وہ ادنیٰ درجے کی کفایت ہے۔ اور قدوری میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان إذا كان موسرا اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے اور یہی اصح ہے۔ برخلاف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے، اس لیے کہ تنگ دست پر ادنیٰ درجے کی کفایت واجب ہے اور کبھی کبھی بیوی خود ہی اپنی کفایت کر لیتی ہے۔

### مالدار خاوند پر بیوی کے خادم کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین اور جمہور علماء کے یہاں شوہر پر بیوی کے ایک ہی خادم کا نفقہ واجب ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بیوی کے دو خادموں کا نفقہ شوہر پر واجب کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ گھر اور باہر کی ضروریات کے حساب سے عورت کو دو خادموں کی ضرورت ہے لہذا اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دو خادم مقرر کیے جائیں گے اور شوہر پر ان دونوں کا نفقہ واجب ہوگا۔ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل یہ ہے کہ ایک خادم بہت سی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے لہذا اندر اور باہر کی ضروریات کے لیے الگ الگ خادم متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ اگر تنہا بذات خود شوہر بیوی کی ضروریات کو پورا کرے تو یہ کافی ہے، لہذا جب شوہر اپنی جگہ کسی ایک آدمی کو بیوی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے متعین کر دے تو بھی کافی ہوگا۔

قالو الخ: فرماتے ہیں کہ نفقہ خادم کی مقدار کے سلسلے میں حضرات مشائخ کا فرمان یہ ہے کہ ایک مفلس اور معسر شوہر پر چھٹی مقدار میں اس کی بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے موسر اور مالدار پر وہی مقدار بیوی کے خادم کے نفقہ کی واجب ہوگی۔

وقوله في الكتاب الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ قدوری میں جو إذا كان موسرا کی قید اور شرط لگائی ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خادم کا نفقہ اسی صورت میں شوہر پر واجب ہے جب وہ مالدار ہو لیکن اگر شوہر معسر اور تنگ دست ہو تو پھر اس پر بیوی کے خادم کا نفقہ واجب نہیں ہے، حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت بیان کی ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر بیوی کے پاس خادم ہو تو شوہر پر اس خادم کا نفقہ واجب ہے، خواہ

شوہر معسر ہو یا موسر لیکن روایت صحیحہ کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہے۔ اور روایت صحیحہ کی دلیل یہ ہے کہ معسر شوہر پر بیوی کی ادنیٰ درجے کی کفایت واجب ہے اور ظاہر ہے ادنیٰ درجہ کی کفایت اگر بیوی ہی کے لیے کافی ہو جائے تو بڑی بات ہے، غلام تو اس میں کسی بھی طرح داخل نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ أَغْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهِ لَمْ يَفْرُقْ بَيْنَهُمَا وَيَقَالُ لَهَا اسْتَدِينِي عَلَيْهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ يَفْرُقُ، لِأَنَّهُ عَجَزَ مِنَ الْإِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوفِ فَيَنْتَوِبُ الْقَاضِي مَنَابَةَ فِي التَّفْرِيقِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعَنَةِ، بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى النَّفَقَةِ أَقْوَى، وَ لَنَا أَنَّ حَقَّهُ يَبْطُلُ وَ حَقُّهَا يَتَأَخَّرُ، وَالْأَوَّلُ أَقْوَى فِي الضَّرَرِ وَ هَذَا لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِي فَتُسْتَوْفَى فِي الزَّمَانِ الْغَائِبِ، وَ قَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ وَ فَائِدَةُ الْأَمْرِ بِالْإِسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ أَنْ يُمَكِّنَهَا إِحَالَةَ الْغَرِيمِ عَلَى الزَّوْجِ فَأَمَّا إِذَا كَانَتِ الْإِسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي كَانَتِ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُونَ الزَّوْجِ.

**ترجمہ:** جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے بے بس ہو گیا تو ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور اس عورت سے کہا جائے گا کہ اپنے شوہر کے نام پر قرضہ لے لے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں تفریق کی جائے گی، کیوں کہ شوہر امساک بالمعروف سے عاجز ہو گیا، لہذا تفریق کرنے میں قاضی شوہر کے قائم مقام ہوگا جیسا کہ محبوب اور عنین میں ہے، بلکہ یہ کام بدرجہ اولیٰ ہوگا، اس لیے کہ نفقہ کی حاجت اقویٰ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کا حق باطل ہو جاتا ہے اور عورت کا حق مؤخر ہو جاتا ہے اور پہلا ضرر میں زیادہ قوی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نفقہ قاضی کے مقرر کرنے سے شوہر کے ذمے دین ہو جاتا ہے، لہذا بیوی دوسرے زمانے میں شوہر سے نفقہ وصول کر لے گی۔ اور مال فوت ہونے کو (جب کہ وہ نکاح میں تابع ہے) اس چیز کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا جو مقصود ہے یعنی توالد و تناسل۔ اور فرضیت نفقہ کے ساتھ ساتھ قرض لینے کا حکم اس فائدے کی وجہ سے ہے تاکہ عورت کے لیے اپنے قرض خواہ کو شوہر پر حوالہ کرا سکے۔ لیکن اگر قرضہ لینا بدون حکم قاضی کے ہو تو قرض خواہ کا مطالبہ بیوی سے ہوگا نہ کہ شوہر سے۔

## اللغات:

﴿لم يفرق﴾ جدائی نہ کرائی جائے۔ ﴿استدیني﴾ تو قرض لے لے۔ ﴿ينوب﴾ نائب ہوگا۔ ﴿جب﴾ مقطوع الذکر ہونا۔ ﴿عنة﴾ نامردی۔ ﴿استدانة﴾ قرضہ لینا۔ ﴿غريم﴾ قرض خواہ۔

## نفقہ نہ دے سکنے والے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز اور قاصر ہو گیا تو ہمارے یہاں اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کی بیوی سے کہا جائے گا کہ تم اپنے شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنا کام چلاتی رہو بعد میں وہ اسے اداء کر دے گا۔ اس کے برخلاف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے دیگر دو برادران (امام محمد رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ) کا

فرمان یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق کر دے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو گیا تو وہ امساک بالمعروف سے رک گیا اور اس پر تسرتح بالا احسان لازم ہو گیا، لیکن چون کہ شوہر اس کی انجام دہی سے بھی باز رہا ہے، اس لیے قاضی اس کے قائم مقام ہو کر تسرتح بالا احسان پر عمل کرتے ہوئے ان دونوں میں تفریق کر دے گا، جیسے اگر مقطوع الذکر اور ناغرد شخص اگر اپنی بیویوں کو الگ نہ کریں اور طلاق دے کر ان کا راستہ صاف نہ کریں تو بیوی سے دفع ضرر کے پیش نظر وہاں بھی قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر ان دونوں میں تفریق کر دیتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر ان میں تفریق کرے گا۔ اور یہاں کی تفریق محبوب اور عنین والی تفریق سے زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ جماع کہ بہ نسبت نفقہ کی حاجت زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے اگر بیوی سے مہینوں جماع نہ کیا جائے تو اس کی صحت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر ایک ہفتہ اسے نفقہ نہ دیا جائے تو وہ بستر مرگ پر جا پڑے گی۔ (بنیاء)

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں تفریق نہ کرنا میاں بیوی دونوں کے حق میں مفید ہے، کیوں کہ تفریق کرنے سے میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے اور ان کا ہر تعلق منقطع ہو جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ تفریق کے بعد بیوی کو جلدی کوئی دوسرا ہم سفر نہ مل سکے اور وہ ادھر ادھر دھکے کھاتی رہے، اس کے برخلاف اگر تفریق نہیں کی جائے گی تو بیوی کے حق نفقہ کو مؤخر کر دیا جائے گا بعد میں پورا حساب کر کے اس کا نفقہ دیدیا جائے گا، اس لیے عدم تفریق کی یہ صورت تفریق کی صورت اولیٰ سے بہتر ہے، کیوں کہ صورت اولیٰ میں زیادہ ضرر ہے اور فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ إذا اجتمع مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما یعنی جب کسی مسئلے میں دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ان میں سے اخف کو اختیار کیا جاتا ہے۔

وفوت المال الخ: امام شافعی رحمہ اللہ نے عاجز عن النفقة کو محبوب اور عنین پر قیاس کیا ہے، یہاں سے اسی قیاس کی تردید کی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عاجز عن النفقة کو محبوب اور عنین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ عاجز عن النفقة کا تعلق مال سے ہے اور مال نکاح میں تابع ہوتا ہے جب کہ جبوب اور عنین کا تعلق جماع سے ہے اور جماع نکاح میں مقصود اصلی ہوتا ہے، لہذا جو چیز تابع ہے اسے مقصود اصلی پر قیاس کرنا اور دونوں پر ایک ہی حکم لگانا کہاں کی عقلی مندی ہے، اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قیاس درست نہیں ہے۔

وفائدة الأمر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ قاضی کی طرف سے عورت کا نفقہ مقرر کیے جانے کے بعد اس کے لیے قرضہ لینے کا حکم صادر کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ جب بیوی قاضی کے حکم سے قرضہ لے گی تو قرض خواہ کے مطالبے پر بیوی اسے اپنے شوہر کے حوالے کر سکتی ہے اور اپنا قرضہ وہ شوہر کی طرف ٹرانسفر کر سکتی ہے، لیکن اگر وہ قاضی کے حکم سے قرضہ نہیں لے گی تو اس صورت میں وہی قرضہ کی جواب دہ ہوگی اور اسے شوہر کی طرف منتقل نہیں کر سکے گی۔

وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّ لَهَا نَفَقَةُ الْمُؤَسِّرِ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ الْيُسَارِ وَالْإِعْسَارِ، وَمَا قَضَى بِهِ تَقْدِيرُ النَّفَقَةِ لَمْ تَجِبْ، فَإِذَا تَبَدَّلَ حَالُهَا لَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا.

ترجمہ: اور اگر قاضی نے عورت کے لیے نفقہ اعسار کا فیصلہ کر دیا پھر شوہر مالدار ہو گیا اور بیوی نے اس سے خلاصت کی تو قاضی

اس کے لیے مالدار کا نفقہ پورا کرے گا، کیوں کہ یسر اور عسر کے حساب سے نفقہ بدلتا رہتا ہے۔ اور قاضی نے جس نفقے کا فیصلہ کیا ہے وہ ابھی واجب نہیں ہوا ہے، پھر جب شوہر کا حال بدل گیا تو عورت کو اپنے پورے حق کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

## النفقات:

﴿اعسار﴾ غربت۔ ﴿خاصمت﴾ جھگڑا کیا۔

## شوہر کی مالی حالت بدلنے پر نفقہ پر اثر:

صورت مسئلہ یہ کہ اگر کسی عورت کا شوہر معسر تھا اور قاضی نے اس عورت کے لیے نفقہ اعسار کا فیصلہ کر دیا پھر شوہر خوشحال ہو گیا اور عورت نے قاضی کے دربار میں جا کر استغاثہ کیا تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے اور اس عورت کے لیے نفقہ یسر متعین کرے، کیوں کہ شوہر کے معسر اور موسر ہونے کے حساب سے نفقہ میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے، لہذا جب شوہر کی حالت عسر سے یسر میں تبدیلی ہوگئی تو اس کی بیوی کا نفقہ بھی نفقہ اعسار سے نفقہ یسر میں بدل جائے گا۔

وما قضی الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ بیوی کا نفقہ مقرر ہو گیا تو پھر اس میں تغیر و تبدل نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ تغیر و تبدل میں قاضی کے قضائے اول کا فسخ اور نقض ہے۔ اور نقض مناسب نہیں ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں قضائے قاضی کا نقض اور بطلان نہیں ہے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ یکبارگی واجب نہیں ہوتا بلکہ ہر روز کا نفقہ الگ الگ واجب ہوتا ہے، لہذا قاضی نے جو پہلے نفقے کا فیصلہ کیا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا، بلکہ وہ ایسے نفقے کا اندازہ تھا جو ابھی تک واجب نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ اس کے وجوب سے پہلے سبب وجوب کے بدل جانے کا امکان اور احتمال ہے، اور اس احتمال کے ہوتے ہوئے قاضی کا فیصلہ حتمی اور شکل آخری نہیں ہوگا اور جب وہ حتمی نہیں ہوگا تو بعد میں اس میں تبدیلی ممکن ہوگی اور اس تبدیلی کو نقض یا فسخ کا نام نہیں دیا جائے گا۔ (عنایہ و بنایہ ۵۱۰/۵)

وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَلَبَتْهُ بِذَلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْقَاضِيُ قَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ أَوْ صَالَحَ الزَّوْجَ عَلَى مِقْدَارِ نَفَقَتِهَا فَيُقْضَى لَهَا بِنَفَقَةٍ مَا مَضَى، لِأَنَّ النَّفَقَةَ صَلَٰةٌ وَ لَيْسَتْ بِعَوَضٍ عِنْدَنَا عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يَسْتَحْكِمُ الْوُجُوبُ فِيهَا إِلَّا بِقَضَاءِ كَالْهَبَةِ لَا تُوجِبُ الْمِلْكُ إِلَّا بِمُؤَكَّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ، وَالصَّلَحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ، لِأَنَّ وَ لَائَتَهُ عَلَى نَفْسِهِ أَقْوَى مِنْ وَ لَايَةِ الْقَاضِي، بِخِلَافِ الْمَهْرِ، لِأَنَّهُ عَوَضٌ .

**ترجمہ:** اور جب ایک مدت گزر گئی اور شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر بیوی نے شوہر سے اس کا مطالبہ کیا تو اسے کچھ نہیں ملے گا الا یہ کہ قاضی نے اس کے لیے نفقہ مقرر کیا ہو یا خود بیوی نے شوہر سے نفقے کی کسی مقدار پر صلح کیا ہو تو اس کے لیے نفقہ گذشتہ کا فیصلہ کیا جائے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں نفقہ عطیہ ہے، عوض نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے، لہذا قضائے قاضی کے بغیر اس میں وجوب مستحکم نہیں ہوگا جیسے ہبہ مؤکد قبضہ کے بغیر ملک کو واجب نہیں کرتا۔ اور مصالحت کرنا قضا کے درجے میں ہے، کیوں کہ اپنی ذات پر شوہر کی ولایت قاضی کی ولایت سے زیادہ قوی ہے۔ برخلاف مہر کے، اس لیے کہ وہ عوض ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿صالح﴾ صلح کر چکی ہو، مصالحت ہو گئی ہو۔

## کافی عرصہ کے بعد پچھلے نفع کا مطالبہ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مدت یا بالفاظ دیگر کئی ماہ گزر گئے اور اس دوران شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا، اس کے بعد بیوی نے اس سے نفقہ کا مطالبہ کیا تو اسے کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ ایام گزشتہ کا نفقہ شوہر کے ذمے دین نہیں ہوتا کہ جب چاہا اس کا مطالبہ کر لیا، لہذا بعد میں مطالبے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر قاضی نے شوہر پر نفقہ کی کوئی مقدار متعین کی تھی یا خود بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر صلح کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کو ایام گزشتہ کے حساب سے نفقہ دینا پڑے گا، اس لیے کہ ہمارے یہاں نفقہ عوض نہیں ہے کہ ذمہ میں لازم رہے، بلکہ یہ تو عطیہ اور دان پون ہے، لہذا اس کے حتمی ثبوت اور استحکام کے لیے قضائے قاضی کی ضرورت پڑے گی اور بدون قضاء وہ مستحکم نہیں ہوگا، کیوں کہ عطیات میں زور و زبردستی نہیں چلتی۔ لہذا جس طرح بہہ قبضہ کے بغیر مثبت ملک نہیں ہے، اسی طرح نفقہ بدون قضاء واجب نہیں ہوگا۔

والصلح الخ: فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کا آپس میں صلح کرنا قضائے قاضی کی طرح ہے، کیوں کہ شوہر کی ذات پر اس کی اپنی ولایت قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہے، اسی لیے تو شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ قاضی کی مقرر کردہ مقدار نفقہ میں اضافہ کر لے، لہذا اسے یہ بھی اختیار ہے کہ قاضی کے بغیر بھی بیوی سے کسی مقدار پر مصالحت کر لے۔

اس کے برخلاف مہر کا معاملہ ہے تو چون کہ مہر عوض ہوتا ہے، اس لیے وہ قضائے قاضی کے بغیر بھی لازم ہو جائے گا اور مدتوں کے بعد مطالبہ کرنے پر بھی عورت کو وہ حق ملے گا۔

وَإِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَا قُضِيَ عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَ مَضَى شَهْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ وَ كَذَا إِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ صَلَۃٌ، وَ الصَّلَاتُ تَسْقُطُ بِالمَوْتِ كَالِهَيْبَةِ تَبْطُلُ بِالمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی تَصِيرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَ لَا تَسْقُطُ بِالمَوْتِ، لِأَنَّهُ عَوْضٌ عِنْدَهُ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُونِ، وَ جَوَابُهُ قَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: اور اگر قضاے نفقہ کے بعد شوہر مر گیا اور کئی ماہ گزر گئے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اور ایسے ہی جب بیوی کا انتقال ہوا تو بھی، اس لیے کہ نفقہ عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے عطیات ساقط ہو جاتے ہیں جیسے قبضہ سے پہلے کا بہہ موت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی سے پہلے بھی نفقہ (شوہر کے ذمے) دین ہو جاتا ہے اور موت سے ساقط نہیں ہوتا، اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں نفقہ عوض ہے، لہذا یہ دیگر دیون کی طرح ہو گیا۔ اور اس کا جواب ہم بیان کر چکے ہیں۔

## اللَّغَاتُ:

﴿قضى﴾ فیصلہ کیا گیا۔ ﴿مضى﴾ گزر گئے۔ ﴿شہور﴾ واحد شہر؛ مہینے۔ ﴿صلۃ﴾ بغیر عوض ادا کی گئی۔ ﴿دیون﴾

واحد دین؛ قرضے۔

## نفقہ واجبہ کی ادائیگی سے پہلے خاوند کی موت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی عورت کے لیے نفقہ کا فیصلہ کیا اور پھر شوہر مر گیا اور کئی ماہ بلا نفقہ گزر گئے تو ہمارے یہاں اس عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، ایسے ہی اگر شوہر کے بجائے بیوی مر جائے تو بھی نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ ہمارے یہاں نفقہ عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے تمام عطیات ساقط ہو جاتے ہیں اور ان کا قرضہ وغیرہ نہیں واجب ہوتا، جیسے اگر کسی نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے اس کا یا واجب کا انتقال ہو جائے تو دونوں صورتوں میں ہبہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں نفقہ چوں کہ ملک بضعہ کا عوض ہے اور عوض ذمے میں دین ہوتا ہے، اس لیے قضاء قاضی کے بغیر بھی وہ نفقہ شوہر کے ذمے دین ہو جائے گا اور موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اگر شوہر مرتا ہے تو اس کے ترکے میں سے بیوی کو دیا جائے گا اور اگر بیوی مرتی ہے تو وہ نفقہ اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ نفقہ عطیہ ہے اور عوض نہیں ہے، کیوں کہ جب مہر ملک بضعہ کا عوض ہے ہی تو پھر نفقہ کو کس طرح اس کا عوض قرار دیا جاسکتا ہے۔

وَإِنْ أَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ أَوْ عَجَّلَهَا ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا بَشَىءٌ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَابْنِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضَى وَمَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْكُفُوءُ، لِأَنَّهَا اسْتَعْجَلَتْ عَوْضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِالْإِحْتِبَاسِ وَقَدْ بَطَلَ الْإِسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَبَطَلَ الْعَوْضُ بِقَدَرِهِ كَرِزْقِ الْقَاضِي وَ عَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ صِلَةٌ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَا رُجُوعَ فِي الصَّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِهَا كَمَا فِي الْهَبَةِ، وَلِهَذَا لَوْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ اسْتِهْلَاكِ لَا يُسْتَرَدُّ شَيْءٌ مِنْهَا بِالْإِجْمَاعِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا قَبِضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ أَوْ مَا دُونَهُ لَا يُسْتَرْجَعُ مِنْهَا بَشَىءٌ لِأَنَّهُ يَسِيرٌ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْحَالِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیدیا پھر شوہر مر گیا تو بیوی سے کچھ نہیں واپس لیا جائے گا۔ اور یہ حکم حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مدت گزری ہے اس مدت کے نفقہ کا حساب کر کے بیوی کو دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ شوہر کا ہوگا۔ اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔ اور اسی اختلاف پر کپڑا دینا بھی ہے، اس لیے کہ بیوی نے اس چیز کو بطور عوض پیشگی لیا ہے جس کی مستحق وہ احتباس علی الزوج کے ذریعہ ہوتی اور شوہر کے مرنے سے وہ استحقاق باطل ہو گیا، لہذا اس کی مقدار میں عوض بھی باطل ہو جائے گا جیسے قاضی کا روزینہ اور مجاہدین کا عطیہ۔

حضرات شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عطیہ ہے اور اس سے قبضہ بھی متصل ہو گیا ہے اور عطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا، اس لیے کہ (موت سے) ان کا حکم پورا ہو جاتا ہے جیسے ہبہ میں ہے۔ اسی لیے اگر ہلاک کیے بغیر از خود نفقہ ہلاک

ہو گیا تو بالاتفاق اس میں سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جاسکتا۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب بیوی نے ایک ماہ یا اس سے کم کے نفقہ پر قبضہ کر لیا تو اس سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جائے گا، اس لیے کہ وہ معمولی چیز ہے لہذا وہ فی الحال کے حکم میں ہوگا۔

## النفات:

﴿أسلف﴾ پیشگی ادا کر دیا۔ ﴿عجل﴾ جلدی دے دیا۔ ﴿لم یسترجع﴾ نہیں رجوع کیا جائے گا۔ ﴿مقاتلة﴾ فوج۔ ﴿لا یسترد﴾ واپس نہیں لیا جاتا۔

## پیشگی نفقہ دینے والے کی موت کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدیا اور پھر ایک سال گزرنے سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا یا خود بیوی مر گئی تو حضرات شیخینؒ کا مذہب یہ ہے کہ بیوی سے کچھ بھی نہیں واپس لیا جائے گا، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وفات سے قبل جتنا زمانہ گزرا ہے۔ اس کا حساب کر کے بیوی کو اتنے دنوں کا نفقہ دیدیا جائے اور جو باقی بچے وہ شوہر یا اس کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور کپڑا دینا بھی امام محمد رحمہ اللہ اور حضرات شیخینؒ کے اسی اختلاف پر ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ اس اعتبار کا حق ہے جو شوہر کے روکنے پر بیوی کو ملتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں بیوی نے اس نفقہ کو بطور عوض پیشگی لے لیا ہے اور چوں کہ شوہر کی موت سے عورت کا یہ استحقاق باطل ہو گیا ہے، اس لیے جتنے دن استحقاق باقی تھا بیوی صرف اتنے ہی دن نفقہ کی مستحق ہوگی اور باقی شوہر یا اس کے ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا۔ جیسے اگر کسی قاضی نے بیت المال سے کئی ماہ کی تنخواہ پیشگی لے لی یا مجاہدوں نے پیشگی ایک مدت کا روزینہ لے لیا اور پھر اس مدت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تو مابعد الانتقال کی مدت کا روزینہ انہیں واپس کرنا ہوگا کیوں کہ اس مدت میں ان کا استحقاق باطل ہو چکا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی بطلان استحقاق کی وجہ سے مابعد الموت کا نفقہ واجب الرد ہوگا۔

ولہما الخ: اس سلسلے میں حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے یہاں نفقہ صلہ اور عطیہ ہے اور عطیات قبضہ کرنے سے مکمل ہو جاتے ہیں اور عورت سے ان کا حکم منتهی ہو جاتا ہے اور ان میں کسی بھی طرح کی ترمیم نہیں ہو سکتی، اور صورت مسئلہ میں چوں کہ قبضہ بھی موجود ہے اور موت بھی تحقق ہے، اس لیے شوہر کی جانب سے دیا گیا نفقہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مکمل اور منتهی ہو گیا اور اب اس میں نہ تو واپسی ہو سکتی ہے اور نہ ہی حساب کتاب ممکن ہے جیسے کہ بہ قبضہ اور موت سے مکمل ہو جاتا ہے اور پھر اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عورت کے دخل اور خلل کے بغیر نفقہ ہلاک ہو جائے تو بھی اس سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا۔

وعن محمد الخ: فرماتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ سے محمد بن رستم کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر بیوی نے شوہر سے ایک ماہ یا اس سے کم مدت کا نفقہ لیا اور پھر ایک ماہ مکمل ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب بیوی سے کچھ نہیں واپس لیا جائے گا، کیوں کہ یہ معمولی نفقہ ہجو فی الحال والے نفقہ کے مشابہ ہے اور جو نفقہ آج کل دیا گیا ہو اور پھر شوہر مر جائے تو بیوی سے کچھ واپس نہیں لیا جاسکتا اسی طرح ایک ماہ والے نفقہ میں بھی اس سے کچھ نہیں واپس لیا جاسکتا۔



وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَفَقَّطَهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يَبَاعُ فِيهَا وَمَعْنَاهُ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ الْمَوْلَى، لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِي ذِمَّتِهِ لَوْ جُودَ سَبَبِهِ، وَقَدْ ظَهَرَ وَجُوبُهُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ كَدَيْنِ التَّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَلَهُ أَنْ يَفْتَدِيَ، لِأَنَّ حَقَّهَا فِي النَّفَقَةِ لَا فِي عَيْنِ الرَّقَبَةِ، وَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَكَذَا إِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيحِ، لِأَنَّهُ صَلَٰةٌ.

**ترجمہ:** اور اگر غلام نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام کے ذمے قرض ہوگا اور اس میں غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا، کیوں کہ نفقہ ایک قرض ہے جو اپنے سبب (نکاح) کے پائے جانے سے غلام کے ذمہ واجب ہوا ہے۔ اور اس دین کا وجوب مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہو چکا ہے، لہذا وہ دین غلام کی گردن سے متعلق ہوگا جیسے عہد تاجر میں دین تجارت ہے۔ اور مولیٰ کو فدیہ دینے کا اختیار ہے، کیوں کہ عورت کا حق نفقہ میں ہے نہ کہ عین رقبہ میں۔ اور اگر غلام مر گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی صحیح قول کے مطابق اگر غلام قتل کر دیا جائے تو بھی (نفقہ ساقط ہو جائے گا) اس لیے کہ نفقہ عطیہ ہے۔

### اللغات:

﴿بیاع﴾ بیچا جائے گا۔ ﴿یفتدی﴾ فدیہ دے دے۔ ﴿صلۃ﴾ عطیہ، بغیر عوض ادائیگی۔

### غلام خاوند کے ذمے آنے والا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غلام نے اپنے مولیٰ سے اجازت لے کر آزاد عورت سے نکاح کیا تو یہ نکاح درست اور جائز ہے البتہ عورت کا جو نفقہ ہوگا وہ غلام کے ذمے قرض رہے گا اور اس کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ نفقہ غلام کے ذمے واجب ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس کا سبب یعنی نکاح کرنا پایا گیا ہے اور چون کہ مولیٰ نے غلام کو نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، اس لیے اس کے حق میں بھی نفقہ کا وجوب متعلق ہوگا اور غلام کی گردن میں جا پھنسے گا اور اس دین کی ادائیگی کے لیے غلام کو فروخت کیا جائے گا۔ جیسے اگر مولیٰ کسی غلام کو تجارت کی اجازت دے اور وہ غلام تجارت میں قرضہ لاد لے تو اسے بھی اس قرضے کی ادائیگی میں فروخت کیا جائیگا، اسی طرح صورت مسئلہ میں چون کہ نکاح مولیٰ کی اجازت سے ہوا ہے، اس لیے دین نفقہ میں اسے فروخت کیا جائے گا، البتہ مولیٰ کو غلام کا فدیہ دینے کا اختیار ہے اور فدیہ دینے کے بعد غلام کی فروختگی کا معاملہ ختم ہو جائے گا، کیوں کہ بیوی کو نفقہ سے مطلب ہے نہ کہ غلام کے رقبہ سے، لہذا جب اسے نفقہ مل جائے تو پھر وہ غلام کا راستہ صاف کر دے۔

ولومات الخ: فرماتے ہیں کہ اگر نکاح کے بعد غلام کا انتقال ہو جائے یا اسے قتل کر دیا جائے تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں نفقہ صلہ اور عطیہ ہے اور موت کی وجہ سے عطیات ساقط ہو جاتے ہیں۔

وَإِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ أَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ لِأَنَّهُ تَحَقَّقَ الْإِحْتِبَاسُ، وَإِنْ لَمْ يَبَوَّءَهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِعَدَمِ الْإِحْتِبَاسِ، وَالتَّبَوُّةُ أَنْ يُحْلَى بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فِي مَنْزِلِهِ وَلَا يَسْتَحْدِمُهَا، وَلَوْ اسْتَحْدَمَهَا بَعْدَ التَّبَوُّةِ سَقَطَتْ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهُ فَاتَ الْإِحْتِبَاسُ، وَالتَّبَوُّةُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلَى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَلَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ أَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ أَنْ

يَسْتَحْدِمُهَا لَا يَسْقُطُ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهُ لَمْ يَسْتَحْدِمْهَا لِيَكُونَ اسْتِرْدَادًا، وَالْمُدْبِرَةُ وَامُّ الْوَلَدِ فِي هَذَا كَالْأَمَةِ.

**ترجمہ:** اور اگر آزاد مرد نے کسی باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی باندی کو اس کے شوہر کے ساتھ رات گزارنے کے لیے گھر دیدیا تو اس پر نفقہ واجب ہے، اس لیے کہ احتباس پایا گیا۔ اور اگر مولیٰ نے رات گزارنے کا انتظام نہیں کیا تو بیوی کو نفقہ نہیں ملے گا، اس لیے کہ احتباس معدوم ہے۔ اور رات گزارنے کے انتظام سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اپنے گھر میں باندی اور اس کے شوہر کو الگ اور تنہا چھوڑ دے اور باندی سے خدمت نہ لے۔ اور اگر تبویب کے بعد مولیٰ نے باندی سے خدمت لے لی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ احتباس فوت ہو گیا۔ اور (مولیٰ پر) رات گزارنا لازم نہیں ہے جیسا کہ کتاب النکاح میں گذر چکا ہے۔ اور اگر مولیٰ کے خدمت لیے بغیر از خود باندی نے اس کی خدمت کی تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ مولیٰ نے اس سے خدمت نہیں لی ہے تاکہ یہ واپس لینا ہو جائے۔ اور اس سلسلے میں مدبرہ اور ام ولد باندی کی طرح ہیں۔

### اللَّغَاتُ:

﴿بَوَّأ﴾ ٹھکانہ دے دیا۔ ﴿احتباس﴾ قید کرنا، روکنا۔ ﴿تبویب﴾ ٹھکانہ دینا۔ ﴿یخْلِی﴾ تنہا چھوڑ دے۔

### باندی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آزاد شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور باندی کے مولیٰ نے میاں بیوی دونوں کے لیے علیحدہ ایک کمرے میں رات گزارنے کا انتظام کر دیا تو شوہر پر نفقہ واجب ہوگا، کیوں کہ ایک ساتھ رہنے اور رات گزارنے کی وجہ سے باندی کی طرف سے احتباس تحقق ہو گیا اور نفقہ چوں کہ احتباس ہی کی جزاء ہے، اس لیے تحقق احتباس سے نفقہ واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تبویت اور رات گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اپنی باندی اور اس کے شوہر کو علیحدہ ایک کمرہ میں چھوڑ دے اور باندی سے خدمت نہ لے، کیوں کہ اگر از خود مولیٰ باندی سے خدمت لے گا تو احتباس فوت ہو جائے گا اور نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ احتباس ہی نفقہ کی شرط ہے، لہذا إذا فات الشرط فإت المشروط والے ضابطے کے تحت فوات احتباس سے نفقہ بھی فوت ہو جائے گا۔ اور فوات احتباس ممکن بھی ہے، کیوں کہ باندی کی شادی کرنے سے مولیٰ پر تبویت اور رات گزارنے کا انتظام کرنا لازم نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب النکاح میں تفصیل کے ساتھ یہ بات آچکی ہے۔

ولو خدمته الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نکاح اور تبویت کے بعد مولیٰ نے از خود باندی سے خدمت کا مطالبہ نہیں کیا، لیکن وہ باندی کبھی کبھار اس کی ٹانگ وغیرہ دباتی رہی تو اس صورت میں نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور شوہر پر نفقہ کی ادائیگی لازم ہوگی، اس لیے کہ جب خود مولیٰ نے خدمت نہیں لی تو یہ نہ استر داد یعنی تبویت سے باندی کو واپس لینا ہوا اور نہ ہی اس سے احتباس فوت ہوا، لہذا تبویت بھی برقرار رہی اور احتباس بھی موجود رہا، اس لیے نفقہ بھی باقی رہے گا۔

والمُدْبِرَةُ الخ: فرماتے ہیں کہ نکاح، تبویت اور احتباس کا جو حکم باندی کا ہے وہی مدبرہ اور ام ولد کا بھی ہے۔ لہذا جن صورتوں میں باندی مستحق نفقہ ہوگی اُن میں انہیں نفقہ بھی ملے گا اور جہاں باندی محروم ہوگی وہاں یہ دونوں بھی منہ دیکھیں گی۔

فقط واللہ اعلم و علمہ اتم

## فَصْلُ أَبِي هَذَا فِی بَيَانِ السُّكْنَى

### فیصل احکام سکنی کے بیان میں ہے

چوں کہ فقہ اور سکنی عورت کی زندگی کے لیے لازم اور ضروری ہیں، اس لیے یکے بعد دیگرے دونوں کو بیان کیا گیا ہے، مگر فقہ کی ضرورت سکنی کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے اسے سکنی سے پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

وَعَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ ذَلِكَ، لِأَنَّ السُّكْنَى مِنْ كِفَايَتِهَا فَيَجِبُ كَالنَّفَقَةِ وَقَدْ أَوْجَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَقْرُونًا بِالنَّفَقَةِ. وَإِذَا وَجَبَ حَقُّهَا لَهَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيهِ، لِأَنَّهَا تَتَصَرَّرُ بِهِ فَإِنَّهَا لَا تَأْمَنُ عَلَى مَتَاعِهَا، وَيَمْنَعُهَا عَنِ الْمَعَاشِرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَمِنْ الْإِسْتِمْتَاعِ، إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ، لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِانْتِقَاصِ حَقِّهَا، وَإِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسْكِنَهُ مَعَهَا لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ أَسْكَنَهَا فِي بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَلَهُ غُلُقٌ كَفَّاهَا، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَدْ حَصَلَ.

**ترجمہ:** شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو علیحدہ ایک ایسے گھر میں رکھے جس میں اس کے اہل خانہ کا کوئی اور فرد نہ ہو الا یہ کہ بیوی اسے خود ہی پسند کرے، کیوں کہ رہائش عورت کی کفایت میں سے ہے، لہذا نفقہ کی طرح وہ بھی واجب ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ ملا کر اسے واجب کیا ہے۔ اور جب سکنی عورت کے لیے حق ٹھہرا تو شوہر کے لیے بیوی کے علاوہ کو اس میں شریک کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے بیوی کو ضرر ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے سامان پر مطمئن نہیں ہو سکتی۔ اور اشتراک بیوی کو اس کے شوہر کے ساتھ مل کر رہنے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکے گا۔ الا یہ کہ بیوی اسے پسند کرتی ہو، کیوں کہ وہ اپنے حق کی کمی پر راضی ہو گئی ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری بیوی سے شوہر کا کوئی لڑکا ہو تو شوہر کو اسے بیوی کے ساتھ رکھنے کا حق نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اگر شوہر نے گھر کے کسی علیحدہ کمرے میں عورت کو ٹھہرایا اور اس کمرے کا بند دروازہ بھی ہو تو یہ اس کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

**اللَّغَاتُ:**

﴿مفردہ﴾ اکیلا، علیحدہ۔ ﴿سُکِنَ﴾ ٹھکانہ دے، رہائش دے۔ ﴿تتصرر﴾ نقصان اٹھاتی ہے۔ ﴿لا تامن﴾ بے خوف

نہیں ہوتی، مطمئن نہیں ہوتی۔ ﴿انتقاص﴾ کی کرنا۔ ﴿خلق﴾ بندش، تالہ۔

### عورت کا حق سکنی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد کسی عورت کو بیاہ کر لائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کو علیحدہ ایک گھر میں رکھے جہاں اس کے اہل خانہ میں سے کوئی دوسرا فرد نہ ہو اور صرف میاں اور بیوی ہی کا راج ہو، اس لیے کہ رہائش بیوی کی ضرورت میں داخل ہے، لہذا نفقہ کی طرح رہائش کا نظم کرنا بھی شوہر پر واجب ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں اُسکنوہن من حیث سکنتم و انفقوا علیہن من وجدکم (یعنی تم لوگ اپنی وسعت کے مطابق اپنی بیویوں کو رہنے کا مکان دو اور انھیں نفقہ بھی دو) کے فرمان سے رہائش کو نفقہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور چوں کہ نفقہ واجب ہے اس لیے رہائش بھی واجب ہوگی۔ اور جب رہائش واجب ہوگی تو اس میں دوسرے کی شرکت مانع ہوگی، کیوں کہ شرکت غیر سے عورت کو نفسیاتی ضرر بھی ہوگا اور نہ تو اسے اپنے سامان پر اطمینان حاصل ہوگا اور نہ ہی ان لوگوں کے لیے آپس میں ازدواجی زندگی قائم کرنا اور ملنا جلنا ممکن ہو سکے گا، البتہ اگر عورت از خود شوہر کے اہل خانہ اور اس کی فیملی کے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو پھر اس کے لیے علیحدہ رہائش کا نظم کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جب وہ خود اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے تو کیا کرے اس میں قاضی۔

و ان کان له النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس بیوی کے علاوہ کسی دوسری بیوی سے شوہر کا کوئی لڑکا ہو تو اسے بھی مذکورہ بیوی کے ساتھ رکھنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے بھی بیوی کو ضرر لاحق ہوگا جو درست نہیں ہے۔ اور اگر بڑے گھر کے کسی ایک کمرے میں شوہر نے بیوی کی رہائش کا انتظام کیا اور اس کمرے کا بند دروازہ بھی ہو تو یہ بیوی کی رہائش کے لیے کافی ہے، کیوں کہ اس صورت میں میاں بیوی کا مقصود یعنی جماع اور استمتاع حاصل ہے۔

وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهِ وَأَهْلَهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا، لِأَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهُ فَلَهُ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُولِ مِلْكِهِ، وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا وَكَلَامِهَا فِي أَتَى وَقَبِ اخْتَارُوا، لِمَا فِيهِ مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ، وَلَيْسَ لَهُ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ، وَقِيلَ لَا يَمْنَعُ مِنَ الدُّخُولِ وَالْكَلَامِ وَإِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ، لِأَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاسِ وَتَطْوِيلِ الْكَلَامِ، وَقِيلَ لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْوَالِدَيْنِ، وَلَا يَمْنَعُهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ، وَفِي غَيْرِ هَمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيرُ بِسَنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ: اور شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ بیوی کے والدین کو، دوسرے شوہر سے اس کے لڑکے کو اور اس کے اہل خانہ کو بیوی کے پاس آنے سے روک دے، اس لیے کہ گھر شوہر کی ملک ہے، لہذا اسے اپنی ملک میں داخل ہونے سے روکنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر ان لوگوں کو بیوی کی طرف دیکھنے اور اس سے بات کرنے سے نہ روکے جس وقت بھی وہ چاہیں، کیوں کہ اس میں قطع رحم ہے اور اس میں شوہر کا کوئی ضرر نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ شوہر داخل ہونے اور بات کرنے سے نہ روکے، البتہ انہیں ٹھہرنے سے روک دے، اس لیے کہ فتنہ ٹھہرنے اور لمبی گفتگو کرنے ہی میں ہے۔ اور کہا گیا کہ شوہر ہر جمعہ کو والدین کے پاس جانے سے بیوی کو نہ روکے اور نہ ہی والدین

تویوی کے پاس آنے سے روکے۔ اور والدین کے علاوہ دوسرے محارم کے حق میں ایک سال سے اندازہ ہے یہی صحیح ہے۔

## اللغات:

﴿قطیعة﴾ کاٹنا، بدسلوکی کرنا۔ ﴿لباث﴾ ٹھہرنا۔ ﴿تقدیر﴾ اندازہ کرنا، مدت مقرر کرنا۔

## بیوی کے میکے والوں سے ملاقات کا حق:

مسئلہ یہ ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو علیحدہ گھر دیدیا تو اب اسے اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس گھر میں نہ تو بیوی کے والدین کو آنے دے اور نہ ہی دیگر رشتہ داروں کو، کیوں کہ یہ گھر شوہر کی ملکیت ہے اور اسے اپنی ملکیت میں ہر طرح کا اختیار ہے، لہذا منع کا بھی اختیار ہوگا۔ ہاں شوہر بیوی کے والدین وغیرہ کو اس کی طرف دیکھنے اور اس باتیں کرنے سے نہیں روک سکتا خواہ یہ لوگ کسی بھی وقت چاہیں، کیوں کہ اس میں صلہ رحمی سے روکنا ہے اور صلہ رحمی سے روکنا حرام ہے، حدیث پاک میں ہے لا یدخل الجنة قاطع یعنی قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

وقیل الخ: فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ شوہر بیوی کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کو اس کے پاس آنے اور ان سے باتیں کرنے سے نہ روکے، ہاں اگر وہ لوگ زیادہ لمبی گفتگو کریں اور ٹھہرے رہیں تو پھر روک دے، اس لیے کہ لمبی گفتگو کرنا اور ٹھہرنا ہی فتنہ و فساد کا سبب ہے، اس لیے جو چیز موجب فساد ہو اس پر بند لگانا ضروری ہے۔

وقیل الخ: کچھ مشائخ کی رائے یہ ہے کہ ہفتے میں ایک دن (جمعہ کو) بیوی اپنے والدین سے مل سکتی ہے اور والدین بیوی سے مل سکتے ہیں اور اس دن شوہر کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور والدین کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو سال میں ایک مرتبہ ملنے کی اجازت ہے۔ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

وَ إِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِي يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَ بِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِي فِي ذَلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَ وَلَدِهِ الصَّغَارِ وَ الْوَدِيْعَةَ فَقَدْ أَقْرَأَ حَقَّ الْآخِذِ لَهَا، لِأَنَّ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ وَ إِقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا سِيَّمَا هُنَا، فَإِنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَا تَقْبَلُ بَيْنَهُ الْمَرْأَةُ فِيهِ، لِأَنَّ الْمُؤَدَّعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِي إِبْطَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَ لَا الْمَرْأَةُ خَصْمٌ فِي إِبْطَاتِ حُقُوقِ الْغَائِبِ، فَإِذَا نَبَتْ فِي حَقِّهِ تَعَدَّى إِلَى الْغَائِبِ وَ كَذًا إِذَا كَانَ الْمَالُ فِي يَدِهِ مُضَارَبَةً وَ كَذًا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ، وَ هَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسٍ حَقَّهَا دِرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ طَعَامًا أَوْ كِسُوفَةً مِنْ جِنْسٍ حَقَّهَا أَمَّا إِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ لَا تَقْرَضُ النَّفَقَةُ فِيهِ، لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْبَيْعِ وَ لَا يَبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِالِاتِّفَاقِ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَلَأَنَّهُ لَا يَبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَ كَذًا عَلَى الْغَائِبِ، وَ أَمَّا عِنْدَهُمَا فَلَأَنَّهُ إِنْ كَانَ يَقْضِي عَلَى الْحَاضِرِ، لِأَنَّهُ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ لَا

يَقْضِي عَلَى الْغَائِبِ لِأَنَّهُ لَا يُعْرِفُ امْتِنَاعَهُ.

**ترجمہ:** اگر مرد غائب ہو جائے اور کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں اس کا مال ہو اور وہ آدمی اس کا اقرار کرتا ہو تو قاضی اس مال میں مرد غائب کی بیوی کا، اس کے چھوٹے بچوں کا اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کرے۔ اور ایسے ہی اگر قاضی کو اس کا علم ہو اور مودع نے اس کا اقرار نہ کیا ہو، اس لیے کہ جب مودع نے زوجیت اور ودیعت کا اقرار کیا تو اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ بیوی کو اس مال سے لینے کا حق ہے، کیوں کہ بیوی کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ شوہر کے مال سے اس کی رضا مندی کے بغیر اپنا حق لے لے، اور صاحب قبضہ کا اقرار اپنے نفس کے حق میں مقبول ہے خصوصاً اس جگہ، اس لیے کہ اگر صاحب قبضہ دونوں باتوں میں سے کسی بات کا انکار کر دیتا تو اس سلسلے میں عورت کا بینہ قبول نہ ہوتا، کیوں کہ زوج غائب کے حق میں اثبات زوجیت کے متعلق مودع خصم نہیں ہے اور نہ ہی زوج غائب کے حقوق ثابت کرنے میں بیوی مدعی ہو سکتی ہے، لہذا جب صاحب قبضہ کے حق میں ثابت ہو گیا تو مرد غائب کی طرف متعدی کر جائے گا۔ اور ایسے ہی جب اس کے ہاتھ میں مال بطور مضاربہ ہو۔ اور قرضہ میں بھی یہی حکم ہے۔

یہ تمام تفصیلات اس وقت ہیں جب مال عورت کے حق کی جنس سے ہو یعنی دراہم ہو یا دنانیر ہو یا طعام ہو یا اس کے لائق کپڑا ہو، لیکن اگر وہ مال خلاف جنس سے ہو تو اس میں نفقہ نہیں مقرر کیا جائے گا، کیوں کہ اسے بیچنے کی ضرورت ہے جب کہ غائب کا مال بالاتفاق نہیں بیچا جاسکتا۔ رہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس لیے کہ جب حاضر کا مال نہیں بیچا جاتا تو غائب کا بھی نہیں بیچا جائے گا۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں اگرچہ قاضی حاضر کا مال بیچنے کا فیصلہ دیتا ہے، اس لیے کہ اس کا انکار معلوم ہو جاتا ہے لیکن وہ غائب کے مال بیچنے کا فیصلہ نہیں کرے گا، اس لیے کہ اس کا انکار نہیں معلوم ہو سکتا۔

### اللغات:

﴿وَدِيعَةٌ﴾ امانت۔ ﴿لَا سِيَمًا﴾ خاص طور پر۔ ﴿حَصْمٌ﴾ فریق، مخالف۔ ﴿كَسْوَةٌ﴾ کپڑے۔ ﴿لَا بِيَاعَ﴾ نہیں بیچا

جائے گا۔

### زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو لیکن اس کے گھر میں کسی شخص کے پاس اس کا کچھ مال رکھا ہو اور اس شخص کو اس بات کا اقرار ہو کہ یہ مال فلاں آدمی کا ہے اور یہ بیوی بھی اسی کی ہے تو اس صورت میں قاضی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس مال میں سے مرد غائب کی بیوی کا، اس کے بچوں کا اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کر دے، اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب خود قاضی کو یہ معلوم ہو کہ مرد غائب کا کچھ مال فلاں شخص کے پاس ہے یعنی اس صورت میں بھی قاضی اس کی بیوی اور بچوں کا نفقہ مقرر کر سکتا ہے، خواہ مودع کو اس کا اقرار ہو یا نہ ہو۔

صورت اولیٰ کی دلیل یہ ہے کہ جب مودع اور صاحب قبضہ نے مرد غائب کے مال رکھنے اور ایک عورت کے اس کی بیوی ہونے کا اقرار کیا تو اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا کہ وہ عورت اس مال سے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ لینے کی بھی حق دار ہے، کیوں کہ بیوی کو تو شریعت نے یہاں تک اختیار دیا ہے کہ وہ شوہر کی رضا مندی کے بغیر بھی اس کے مال سے اپنا خرچہ لے لے، لہذا جب

بیوی اپنا نفقہ لینے میں خود مختار ہے تو قاضی کے قضاء سے بدرجہ اولیٰ وہ نفقہ لینے کی حق دار ہوگی۔

و اقرار صاحب البید الخ: یہاں سے ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ زوج غائب کے مال کے سلسلے میں مودع کا اقرار صحیح نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ یہ اقرار علی الغائب ہے اور اقرار علی الغائب درست نہیں ہے، اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مودع کا اقرار مقبول ہے، اس لیے کہ وہ ودیعت اور زوجیت دونوں کا اقرار کر چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مودع ودیعت یا زوجیت میں سے کسی ایک کا انکار کر دیتا تو بیوی اپنے بینہ سے اسے ثابت نہ کر سکتی، اس لیے کہ اگر مودع زوجیت کا انکار کرتا تو عورت بینہ سے اس لیے اسے نہ ثابت کر سکتی کہ مودع مرد غائب پر زوجیت ثابت کرنے کے لیے مدعی علیہ اور خصم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس سلسلے میں عورت کا بینہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر مودع نے ودیعت کا انکار کیا تو اس کے اثبات کی خاطر بھی عورت کا بینہ مقبول نہیں ہوگا، اس لیے کہ بیوی مرد غائب کے حقوق ثابت کرنے کی مدعی نہیں ہو سکتی، معلوم ہوا کہ مودع کا اقرار اس کے حق میں درست ہے اور اس کے واسطے سے غائب شوہر کے حق میں بھی متعدی ہوگا، اس لیے کہ مودع کا اقرار غائب کی ملکیت ہے لہذا وہ دونوں کے حق میں مقبول ہوگا۔

و کذا الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مودع کے پاس غائب کا مال بطور ودیعت نہ ہو بلکہ مضاربیت کے طور پر ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اس میں سے نفقہ مقرر کیا جائے گا اور ایسے ہی اگر اس شخص کے پاس غائب کا کچھ قرضہ ہو اور اسے قرض اور زوجیت دونوں کا اقرار ہو تو بھی اس میں سے نفقہ مقرر کیا جائے گا۔

و هذا كله الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نفقہ وغیرہ مقرر کرنے کی مذکورہ بالا تفصیلات اس صورت میں ہیں جب مال ودیعت یا مال مضاربیت یا قرضہ کا مال عورت کے حق کی جنس کا ہو یعنی وہ روپے پیسے ہوں یا غلہ ہو اور اس کے پہنچنے لائق کپڑا ہو، لیکن اگر وہ عورت کے حق کی جنس سے نہ ہو تو اس صورت میں اس مال سے نفقہ نہیں مقرر کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ مال حق زوج کی جنس سے نہیں ہے تو اسے فروخت کیے بغیر نفقہ کا تقرر ممکن نہیں ہے جب کہ حکم یہ ہے کہ مرد غائب کا مال بالاتفاق بیچا نہیں جاسکتا نہ تو امام صاحب کے یہاں اور نہ ہی حضرات صاحبین کے یہاں، امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں تو اس کے لیے نہیں بیچا جاسکتا کہ جب حاضر اور موجود شخص کا مال بیچنا قاضی کے لیے درست نہیں ہے تو غائب اور غیر موجود کا مال بیچنا کس طرح درست ہوگا۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں غلام کے جواز بیع کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے لیے حاضر شخص کا مال بیچنا اس لیے جائز ہے کہ اسے اس شخص کے متعلق ادائے حق سے انکار معلوم ہے جب کہ غائب کے حق میں ادائے حق سے انکار چوں کہ قاضی کے علم میں نہیں ہے، اس لیے اسے غائب شخص کا مال بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

قَالَ وَ يَأْخُذُ مِنْهَا كَفِيلًا نَظْرًا لِلْغَائِبِ، لِأَنَّهَا رُبَّمَا اسْتَوْفَتِ النَّفَقَةَ أَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجَ وَ انْقَصَتْ عِدَّتُهَا، فَرَقَّ بَيْنَ هَذَا وَ بَيْنَ الْمِيرَاثِ إِذَا قَسَمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُورًا بِالْبَيِّنَةِ وَ لَمْ يَقُولُوا لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا آخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ الْكَفِيلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، لِأَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُولَ لَهُ مَجْهُولٌ وَ هُنَا مَعْلُومٌ وَهُوَ الزَّوْجُ وَ يَحْلِفُهَا بِاللَّهِ مَا أَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظْرًا لِلْغَائِبِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ دونوں کے حق میں قاضی اس عورت سے ایک کفیل لے گا، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے پیشگی اپنا نفقہ لے لیا ہو، یا شوہر نے اسے طلاق دی ہو اور اس کی عدت پوری ہوگئی ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اور میراث کے درمیان فرق کیا ہے بشرطیکہ بینہ کے ذریعہ وہ مال موجود وراثت کے مابین تقسیم ہوا ہو اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم دوسرا کوئی وارث نہیں جانتے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا، کیوں کہ وہاں ملکول لہ مجہول ہے۔ اور یہاں معلوم ہے اور وہ شوہر ہے۔ اور قاضی اس عورت سے قسم لے گا کہ بخدا شوہر نے اسے نفقہ نہیں دیا ہے، تاکہ مرد غائب پر شفقت متحقق ہو سکے۔

### اللَّغَاتُ:

﴿کفیل﴾ ضامن۔ ﴿استوف﴾ وصول کر چکی تھی۔ ﴿یحلف﴾ قسم دے۔

### زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

مسئلہ یہ ہے کہ ما قبل کی صورت میں جب قاضی عورت کو مرد غائب کے مال سے نفقہ دلوائے تو اس غائب پر نظر شفقت کے پیش نظر اس سے ایک کفیل اور ذمہ دار ضامن لے لے اور کفیل اس بات کا عہد کرے کہ اگر کسی وجہ سے عورت نے بدون استحقاق نفقہ لیا تو میں اس کی واپسی کا ذمہ دار ہوں گا، کفیل لینے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہو سکتا ہے اس عورت نے غائب سے پیشگی اپنا نفقہ لے لیا ہو یا اس نے اسے طلاق دی ہو اور اس کی عدت بھی پوری ہوگئی ہو جس سے وہ مستحق نفقہ نہ رہ گئی ہو، اس لیے شوہر کے مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے قاضی عورت سے ایک ضامن ضرور بنوالے۔

**فرق المخ:** اس کے فاعل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے نفقہ اور میراث میں فرق کیا ہے چنانچہ نفقہ کی صورت میں تو وہ عورت سے کفیل لینے کے حق میں ہیں، لیکن میراث کے حق میں کفیل لینے کے حق میں نہیں ہیں چنانچہ اگر کسی میت کے وراثت نے اپنے وارث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس پر بینہ پیش کر دیا اور یہ نہیں کہا ہم ان کے علاوہ دوسرا وارث نہیں جانتے تو قاضی ان میں میراث تقسیم کر دے گا اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ ان لوگوں سے کفیل نہیں لے گا، کیوں کہ میراث کی صورت میں چون کہ ملکول لہ یعنی وارث آخر مجہول ہے اور نفقہ کی صورت میں ملکول لہ معلوم ہے اور وہ شوہر ہے، لہذا جہاں ملکول لہ معلوم ہے وہاں کفیل بھی لیا جائے گا اور قاضی بیوی سے قسم بھی لے گا کہ بخدا شوہر نے مجھے نفقہ نہیں دیا ہے، اور جہاں ملکول لہ مجہول ہے وہاں کفیل نہیں لیا جائے گا۔

قَالَ وَ لَا يَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ غَائِبٍ اِلَّا لِهَوْلَاءِ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِي وَ لِهٰذَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّأْخُذُوا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِي اِعَانَةً لَهُمْ، اَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَتَفَقَّطَتْهُمْ اِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِاَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيْهِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوزُ، وَ لَوْ لَمْ يَعْلَمْ الْقَاضِي بِذٰلِكَ وَ لَمْ يَكُنْ مُقَرًّا بِهٖ فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ اَوْ لَمْ يَخْلُفْ مَالًا فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ لِيَفْرِضَ الْقَاضِي نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَ يَأْمُرُهَا بِالْاِسْتِدَانَةِ لَا يَقْضِي الْقَاضِي بِذٰلِكَ، لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ، وَ قَالَ زُفَرٌ رحمۃ اللہ علیہ يَقْضِي فِيْهِ



لَآ نَ فِيهِ نَظَرًا لَهَا، وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى الْغَائِبِ فَإِنَّهُ لَوْ حَضَرَ وَصَدَّقَهَا فَقَدْ أَخَذَتْ حَقَّهَا، وَإِنْ جَحَدَ يُحْلَفُ فَإِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَّقَ وَإِنْ أَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ بَتَّ حَقَّهَا، وَإِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنَ الْكَفِيلُ أَوِ الْمَرْأَةُ، وَعَمَلُ الْقَضَاةِ الْيَوْمَ عَلَى هَذَا أَنَّهُ يَقْضَى بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَقَاوِيلُ مَرْجُوعٌ عَنْهَا فَلَا نَذْكُرُهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے علاوہ کسی اور کے لیے قاضی مال غائب میں نفقہ کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ قضاے قاضی سے پہلے ہی واجب تھا، اسی لیے قضاء سے پہلے بھی انہیں نفقہ لینے کا اختیار ہے، لہذا قاضی کا فیصلہ ان لوگوں کے لیے اعانت ہوگا۔ رہے ان کے علاوہ دوسرے محارم تو ان کا نفقہ ہی قضاے قاضی سے واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔ اور اگر قاضی کو اس عورت کا بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور مودع بھی اس کا اقرار نہ کرتا ہو اور بیوی نے زوجیت پر بینہ قائم کر دیا اور یا شوہر نے مال نہ چھوڑا ہو، لیکن عورت نے اس لیے بینہ قائم کر دیا تا کہ غائب پر قاضی اس کا نفقہ مقرر کر دے اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دیدے، تو (اقامت بینہ کے بعد بھی) قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا، اس لیے کہ اس میں قضاء علی الغائب ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی فیصلہ دیدے، اس لیے کہ اس میں عورت کے لیے شفقت ہے اور غائب پر کوئی ضرر نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ حاضر ہوا اور اس نے عورت کی تصدیق کر دی تو عورت نے اپنا حق لیا ہے۔ اور اگر اس نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر اس نے قسم سے انکار کر دیا تو بھی عورت کے قول کی تصدیق ہو جائے گی اور اگر اس نے بینہ پیش کر دیا تو بھی اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر وہ بینہ پیش نہ کر سکی تو اس عورت یا کفیل کو اس مال کا ضمان دینا ہوگا۔ اور آج کل اسی قول پر قاضیوں کا عمل ہے کہ قاضی لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر مرد غائب پر نفقہ کا فیصلہ دے دیتا ہے اور یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے اور اس میں مرجوع عنہا اقوال بھی ہیں اس لیے ہم نے انہیں بیان نہیں کیا۔

## الَّتَاتُ:

﴿اعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿لم يخلف﴾ نہیں چھوڑا۔ ﴿استدانة﴾ قرض لینا۔ ﴿صدق﴾ تصدیق کرنا۔ ﴿جحد﴾ انکار کرنا۔ ﴿اقاویل﴾ واحد قول؛ اقوال۔

## زوج غائب کی امانتوں میں سے نفقہ کی ادائیگی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی زوج غائب کے مال میں صرف والدین، بیوی اور چھوٹے بچوں کے نفقہ کا حکم دے سکتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے رشتے دار مثلاً چچا اور بھائی بھتیجے وغیرہ کے نفقے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے کہ بیوی وغیرہ کا نفقہ تو قضاے قاضی سے پہلے بھی ثابت ہے اور قضاء کے بغیر بھی ان لوگوں کو اپنا نفقہ اور خرچہ لینے کا اختیار ہے، لہذا ان لوگوں کے نفقے کے سلسلے میں قاضی

کا فیصلہ صرف اعانت اور مدد کا رول اداء کرنے کا اور نفقہ کے اور وجوب یا لزوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ رہا مسئلہ بیوی اور والدین وغیرہ کے علاوہ دیگر محارم کے نفقہ کا تو چوں کہ ان لوگوں کے نفقہ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور شوافع وغیرہ اس کے عدم ثبوت کے قائل ہیں، اس لیے ان کے نفقہ کا وجوب قضائے قاضی پر موقوف ہوگا مگر چوں کہ یہاں وہ شخص غائب ہے اور قضاء علی الغائب درست نہیں ہے، اس لیے غائب کے مال میں بیوی اور والدین و اولاد صغار کے علاوہ دیگر لوگوں کے نفقہ کو مقرر اور متعین کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

ولو لم يعلم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ مرد غائب کی بیوی کون ہے اور مودع بھی کسی عورت کے متعلق اس کی بیوی ہونے کا اقرار نہ کرتا ہو، لیکن کوئی عورت زوجیت پر بینہ قائم کر دے، یا شوہر غائب نے مال ہی نہ چھوڑا ہو لیکن پھر بھی عورت نے اس نیت سے اپنے کو بیوی ثابت کرنے کے لیے بینہ قائم کر دیا تاکہ قاضی مرد غائب پر اس کا نفقہ مقرر کر کے اسے زوج غائب کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدے تو ان دونوں صورتوں میں بھی قاضی کے لیے عورت کے بینہ پر فیصلہ دینا اور زوج غائب پر نفقہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ بھی قضاء علی الغائب ہے جو ہمارے یہاں جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف امام زفر فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہیے وہ عورت کے بینہ میں غور کر کے اس سے ایک ضامن لے لے اور پھر شوہر غائب پر نفقہ مقرر کر دے اور بیوی کو اس کے نام پر قرضہ لینے کی اجازت دیدے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں عورت کے حق میں شفقت ہے اور پھر اس سے شوہر کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ مرد غائب حاضر ہوگا تو ایک مرتبہ پھر عدالت لگے گی۔ اور اگر وہ بیوی کے قول کی تصدیق کر دیتا ہے اور اسے اپنی بیوی مان لیتا ہے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ عورت اپنے دعوے میں حق بجانب تھی اور اس نے اپنا حق لے لیا ہے، اور اگر شوہر (مرد غائب) اس عورت کی تکذیب کرتا ہے تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے یا عورت بینہ پیش کر دیتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں بھی عورت کا حق اور اس کا سچ ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر نے قسم کھالی اور اس عورت کے دعوے کی تکذیب کر دی تو اس صورت میں اس کے مال میں سے جتنا مال عورت کو دیا گیا ہے وہ اس سے یا اس کے ضامن سے واپس لیا جائے گا۔

وعمل القضاۃ الخ: فرماتے ہیں کہ آج کل امام زفرؒ ہی کے قول پر قاضیوں کا عمل ہے اور اس کے پیش نظر قاضی غائب شخص کے مال میں نفقہ کا حکم دیتے ہیں، کیوں کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور پھر یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے جس میں بہت سے رجوع کردہ اقوال بھی ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے ہم انہیں ترک کر رہے ہیں۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم



## فصل

یہ فصل بھی نفقہ اور سکنی کے بیان میں ہے، لیکن اس میں اور اس سے پہلے والی فصل میں فرق یہ ہے کہ پہلی فصل میں بقائے نکاح کی حالت میں نفقہ اور سکنی کا بیان تھا اور اس فصل میں اس نفقہ اور سکنی کا بیان ہے جو نکاح ختم ہونے پر بیوی کو ملتا ہے

فَصْلٌ وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى فِي عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ أَوْ بَائِنًا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْتُوتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا، أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلَأَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا سِيَّمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوُطْيُ، وَأَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رَوَى عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا ① فَلَمْ يَقْرَضْ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((سُكْنَى وَلَا نَفَقَةَ))، وَلِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ وَهِيَ مُرْتَبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهَذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لِانْعِدَامِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لِأَنَّ عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٍ فَلْنَقُوهُنَّ﴾ (الآيَةُ (سورة الطلاق: ۶))، وَلَنَا أَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ احْتِسَابٍ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَالْإِحْتِسَابُ قَائِمٌ فِي حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُودٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذَا الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصَيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، وَلِهَذَا كَانَ لَهَا السُّكْنَى بِالْإِجْمَاعِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا، وَحَدِيثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ لَا نَدْعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا يَقُولُ امْرَأَةٌ لَا نَدْرِي صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ حَفِظْتُ أَمْ نَسِيتُ، سَمِعْتُ ② رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ((يَقُولُ لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلَاثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ))، وَرَدَّهُ أَيْضًا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاسْمَةُ بِنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

**ترجمہ:** اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عدت کے زمانے میں بیوی کو نفقہ اور سکنی ملے گا خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقہ بانہ کے لیے نفقہ نہیں ہے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو، رہی طلاق رجعی تو اس وجہ سے کہ اس کے بعد نکاح باقی رہتا ہے خاص کر ہمارے یہاں چنانچہ شوہر کے لیے وطی کرنا حلال ہے اور رہی طلاق بائن تو (اس میں) امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو فاطمہ بنت قیس سے روایت کی گئی ہے، فاطمہ نے کہا مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی، لیکن آپ ﷺ نے

میرے لیے کوئی نفقہ اور سکنی متعین نہیں فرمایا، اور اس لیے بھی کہ بائند میں شوہر کی ملکیت باقی نہیں رہتی اور نفقہ ملک ہی پر مرتب ہوتا ہے۔ اسی لیے متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ نہیں واجب ہوتا کیوں کہ ملک معدوم رہتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب وہ عورت حاملہ ہوگی، اس لیے کہ ہم نے اسے نص سے پہچانا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان و ان کن اولات حمل فانفقوا علیہن الایہ ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تو احتباس کی جزاء ہے اور احتباس ابھی بھی نکاح کے ذریعہ حکم مقصود یعنی ولد میں باقی ہے، کیوں کہ حفاظتِ ولد کے لیے عدت واجب ہے، لہذا نفقہ بھی واجب ہوگا، اسی لیے تو اس کے لیے بالاتفاق سکنی واجب ہے تو ایسی ہوگی جیسا کہ وہ حاملہ ہو۔ اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمرؓ نے رد کر دیا اور یوں فرمایا کہ ایک عورت کی بات سے نہ تو ہم اپنے رب کی کتاب کو ترک کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی کی سنت کو، جس عورت کے متعلق ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی اور اسے یاد رہا یا وہ (فرمان نبوی کو) بھول گئی۔ میں نے رسول پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے جب تک کہ وہ اپنی عدت میں رہے۔ اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ ابن زید، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی رد کر دیا ہے۔

## اللغات:

﴿مبتوتہ﴾ بائند۔ ﴿لم یفرض﴾ مقرر نہیں کیا۔ ﴿احتباس﴾ روکنا، قید کرنا۔ ﴿لا ندري﴾ ہم نہیں جانتے۔ ﴿ما دامت﴾ جب تک وہ رہے۔

## تخریج:

- ۱۔ اخرجه ابوداؤد فی کتاب الطلاق، باب فی نفقة المبتوتة، حدیث: ۲۲۸۸۔ و ابن ماجہ فی کتاب الطلاق باب ۱۰ حدیث ۲۰۲۶۔ و مسلم فی کتاب الطلاق باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث: ۴۶۔
- ۲۔ اخرجه الترمذی فی کتاب الطلاق باب ما جاء فی المطلقة ثلاثا لا سکنی لها ولا نفقة، حدیث: ۱۱۸۰۔

## مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنی کی بحث:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی جب تک وہ عورت عدت میں رہے گی اس وقت تک اسے نفقہ اور سکنی ملے گا خواہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ بائند ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہمارے یہاں ہر مطلقہ کو عدت کے دوران نفقہ اور سکنی دونوں ملیں گے۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو تو نفقہ اور سکنی ملے گا، لیکن مطلقہ بائند اور ثلاثہ اگر حاملہ ہیں تو انہیں نفقہ وغیرہ ملے گا ورنہ نہیں۔ مطلقہ رجعیہ کا مسئلہ چون کہ متفق علیہ ہے کیوں کہ طلاق رجعی کے بعد بھی نکاح باقی رہتا ہے خاص کر ہمارے یہاں، اس لیے کہ ہمارے یہاں تو مطلقہ رجعیہ سے وطی کرنا بھی (عدت میں) حلال ہے، اس لیے اس پر دلیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ رہا مسئلہ مطلقہ بائند اور ثلاثہ کا تو ان کے متعلق (مستحق نفقہ نہ ہونے پر) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”طلقتني زوجي ثلاثا فلم یفرض لي رسول الله صلى الله عليه وسلم

سکنی ولا نفقة“ کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اور آپ ﷺ نے میرے لیے نہ تو سکنی مقرر فرمایا اور نہ ہی نفقہ۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی نہیں ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ پر شوہر کی ملکیت نہیں رہتی اور شواہغ کے یہاں نفقہ ملک بضع کا عوض ہے، اس لیے جب ملک نہیں ہے تو پھر نفقہ بھی نہیں ہوگا، اس لیے متوفی عنہا زوجہ کو نفقہ اور سکنی نہیں ملتا، کیوں کہ اس عورت سے شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔

ہاں اگر مطلقہ بائنہ یا مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو پھر اسے نفقہ ملے گا، کیوں کہ حاملہ عورتوں کا مستحق نفقہ ہونا ہمیں نص قرآنی سے معلوم ہوا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے و ان کن اولات حمل فانفقوا علیہن الخ یعنی اگر مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک انہیں نفقہ دو، اسی لیے ہم شواہغ مطلقہ بائنہ اور مطلقہ ثلاثہ میں مستحق نفقہ کے لیے حاملہ ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔

ولنا ان الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ احتباس کی جزاء ہے اور احتباس ہر مطلقہ کے حق میں موجود ہے خواہ وہ رجعی ہو یا بائنہ ہو یا ثلاثہ ہو، کیوں کہ ابھی بھی مقصود نکاح یعنی بچے کے حق میں احتباس باقی ہے اسی لیے تو عدت واجب ہوتی ہے تاکہ بچہ کی حفاظت ہو سکے، لہذا جب ہر مطلقہ کے حق میں احتباس موجود ہے تو ہر ایک کو نفقہ اور سکنی بھی ملے گا۔ اور پھر مطلقہ بائنہ کے لیے سکنی تو بالاتفاق واجب ہے اور سکنی سے زیادہ نفقہ کی ضرورت ہے، اس لیے نفقہ بھی ملے گا اور بائنہ کو حاملہ کا درجہ دیا جائے گا۔

ربی فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشتر صحابہ کے یہاں یہ حدیث مردود ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے رد کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ ایک عورت کی بات سے نہ تو ہم اپنے رب کی کتاب (اسکھوہن من حیث سکنتم من وجدکم) کو ترک کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ سکتے ہیں جب کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس نے آپ ﷺ کے فرمان کو یاد رکھا یا بھول گئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول للمطلقة الثلاث النفقة والسكنی مادامت فی العدة، یعنی جب تک مطلقہ ثلاثہ عدت میں رہے گی اس وقت تک اسے نفقہ اور سکنی ملے گا۔ اس حدیث سے یہ بات اور بھی زیادہ موکد ہوگئی کہ مطلقہ بائنہ و ثلاثہ کو بھی ایام عدت میں نفقہ و سکنی ملے گا۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت، اسامہ بن زید بن عبد اللہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حدیث فاطمہ بنت قیسؓ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے جس سے وہ اور بھی ناقابل استدلال ہوگئی ہے۔

وَلَا نَفَقَةَ لِمَتَوَفَّی عَنْهَا زَوْجُهَا، لِأَنَّ احْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَإِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا، أَلَّا تَرَى أَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحْمِ لَيْسَ بِمُرَاعَى فِيهِ حَتَّى لَا يُشْتَرَطَ فِيهِ الْحَيْضُ فَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ، وَلِأَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمَكِّنُ إِيْجَابُهَا فِي مِلْكِ الْوَرَثَةِ.

**ترجمہ:** اور متوفی عنہا زوجہ کے لیے نفقہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا احتباس حق زوج کے لیے نہیں ہے بلکہ حق شرع کے لیے ہے، کیوں کہ متوفی عنہا زوجہ کی طرف سے تربص عبادت ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ براءت رحم کی شناخت کا معنی اس کی عدت میں ملحوظ نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں حیض کی شرط نہیں ہے اس لیے میت پر اس عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا

واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے لہذا ورثاء کی ملکیت میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿احتباس﴾ رکنا، قید ہونا۔ ﴿تربص﴾ انتظار کرنا۔ ﴿تعرف﴾ پہچاننا۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

### معتدہ وفات کا نفقہ:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کو عدت کے دوران نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ نفقہ اس احتباس کی جزاء ہے جو شوہر کے لیے ہوتا ہے اور متوفی عنہا زوجہا کا احتباس حق شرع کے لیے ہوتا ہے نہ کہ حق زوج کی وجہ سے، کیوں کہ چار ماہ دس دن تک جو وہ اپنے آپ کو روک رہتی ہے وہ اس کی طرف سے عبادت ہے، اسی لیے تو ان چار ماہ کے دوران نہ تو براءت رحم کی شناخت مقصود ہوتی ہے اور نہ ہی ان میں حیض کی آمد مشروط ہوتی ہے، گویا عدت میں بھی اس کا احتباس مقصود نکاح یعنی ولد کے لیے نہیں ہوتا اسی لیے اس کے لیے نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد چوں کہ شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور شوہر کا مال ورثاء سے متعلق ہو جاتا ہے اور ورثاء کے مال میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے، اسی لیے متوفی عنہا زوجہا کے لیے شریعت میں نفقہ نہیں ہے۔

وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قَبْلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلِ الرِّدَّةِ وَتَقْبِيلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِأَنَّهَا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقِّ فَصَارَتْ كَمَا إِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً، بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُولِ، لِأَنَّهُ وَجَدَ التَّسْلِيمَ فِي حَقِّ الْمَهْرِ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا جَاءَتْ الْفُرْقَةُ مِنْ قَبْلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَخِيَارِ الْعَتَقِ وَخِيَارِ الْبُلُوغِ وَالتَّفْرِيقِ لِعَدَمِ الْكُفَاءَةِ، لِأَنَّهَا حَبِسَتْ نَفْسَهَا بِحَقِّ، وَذَلِكَ لَا يَسْقُطُ النَّفَقَةُ كَمَا إِذَا حَبِسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيفَاءِ الْمَهْرِ.

**ترجمہ:** اور ہر وہ فرقت جو عورت کی جانب سے کسی معصیت کے سبب پیش آئے جیسے مرتد ہونا اور شوہر کے بیٹے کو بوسہ لینا تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ عورت بدون حق اپنے آپ کو روکنے والی ہوگئی، لہذا یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ وہ ناشزہ ہو۔ برخلاف دخول کے بعد مہر کے، کیوں کہ مہر کے حق میں سپرد کرنا پایا گیا ہے۔ اور خلاف اس صورت کے جب عورت کی طرف سے معصیت کے بغیر فرقت آئی ہو جیسے خیار عتق، خیار بلوغ اور کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کا معاملہ اس لیے کہ عورت نے اپنے آپ کو ایک حق کے ساتھ روکا ہے ورنہ احتباس نفقہ کو ساقط نہیں کرتا جیسا کہ اگر عورت نے مہر کی وصولیابی کے لیے اپنے آپ کو روکا ہو۔

### اللغات:

﴿فرقہ﴾ علیحدگی۔ ﴿معصیہ﴾ نافرمانی، گناہ۔ ﴿تقبیل﴾ چومنا، بوسہ لینا۔ ﴿حابسة﴾ روکنے والی۔ ﴿ناشزہ﴾

شوہر کی نافرمان۔ ﴿استيفاء﴾ وصولی، حصول۔

## ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی:

اس عبارت میں معتدہ کے مستحق نفقہ ہونے اور نہ ہونے کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ فرقت جو عورت کی طرف سے کسی معصیت کے سبب واقع ہو اس کی عدت میں عورت کو نفقہ نہیں ملے گا چنانچہ اگر عورت مرتد ہوگئی یا اس نے شہوت کے ساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کو (جو دوسری عورت سے ہو) چوم لیا تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں زوجین کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور بیوی کو ایام عدت کا نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ یہ تفریق اس کے ”کرتوت“ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، لہذا وہ عورت ناشزہ عورت کی طرح ہوگئی اور چوں کہ ناشزہ کو نفقہ نہیں ملتا، اس لیے اسے بھی نفقہ نہیں ملے گا، البتہ وہ سکنی کی حق دار ہوگی۔ (بنایہ ۵۳۲/۵)

بخلاف المهر بعد الدخول الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وطی اور دخول کے بعد عورت کی جانب سے معصیت کا ارتکاب ہوا اور اس کی وجہ سے زوجین میں تفریق ہوئی تو عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا یعنی فرقت بالمعصیۃ اسقاط نفقہ میں تو موثر ہے، لیکن اسقاط مہر میں موثر نہیں ہے، کیوں کہ وطی کر لینے کی وجہ سے عورت کی طرف سے تسلیم بضعہ ثابت ہو گیا اور مہر چوں کہ تسلیم بضعہ ہی کا بدل ہے، اس لیے وہ واجب ہوگا اور یہ تفریق اسے ساقط نہیں کر سکتی۔

اسی طرح اگر فرقت تو عورت کی طرف پیش آئے لیکن معصیت سے خالی ہو اور کسی حق شرعی کی بنا پر ہو جیسے عورت باندی تھی مگر پھر آزاد کر دی گئی یا وہ نابالغہ تھی اور بالغہ ہوگئی یا ولی وغیرہ نے غیر کفو میں اس کا نکاح کیا تھا اور ان تمام صورتوں میں اس نے موجودہ شوہر کے ساتھ علیحدگی کو اختیار کیا تو اگرچہ ان صورتوں میں فرقت عورت کی طرف سے ہے مگر چوں کہ معصیت سے خالی ہے اور اس نے ایک حق کی وجہ سے اپنے آپ کو روک لیا ہے، اس لیے وہ مستحق نفقہ ہوگی اور یہ احتباس اس کے نفقہ کو ساقط نہیں کر سکتا جیسا کہ اگر مہر مہجول ہو اور عورت مہر کی وصول یابی کے لیے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے سے روک لے تو اس صورت میں بھی وہ ایام جس کے نفقہ کی حقدار ہوگی، کیوں کہ یہ احتباس ایک ایسے حق کی وجہ سے ہے جس کا شرعاً اسے اختیار دیا گیا ہے۔

وَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَأْتِيهِمْ أَرْثَاتٌ وَلِإِذَا بِاللَّهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا، وَإِنْ مَكَتْ ابْنُ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَلَهَا النِّفَقَةُ مَعَنَاهُ مَكَتَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثِ، وَلَا عَمَلٍ فِيهَا لِلرِّدَّةِ وَالتَّمَكُّينِ إِلَّا أَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُجْبَسُ حَتَّى تَتُوبَ، وَلَا نَفَقَةَ لِلْمَحْبُوسَةِ، وَالْمُمَكِّنَةُ لَا تُجْبَسُ فَلِهَذَا يَقَعُ الْفُرْقُ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیں پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے نفس پر قدرت دے دی تو اسے نفقہ ملے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد اس نے قدرت دی ہو، اس لیے کہ فرقت تو تین طلاق کی وجہ سے ثابت ہوگئی اور مرتد ہونے اور قدرت دینے کا فرقت میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، لیکن مرتد کو محبوس کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور محبوسہ کو نفقہ نہیں ملتا۔ اور قدرت دینے والی عورت محبوس نہیں کی جائے گی، اس لیے فرق واقع ہو گیا۔

## اللغات:

﴿ارتدت﴾ (معاذ اللہ) مرتد ہوگئی۔ ﴿مغت﴾ قدرت جماع دی۔ ﴿توب﴾ توبہ کر لے۔

### ان صورتوں کا بیان جب بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور پھر نعوذ باللہ وہ عورت مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور ایام عدت میں اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ اور اگر تین طلاق کے بعد اس عورت نے بد معاشی کی اور شوہر کے بیٹے کو اپنے آپ پر قدرت دیدی اور اس سے وطی کرائی تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگئی، ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ فرقت تو دونوں صورتوں میں تین طلاق سے واقع ہوئی ہے اور وقوع فرقت میں ردت اور تمکین کا کوئی دخل نہیں ہے، لیکن مرتدہ کو محبوس کیا جاتا ہے تاکہ وہ توبہ کر لے اور جسے محبوس کیا جاتا ہے وہ نفقہ کا استحقاق نہیں رکھتا، اس لیے مرتدہ کے نفقہ کا سقوط جس کی وجہ سے ہے، اس کے برخلاف مکہ یعنی ابن زوج کو قدرت دے کر وطی کرانے والی عورت کو محبوس نہیں کیا جاتا ہے، اس لیے وہ مستحق نفقہ بھی ہوگی۔ اس اعتبار سے دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔





## فَصْلُ أُمِّي هَذَا فَصْلٌ فِي نَفَقَةِ الْأَوْلَادِ

### یہ فصل بچوں کے نفقے کے بیان میں ہے

شوہر پر جس طرح بیوی کا نفقہ واجب ہے اسی طرح اولاد و صغار کا نفقہ بھی اس کے ذمے واجب ہے، اس لیے نفقہ زوجات کے بیان سے فارغ ہو کر اب نفقہ اولاد کو بیان کر رہے ہیں۔

وَنَفَقَةُ الْأَوْلَادِ الصَّغَارِ عَلَى الْآبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا أَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِي نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳)، وَالْمَوْلُودُ لَهُ هُوَ الْآبُ.

**ترجمہ:** نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہوگا، جیسا کہ بیوی کے نفقے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”مولود پر عورتوں کا نفقہ واجب ہے“ اور مولود باپ ہے۔  
**چھوٹے بچوں کا خرچ:**

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ جس طرح بیویوں کا نفقہ صرف ان کے شوہروں پر واجب ہے اور اس میں دوسرا کوئی ان کا شریک و سہم نہیں ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کا نفقہ بھی صرف اور صرف ان کے باپ پر واجب ہے اور اس وجہ میں کوئی دوسرا ان کا شریک اور پارٹنر نہیں ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وعلی المولود له رزقهن الخ اور بقول صاحب بنیاء اس آیت سے وجہ استدلال بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عورتوں کے نفقہ کو مردوں پر واجب کیا ہے اور اس وجہ کا سبب اولاد اور بچے ہیں، تو جب سبب کی وجہ سے امہات کا نفقہ واجب ہے تو سبب کا نفقہ تو بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ (بنیاء ۵/۵۳۲)

وَإِنْ كَانَ الصَّغِيرُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلَى أُمِّهِ أَنْ تُرْضِعَهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْكَفَايَةَ عَلَى الْآبِ، وَ أَجْرَةُ الرِّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ، وَلَا تَهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعَدْرِ فَلَا مَعْنَى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ، وَقِيلَ فِي تَاوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) بِالزَّامِيَةِ الْإِرْضَاعَ مَعَ كَرَاهَتِهَا، وَ هَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ وَ ذَلِكَ إِذَا كَانَ يُوجَدُ مَنْ تُرْضِعُهُ، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا يُوجَدُ مَنْ تُرْضِعُهُ تُجْبَرُ الْأُمُّ عَلَى الْإِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الصِّيَاعِ.

**ترجمہ:** اور اگر بچہ شیر خوار ہو تو اس کی ماں پر اسے دودھ پلانا واجب نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفایت باپ پر واجب ہے اور رضاعت کی اجرت نفقہ کی طرح ہے، اور اس لیے ہو سکتا ہے کما عذر کی وجہ سے عورت دودھ پلانے پر قادر نہ ہو، لہذا اس پر جبر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لا تضار والدۃ بولدھا کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اگر دودھ پلانا عورت کے لیے دشوار گزار ہو تو وہ اس پر لازم نہ کیا جائے۔ اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے حکم کا بیان ہے اور یہ اس وقت ہے جب بچہ کے لیے دایہ میسر ہو۔ لیکن اگر دایہ میسر نہ ہو تو بچے کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ماں پر دودھ پلانے کے لیے جبر کیا جائے گا۔

### اللغات:

﴿رضیع﴾ دودھ پیتا بچہ۔ ﴿ترضعہ﴾ دودھ پلائے۔ ﴿عسٰی﴾ ہو سکتا ہے۔ ﴿لا تضار﴾ نہ ضرر دیا جائے۔ ﴿تجبر﴾ مجبور کی جائے گی۔ ﴿ارضاع﴾ دودھ پلانا۔ ﴿صیانة﴾ بچاؤ، حفاظت۔

### شیر خوار کا خرچ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ شیر خوار ہو اور اسے دودھ کی ضرورت ہو تو بھی اس کی ماں کو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ پلا دے تو اس کا احسان ہے، ورنہ اس سلسلے میں اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ یہ بات پہلے ہی آچکی ہے کہ بچہ کی کفایت اور کفالت باپ پر واجب ہے لہذا جس طرح باپ پر صغیر کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح رضاعت کا خرچہ اور اجرت بھی واجب ہے، لہذا اگر کسی مجبوری اور بیماری کی وجہ سے ماں دودھ نہ پلا سکے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، بلکہ کسی دایہ کو اجرت پر لے کر بچے کی اس ضرورت کو پورا کیا جائے گا۔ اسی لیے بعض مفسرین نے ولا تضار والدۃ بولدھا کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے بچے کو دودھ پلانا ماں پر گراں اور دشوار ہو تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے، کیوں کہ جبر میں اسے ضرر لاحق ہوگا اور لا تضار الخ کے فرمان سے ضرر پہنچانا ممنوع ہے۔

وهذا الذي الخ: فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ حکم اور قضاء ہے اور اس صورت پر مبنی ہے جب بچہ کے لیے دایہ میسر ہو، لیکن اگر بچہ کے لیے کوئی دایہ میسر نہ ہو یا وہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہو تو اس صورت میں ماں پر دودھ پلانا واجب ہے اور اس کے لیے اس پر جبر کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بچے کو ضرر لاحق ہوگا اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔

قَالَ وَ يَسْتَأْجِرُ الْآبُ مَنْ تَرْضَعُهُ عِنْدَهَا، أَمَا اسْتَيْجَارُ الْآبِ، فَلِأَنَّ الْآجَرَ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهُ عِنْدَهَا مَعْنَاهُ إِذَا أَرَادَتْ ذَلِكَ، لِأَنَّ الْحَجَرَ لَهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ باپ ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو ماں کے پاس ہی اسے دودھ پلائے، رہا باپ کا اجرت پر لینا تو اس وجہ سے کہ اجرت باپ ہی پر واجب ہے۔ اور ماتن کے عندھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ماں اسے چاہے، کیوں کہ گود کا حق ماں ہی کو ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿استیجار﴾ اجرت پر لینا۔

## شیر خوار کا خرچ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب باپ کسی دایہ اور انا کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھے تو اسے چاہیے کہ ماں سے پوچھ لے اور اگر ماں تیار ہو تو وہ دایہ ماں کے پاس ہی رہ کر اسے دودھ پلائے، کیوں کہ حجر اور گود ماں ہی کا حق ہے، لہذا ماں کے پاس رہ کر دودھ پلانے میں اسے بھی تسکین و تسلی حاصل ہوگی۔ اور دودھ پلانے کی اجرت باپ ہی پر واجب ہوگی، کیوں کہ بچہ کے اور اس کی تربیت کے تمام مصارف باپ ہی پر واجب ہیں، لہذا اجرت رضاعت بھی اسی پر واجب ہوگی۔

وَإِنْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِرُضْعٍ وَلَدَهَا لَمْ تَجْزُ، لِأَنَّ الْإِرْضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) إِلَّا أَنَّهُا عُدِّرَتْ لِاحْتِمَالِ عِجْزِهَا فَإِذَا أَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْأَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْأَجْرِ عَلَيْهِ، وَهَذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَّاقٍ رَجْعِيٍّ رَوَايَةٌ وَاحِدَةٌ، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَائِمًا، وَكَذَا فِي الْمُبْتَوَّةِ فِي رَوَايَةٍ، وَفِي رَوَايَةٍ أُخْرَى جَازَ اسْتِيجَارَهَا، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ، وَجَهُ الْأَوَّلَى أَنَّهُ بَاقٍ فِي حَقِّ بَعْضِ الْأَحْكَامِ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے ایسی عورت کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا جو اس کی بیوی ہو یا اس کی معتدہ ہو تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس عورت پر دیانتاً دودھ پلانا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں“، لیکن اس کے عاجز ہونے کے احتمال کے پیش نظر اسے معذور قرار دیا گیا تھا، مگر اجرت لے کر اس نے دودھ پلانے پر اقدام کیا تو اس کی قدرت ارضاع ظاہر ہوگئی، اس لیے اس پر دودھ پلانا واجب ہو گیا، لہذا اس کے لیے ارضاع پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور یہ حکم معتدہ رجعیہ کے حق میں ایک روایت کے ساتھ ہے، اس لیے کہ نکاح باقی ہے اور ایسے ہی معتدہ بانہ کے متعلق بھی ایک روایت میں ہے۔ اور دوسری روایت میں اس کو اجرت پر لینا جائز (کہا گیا) ہے، اس لیے کہ (اس کا نکاح) ختم ہو چکا ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہے۔

## اللَّغَاتُ:

﴿استأجر﴾ اجرت پر لینا۔ ﴿لرضع﴾ تاکہ وہ دودھ پلائے۔ ﴿عُدِّرَتْ﴾ معذور سمجھی گئی تھی۔ ﴿أقدمت﴾ اقدام کیا۔

﴿مبتوتہ﴾ بانہ۔

## اپنی بیوی یا معتدہ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اس کی ماں یعنی اپنی بیوی کو اجرت پر رکھا خواہ وہ بیوی نکاح میں ہو یا طلاق کے بعد عدت میں ہو یعنی معتدہ ہو تو اس کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جب وہ بچہ اسی عورت کا

بچہ ہے تو پھر اسے دودھ پلانا اس عورت پر دینا واجب ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ”والوالدات یرضعن اولادھن“ کے فرمان سے ماؤں پر دودھ پلانے کو واجب قرار دیا ہے، اس لیے کہ یرضعن یتربصن کی طرح خبر بمعنی امر ہے اور تربص واجب ہے، اس لیے ارضاع بھی واجب ہوگا۔ (بنایہ)

رہا مسئلہ ماؤں کے لیے قضاء عدم ارضاع کا تو وہ اس لیے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی عذر کی بنا پر دودھ پلانے سے قاصر ہوں مگر جب ایک ماں پیسہ لے کر دودھ پلانے پر راضی ہوگئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ ماں دودھ پلانے پر قادر ہے، لہذا اب عدم ارضاع کی رخصت ختم ہو جائے گی اور دینا اسے بچے کو دودھ پلانا ہی پڑے گا۔ اور اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

وهذا الخ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اجرت اور استیجار کے عدم جواز کا حکم مطلقہ رجعیہ معتدہ کے حق میں تو ظاہر و باہر ہے اور ایک ہی روایت کے ساتھ ہے یعنی متفق علیہ ہے کیوں کہ اس کا نکاح باقی رہتا ہے اور عدت کے دوران شوہر اس سے وطی بھی کر سکتا ہے۔ اور معتدہ بانسہ کے حق میں عدم جواز کے حکم میں دو روایتیں ہیں (۱) پہلی روایت کے مطابق اس کے حق میں بھی استیجار اور اجرت جائز نہیں ہے (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ جائز ہے کیوں کہ بینونت کی وجہ سے نکاح کلی طور پر ختم ہو گیا ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد بھی نکاح بعض احکام مثلاً عدت، سکنی اور نفقہ کے حق میں باقی رہتا ہے، اس لیے معتدہ بانسہ کو بھی اجرت پر لینا درست نہیں ہے۔

وَلَوْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ مَنكُوحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَتُهُ لَارْضَاعِ ابْنِ لَه مِنْ غَيْرِهَا جَازٌ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا، وَإِنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا يَعْنِي لَارْضَاعٍ وَلِدَهَا جَازٌ، لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَمَا لَا جَنَابَةَ.

**ترجمہ:** اور اگر شوہر نے اپنی منکوحہ یا اپنی معتدہ کو اس کے علاوہ دوسری بیوی کے بیٹے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو جائز ہے، کیوں کہ یہ ارضاع اس پر واجب نہیں ہے۔ اور اگر اس کی عدت گزر گئی پھر شوہر نے اسے اپنے بچے کے دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو جائز ہے، اس لیے کہ نکاح مکمل طور پر زائل ہو چکا ہے اور وہ عورت اجنبیہ کی طرح ہو چکی ہے۔

**اللغات:**

﴿انقضت﴾ پوری ہوگئی۔

**اپنی بیوی یا معتدہ کو رضاعت کے لیے اجرت پر لینا:**

اس عبارت میں ارضاع کے دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں جائز ہیں (۱) شوہر نے اپنی منکوحہ یا معتدہ بیوی مثلاً آمنہ کو فاطمہ کے لطن سے پیدا شدہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز ہے کیوں کہ بچہ آمنہ کے لطن سے نہیں ہے، اس لیے اس پر اس بچے کو دودھ پلانا واجب بھی نہیں ہے اور جب ارضاع واجب نہیں ہے نہ قضاء اور نہ ہی دینا تو اس پر اجرت لینا بلا شک و شبہ جائز ہے۔ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتدہ کی عدت ختم ہوگئی اور اس کے بعد شوہر نے اسی معتدہ کے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اُسی کو اجرت پر رکھا تو یہ شکل بھی جائز ہے، کیوں کہ عدت کے ختم ہونے سے نکاح بھی مکمل طور پر ختم ہو گیا اور وہ عورت اجنبیہ کی طرح ہوگئی۔ اور اجنبیہ کو دودھ پلانے کے لیے اجارہ پر لینا جائز ہے، لہذا اسے بھی اجارہ پر لینا جائز ہوگا۔

فَإِنْ قَالَ الْآبُ لَا أَسْتَجِرُّهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْأُمُّ بِمِثْلِ أَجْرِ الْأَجْنِبِيَّةِ أَوْ رَضِيَتْ بِغَيْرِ أَجْرِ كَانَتْ هِيَ أَحَقُّ، لِأَنَّهَا أَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ إِلَيْهَا. وَإِنْ التَّمَسَّتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرْ الزَّوْجُ عَلَيْهَا دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) أَيْ بِالزَّامِهِ لَهَا أَكْثَرُ مِنْ أَجْرَةِ الْأَجْنِبِيَّةِ.

**ترجمہ:** پھر اگر باپ نے کہا کہ میں بچہ کی ماں کو اجرت پر نہیں لوں گا اور اس کے علاوہ دوسری دایہ لے آیا پھر ماں اجنبیہ دایہ کی اجرت پر یا بدون اجرت دودھ پلانے پر راضی ہوگئی تو وہی اس کی زیادہ حق دار ہوگی، کیوں کہ وہ (بچہ پر) زیادہ مہربان ہے، لہذا اس کے سپرد کرنے میں بچہ کے حق میں شفقت ہے۔ اور اگر ماں زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، تاکہ اس سے ضرر دور ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ”لا تضار الخ“ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی شوہر پر اجنبیہ عورت کی اجرت سے زیادہ اجرت لازم کر کے اسے ضرر نہ پہنچایا جائے۔

### اللغات:

﴿لا أستاجر﴾ میں اجرت پر نہیں لوں گا۔ ﴿أشفق﴾ زیادہ مہرباں۔ ﴿التمست﴾ تلاش کی، چاہی۔ ﴿لم يجبر﴾ نہیں مجبور کیا گیا۔ ﴿مولود له﴾ والد۔

### بغیر اجرت دودھ پلانے والی ماں دایہ سے زیادہ حقدار ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کی ماں بدون اجرت بچہ کو دودھ پلانے پر راضی نہ ہو اور شوہر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے آئے پھر ماں کی متاجرت میں آئے، اور وہ لائی گئی عورت کی ہی اجرت پر یا بغیر اجرت کے دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں وہ ماں ہی اس بچے کو دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہوگی، کیوں کہ بچہ اس کا اپنا خون پانی ہے لہذا بچے کو اس کے حوالے کرنے میں شفقت زیادہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس چیز میں بچے کا زیادہ نفع ہو وہی اس کے لیے اختیار کی جائے گی۔ البتہ اگر ماں دودھ پلانے کے لیے اجنبیہ عورت کی اجرت سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے تو اس صورت میں اسے کنارے کر دیا جائے گا اور شوہر پر اسی سے دودھ پلوانے کے لیے زور اور زبردستی نہیں کی جائے گی، کیوں کہ زیادہ اجرت دینے میں شوہر کا ضرر ہے حالاں کہ خود قرآن نے ”ولا مولود له بولدہ“ کے فرمان سے شوہر سے ضرر کو دور کر دیا ہے۔

وَنَفَقَةُ الصَّغِيرِ وَاجِبَةٌ عَلَى أَبِيهِ وَإِنْ خَالَفَهُ فِي دِينِهِ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَإِنْ خَالَفَتْهُ فِي دِينِهِ، أَمَّا الْوَلَدُ فَلِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳)، وَلِأَنَّهُ جُزْءُهُ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ، وَأَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيحُ فَإِنَّهُ يَأْزِئُ الْإِحْتِبَاسَ النَّائِبَ بِهِ، وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرْتَّبَ عَلَيْهِ الْإِحْتِبَاسُ فَوَجَبَتِ النَّفَقَةُ، وَفِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا إِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ

عَلَى الْآبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ، أَمَّا إِذَا كَانَ، فَلَا ضَلَّ أَنْ نَفَقَةَ الْإِنْسَانُ فِي مَالِ نَفْسِهِ صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا.

**ترجمہ:** اور صغیر کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے، ہر چند کہ وہ دین میں اس کے مخالف ہو جیسا کہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں شوہر کی مخالف ہو۔ رہا ولد تو وہ ہماری تلاوت کردہ آیت و علی المولود لہ رزقہن الخ کے مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ بچہ باپ کا جزء ہے، لہذا اس کی ذات کے معنی میں ہوگا۔ رہی بیوی تو اس کے نفقہ کا سبب عقد صحیح ہے، کیوں کہ نفقہ اس احتباس کے بدلے میں واجب ہوتا ہے جو عقد صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔ اور مسلمان مرد اور کافرہ عورت کے درمیان عقد صحیح ہو جاتا ہے اور اسی عقد پر احتباس مرتب ہوتا ہے اس لیے نفقہ واجب ہوگا۔ اور ہماری بیان کردہ تمام صورتوں میں باپ پر اسی وقت صغیرہ کا نفقہ واجب ہوگا جب صغیر کے پاس مال نہ ہو، لیکن اگر اس کے پاس مال ہو تو اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ اس کے اپنے مال میں واجب ہوتا ہے خواہ وہ چھوٹا یا بڑا ہو۔

### اللغات:

﴿مخالفة﴾ مخالفت کرے۔ ﴿بإزاء﴾ بدلے میں، مقابلے میں۔

### مختلف الدین بچے کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے اور نابالغ بچوں کا نفقہ ان کے باپ پر واجب ہے، خواہ باپ اور بچے ایک ہی دین کے متبع ہوں یا از روئے دین ان میں اختلاف ہو بہر صورت باپ پر ان کا نفقہ واجب ہے جیسے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ بیوی شوہر کے دین کی متبع ہو یا مخالف ہو۔

باپ پر بچے کا نفقہ قرآن کریم کی اس آیت سے واجب ہے ”و علی المولود لہ رزقہن“ یعنی باپ پر بچوں کی ماؤں کا نفقہ واجب ہے اور چوں کہ یہ وجوب بچوں کے واسطے اور ذریعے سے ہے، اس لیے بچوں کا نفقہ تو بدرجہ اولیٰ باپ پر واجب ہوگا۔ اور اس حکم کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بچہ باپ کا جزء ہے، لہذا باپ کے نفس کے معنی میں ہوگا اور چوں کہ باپ پر خود اپنا نفقہ واجب ہے، لہذا اس پر جزء یعنی بچے کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

وأما الزوجة الخ: یہاں سے بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی علت بیان کی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیوی پر نفقہ کے وجوب کا سبب عقد صحیح ہے، اس لیے کہ نفقہ احتباس کی جزء ہے اور احتباس عقد صحیح سے حاصل ہوتا ہے لہذا جن دو مرد اور عورت میں عقد صحیح ہوگا ان میں شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا اور چوں کہ مسلم اور مسلمہ میں بھی عقد صحیح ہوتا ہے اور مسلم اور کتابیہ کافرہ میں بھی فرمان الہی والمحصنات من الذین أوتوا الكتاب کی رو سے عقد صحیح ہوتا ہے، اور عقد صحیح پر احتباس مرتب ہوتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ دین میں اس کے تابع ہو یا نہ ہو۔

وفي جمیع الخ: فرماتے ہیں کہ وجوب نفقہ کی مذکورہ تمام صورتوں میں باپ پر اسی وقت نفقہ واجب ہوگا جب صغیر کے پاس اپنا ذاتی مال نہ ہو، لیکن اگر صغیر کو میراث یا ہبہ وغیرہ میں مال ملا ہو اور وہ اس کا اپنا ذاتی ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ اسی کے مال میں واجب ہوگا، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ انسان کا نفقہ خود اس کے مال میں واجب ہو۔ خواہ وہ چھوٹا یا بڑا ہو۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

## فصلُ اُمّیٰ ہذا فصلُ فی نفقۃِ الاباءِ والْأجدادِ والخادمِ

فیصل باپ، دادا اور خادم کے نفقہ کے بیان میں ہے

وَعَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَتَوِيهِ وَأَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ إِذَا كَانُوا فَقَرَاءَ وَإِنْ خَالَفُوهُ فِي دِينِهِ، أَمَّا الْآبَوَانِ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (سورة لقمان: ۱۵) نَزَلَتْ الْآيَةُ فِي الْآبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ، وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ يَعِيشَ فِي نِعَمِ اللَّهِ تَعَالَى وَيَتْرُكَهُمَا يَمُوتَانِ جُوعًا، وَأَمَّا الْأَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِأَنَّهُمْ مِنَ الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ، وَلِهَذَا يَقُومُ الْجَدُّ مَقَامَ الْآبِ عِنْدَ عَدَمِهِ، وَلِأَنَّهُمْ سَبَبُوا لِأَحْيَائِهِ فَاسْتَوْجَبُوا عَلَيْهِ الْأَحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْآبَوَيْنِ، وَشَرَطُ الْفَقْرِ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ فَاجْتَابَ النَّفَقَةَ فِي مَالِهِ أَوْلَى مِنْ إِيْجَابِهَا فِي مَالٍ غَيْرِهِ، وَلَا يَمْنَعُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّينِ لِمَا تَلَوْنَا.

**ترجمہ:** انسان پر اپنے والدین، اپنے اجداد اور اپنی جدات کو نفقہ دینا واجب ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہوں، اگرچہ دین میں اس کے مخالف ہوں۔ ہے والدین تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد و صاحبہما فی الدنیا معروف (یعنی دنیا میں والدین کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ) کی وجہ سے ہے۔ یہ آیت کافر ماں باپ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور معروف یہ نہیں ہے کہ انسان خود اللہ کی نعمتوں میں عیش کرے اور والدین کو بھوکا مارتا ہوا چھوڑ دے۔

رہا مسئلہ اجداد اور جدات کا تو (ان کا استحقاق) اس لیے ہے کہ وہ بھی آباء اور امہات میں سے ہیں، اسی لیے باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اجداد انسان کی زندگی کا سبب ہوتے ہیں لہذا والدین کی طرح وہ بھی انسان پر زندگی کا استحقاق رکھیں گے۔ اور امام قدوریؒ نے فقہی شرط اس لیے لگائی ہے کیوں کہ اگر باپ دادا مال والے ہوں گے تو ان کا نفقہ ان کے مال میں واجب کرنا دوسرے کے مال میں واجب کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اختلاف دین سے یہ مانع نہیں ہے، اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے۔

**الَّتَات:**

﴿اجداد﴾ دادے۔ ﴿جدات﴾ دادیاں۔ ﴿صاحب﴾ ان کے ساتھ رہ۔ ﴿جوع﴾ بھوک۔ ﴿سبب﴾ سبب بنے

ہیں۔ ﴿احیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿استوجبو﴾ تقاضا کرتے ہیں۔ ﴿فقر﴾ غربت۔

### بیوی بچوں کے علاوہ دیگر نفقات واجبہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح باپ پر اپنی بیوی اور اپنے چھوٹے بچوں کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح والدین اور دادا دادی وغیرہ کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے اور اس کے ذمے لازم ہے۔ اگر وہ محتاج ہوں اور نفقہ و خرچہ کے ضرورت مند ہوں تو بیٹے پوتے کو چاہیے کہ ان پر خرچ کرے خواہ وہ لوگ از روئے دین اس کے دین سے متحد ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان پر اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔

والدین پر وجوب نفقہ کی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہؒ نے قرآن کریم کے اس جزء سے استدلال کیا ہے وصاحبہما فی الدنیا معروفاً کہ دنیا میں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اس لیے کہ آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، لیکن ان کی والدہ کا فرتھیں اور سعد کے اسلام لانے سے کافی ناراض تھیں جس کی بنیاد پر انہوں نے کھانا پینا بھی ترک کر دیا تھا، حضرت سعدؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ لے کر حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت و ان جاهدک علی أن تشرک بى مالیس لك به علم فلا تعطهما وصاحبہما فی الدنیا معروفاً الخ یعنی اللہ کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کی اطاعت اور اعتقاد رسالت کے متعلق ماں باپ کی ایک نہ سنو، ہاں دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ معروف طریقہ اختیار کرو۔ یعنی اگر دنیاوی چیزوں میں سے انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے پورا کرو اور اگر وہ نان و نفقے کے محتاج ہوں تو انہیں نان و نفقہ بھی دو، کیوں کہ معروف یہ نہیں ہے کہ انسان خود تو اللہ کی نعمتوں میں عیش و مستی کرے اور اپنے ماں باپ کو بھوکا مرتا ہوا چھوڑ دے یعنی جس طرح انسان اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرے اسے چاہیے کہ اسی طرح اپنے ماں باپ کی بھی فکر کرے، اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ماں باپ ضرورت مند ہوں تو بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ مس کے ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں۔

صاحب بنایہ علیہ الرحمہ نے شمس الأئمہ سرخسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن نے ایک موقع پر ولا تغفل لهما أف کفرمان جاری کر کے اولاد کو ماں باپ کے سامنے اف کہنے سے منع کیا ہے، کیوں کہ اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور چوں کہ ان کی ضرورت کے وقت انہیں نفقہ نہ دینا أف کہنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے، اس لیے اس سے بھی والدین کے نفقے کا وجوب ہی مفہوم ہوتا ہے۔ (۴۳۱/۵)

وأما الأجداد الخ: فرماتے ہیں کہ والدین کے علاوہ دادا اور دادی وغیرہ کے لیے وجوب نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ دادا دادی بھی ماں باپ کے درجے میں ہیں، اسی لیے باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور چوں کہ ماں باپ مستحق نفقہ ہیں لہذا دادا دادی بھی بوقت ضرورت مستحق نفقہ ہوں گے۔ اس امر کی دوسری دلیل یہ ہے کہ دادا اور دادی بھی انسان کے زندہ ہونے اور اس دار فانی میں آنکھیں کھولنے کا سبب ہیں، کیوں کہ اگر دادا دادی نہ ہوتے تو اس کے ماں باپ کا وجود نہ ہوتا لہذا انسان کے وجود میں جب دادا، دادی کا دخل ہے تو اس کے مال میں ان کا بھی حصہ ہوگا اور فقر و احتیاج کے وقت انہیں بھی نفقہ ملے گا۔ اور اختلاف دین سے وجوب نفقہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وصاحبہما الخ مطلق ہے اور پھر یہ حضرت سعد کی



کافرہ ماں جبیلہ کے واقعہ میں نازل ہوا ہے۔

و شرط الفقر الخ: فرماتے ہیں کہ ماں، باپ اور دادا، دادی وغیرہ کے مستحق نفقہ ہونے کے لیے امام قدری نے ان کی فقیر اور محتاج ہونے کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ فقر اور احتیاج کے بغیر انسان پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہے ہاں ازراہ تبرع اگر وہ کچھ دیدے تو یہ اس کی خوش خلقی اور مروت ہے۔ اور پھر جہاں تک ہو سکے انسان کو اپنے اخراجات اپنے ذاتی مال سے پورے کرنے چاہئیں، کیوں کہ اپنی کمائی کھانا دوسرے کی کمائی کھانے سے بہتر ہے، حدیث پاک میں ہے ”كُلْ مِنْ كَيْدِ يَمْنِكَ وَعَرِقِ جَنْبِكَ لِيُنِي أَيْنُ خُونِ بَيْتِكَ كَمَا كُفَّاهُ“ (بنایہ)

و لَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ إِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْأَبَوَيْنِ وَالْأَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَ وَلَدِ الْوَلَدِ، أَمَّا الزَّوْجَةُ فَلَمَّا ذَكَرْنَا أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعُقْدَةِ لَا خِيَابَ سَهَا لِحَقِّ لَهْ مَقْصُودٍ، وَ هَذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ، وَ أَمَّا غَيْرُهَا فَلِأَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَ جُزْءُ الْمَرْءِ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ فَكَمَا لَا يَمْتَنِعُ نَفَقَةُ نَفْسِهِ بِكُفْرِهِ لَا يَمْتَنِعُ نَفَقَةُ جُزْئِهِ، إِلَّا أَنَّهُمْ إِذَا كَانُوا حَرَبِيِّينَ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَإِنْ كَانُوا مُسْتَأْمِنِينَ، لِأَنَّا نَهَيْنَا عَنِ الْبِرِّ فِي حَقِّ مَنْ يُقَاتِلُنَا فِي الدِّينِ.

**ترجمہ:** اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بیوی، والدہ، دادا، دادی لڑکے اور پوتے کے علاوہ کسی اور کا نفقہ (انسان پر) واجب نہیں ہوتا۔ رہی بیوی تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے کہ اس کے لیے عقد کی وجہ سے نفقہ واجب ہے، کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حق مقصود کی وجہ سے روک رکھا ہے اور یہ چیز اتحاد دین کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ رہا بیوی کے علاوہ کا مسئلہ تو اس لیے کہ جزئیت ثابت ہے اور انسان کا جزء اس کی ذات کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا جس طرح انسان اپنے کفر کی وجہ سے اپنا نفقہ نہیں روکتا اسی طرح وہ اپنے جزء کے نفقے کو بھی نہیں روک سکتا۔ لیکن اگر یہ لوگ حربی ہوں تو مسلمان پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ یہ حربی مستامن ہوں، کیوں کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دین کے سلسلے میں ہم سے قتال کریں۔

## اللغات:

﴿مستامن﴾ وہ دشمن جو امان لے کر ہمارے ملک میں آیا ہو۔

## اختلاف دین مانع وجوب نفقہ کب بنتا ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بیوی، والدین، دادا، دادی اور بیٹے اور پوتے کے علاوہ انسان پر کسی اور کا نفقہ واجب نہیں ہے اگر وہ لوگ دین میں اس کے مخالف اور اس سے الگ ہوں، لیکن یہ لوگ (یعنی بیوی وغیرہ) ایسے ہیں کہ اختلاف دین کے باوجود بندہ مسلم پر ان کا نفقہ واجب ہے، اس کی دلیل تو ماقبل میں بھی گزر چکی ہے مگر چوں کہ یہاں وجوب نفقہ کے ساتھ اختلاف دین کو بھی گھسا دیا گیا ہے، اس لیے مزید دلیل بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اختلاف دین کے باوجود بیوی کے لیے وجوب نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عقد صحیح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور مسلمان اور کافرہ کتابیہ کا عقد صحیح ہے نیز عورت شوہر کے حق مقصود یعنی وطن کی خاطر

اپنے آپ کو روکے بھی رہتی ہے اور نفقہ چوں کہ احتساب ہی کی جزاء ہے، اس لیے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا اور وجوب نفقہ کے سلسلے میں دین اور مذہب سے کوئی بحث نہیں کی جائے گی۔

و اما غیرھا الخ: فرماتے ہیں کہ بیوی کے علاوہ والدین اور دادا وغیرہ کے حق میں استحقاق نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی درجے میں ان حضرات کا جزء ہے اور جزئیت و بعضیت وجوب نفقہ میں مؤثر ہے کیوں کہ انسان کا جزء اس کی ذات کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور کفر اس سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اگر خود بیٹا کافر ہو تو اس کا کفر اپنے نفس پر خرچ کرنے سے مانع نہیں ہے، لہذا جب نفس کا کفر مانع نہیں ہے تو جزء اور بعض کا کفر بھی مانع نفقہ نہیں ہوگا اور باپ دادا اور دادی وغیرہ اگر محتاج اور ضرورت مند ہیں تو بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہے۔ لیکن یہ وجوب اسی صورت میں ہے جب یہ لوگ صرف کافر ہوں اور مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے نہ ہوں، لیکن اگر یہ حربی ہوں اور مسلمانوں کو کسی بھی طرح کا جانی یا مالی نقصان پہنچاتے ہوں یا نقصان پہنچانے والوں کا تعاون کرتے ہوں تو پھر یہ مستحق نفقہ نہیں ہوں گے اور مسلمان بیٹے پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ یہ لوگ حربی متا من ہوں اور امان لے کر دارالاسلام میں رہتے ہوں۔ کیوں کہ اہل ایمان کو اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ بھلائی کرنے یا انہیں یار دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ، انما ينہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین ولم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاہروا علیٰ اخراجکم أن تولوہم، ومن یتولہم فأولئک هم الظالمون۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے دین و ایمان اور زمین و مکان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے ان کے ساتھ اچھے سلوک کا برتاؤ کرنا مسلمانوں کے لیے درست ہے، لیکن کافروں میں جو ظالم ہیں اور مسلمانوں کے مذہب اور مکان کے متعلق لڑتے ہیں یا شرپسندوں کی اعانت کرتے ہیں ایسے بدبختوں سے تعلق قائم کرنا مسلمانوں کے لیے درست نہیں ہے، کیوں کہ ان سے دوستی کرنے والوں کو قرآن نے ظالم کہا ہے۔

وَلَا تَجِبْ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةً أَخِيهِ الْمُسْلِمِ وَكَذَا لَا تَجِبْ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةً أَخِيهِ النَّصْرَانِيِّ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةً بِالْأَرْثِ بِالنَّصْرِ، بِخِلَافِ الْعِنْتِ عِنْدَ الْمَلِكِ، لِأَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيثِ، وَلِأَنَّ الْقَرَابَةَ مُوجِبَةً لِلصِّلَةِ وَمَعَ الْإِتِّفَاقِ فِي الدِّينِ أَكْثَرُ، وَدَوَامُ مِلْكِ الْيَمِينِ أَعْلَى فِي الْقَطِيعَةِ مِنْ حِرْمَانِ النَّفَقَةِ فَاعْتَبَرْنَا فِي الْأَعْلَى أَصْلَ الْعِلَّةِ، وَفِي الْأَدْنَى الْعِلَّةُ الْمُؤَكَّدَةُ فَلِهَذَا افْتَرَقَا.

**ترجمہ:** اور نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کو نفقہ دینا واجب نہیں ہے اور ایسے ہی مسلمان پر اپنے نصرانی برادر کا نفقہ واجب نہیں ہے، کیوں کہ از روئے نص نفقہ میراث سے متعلق ہے برخلاف بوقت ملک آزاد ہونے کے، کیوں کہ بحکم حدیث آزادی قرابت اور محرمیت کے ساتھ متعلق ہے اور اس لیے کہ قرابت صلہ رحمی کو واجب کرتی ہے اور اتفاق فی الدین کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ مضبوط ہوتی ہے، اور ملک یمین پر مداومت قطع رحم میں حرمان نفقہ سے بڑھ کر ہے، لہذا ہم نے اعلیٰ میں اصل علت کا اعتبار کیا ہے اور ادنیٰ میں علت

مؤکدہ کا اعتبار کیا، لہذا دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔

## اللغات:

﴿صلة﴾ حسن سلوک، عطیہ۔ ﴿اکسد﴾ زیادہ پختہ۔

## مختلف الدین بھائی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نہ تو نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کا نفقہ واجب ہے اور نہ ہی مسلمان پر اپنے نصرانی بھائی کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ آیت قرآنی و علی الوارث مثل ذلك سے نفقہ کو میراث کے ساتھ متعلق کر کے یہ ارشادہ دیا گیا ہے کہ جن دونوں میں میراث جاری ہوتی ہے انہی میں نفقہ بھی ایک دوسرے پر واجب ہوتا ہے اور چوں کہ مسلم اور ذمی بھائیوں میں میراث نہیں جاری ہوتی اس لیے ان میں سے ایک کا دوسرے پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کسی مسلمان نے اپنے نصرانی بھائی کو خرید تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ حدیث کے حکم سے آزادی کا تعلق قرابت اور محرمیت کے ساتھ ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے من ملک ذارحم محرم منه عتق علیہ یعنی جو شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ محرم اس پر آزاد ہو جائے گا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرابت صدرحی اور رشتہ داری کی استواری کی موجب ہے خصوصاً اس وقت جب دو قریبی رشتے دار جمع ہو جائیں اور وہ دونوں مسلک و مذہب میں متحد ہوں تو اس صورت میں صدرحی کرنا اور بھی زیادہ اہم اور مؤکد ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات طے ہے کہ کسی قریبی رشتے دار کو ہمیشہ اپنی ملکیت میں رکھنا اسے نفقہ نہ دینے سے زیادہ بُرا اور نقصان دہ ہے اور اس میں زیادہ قطع رحمی ہے، اس لیے ہم نے اعلیٰ یعنی کسی قریبی شخص کو مملوک بنا کر رکھنے میں اصل علت یعنی محض ملک یمین کے طور پر اس کے مالک ہونے کا اعتبار کیا اور یہ حکم دیا کہ جو شخص اپنے کسی قریبی رشتے دار کا مالک ہوگا تو مالک ہوتے ہی وہ رشتہ دار آزاد ہو جائے گا خواہ وہ دونوں ہم مذہب ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بالمقابل ادنیٰ یعنی نفقہ کے سلسلے میں قرابت کے ساتھ ساتھ علت مؤکدہ یعنی اتحاد فی المذہب کا بھی اعتبار کیا ہے اور اسی قریبی رشتے دار کو مستحق نفقہ قرار دیا ہے جو دوسرے کا ہم مذہب اور ہم مشرب ہو۔ اور اسی اعلیٰ اور ادنیٰ کے اعتبار سے دونوں میں فرق بھی واضح ہو گیا۔

وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدُ فِي نَفَقَةِ أَبِيهِ أَحَدٌ، لِأَنَّ لَهُمَا تَأْوِيلًا فِي مَالِ الْوَلَدِ بِالنِّصِّ، وَلَا تَأْوِيلَ لَهُمَا فِي مَالٍ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِمَا فَكَانَ أَوْلَىٰ بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ، وَهِيَ عَلَى الدُّكُورِ وَالْإُنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ الْمَعْنَى يَشْمَلُهُمَا.

**ترجمہ:** اور والدین کے نفقے میں بیٹے کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ والدین کے لیے از روئے نص اپنے لڑکے کے مال میں ایک تاویل ہے۔ اور لڑکے کے علاوہ دوسرے کے مال میں ان کے لیے کوئی تاویل نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ ولد ہی لوگوں میں والدین کے سب سے زیادہ قریب ہے، لہذا والدین کے مستحق نفقہ ہونے کے حوالے سے لڑکا ہی سب سے اولیٰ ہوگا۔ اور ظاہر الروایۃ کے مطابق والدین کے نفقے کا استحقاق لڑکوں اور لڑکیوں پر برابر ہے یہی صحیح ہے، کیوں کہ سب نفقہ دونوں کو یکساں شامل ہے۔

## اللغات:

﴿اناث﴾ مؤنث۔ ﴿سویۃ﴾ برابری۔

## والدین کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر والدین ضرورت مند ہوں اور ان کا کوئی لڑکا یا کوئی لڑکی مالدار ہو تو اس پر بلا شرکت غیر والدین کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ حدیث أنت ومالك لأبيك کی وجہ سے والدین کے لیے بچہ کے مال میں تاویل اور حق جتانے کی گنجائش ہے جب کہ دوسرے کے مال میں ان کے لیے لب کشائی کی بھی مجال نہیں ہے، اس لیے والدین کا نفقہ ان کی اولاد پر واجب ہوگا اور اس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہوگا۔ اس حکم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور تمام لوگوں میں والدین سے سب سے زیادہ قریب ان کا لڑکا ہوتا ہے اس لیے والدین کا نفقہ بھی اسی پر واجب ہوگا اور وہی اتفاق کا سب سے زیادہ مستحق ہوگا۔

وہی علی الذکور الخ: فرماتے ہیں کہ وجوب اتفاق کا سبب ولادت اور قرابت ہے اور چوں کہ اس حکم میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں، اس لیے جس طرح مالدار لڑکے پر والدین کا نفقہ واجب ہے اسی طرح مالدار لڑکی پر بھی ان کا نفقہ واجب ہے یہی ظاہر الروایہ کا حکم ہے اور یہی صحیح ہے، ہو الصحیح کہہ کر شمس الائمہ سرخسی کے اس قول سے احتراز کیا گیا ہے جس میں انہوں نے نفقہ کو میراث پر قیاس کیا ہے اور جس طرح للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں میں میراث تقسیم ہوتی ہے، اسی طرح ان پر نفقہ کا بھی وجوب ہوگا چنانچہ لڑکوں پر دو حصے اور لڑکیوں پر ایک ایک حصے واجب ہوں گے۔ (بنایہ ۲۳۵/۵)

وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مُحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيرًا فَقِيرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيرًا زَمَنًا أَوْ أَعْمَى، لِأَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَاجِبَةٌ دُونَ الْبُعِيدَةِ، وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُونَ ذَا رَحِمٍ مُحْرَمٍ، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ﴾ (سورة البقرة: ۲۳۳)، وَفِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمُحْرَمِ مِثْلُ ذَلِكَ، ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ، وَالصَّغَرُ وَالْأُنُوَّةُ وَالزَّمَانَةُ وَالْعُمَى أَمَارَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعِجْزِ، فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكُسْبِ غَنَى بِكُسْبِهِ، بِخِلَافِ الْآبَوَيْنِ لِأَنَّهُ يُلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكُسْبِ، وَالْوَلَدُ مَأْمُورٌ بِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكُسْبِ.

ترجمہ: اور ہر ذی رحم محرم کے لیے نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ صغیر ہو اور محتاج ہو، یا عورت بالغہ ہو اور محتاج ہو یا مرد بالغ ہو محتاج ہو اور لڑکا یا لڑکی اندھا ہو۔ اس لیے کہ قرابت قریبہ میں صلہ رحمی واجب ہے۔ نہ کہ بعیدہ میں اور فاصل ذی رحم محرم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وعلی والوارث مثل ذلك وفي قراءة عبد الله بن مسعود وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلك۔ پھر حاجت مند ہونا ضروری ہے اور نابالغ ہونا، عورت ہونا، لڑکا اور لڑکی اندھا ہونا محتاجی کی علامت ہے، اس لیے کہ عجز متحقق ہے، کیوں کہ کمائی پر

قادر شخص اپنی کمائی کے سبب مالدار ہوتا ہے۔ برخلاف والدین کے، کیوں کہ انہیں کمائی سے مشقت لاحق ہوگی اور لڑکے کو ان سے ضرر دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا والدین کے کمائی پر قادر ہونے کے باوجود ان کا نفقہ (ان کی اولاد پر) واجب ہوگا۔

## اللغات:

﴿زمن﴾ معذور، اپانچ۔ ﴿اعمی﴾ نابینا۔ ﴿صغر﴾ کم سنی۔ ﴿زمانة﴾ اپانچ ہونا۔ ﴿عمی﴾ اندھا پن۔ ﴿امارة﴾ نشانی۔ ﴿تعب﴾ تھکاوٹ۔

## جمع نفقات واجبہ، اور وجوب کی شرائط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مالدار انسان پر ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے شرط یہ ہے کہ وہ ذی رحم محرم نابالغ اور محتاج ہو اور اگر وہ عورت ہو تو اسے نفقہ کی ضرورت ہے خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ ہو، اسی طرح اگر مرد بالغ ہو تو اس کے مستحق نفقہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ لنگیا یا اندھا ہو اور کسب و کمائی پر قادر نہ ہو، اگر ذی رحم محرم مرد و عورت میں یہ شرطیں پائی جائیں تو وہ مستحق نفقہ ہوں گے اور مالدار شخص پر ان کا نفقہ واجب ہوگا، کیوں کہ قرابت قریبہ میں صلہ رحمی کرنا واجب ہے نہ کہ قرابت بعیدہ میں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وعلی الوارث مثل ذلک اور حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں ہے وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلک یعنی ہر ذی رحم محرم وارث کے لیے بیوی اور بچوں کے نفقہ کے مثل نفقہ واجب ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی ذی رحم محرم میں فقر وغیرہ کی شرط پائی جائے تو وہ مستحق نفقہ ہوگا۔

والفاصل الخ: فرماتے ہیں کہ قرابت قریبہ اور بعیدہ میں ذی رحم محرم ہونا حد فاصل ہے یعنی جو لوگ ذی رحم محرم ہیں وہ قرابت قریبہ میں داخل ہیں اور جو ذی رحم محرم نہیں ہیں وہ بعیدہ میں داخل ہیں۔

ثم لا بد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے مستحق نفقہ ہونے کے لیے اس کا محتاج ہونا شرط ہے اور نابالغ ہونا یا عورت ہونا یا لنگیا اور اندھا ہونا یہ سب محتاج اور ضرورت مندی کی علامتیں ہیں، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں عجز عن الکسب متحقق ہے اور جب عجز عن الکسب متحقق ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاج اور ضرورت ثابت ہے، اس لیے کہ جو شخص کمائی پر قادر ہوتا ہے تو وہ اپنی کمائی کی وجہ سے غنی ہوتا ہے اور اسے دوسروں کے سہارے اور ٹکڑے کی ضرورت نہیں رہتی۔

البتہ ذی رحم محرم میں صرف والدین ایسے ہیں کہ قدرت علی الکسب کے باوجود ان کی اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ کمائی کرنے کے لیے محنت و مجاہدہ کی ضرورت ہے اور بوڑھے والدین اگر محنت و مشقت کریں گے تو انہیں ضرر لاحق ہوگا جب کہ اولاد کو والدین سے ضرر دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا والدین کے قادر علی الکسب ہونے کے باوجود اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہے۔

قَالَ وَ يَجِبُ ذَلِكَ عَلَى مِقْدَارِ الْمِيرَاثِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّنْصِصَ عَلَى الْوَارِثِ تَنْبِيْهُ عَلَى اِعْتِبَارِ الْمِقْدَارِ، وَلِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغَنَمِ وَالْجَبْرَ لَا يُفَاءِ حَقِّ مُسْتَحَقِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ نفقہ میراث کی مقدار پر واجب ہوگا اور انسان کو نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ وارث کی تنصیص کرنا

مقدار میراث پر تنبیہ ہے، کیوں کہ تاوان بقدر نفع واجب ہوتا ہے اور جبر حق واجب کی ادائیگی کے لیے ہوتا ہے۔

## اللغات:

﴿یجبر﴾ مجبور کیا جائے گا۔ ﴿تنصيص﴾ لفظوں میں ذکر کرنا، بتانا۔ ﴿عزم﴾ تاوان۔ ﴿غنم﴾ منفعت۔ ﴿ایفاء﴾ ادائیگی۔

## ذوی الارحام کے نفقات کی مقدار:

مسئلہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم کو اسی مقدار میں نفقہ ملے گا جس مقدار میں اسے میراث ملتی ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں و علی الوارث مثل ذلك کے فرمان سے یہ تنبیہ دے دی گئی ہے کہ نفقہ بقدر میراث ہی ملے گا، اور اس لیے کہ تاوان اسی حساب سے واجب ہوتا ہے جس حساب سے آدمی نفع اٹھائے، لہذا مورث جو مقدار اسے میراث میں ملے گی اسی مقدار میں خرچ کرنا اور نفقہ دینا بھی مالدار پر واجب ہوگا۔ اور رہا مجبور کرنے کا معاملہ تو وہ اس وجہ سے ہے کہ جو حق اس مالدار پر واجب ہے اسے وہ اداء کر دے۔

قَالَ وَ تَحِبُّ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْإِبْنِ الرَّمَنِ عَلَى أَبِيهِ أَثْلَاثًا عَلَى الْآبِ الثَّلَاثَانِ وَعَلَى الْأُمِّ الثَّلَاثُ، لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَهُمَا عَلَى هَذَا الْمِقْدَارِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْحَصَافِ رحمہ اللہ علیہ وَالْحَسَنِ رحمہ اللہ علیہ، وَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلُّ النَّفَقَةِ عَلَى الْآبِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ﴾ (سورة البقرة : ۲۳۳) وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيرِ، وَ وَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْأُولَى أَنَّهُ اجْتَمَعَتْ لِلْآبِ فِي الصَّغِيرِ وَلَايَةٌ مُنَوَّنَةٌ حَتَّى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهِ فَاخْتَصَّ بِنَفَقَتِهِ وَلَا كَذَلِكَ الْكَبِيرُ لِإِنْعَادَامِ الْوِلَايَةِ فِيهِ فَتَشَارِكُهُ الْأُمُّ، وَ فِي غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيرَاثِ حَتَّى تَكُونَ نَفَقَةُ الصَّغِيرِ عَلَى الْأُمِّ وَالْجَدِّ أَثْلَاثًا، وَ نَفَقَةُ الْإِخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْأَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُؤَسَّرَاتِ أَخْمَاسًا عَلَى قَدْرِ الْمِيرَاثِ غَيْرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَهْلِيَّةُ الْإِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ، لَا إِحْرَازُهُ، فَإِنَّ الْمُعْسِرَ إِذَا كَانَ لَهُ خَالٌ وَابْنٌ عَمٌّ تَكُونُ نَفَقَتُهُ عَلَى خَالِهِ وَ مِيرَاثُهُ يُحْرِزُهُ ابْنُ عَمِّهِ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ بالغ لڑکی اور لڑکے کے کا نفقہ والدین پر تین حصہ کر کے واجب ہے۔ دو تہائی باپ اور ایک تہائی ماں پر واجب ہے، کیوں کہ ان کے لیے میراث بھی اسی مقدار میں ہے، بندہ ضعیف کہتا ہے یہ جو امام قدوسی نے بیان کیا ہے وہ خصاف اور حسن کی روایت ہے۔ اور ظاہر ولایت میں ہے کہ نفقہ باپ پر واجب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ باپ پر بچوں کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا واجب ہے۔ اور یہ ولد صغیر کی طرح ہو گیا۔ اور پہلی روایت پر وجہ فرق یہ ہے کہ باپ کے لیے صغیر میں ولایت اور مؤنت دونوں جمع ہیں یہاں تک کہ باپ ہی پر صغیر کا صدقہ فطر بھی واجب ہے، لہذا باپ ہی اس کے نفقے کے ساتھ مختص بھی ہوگا۔ اور بالغ لڑکا ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اس کے حق میں باپ کی ولادیت معدوم ہے، لہذا ماں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی اور والد کے علاوہ میں میراث کی مقدار معتبر ہوگی یہاں تک کہ صغیر کا نفقہ ماں اور دادا پر تین تہائی کے حساب سے واجب ہوگا۔

اور معسر (تنگ دست) بھائی کا نفقہ متفرق مالدار بہنوں پر پانچ خمس کر کے بقدر میراث واجب ہوگا، لیکن تمام میں میراث کی

لیاقت معتبر ہے نہ کہ اس کو حاصل کرنا۔ اس لیے کہ معسر کا ماموں بھی (مالدار ہو) اور چچا زاد بھائی بھی (مالدار) ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہے جب کہ اس کی میراث چچا زاد بھائی سنبٹے گا۔

### اللغات:

﴿زمن﴾ اپانچ۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، خرچ۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست، غریب۔ ﴿إحراز﴾ روکنا۔ ﴿خال﴾ ماموں۔

### بالغ لڑکی اور اپانچ لڑکے کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بالغ لڑکی اور بالغ لڑکے (اپانچ) لڑکے کا نفقہ اس کے والدین پر تین تہائی کر کے واجب ہوگا جس میں سے دو تہائی باپ پر واجب ہوگا اور ایک تہائی ماں پر، یہ قدوری کے متن کا حاصل ہے اور امام خصاص اور حضرت حسن بن زیاد رحمہما اللہ سے مروی ہے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ ”عزم بقدر غم“ والے ضابطے کے تحت چوں کہ مذکورہ لڑکی اور لڑکے کی میراث سے اسی بقدر ماں باپ کو حصہ ملتا ہے، لہذا ان پر نفقے کا وجوب بھی اسی مقدار اور اسی اعتبار سے ہوگا۔

اس کے برخلاف ظاہر الروایۃ میں ہے کہ مذکورہ لڑکی اور لڑکے کا پورا نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور ماں اتفاق میں اس کی شریک و سہیم نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قرآن کریم نے وعلى المولود لہ رزقہن و کسوتہن کے فرمان سے نفقہ کو باپ پر واجب کیا ہے اور چوں کہ آیت کریمہ میں لام کے واسطے سے باپ کی طرف ولد کی نسبت کی گئی ہے اور لام موجب اختصاص ہے، اس لیے ولد کی نسبت والد کے ساتھ خاص ہوگی اور چوں کہ نسبت ہی کی بنیاد پر ولد مستحق نفقہ ہوتا ہے، لہذا جس کے ساتھ اس کی نسبت خاص ہوگی اسی پر نفقہ کا وجوب بھی خاص کر ہوگا اور چوں کہ ولد (بچہ) باپ کے ساتھ مختص ہے لہذا اس کا نفقہ بھی باپ ہی کے ساتھ مختص ہوگا اور دوسرا کوئی اس میں شریک اور ساجھی نہیں ہوگا۔ اور جس طرح ولد صغیر کا پورا نفقہ باپ پر واجب ہے، اسی طرح بالغ لڑکے اور معذور لڑکے کا نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہوگا۔

ووجه الفرق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام خصاص وغیرہ کی روایت میں ولد کبیر معذور کا نفقہ جو مشترک طور پر ماں باپ پر واجب کیا گیا ہے اس کی وجہ اور روایت خصاص اور ظاہر الروایۃ میں فرق یہ ہے کہ صغیر کے حق میں باپ کو دو طرح کا حق حاصل ہے اور ولایت و مؤنت دونوں اس کے لیے جمع ہیں، اسی لیے صغیر کا صدقہ فطر باپ پر واجب ہے، لہذا اس کا پورا نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہوگا، اس کے برخلاف ولد کبیر میں چوں کہ باپ کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہوتی، لہذا اس کا نفقہ بھی صرف باپ پر نہیں واجب ہوگا اور ماں نفقہ میں اس کی شریک ہوگی۔ ہاں باپ کے علاوہ دیگر مالداروں کے حق میں بالاتفاق میراث کی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا اور مالدار شخص کو حصہ میراث کے بقدر ہی غریب مورث پر اتفاق کا حکم دیا جائے گا، چنانچہ اگر کسی بچے کا باپ نہ ہو اور ماں اور دادا موجود ہوں تو اس کے نفقے کا دو تہائی دادا پر واجب ہوگا اور ایک تہائی ماں پر، کیوں کہ اس صغیر کے حصے سے اسی مقدار میں ماں اور دادا کو میراث ملے گی۔

اسی طرح اگر ایک شخص معسر اور تنگ دست ہو اور اس کی تین متفرق بہنیں ہوں یعنی ایک حقیقی ہو دوسری علاقائی ہو اور تیسری اخیانی ہو اور تینوں مالدار ہوں تو اس معسر بھائی کا نفقہ ان تینوں پر حصہ میراث کے بقدر ہی واجب ہوگا چنانچہ حقیقی بہن کو چوں کہ میراث کے تین حصے ملتے ہیں، اس لیے اس پر نفقہ کے تین حصے واجب ہوں گے اور علاقائی و اخیانی بہنوں پر ایک ایک حصہ واجب

ہوگا، کیوں کہ اس بھائی کی میراث سے انہیں بھی اسی طرح ہی حصہ ملے گا۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ والد کے علاوہ دیگر محرموں میں وجوب انفاق کے لیے میراث پانے کی لیاقت کا ہونا کافی ہے خواہ انہیں میراث مل سکے یا نہ مل سکے، مثلاً اگر ایک محتاج لڑکے کا ماموں بھی مالدار ہو اور اس کا چچا زاد بھائی بھی مالدار ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا لیکن ماموں کو میراث نہیں ملے گی، کیوں کہ چچا زاد بھائی کے ہوتے ہوئے ماموں میراث سے محروم رہتا ہے۔

وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ لِطُلَانِ اَهْلِيَةِ الْاَرْثِ، وَلَا بَدْ مِنْ اِعْتِبَارِهِ.

**ترجمہ:** اور ذورحم محرم کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ (اختلاف دین کی صورت میں) وارث ہونے کی اہلیت باطل ہے جب کہ اہلیت کا اعتبار ضروری ہے۔

**توضیح:**

صورت مسئلہ واضح ہے۔

وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ لَانْهَا تَجِبُ صَلَةً وَهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلَى غَيْرِهِ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ، بِاخْتِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَوَلَدِهِ الصَّغِيرِ، لَانَّهُ التَّزَمَهَا بِالْاِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ اِذَا الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُونَهَا وَلَا يَعْمَلُ فِي مِثْلِهَا الْاِعْسَارُ، ثُمَّ الْيَسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيمَا رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهُ قَدَرَهُ بِمَا يَقْضَى عَنْ نَفَقَةِ نَفْسِهِ وَ عِيَالِهِ شَهْرًا، اَوْ بِمَا يُفْضَلُ عَنْ ذَلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلَّ يَوْمٍ، لَانَّ الْمُعْتَبَرَ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ اِنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُونَ النِّصَابِ لِاَنَّهُ لِلتَّيْسِيرِ، وَالْفُتُوَى عَلَى الْاَوَّلِ، لِيَكُنَّ النِّصَابُ نِصَابُ حَرَمَانِ الصَّدَقَةِ.

**ترجمہ:** اور فقیر پر نفقہ نہیں واجب ہوتا، اس لیے کہ نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہوتا ہے اور فقیر اپنے علاوہ سے صلہ رحمی کا مستحق ہوتا ہے، لہذا اس پر کیسے یہ استحقاق ہو سکتا ہے۔ برخلاف بیوی اور اپنے صغیر بچہ کے نفقہ کے، اس لیے کہ شوہر نے نکاح کر کے اپنے اوپر نفقہ کو لازم کر لیا ہے، کیوں کہ بدون نفقہ مصالح کا انتظام نہیں ہو سکتا اور اس جیسی حالت میں اعسار کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی روایت کے مطابق یر ملک نصاب کے ساتھ مقدر ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس مال سے یسر کا اندازہ لگایا ہے جو اس کے اہل و عیال کے ایک ماہ کے نفقے سے زائد ہو، یا جو انسان کی دائمی کمائی سے ہر دن اس مقدار میں بڑھے، کیوں کہ حقوق العباد میں قدرت کا اعتبار ہے نہ کہ نصاب کا، اس لیے کہ نصاب تو آسانی کے لیے ہوتا ہے۔ مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے، لیکن نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس سے زکوٰۃ حرام ہوتی ہے۔

**اللغات:**

﴿صلہ﴾ حسن سلوک، بغیر عوض ادا کر۔ ﴿النزم﴾ اپنے ذمے لے لیا ہے۔ ﴿لا تنتظم﴾ نہیں سدھرتے، انتظام نہیں



ہوتا۔ (۱) عسار (۲) غربت، تنگ دستی۔ (۳) یسار (۴) مالداری۔ (۵) تیسیر (۶) سہولت۔

### تنگ دست آدمی پر واجب ہونے والے نفقات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص خود محتاج اور ضرورت مند ہو اس پر کسی دوسرے آدمی کا نفقہ نہیں واجب ہوتا، کیوں کہ بیوی اور بچوں کے علاوہ کا نفقہ تو احسان اور صلہ رحمی کے لیے واجب ہوتا ہے اور محتاج خود دوسرے کے احسان کا متمنی اور مستحق ہوتا ہے، لہذا وہ دوسروں پر کیسے احسان سکتا ہے۔ ہاں محتاج پر اپنی بیوی اور اپنے نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے، کیوں کہ خود اس نے نکاح کر کے بیوی کا نفقہ اپنے اوپر لازم کیا ہے اور ظاہر ہے کہ نفقہ کے بغیر دنیاوی ضرورتیں اور مصلحتیں حاصل نہیں کی جاسکتیں، اس لیے شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہے خواہ وہ موسر ہو یا معسر اور مفلس اور اس کا اعتبار وجوب نفقہ سے مانع نہیں ہے، اور چون کہ نابالغ اولاد میاں بیوی کے لطف و کرم اور ان کو عیش و عشرت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے ان کا خرچہ اور نفقہ بھی باپ ہی پر واجب ہے۔

ثم یسار الخ: صاحب ہدایہ یہاں سے یسر اور خوشحالی کی مقدار اور حد بیان فرما رہے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو اور وہ نصاب اس کی ذاتی ضروریات سے فارغ ہو وہ شخص موسر ہے اور اس پر دیگر لوگوں کا نفقہ واجب ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں مروی ہیں (۱) پہلی روایت یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی اور اس کے اہل عیال کی ایک ماہ کی ضروریات کے نفقہ سے زیادہ مال ہو وہ موسر اور خوشحال ہے۔ (۲) دوسری روایت یہ ہے کہ اگر انسان کی دائمی کمائی سے ہر دن اتنا مال بچتا ہو جو اس کی اور اس کے اہل خانہ کی ضروریات سے زائد ہو تو وہ موسر اور خوشحال ہے، لیکن صاحب ہدایہ کا فرمان ہے کہ یسار کے متعلق قول اول ہی معتبر ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے، کیوں کہ بندوں کے حقوق میں صرف قدرت علی الشئ کا اعتبار ہے، نصاب پر قدرت کا اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ نصاب تو یسر کی آسانی کے لیے ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس کے ہونے سے انسان کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتی ہے۔ اور صاحب کی صراحت کے مطابق حرمان زکوٰۃ نصاب کی مقدار دوسو درہم کی مالیت ہے یعنی جس شخص کے پاس دوسو درہم کی مالیت کا مال ہو اس پر اپنے قریبی رشتے داروں کو نفقہ دینا واجب ہے۔

وَإِذَا كَانَ لِلزَّوْجِ الْمَغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيهِ بِنَفَقَةِ أَبَوَيْهِ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْوُجْهَ فِيهِ.

**ترجمہ:** اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہو تو اس مال میں اس کے والدین کے نفقہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

### توضیح:

صورت مسئلہ بالکل واضح ہے۔

وَإِذَا بَاعَ أَبُوهُ مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِ جَارَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ، وَإِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجْزُ، وَفِي قَوْلِهِمَا لَا يَجُوزُ فِي ذَلِكَ كَلْمٌ وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ لَا نَقْطَاعَهَا بِالْبُيُوعِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ حَالٌ

حَضْرَتِهِ وَلَا يَمْلِكُ الْبَيْعُ فِي دَيْنٍ لَهُ سِوَى النَّفَقَةِ، وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْأُمُّ فِي النَّفَقَةِ، وَلَا ابْنِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ لِلْأَبِ وَلَايَةَ الْحِفْظِ فِي مَالِ الْغَائِبِ، أَلَّا تَرَى أَنَّ لِلْوَصِيِّ ذَلِكَ قَالَابُ أَوْلَى لَوْ فُورِ شَفَقَتِهِ، وَبَيْعُ الْمُنْقُولِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا كَذَلِكَ الْعَقَارُ، لِأَنَّهَا مُحَصَّنَةٌ بِنَفْسِهَا، وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْأَبِ مِنَ الْأَقَارِبِ، لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لَهُمْ أَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصَّغَرِ وَلَا فِي الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ، وَإِذَا جَازَ بَيْعُ الْأَبِ وَالْعَمَّنُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْإِسْتِيفَاءُ مِنْهُ كَمَا لَوْ بَاعَ الْعَقَارُ وَالْمُنْقُولَ عَلَى الصَّغِيرِ جَازًا لِكَمَالِ الْوَلَايَةِ، ثُمَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهِ، لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ.

**ترجمہ:** اور اگر باپ نے اپنے غائب بیٹے کا سامان اپنے نفقے میں بیچ دیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے اور یہ استحسان ہے اور اگر باپ نے (اس بیٹے کی) زمین فروخت کی تو جائز نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے قول کے میں ان تمام میں بیچ جائز نہیں ہے اور یہی قیاس ہے، کیوں کہ باپ کو اس پر ولایت نہیں ہے، کیوں کہ بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے ولایت منقطع ہو گئی، اسی لیے اس بیٹے کی موجودگی میں باپ بیچنے کا مالک نہیں ہے۔ اور نفقہ کے علاوہ کسی دوسرے قرض میں فروخت نہیں کر سکتا، نیز ماں بھی نفقہ میں اسے بیچنے کی مالک نہیں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غائب بیٹے کے مال میں باپ کو حفاظت کی ولایت حاصل ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ وصی کو یہ حق حاصل ہے لہذا باپ کو تو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا، اس لیے کہ باپ کی شفقت بہت زیادہ ہے اور مال منقول کو بیچنا حفاظت میں سے ہے جب کہ زمین ایسی نہیں ہے، کیوں کہ زمین بذات خود محفوظ رہتی ہے۔

اور برخلاف باپ کے علاوہ دوسرے اقارب کے، اس لیے کہ انھیں کسی بھی طرح کی ولایت نہیں حاصل ہے، نہ تو بچپن میں تصرف کی ولایت حاصل ہے اور نہ ہی بلوغت کے بعد حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ اور جب باپ کے لیے بیٹے کے مال کو فروخت کرنا جائز ہے اور ثمن اس کے حق میں نفقہ کی جنس سے ہو تو باپ کے لیے مشتری سے ثمن وصول کرنا بھی جائز ہے، جیسے اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کی غیر منقولہ یا منقولہ جائیداد فروخت کی تو یہ جائز ہے، کیوں کہ باپ کو بیٹے پر پوری ولایت حاصل ہے۔ پھر باپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ثمن میں سے اپنا نفقہ لے لے، کیوں کہ ثمن اس کے حق کی جنس کا ہے۔

### اللُّغَاتُ:

﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین۔ ﴿انقطاع﴾ ختم ہو جانا۔ ﴿حضرۃ﴾ موجودگی۔ ﴿وفور﴾ زیادہ ہونا۔ ﴿محصنة﴾ محفوظ۔ ﴿اقارب﴾ قریبی رشتہ دار۔

### غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ماں باپ کا کوئی لڑکا غائب اور لاپتہ ہو لیکن وطن میں اس کا مال و متاع اور زمین جائیداد ہو تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باپ اپنے نفقے میں اس غائب لڑکے کی منقولہ املاک مثلاً سامان وغیرہ بیچ کر اپنا نفقہ اور خرچہ نکال سکتا ہے، لیکن وہ غیر منقولہ جائیداد مثلاً زمین اور مکان وغیرہ نہیں فروخت کر سکتا۔ جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں باپ مطلقاً کچھ

نہیں بیچ سکتا، نہ تو املاک منقولہ کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہی املاک غیر منقولہ کو۔

حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ غائب لڑکا بالغ ہے اور بالغ پر باپ کو ولایت نہیں حاصل ہے، کیوں کہ بلوغت کے بعد باپ کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، لہذا جب اس لڑکے پر باپ کو ولایت ہی نہیں حاصل ہے تو وہ اس کے مال کو فروخت بھی نہیں کر سکتا، اسی لیے تو لڑکے کی موجودگی میں نفقہ کے علاوہ کسی اور دین یا حق کے لیے باپ اس کا مال نہیں فروخت کر سکتا اور نہ ہی اس کی ماں فروخت کر سکتی ہے، لہذا اس کی عدم موجودگی میں تو اس کے مال میں ہاتھ لگانا بھی جرم شمار ہوگا۔

ولأبی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ بلوغت کے بعد باپ مطلقاً ولایت سے نہیں محروم ہوتا بلکہ حفاظت اور حمایت کی ولایت بلوغت کے بعد بھی حاصل رہتی ہے، کیوں کہ جب وصی کو اس کے مال میں حفاظت کی ولایت حاصل ہے تو باپ کو تو بدرجہ اولیٰ یہ ولایت حاصل ہوگی، کیوں کہ باپ کی شفقت ہر فرد بشر کی شفقت سے بلند و بالا ہے، اس لیے بالغ اولاد کے مال میں باپ کو ولایت حفظ حاصل ہے اور چون کہ مال منقولہ کو فروخت کرنا از قبیلہ حفظ ہے، اس لیے باپ کو اپنے بالغ لڑکے کا مال بھی فروخت کرنے کی اجازت ہوگی خاص کر اس موقع پر جب کہ اسے نفقہ کی حاجت ہے، لیکن واضح رہے کہ یہ اجازت صرف املاک منقولہ کے متعلق ہے، کیوں کہ املاک غیر منقولہ مثلاً زمین اور مکان وغیرہ تو از خود محفوظ ہوتے ہیں اور انہیں کسی کی حفاظت و صیانت درکار نہیں ہوتی۔

وبخلاف غیر الخ: فرماتے ہیں کہ باپ کے علاوہ کسی دوسرے رشتے دار کو یہ حق نہیں ہے، کیوں کہ دیگر قرابت داروں کو نہ تو بچپن میں ولایت تصرف حاصل ہے اور نہ بلوغت کے بعد حفاظت ولایت، اس لیے جب ان کے حق میں ولایت کا ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر بیچ جیسی اہم چیز کیسے ثابت ہوگی۔

و اذا جاز الخ: فرماتے ہیں کہ جب باپ کو بالغ بیٹے کی املاک منقولہ فروخت کرنے کی اجازت ہے تو اگر اس کا دشمن اس کے نفقہ کی جنس سے ہو یعنی طعام اور غلہ وغیرہ ہو تو باپ کو دشمن اور وصول کرنے اور اس میں سے اپنا حق لینے کی اجازت ہے جیسے اگر باپ نے اپنے صغیر کے بچے کی زمین جائیداد فروخت کی تو اس کے لیے پوری قیمت اور پورا دشمن لینے کا اختیار ہے، کیوں کہ صغیر پر باپ کو پوری ولایت حاصل ہے۔

وَ اِنْ كَانَ لِلْغَائِبِ مَالٌ فِي يَدِ اَبَوَيْهِ وَ اُنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمِنَا، لِاَنَّهُمَا اسْتَوْفِيَا حَقَّهُمَا، لِاَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلَى مَا مَرَّ، وَ قَدْ اخَذَ اجْنَسَ الْحَقِّ.

**ترجمہ:** اور اگر ابن غائب کا مال اس کے والدین کے قبضے میں ہو اور والدین نے اس میں سے خرچ کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ان دونوں نے اپنا حق وصول کر لیا، کیوں کہ والدین کا نفقہ قضائے قاضی سے پہلے ہی واجب ہے جیسا کہ گذر چکا اور ان دونوں نے اپنے حق کی جنس لے لیا ہے۔

**اللغات:**

﴿استوفيا﴾ دونوں نے وصول کیا ہے۔

### غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا سفر میں ہو، لیکن اس کے والدین کے پاس اس کا مال ہو اور وہ اس کے مال میں سے اپنے نفقے کے بقدر خرچ کر لیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ بیٹے کے مال میں نفقہ والدین کا حق ہے اور انہوں نے اپنا حق لے لیا ہے، اس لیے ان پر کوئی ضمان یا تاوان نہیں ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي يَدِ أَجْنَبِيٍّ فَأَنْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْقَاضِي ضَمِنَ، لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وِلَايَةٍ، لِأَنَّهُ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَا غَيْرُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَهُ الْقَاضِي، لِأَنَّ أَمْرَهُ مُلْزِمٌ لِعُمُومِ وَلَايَتِهِ، وَإِذَا ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ، لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر ولد غائب کا مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر اس کے والدین پر خرچ کر دیا ہو تو وہ اجنبی ضامن ہوگا، اس لیے کہ اس نے ولایت کے بغیر دوسرے کے مال میں تصرف کیا ہے، کیوں کہ وہ صرف حفاظت کا نائب ہے۔ برخلاف اس صورت سے جب اسے قاضی حکم دے، کیوں کہ قاضی کا حکم لازم کرنے والا ہے، اس لیے کہ اس کی ولایت عام ہے۔ اور جب اجنبی شخص ضامن ہو گیا تو وہ قابض سے رجوع نہیں کرے گا، اس لیے کہ ضمان کی وجہ سے اجنبی اس کا مالک ہو گیا، لہذا یہ واضح ہو گیا کہ وہ مال کے ساتھ تبرع کرنے والا ہے۔

### اللغات:

﴿انفق﴾ خرچ کیا۔ ﴿ضمن﴾ ضامن ہوگا۔ ﴿ملزم﴾ لازم کرنے والا۔ ﴿متبرّع﴾ غیر واجب چیز کو ادا کرنے والا۔

### غائب بیٹے کی جائیداد سے باپ کا نفقہ حاصل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی لڑکا غائب ہو اور اس کا کچھ مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور اس اجنبی نے قاضی کی اجازت کے بغیر اس کے والدین پر خرچ کر دیا تو وہ اجنبی اس غائب شخص کے مال کا ضامن ہوگا، کیوں کہ اس نے دوسرے کے مال میں ولایت کے بغیر تصرف کیا ہے جب کہ اس کو یہ حق نہیں ہے، کیوں کہ اسے صرف ولایت حفظ حاصل ہے، اس لیے تصرف کرنے میں وہ متعدی ہوگا اور اس پر ضمان واجب ہوگا۔

برخلاف اس صورت کے جب قاضی کے حکم اور اس کی اجازت سے اس اجنبی نے مرد غائب کے والدین پر خرچ کیا ہو تو اس صورت میں اس پر ضمان نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ قاضی کی ولایت عام اور تام ہے اور اس کے حکم اور آؤر کو بجالا نا سب پر ضروری اور واجب ہے، اس لیے قاضی کی ولایت سے خرچ کرنا موجب ضمان نہیں ہوگا۔

وإذا ضمن الخ: فرماتے ہیں کہ حکم قاضی کے بغیر خرچ کرنے کی صورت میں جب اس اجنبی پر ضمان واجب ہوا اور اس نے تاوان دیدیا تو وہ اجنبی شخص مرد غائب کے والدین سے اسے وصول نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اجنبی تاوان دے کر اس مال کا مالک ہو چکا ہے لہذا اس کا مرد غائب کے والدین پر خرچ کرنا اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور تبرع عات و عطیات میں رد اور واپسی نہیں ہوتی۔

وَ إِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَ ذَوِي الْمَحَارِمِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّة سَقَطَتْ، لِأَنَّ نَفَقَةَ هَؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتَّى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَ قَدْ حَصَلَتْ بِمَضِيِّ الْمُدَّةِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ إِذَا قَضَى بِهَا الْقَاضِي، لِأَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُولِ الْإِسْتِغْنَاءِ فِيمَا مَضَى، قَالَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِي بِالْإِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْقَاضِي لَهُ وَلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ إِذْنُهُ كَأَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيرُ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ فَلَا يَسْقُطُ بِمَضِيِّ الْمُدَّةِ.

**ترجمہ:** اور جب قاضی نے لڑکے لیے، والدین کے لیے اور ذوی الارحام کے لیے نفقہ کا حکم دیا پھر ایک مدت گزر گئی تو اس (مدت) کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا نفقہ حاجت پوری کرنے کے لیے واجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ خوشحالی کے ہوتے ہوئے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اتنی مدت گزرنے سے کفایت حاصل ہو چکی ہے۔ برخلاف بیوی کے نفقے کے جب قاضی اس کا فیصلہ دے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ اس کے خوشحال ہونے کے باوجود واجب ہوتا ہے، لہذا ایام گزشتہ میں استغناء حاصل ہونے سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ الایہ کہ قاضی شوہر کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دے، اس لیے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے، لہذا قاضی کا حکم دینا ایسا ہے جیسے غائب کا حکم دینا، لہذا یہ مرد غائب کے ذمے دین ہو جائے گا اور مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔

## اللغات:

﴿قضى﴾ فیصلہ کر دیا۔ ﴿مضت﴾ گزر گئی۔ ﴿یسیر﴾ الماری۔ ﴿استدانہ﴾ قرض لینا۔

## مدت خالیہ عن النفقة کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی شخص پر اس کے لڑکے، اس کے والدین اور اس کے قرابت داروں کے نفقے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد ایک مدت مثلاً دو ماہ بلا نفقہ کے گزر گئے تو ان دو ماہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کے لیے واجب ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر یہ لوگ خوش حال اور مالدار ہوں تو پھر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، لہذا جب بدون نفقہ دو ماہ گزر گئے تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ان دو ماہ میں انہیں نفقہ کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے ان دو ماہ کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور ساقط ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی نے کسی شخص کی بیوی کا نفقہ مقرر کر دیا اور بدون نفقہ کچھ مدت گزر گئی تو مدت ماضیہ کا نفقہ برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ بیوی کے خوشحال ہونے پر بھی شوہر کے ذمے اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے، لہذا ایام ماضیہ کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اگرچہ اس مدت اور ان ایام میں بیوی مستغنی اور نفقے سے بے پرواہ ہو۔

قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر قاضی نے والدین اور بیوی بچوں کو مرد غائب کے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدیا، لیکن کچھ مدت گزر گئی اور ان لوگوں نے قرضہ نہیں لیا تو بھی ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے، لہذا باقی کا حکم دینا ایسا ہے جیسا خود مرد غائب نے قرضہ لینے کا حکم دیا ہو اور اگر مرد غائب اپنے نام پر قرضہ لینے کا حکم دیدے تو کچھ مدت تک اگر قرضہ نہیں لیا گیا تو بھی ان لوگوں کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

## فَصْلٌ

## یہ فصل غلام اور حیوانات وغیرہ کے نفقہ کے بیان میں ہے

وَعَلَى الْمَوْلَى أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَمَتِهِ وَعَبْدِهِ لِقَوْلِهِ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْمَمَالِكِ أَنَّهُمْ ((أَخَوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، أَطْعَمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَالْبَسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَلَا تَعَذِّبُوا عِبَادَ اللَّهِ))، فَإِنْ أَمْتَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَانْفَقَا، لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتَّى يَبْقَى الْمَمْلُوكُ حَيًّا وَيَبْقَى فِيهِ مِلْكُ الْمَالِكِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ بَانَ كَانَ عَبْدًا زَمِنًا أَوْ جَارِيَةً لَا يُوَاجِرُ مِثْلَهَا أُجِيرَ الْمَوْلَى عَلَى بَيْعِهِمَا لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ، وَفِي الْبَيْعِ إِيفَاءُ حَقِّهِمَا وَإِيفَاءُ حَقِّ الْمَوْلَى بِالْخَلْفِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِأَنَّهَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ تَاخِيرًا عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَنَفَقَةُ الْمَمْلُوكِ لَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ إِبْطَالًا، وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلَى نَفَقَتِهَا، إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ❷ نَهَى عَنْ تَعَذِّيبِ الْحَيَوَانَاتِ وَفِيهِ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْ ❸ إِضَاعَةِ الْمَالِ وَفِيهِ إِضَاعَتُهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ يُجْبَرُ، وَالْأَصَحُّ مَا قُلْنَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

**ترجمہ:** مولیٰ پر لازم ہے کہ وہ اپنی باندی اور اپنے غلام پر خرچ کرے، اس لیے کہ غلاموں کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماتحتی میں ڈال دیا ہے لہذا جو کھاتے ہو وہ انہیں کھلاؤ اور جو پہنتے ہو وہ انہیں پہناؤ اور اللہ کے بندوں کو تکلیف مت دو۔ پھر اگر مولیٰ اتفاق سے رک گیا اور غلام باندی کو کمانے کی صلاحیت ہو تو وہ کمائیں اور اپنے اوپر خرچ کریں، کیوں کہ اس میں جانین کے لیے شفقت ہے یہاں تک کہ مملوک بھی زندہ رہے گا اور اس میں مالک کی ملکیت بھی باقی رہے گی۔ اور اگر غلام اور باندی کے پاس کمانے کی لیاقت نہ ہو بایں طور کہ وہ لجا غلام ہو یا باندی ایسی ہو جسے اجرت پر نہ لیا جاسکتا ہو تو مولیٰ کو ان کے بیچنے پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ وہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور بیچنے میں ان دونوں کے حق کو پورا کرنا ہے اور مولیٰ کا حق نائب کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ برخلاف بیوی کے نفقہ کے، کیوں کہ وہ دین ہو جاتا ہے، لہذا اس میں تاخیر کر دی جائے گی جیسا

کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور مملوک کا نفقہ دین نہیں ہوتا اس لیے (اس میں تاخیر) اس کا ابطال ہوگا۔ اور برخلاف تمام حیوانات کے، کیوں کہ وہ نفقہ کے مستحق ہونے کے اہل نہیں ہیں، لہذا مالک کو ان کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ فیما بینہ و بین اللہ اسے نفقہ کا حکم دیا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حیوان کو تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے اور اس میں تکلیف ہے اور آپ ﷺ نے مال کے ضائع سے منع فرمایا ہے اور نفقہ نہ دینے میں مال کا ضیاع ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس پر جبر کیا جائے گا لیکن اصح وہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم

## اللغات:

﴿أمة﴾ باندی۔ ﴿ممالیک﴾ واحد مملوک۔ ﴿أطعمو﴾ کھلاؤ۔ ﴿الْبِسُوهُمْ﴾ ان کو پہناؤ۔ ﴿کَسْب﴾ کمائی کا ذریعہ۔ ﴿زمن﴾ اپانچ۔ ﴿جاریۃ﴾ لونڈی۔ ﴿أَجْبَر﴾ مجبور کیا جائے گا۔ ﴿ایفاء﴾ ادائیگی۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿اضاعة﴾ ضائع کرنا۔  
تخریج:

- ① اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الادب باب فی حق المملوک، حدیث: ۵۱۵۷.
- ② اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الادب باب فی حق المملوک، حدیث: ۱۵۶۱.
- ③ اخرجہ البخاری فی کتاب الاستقرا فی باب ما ینہی عن اضاعۃ المال، حدیث: ۲۴۰۷، ۲۴۰۸.

## غلام اور باندی کا نفقہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی ماتحتی میں غلام اور باندی ہوں تو اسے چاہیے کہ انہیں بھی نفقہ اور کسودہ دے اور ان کے بھی کھانے پینے کا انتظام کرے، اس لیے کہ حدیث پاک میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے اور آپ ﷺ نے أطعموہم مما تأکلون الخ کے فرمان سے غلاموں اور باندیوں کے کھلانے اور پہنانے کی تاکید فرمائی ہے، لیکن واضح رہے کہ یہاں نفقہ اور کسودہ سے مراد اس کی جنس ہے یعنی مولیٰ پر اپنے طعام اور لباس کی جنس سے دنیا لازم نہیں ہے، بلکہ اوسط درجے کا کھانا اور کپڑا جو عموماً دیا جاتا ہے وہ دینا لازم ہے۔

فان امتنع الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مولیٰ غلام یا باندی کو نفقہ دینے سے رک جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ لوگ از خود کما کھا سکتے ہیں (۲) یا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی وہ لوگ از خود کما کھا سکتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ کمائیں کھائیں اور موج مستی کریں تاکہ مولیٰ کا بھی فائدہ ہو اور ان کا بھی فائدہ ہو، ان کا فائدہ تو اس طرح ہوگا کہ وہ کھاپی کر زندہ اور تروتازہ رہیں گے جب کہ ان کے خود کفیل ہونے سے مولیٰ کی ملکیت ان پر برقرار رہے گی اور وہ جب چاہے گا بعد میں انہیں بیچ کر اپنی جیب بھر لے گا۔ اور اگر دوسری شکل ہو یعنی وہ غلام بچا ہو اور کمانے کے لائق نہ ہو یا وہ باندی بھی مجبور و معذور ہو اور نہ تو وہ محنت و مزدوری کر سکتی ہو اور نہ ہی اسے فروخت کیا جاسکتا ہو تو اس صورت میں مولیٰ کو ان کی فروختگی پر مجبور کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ نفقہ نہ دے کر امساک بالمعروف سے رک گیا تو اس پر تشریح بالا احسان واجب ہے اور چوں کہ بیع کے ذریعے تشریح بالا احسان ممکن ہے اس لیے مولیٰ کو بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر غلام و باندی نفقہ کی مستحق ہیں اور بیع میں ان کے استحقاق اور حق کا ایفاء ہے اور نائب یعنی ثمن مولیٰ کو ملے گا اس لیے اس کا بھی فائدہ ہی ہے گویا کہ اس صورت میں بھی جانین کے لیے شفقت ہے۔

بِخِلَافِ نَفَقَةِ الْخ: فرماتے ہیں کہ غلام اور باندی والے مسئلے کے برخلاف اگر شوہر بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کر دے تو اسے بیوی کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے قرض نہیں ہوتا، اس لیے اس میں تاخیر کرنے سے مملوک کا حق ہی باطل ہو جائے گا لہذا اس میں تاخیر نہیں کی جائے گی اور مولیٰ کو نفقہ دینے یا پھر انہیں بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔

بِخِلَافِ سَائِرِ الْخ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے حیوانوں کو چارہ اور دانہ، نہ دے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ جانور اور مویشی وغیرہ نفقہ کا استحقاق نہیں رکھتے اور بدون استحقاق حق کا ثبوت نہیں ہوتا، لہذا مولیٰ کو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، البتہ فیما بینہ وبين اللہ تعالیٰ اس شخص کو حیوانات کو چارہ وغیرہ دینے کا حکم دیا جائے گا، تاکہ حیوانات بھوک مری کا شکار نہ ہوں اور انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو، اس لیے کہ حدیث پاک میں حیوانوں اور جانوروں کو تکلیف دینے اور ستانے سے منع کیا گیا ہے اور انہیں چارہ نہ دینے میں تعذیب ہے، لہذا تعذیب و تکلیف سے بچتے ہوئے چارہ دینا بہتر ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں مال کو برباد کرنے اور بلا وجہ ضائع کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حیوانات کو چارہ نہ دینے میں بھی مال کا ضیاع ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی انہیں چارہ دینا مستحسن ہے۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کوئی مالک اپنے جانوروں کو چارہ نہ دے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ غلام اور باندی کو نفقہ دینے کے لیے مولیٰ کو مجبور کیا جاتا ہے لیکن اصح وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے کہ مالک کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔





# کِتَابُ الْعَتَاقِ

یہ کتاب احکام آزادی کے بیان میں ہے

صاحب کتاب نے اس سے پہلے کتاب الطلاق کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب العتاق کو بیان کر رہے ہیں دونوں کو یکے بعد دیگرے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طلاق اور عتاق دونوں از قبیل اسقاط ہیں چنانچہ طلاق ملک بضع کو ساقط کرتی ہے جب کہ عتاق سے ملک رقبہ کا سقوط ہوتا ہے، مگر چون کہ اول کتاب میں کتاب الزکاح مذکور ہے، اس لیے اس کے معاً بعد کتاب الطلاق کو بیان کر دیا تاکہ نکاح اور طلاق میں مناسبت ہو جائے یہی وجہ ہے کہ کتاب الطلاق کو کتاب العتاق سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

عتق اور عتاق کے لغوی معنی ہیں قوت، طاقت چنانچہ عَتَقَ الْقَرْجُ کے معنی ہیں چوڑا طاقت ور ہو کر اپنے پروں سے اڑنے لگا۔ عتاق کے شرعی معنی ہیں قوت حکمیہ بصیر المرء بها أهلا للشهادة والولاية والقضاء یعنی اس شرعی قوت کا نام عتاق ہے جس کے ذریعے انسان شہادت، ولایت اور قضاء کا اہل ہو جاتا ہے۔

عتق کا سبب دو طرح سے ثابت ہوتا ہے (۱) کسی امر شرعی کی وجہ سے عتاق انسان کے ذمہ واجب ہو جیسے کفارہ نذر وغیرہ (۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ عتاق واجب تو نہ ہو لیکن انسان حصول ثواب اور رضائے الہی کی خاطر رقبہ آزاد کرے۔

**عتق کی شرط:** یہ ہے کہ معتق یعنی آزاد کرنے والا بذات خود آزاد ہو، بالغ ہو، عقل مند ہو اور ملک یمین کا مالک ہو۔  
**عتق کا رکن:** وہ چیز جس سے آزادی واقع ہو۔

**عتق کا حکم:** محل سے رقیّت اور ملکیت کا زوال۔ (بنایہ ۲/۵-۵۶۱، وھکذا فی العناہیہ وفتح القدیر)

الْإِعْتَاقُ تَصَرُّفٌ مَذْمُومٌ إِلَيْهِ، قَالَ ① (أَيُّمَا مُسْلِمٍ أَعْتَقَ مُؤْمِنًا أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ عَصْوٍ مِنْهُ عَصْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ)، وَلِهَذَا اسْتَحَبُّوا أَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْأَةُ الْأَمَةَ لِتَتَحَقَّقَ مَقَابِلَةُ الْأَعْضَاءِ بِالْأَعْضَاءِ.

**ترجمہ:** آزاد کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کے لیے دعا کی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا تو

اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے معق کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمادیں گے۔ اسی لیے علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے کہ مرد غلام آزاد کرے اور عورت باندی آزاد کرے، تاکہ اعضاء کا اعضاء کے ساتھ مقابلہ متحقق ہو جائے۔

## اللغات:

﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿مندوب﴾ ترغیب دی گئی ہے۔

## اللغات:

① اخرجه ابوداؤد فی کتاب العتق باب ای الرقاب افضل، حدیث: ۳۹۶۵۔

و بخاری فی کتاب العتق باب فی العتق و فضله، حدیث رقم: ۲۵۱۷۔

## اعتاق کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ اعتاق رقبہ مباح اور مستحسن ہے اور حدیث پاک میں اس کام کو انجام دینے والے کے لیے دعاء بھی مذکور ہے اور بشارت بھی ہے چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس بندہ مسلم نے کسی مؤمن غلام یا مومنہ باندی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام اور باندی کے ہر عضو کے بدلے اس معق کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمائیں گے، اسی دعا اور بشارت کے پیش نظر علمائے امت نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ مرد کو غلام اور عورت کو باندی آزاد کرنی چاہیے تاکہ عضو کا عضو سے مقابلہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جسم و جان کے ساتھ معق اور معتقہ کے شرم گاہوں کو بھی جہنم سے آزاد کر دیں اور معق کے ہر ہر عضو کے مقابلے معق کا ہر ہر عضو جہنم سے پاک صاف ہو جائے۔

قَالَ الْعِتْقُ يَصْحُ مِنَ الْحَرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِي مَلِكِهِ، شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ، لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ لِلْمَمْلُوكِ، وَالْبُلُوغُ، لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ لِكُونِهِ ضَرَرًا ظَاهِرًا، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُهُ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ، وَالْعَقْلُ، لِأَنَّ الْمَجْنُونَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ، وَلِهَذَا لَوْ قَالَ الْبَالِغُ أَعْتَقْتُ وَ أَنَا صَبِيٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ، وَ كَذًا لَوْ قَالَ الْمُعْتَقُ أَعْتَقْتُ وَ أَنَا مَجْنُونٌ وَ جُنُونُهُ كَانَ ظَاهِرًا، لَوْ جُودَ الْإِسْنَادُ إِلَى حَالَةِ مُنَافِيَةٍ، وَ كَذًا لَوْ قَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ إِذَا احْتَمَلْتُ لَا يَصْحُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ، وَ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ فِي مَلِكِهِ حَتَّى لَوْ أَعْتَقَ عَبْدٌ غَيْرَهُ لَا يَنْفَعُ عِتْقُهُ لِقَوْلِهِ ① النَّبِيُّ ﷺ لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ آزاد، بالغ اور عاقل آدمی سے اس کی ملکیت میں حق صحیح ہوتا ہے، امام قدوری رحمہ اللہ نے حریت کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ حق صرف ملکیت میں صحیح ہوتا ہے اور مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور بلوغ کی شرط لگائی ہے، اس لیے کہ بچہ اعتاق کا اہل نہیں ہے، کیوں کہ اعتاق میں ضرر ظاہر ہے، اسی لیے ولی بچے پر اعتاق کا مالک نہیں ہوتا۔ اور عاقل ہونے کی شرط لگائی ہے، کیوں کہ مجنون تصرف کا اہل نہیں ہوتا، اسی لیے اگر بالغ مرد نے کہا میں آزاد کیا حالاں کہ میں بچہ ہوں تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اور

ایسے ہی اگر معق نے کہا میں نے آزاد کیا لیکن میں مجنون ہو۔ اور اس کا جنون ظاہر بھی ہو، کیوں کہ اعتاق کی نسبت منافی عتق حالت کی طرف کی گئی ہے۔ اسی طرح اگر بچے نے کہا کہ ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہوں جب میں بالغ ہو جاؤں تو وہ آزاد ہے تو بھی اعتاق صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ نابالغ کسی ایسے قول کا اہل نہیں ہے جو لازم کرنے والا ہو۔

اور غلام کا معق کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا عتق نافذ نہیں ہوگا، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس میں عتق (کا نفاذ) نہیں ہوتا۔

### اللغات:

﴿شَرَطٌ﴾ شرط لگائی۔ ﴿حرية﴾ آزادی۔ ﴿مِلْزَمٌ﴾ لازم کرنے والا۔

### تخریج:

① أخرجه الترمذی فی کتاب الطلاق باب ما جاء لا طلاق قبل النکاح، حدیث: ۱۱۸۱.

و ابوداؤد فی کتاب الطلاق باب فی الطلاق قبل النکاح، حدیث رقم: ۲۱۹۰.

### اعتاق کی شرائط:

امام قدوری رحمہ اللہ نے اس عبارت میں اعتاق کی شرائط کو بیان کیا ہے اور صاحب ہدایہؒ نے ان کے فوائد قیود ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آزاد کرنے والے انسان کا بذات خود آزاد ہونا صحت اعتاق کے لیے شرط اور ضروری ہے، کیوں کہ اعتاق ایک تصرف ہے جو صرف انسان کی ملکیت میں درست ہے اور غیر آزاد یعنی مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی، اسی لیے صحت اعتاق اور نفاذ عتق کے لیے معق کا خود آزاد ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اعتاق کے لیے معق کا بالغ اور مکلف ہونا بھی شرط ہے، کیوں کہ اعتاق میں بظاہر ضرر ہے اور ملکیت کا ضیاع ہے اور بچہ دیگر تصرفات کا اہل نہیں ہے تو پھر اسے اعتاق کی لیاقت کیوں کر ہوگی جب کہ اس میں کھلا ہوا ضرر ہے اسی لیے شریعت نے بچے کے ولی وغیرہ کو اس کی طرف سے اعتاق کا حق نہیں دیا ہے۔

والعقل الخ: فرماتے ہیں کہ اعتاق کے لیے معق کا عقل مند ہونا بھی شرط اور ضروری ہے، کیوں کہ مجنون کسی تصرف کا اہل نہیں ہوتا چہ جائے کہ اعتاق جیسے اہم تصرف کا اہل ہو، اسی لیے اگر کسی بچے نے یہ کہا میں نے ایسے وقت میں غلام آزاد کیا تھا جب میں نابالغ تھا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اعتاق صحیح نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے اعتاق کو ایک ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو نفاذ وقوع کے منافی ہے (یعنی عدم بلوغ) اور پھر اس کے قول و انا صبی میں اعتاق سے انکار ہے اور منکر کا ہی قول معتبر ہوتا ہے فلذا يعتبر قوله۔

و کذا لو قال الخ: ایسے ہی اگر کسی شخص نے کہا میں نے اس حال میں غلام آزاد کیا تھا جب میں مجنون تھا اور صورت حال یہ ہو کہ اس شخص کا جنون اور پاگل پن لوگوں میں مشہور و معروف بھی ہو تو اس صورت میں بھی اس کا قول معتبر ہوگا اور عتق نہیں واقع ہوگا، کیوں کہ اس نے بھی اعتاق کو منافی عتق حالت یعنی جنون کی طرف منسوب کیا ہے، لہذا اس کا قول معتبر ہوگا اور عتق کا نفاذ نہیں ہوگا۔

و کذا لوقال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی بچے نے کہا کہ میں جتنے غلام اور مملوک کافی الحال مالک ہوں اور وہ سب میرے بلوغت کے وقت آزاد ہیں تو اس صورت میں بھی آزادی متحقق نہیں ہوگی، کیوں کہ جس وقت یہ جملہ اداء کیا گیا ہے اس وقت وہ بچہ تھا اور بچہ تصرف کا اہل نہیں ہوتا اور اس کا یہ قول آئندہ کے لیے ملزم بھی نہیں ہے یعنی اس کے بالغ ہونے کے وقت اعتاق کو نافذ بھی نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ جس طرح بچے کو تصرفات سے روکا گیا ہے اسی طرح اسے اس طرح کے کلمات کی ادائیگی اور تلفظ سے بھی روکا اور منع کیا گیا ہے۔

و لا بد الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ معق جس غلام کو آزاد کرنا چاہے اس غلام کا اس کی اپنی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، اس لیے اگر کسی نے دوسرے شخص کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا اعتاق صحیح نہیں ہے اور اس غلام میں حق کا نفاذ نہیں ہوگا، کیوں کہ حدیث پاک میں ہے لا عتق فیما لا یملک ابن آدم یعنی انسان جس چیز کا مالک نہیں ہوتا اس میں اس کا اعتاق درست اور نافذ نہیں ہوتا۔ اور پھر فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ لا یجوز التصرف فی ملک الغیر یعنی دوسرے کی ملکیت میں تصرف جائز نہیں ہے، لہذا اس حوالے سے بھی دوسرے کے غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔

وَ إِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌ أَوْ عَتِيقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْ قَدْ حَرَّرْتُكَ أَوْ قَدْ أَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى بِهِ الْعِتْقَ أَوْ لَمْ يَنْوِ، لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَافَ صَرِيحٌ فِيهِ، لِأَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيهِ شَرْعًا وَ عُرْفًا فَأَغْنَى ذَلِكَ عَنِ النِّيَّةِ، وَالْوَضْعُ وَ إِنْ كَانَ فِي الْإِخْبَارِ فَقَدْ جُعِلَ إِنْشَاءً فِي التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِمَا، وَ لَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْإِخْبَارَ الْبَاطِلَ أَوْ أَنَّهُ حُرٌّ مِنْ الْعَمَلِ صَدَقَ دِيَانَةً لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ، وَ لَا يُدَيِّنُ قَضَاءً لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ.

ترجمہ: اور جب مولیٰ نے اپنے غلام یا اپنی باندی سے کہا تو آزاد ہے یا معق ہے یا عتیق ہے یا محرر ہے یا میں نے تجھے محرر کر دیا، یا میں نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا خواہ مولیٰ اس سے عتق کی نیت کرے یا نہ کرے، کیوں کہ یہ الفاظ اعتاق کے لیے صریح ہیں، اس لیے یہ الفاظ شرع اور عرف دونوں طرح اعتاق کے لیے مستعمل ہیں، لہذا اس نے نیت سے مستغنی کر دیا، اور ان الفاظ کی وضع اگرچہ اخبار کے لیے ہے، لیکن ضرورت کے پیش نظر تصرفات شرعیہ میں انشاء کے لیے لے لیا گیا جیسا کہ طلاق اور بیع وغیرہ میں ہوا ہے۔

اور اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اس سے جھوٹی خبر دینے کا ارادہ کیا تھا یا یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ کام سے آزاد ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لیے کہ یہ جملہ اس کا احتمال رکھتا ہے، لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ خلاف ظاہر ہے۔

### اللغات:

﴿معق﴾ آزاد کیا گیا۔ ﴿عتیق﴾ آزاد۔ ﴿محرر﴾ آزاد کیا گیا۔ ﴿اغنی﴾ حاجت مند نہیں چھوڑ۔ ﴿عنیت﴾ میں نے مراد لیا۔ ﴿لا یدین﴾ نہیں تصدیق کی جائے گی۔

## الفاظ اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ اَنْت حر یا اَنْت مُعتق یا اَنْت عتیق یا اَنْت محرور یا قد حر رتک یا یوں کہا فقد اُعتقتک تو ان تمام صورتوں میں سے ہر صورت میں غلام اور باندی کی آزادی ہو جائے گی خواہ مولیٰ نے ان کلمات اور الفاظ سے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ ہو، کیوں کہ مذکورہ جملے اعتاق کے لیے صریح ہیں، اور اعتاق ہی کے لیے شرع اور عرف دونوں اعتبار سے مستعمل ہیں، لہذا نیت سے استغناء ہو گیا اور بدون نیت بھی ان صورتوں میں حق کا نفاذ ہو جائے گا، کیوں کہ الفاظ صریح نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔

والوضع الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اَنْت حر، اَنْت معتق اور قد اُعتقتک اور قد حر رتک کے الفاظ اگرچہ اصل وضع کے اعتبار سے اخبار یعنی خبر دینے کے لیے ہیں، لیکن تصرفات شرعیہ میں ضرورت کے پیش نظر انہیں انشاء کے لیے لے لیا گیا ہے جیسے کہ طلاق اور بیع میں بھی اَنْت طالق اور بیعت و اشتريت بھی اصل وضع کے اعتبار سے اخبار کے لیے ہیں مگر ضرورت شرعیہ کی وجہ سے انہیں انشاء کے لیے لے لیا گیا ہے۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اَنْت حر وغیرہ سے یہ نیت کی کہ تم کام اور عمل سے آزاد ہو تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ دینا اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لیے کہ ان الفاظ میں اس نیت اور ارادے کا احتمال ہے اور ہر جملہ اپنے محتمل کا احتمال رکھتا ہے، اس لیے دینا تو مولیٰ کی تصدیق کی جائے گی، لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ خلاف ظاہر ہے اور خلاف ظاہر امور میں قضاء نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لیے قضاء مولیٰ کی نیت معتبر نہیں ہوگی۔

وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ يَعْتِقُ، لِأَنَّهُ نَدَاءٌ بِمَا هُوَ صَرِيحٌ فِي الْعَتِقِ وَهُوَ لَا سِتْ حَضَارِ الْمُنَادَى بِالْوَصْفِ الْمَذْكُورِ، هَذَا هُوَ حَقِيقَتُهُ فَيَقْتَضِي تَحَقُّقَ الْوَصْفِ وَأَنَّهُ يَثْبُتُ مِنْ جِهَتِهِ فَيَقْتَضِي ثُبُوتَهُ تَصَدِيقًا لَهُ فِيمَا أَخْبَرَ، وَسَنَقَرُّهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى "إِلَّا إِذَا سَمَاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَا حُرُّ، لِأَنَّ مُرَادَهُ الْإِعْلَامَ بِاسْمِ عَلَيْهِ وَهُوَ مَا لَقَّبَهُ بِهِ، وَلَوْ نَادَاهُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَا آزَادُ وَقَدْ لَقَّبَهُ بِالْحُرِّ قَالُوا يَعْتِقُ، وَكَذَا عَكْسُهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَدَاءٍ بِاسْمِ عَلَيْهِ فَيُعْتَبَرُ إِنْخَبَارًا عَنِ الْوَصْفِ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا اسے آزاد، اے عتیق تو وہ آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ ایسے لفظ کے ساتھ پکارنا ہے، جو عتیق میں صریح ہے اور نہ منادی کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کے لیے ہوتا ہے، یہی منادی کی حقیقت ہے، لہذا یہ مذکورہ وصف کے تحقق ہونے کا تقاضا کرے گا اور یہ وصف منادی کی طرف سے ثابت ہوگا اس لیے مولیٰ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کے لیے اس وصف کے ثبوت کا تقاضا کرے گا۔ اور بعد میں انشاء اللہ ہم اسے ثابت کریں گے۔ الا یہ کہ مولیٰ نے غلام کا حرام رکھ رکھا ہو پھر اسے پکارا ہو اے حر، اس لیے کہ مولیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ غلام کے نام سے اسے اطلاع دے یعنی اس لقب سے جو مولیٰ نے اس کو ملقب کیا ہے۔ اور اگر مولیٰ نے فارسی میں اے آزاد کہہ کر غلام کو پکارا حالانکہ اس نے حرام غلام کا لقب دے رکھا ہو تو فقہائے کرام نے

فرمایا کہ وہ آزاد ہو جائے گا اور ایسے ہی اگر اس کا لٹا ہو، اس لیے کہ یہ اس کے نام سے پکارنا نہیں ہے، لہذا اخبار عن الوصف کا اعتبار کیا جائے گا۔

## اللغات:

﴿حر﴾ آزاد آدمی۔ ﴿استحضار﴾ موجود کرنا۔ ﴿سمی﴾ نام رکھا۔ ﴿اعلام﴾ اطلاع دینا۔

## اپنے غلام کو "اے آزاد" کہہ کر پکارنے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے مملوک سے یا حُر یا عَتِیق کہا تو ان دونوں صورتوں میں اس کا مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ مولیٰ نے ایسے لفظ سے مملوک کو پکارا ہے جو حُر کے لیے صریح ہے اور چوں کہ نداء وصف مذکور کے ساتھ منادی کو حاضر کرنے کا نام ہے اور یہاں وصف مذکور حُر اور عَتِیق ہے اس لیے منادی اس وصف کے ساتھ تحقق ہونے کا تقاضا کرے گا اور مولیٰ کے نداء اور اس کی جز کی تصدیق کے لیے منادی یعنی مملوک میں لازمی طور پر اس وصف یعنی حریت اور حُر کے موجود ہونے کا تقاضا کرے گا، اس لیے مملوک میں حریت اور حُر دونوں تحقق ہوں گے اور وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ ویسے آپ کی مزید تسلی کے لیے صاحب ہدایہ آئندہ چل کر اسے اور بھی زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کریں گے۔

الا إذا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ کے غلام کا نام یا لقب حُر ہو اور پھر وہ اسی نام سے اسے پکارے تو اس صورت میں وہ مملوک آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہاں مولیٰ نے حریت کی خبر دینے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ غلام کو اس کے نام سے بلانے اور پکارنے کا ارادہ کیا ہے، اس لیے یہ کلام اثبات حُر کے لیے نہیں ہوگا اور غلام آزاد نہیں ہوگا۔

ولوناداه الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مملوک کا لقب حُر ہو اور مولیٰ فارسی زبان میں یا آزاد کہہ کر اسے پکارے تو اس صورت میں مشائخ کی رائے یہ ہے کہ وہ مملوک آزاد ہو جائے گا، اسی طرح اگر غلام کا لقب آزاد ہو اور مولیٰ عربی میں یا حُر کہہ کر اسے پکارے تو بھی وہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لقب اور نام کے علاوہ دوسرے لقب اور نام سے پکارنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ مولیٰ کا مقصد اس مملوک میں وصف حریت کی خبر دینا ہے اور اخبار عن وصف الحرۃ سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے اس لیے ان دونوں صورتوں میں وہ آزاد ہو جائے گا۔

وَكَذَا لَوْ قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبَتُكَ أَوْ بَدَنُكَ، أَوْ قَالَ لِأَمَتِهِ فَرَجُكَ حُرٌّ، لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ يُعْبَرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ، وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ، وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ شَانِعٍ يَقَعُ فِي ذَلِكَ الْجُزْءِ وَ سَيَاتِيكَ الْاِخْتِلَافُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مولیٰ نے کہا تیرا سر آزاد ہے یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی باندی سے کہا تیری شرم گاہ آزاد ہے، کیوں کہ ان الفاظ سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کتاب الطلاق میں یہ گزر چکا ہے۔ اور اگر مولیٰ نے کسی جزء شائع کی طرف آزادی کو منسوب کیا تو اس جزء میں آزادی واقع ہو جائے گی اور اس سلسلے میں عنقریب اختلاف آپ کے سامنے آئے گا۔

## اللغات:

﴿رأس﴾ سر۔ ﴿وجه﴾ چہرہ۔ ﴿رقبة﴾ گردن۔ ﴿فرج﴾ شرمگاہ۔ ﴿يعبر﴾ بیان کیا جاتا ہے، تعبیر کیا جاتا ہے۔ ﴿شائع﴾ پھیلا ہوا۔

## اعتاق کو جزء بدن کی طرف مضاف کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام یا اپنی باندی سے کہا تیرا سر آزاد ہے یا یوں کہا کہ تیرا چہرہ آزاد ہے یا یوں کہا کہ تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے۔ یا اپنی باندی سے کہا کہ تیری شرم گاہ آزاد ہے تو ان تمام صورتوں میں مملوک پر آزادی واقع ہو جائے گی، کیوں کہ ان الفاظ سے انسان کے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے لہذا رأس، وجہ، رقبہ اور بدن یا فرج سے پورا جسم اور پوری ملکیت مراد ہوگی اور مکمل طور پر مملوک میں آزادی واقع ہو جائے گی جیسا کہ کتاب الطلاق یہ تفصیل آچکی ہے۔

و ان أضافه الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے عتق کو مملوک کے کسی جزء شائع مثلاً تہائی یا چوتھائی کی طرف منسوب کیا تو پہلے اس جز میں عتق واقع ہوگا اور پھر پورے بدن اور جسم میں سرایت کر جائے گا۔ اس میں امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔

وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ مُّعَيَّنٍ لَا يُعْبَرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرَّجْلِ لَا يَقَعُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَالْكَلَامُ فِيهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے اعتاق کو کسی ایسے معین جزء کی طرف منسوب کیا جس سے پورے بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا جیسے ہاتھ اور پیر تو ہمارے یہاں عتق نہیں واقع ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، اور اس میں وہی بحث ہے جو طلاق میں ہے اور طلاق کی بحث کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

## اللغات:

﴿رجل﴾ ٹانگ، پاؤں۔

## اعتاق کو جزء بدن کی طرف مضاف کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک کے اعتاق کو کسی ایسے معین جزء کی طرف منسوب کیا جس سے پورا بدن تعبیر نہیں کیا جاتا مثلاً یدک حر یا رجلک حر کہا تو اس صورت میں ہمارے یہاں عتق تحقق نہیں ہوگا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد وغیرہ کے یہاں اس صورت میں عتق واقع ہو جائے گا، یہ مسئلہ مسئلہ طلاق کی طرح ہے جسے ہم ماقبل میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔

وَلَوْ قَالَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَيْتُ بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتَقْ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ لَا مِلْكَ لِي

عَلَيْكَ لِأَنِّي بَعْتُكَ وَ يَحْتَمِلُ لِأَنِّي اعْتَقْتُكَ فَلَا يَتَعَيَّنُ أَحَدُهُمَا مُرَادًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے کہا تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے اور اس سے اس نے آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ مولیٰ کی مراد یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور یہ بھی احتمال ہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا، لہذا بدون نیت کوئی مراد متعین نہیں ہوگی۔

### اللغات:

﴿حرية﴾ آزادی۔ ﴿لم ينو﴾ نیت نہیں کی۔

”لا ملک لی علیک“ کے الفاظ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا لا ملک لی علیک اور اس سے آزادی کی نیت کی تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اگر آزادی کی نیت نہیں کی تو مملوک آزاد نہیں ہوگا۔ کیوں کہ لا ملک لی علیک میں ملکیت ختم ہونے کے سلسلے میں دو احتمال ہیں (۱) میں نے تجھے فروخت کر دیا اس لیے تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے (۲) میں نے تجھے آزاد کر دیا اس لیے تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے یہ دو احتمال ہیں اس لیے عتق اور اعتاق کی جہت متعین ہونے کے لیے نیت کی ضرورت ہوگی اور بغیر نیت کے کوئی احتمال متعین نہیں ہوگا۔

قَالَ وَ كَذَا كِنَايَاتُ الْعِتْقِ وَ ذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ خَرَجْتَ مِنْ مِلْكِي وَ لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ وَ لَا رِقَ لِي عَلَيْكَ وَ قَدْ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ، لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيلِ وَ الْخُرُوجَ عَنِ الْمِلْكِ وَ تَخْلِيَةَ السَّبِيلِ بِالْبَيْعِ أَوْ الْكِتَابَةِ كَمَا يَحْتَمِلُ بِالْعِتْقِ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ، وَ كَذَا قَوْلُهُ لِأَمَتِهِ قَدْ أَطْلَقْتُكَ، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ وَ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ طَلَقْتُكَ عَلَى مَا نُبَيِّنُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللهُ.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ کنایات عتق کا بھی یہی حال ہے اور یہ جیسے مولیٰ کا قول خرجت من ملکي تو میری ملکیت سے نکل گئی، تجھ پر میری کوئی راہ نہیں ہے، میرے لیے تجھ پر رقیق نہیں ہے، میں نے تیری راہ چھوڑ دی۔ اس لیے کہ یہ بیع اور کتابت کے ذریعے بھی ملکیت سے راہ کی نفی کرنے اور نکلنے کا احتمال رکھتا ہے، جیسا کہ عتق کے ذریعہ احتمال رکھتے ہیں، لہذا نیت ضروری ہے۔ اور ایسے ہی مولیٰ کا اپنی باندی سے قد اطلقتک کہنا ہے کیوں کہ یہ اس کے قول خلیت سبیلک کہنے کے درجے ہے، یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے، برخلاف اس کے طلقک کہنے کے جیسا کہ بعد میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

### اللغات:

﴿سبیل﴾ راستہ۔ ﴿ریق﴾ غلامی۔ ﴿خلیت﴾ میں نے چھوڑ دیا۔ ﴿اطلقت﴾ میں نے چھوڑ دیا۔



## کنایات اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک کو الفاظ کنایات کے ذریعے آزاد کیا جیسے یہ کہا کہ تو میری ملکیت سے خارج ہے یا یہ کہا کہ تجھ پر میری کوئی راہ نہیں ہے یا یہ کہا کہ تجھ پر میرے لیے رقت نہیں ہے یا یہ کہا کہ میں نے تیری راہ چھوڑ دی، تو ان تمام صورتوں میں اگر مولیٰ نے حق کی نیت کی ہوگی تو اس کے مملوک پر آزادی واقع ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ ان الفاظ میں بیع کے ذریعے اور کتابت کے ذریعے ملکیت سے نفی کرنے اور راستہ چھوڑنے کا بھی احتمال ہے اور حق کے ذریعے بھی ملکیت سے نکلنے اور راہ چھوڑنے کا احتمال ہے لہذا ایک احتمال کی تعیین کے لیے نیت درکار ہوگی اور نیت کے مطابق حق اور عدم حق کا فیصلہ ہوگا، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ تمام صورتوں میں وقوع حق کے لیے مولیٰ کی طرف سے نیت حق ضروری ہے۔ اگر نیت پائی جائے گی تو آزادی متحقق ہوگی ورنہ نہیں۔

و کذا قوله الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے قداً طلقک کہا یعنی میں نے تجھے چھوڑ دیا تو اس سے بھی بدون نیت آزادی نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ اس میں بھی اعتاق اور تخلیہ سبیل دونوں کا احتمال ہے، لہذا بدون نیت حق متحقق نہیں ہوگا یہی قول حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے یوں کہا طلقک میں نے تجھے طلاق دے دی تو اس صورت میں مولیٰ کی لاکھ نیت کرنے کا باوجود بھی باندی آزاد نہیں ہوگی، کیوں کہ لفظ طلقک طلاق کے لیے نہ سہیح ہے، لہذا اس سے حق کا وقوع نہیں ہوگا۔

وَلَوْ قَالَ لَا سُلْطَانَ لِيْ عَلَيْكَ وَ نَوَى الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ ، لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْبَيْدِ وَ سَمِيَ السُّلْطَانُ بِهِ لِإِقْبَامِ يَدِهِ وَ قَدْ يَبْطِئُ الْمَلِكُ دُونَ الْبَيْدِ كَمَا فِي الْمَكَاتِبِ ، بِخِلَافِ قَوْلِهِ لَا سَبِيلَ لِيْ عَلَيْكَ ، لِأَنَّ نَفْيَهُ مُطْلَقًا بِانْتِفَاءِ الْمَلِكِ ، لِأَنَّ لِلْمَوْلَى عَلَى الْمَكَاتِبِ سَبِيلًا فَلِهَذَا يَحْتَمِلُ الْعِتْقُ .

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے کہا تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ سلطنت سے قبضہ مراد ہے۔ اور بادشاہ کا نام اس لیے سلطان رکھا گیا ہے، کیوں کہ سلطنت پر اسی کا قبضہ ہوتا ہے اور کبھی کبھی ملکیت باقی رہتی ہے، لیکن قبضہ نہیں رہتا جیسا کہ مکاتب میں، برخلاف مولیٰ کے قول لا سبیل لی علیک کے، اس لیے کہ سبیل کی مطلقاً نفی کرنا ملک کی نفی سے ہوتی ہے، کیوں کہ مکاتب پر مولیٰ کو سبیل حاصل رہتی ہے، اسی لیے یہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

## اللغات:

سلطان: غلبہ، تسلط۔ (ید): قبضہ۔ (سقی): نام رکھا گیا ہے۔

## کنایات اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا لا سلطان لی علیک تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور اس جملے سے

اس نے آزادی کی نیت کی تو بھی وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ لفظ سلطان کا معنی ہے قبضہ، اسی لیے بادشاہ کو سلطان کہتے ہیں کیوں کہ ملک پر اس کا قبضہ ہوتا ہے بہر حال سلطان قبضہ کے معنی میں ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی ملکیت باقی رہتی ہے لیکن قبضہ نہیں رہتا جیسے مکاتب ہے کہ اس میں ملکیت رہتی ہے، لیکن قبضہ نہیں رہتا، اسی لیے صورت مسئلہ میں مملوک پر آزادی نہیں واقع ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے لا سبیل لی علیک کہا اور اس سے اعتاق کی نیت کی تو وہ مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ لا سبیل لی علیک کو مطلق کہنا انتقائے ملک کو مستلزم ہے اور چون کہ مکاتب پر مولیٰ کو راہ حاصل رہتی ہے، اس لیے مکاتب کے حق میں لا سبیل لی علیک حق کا احتمال رکھے گا اور مکاتب آزاد ہو جائے گا۔

وَلَوْ قَالَ هَذَا ابْنِي وَ ثَبَتَ عَلَى ذَلِكَ عَتَقَ، وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ يُؤَلَّدُ مِنْهُ لِمِثْلِهِ، وَإِذَا كَانَ لَا يُؤَلَّدُ مِنْهُ لِمِثْلِهِ ذَكَرَهُ بَعْدَ هَذَا، ثُمَّ إِنَّ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ، لِأَنَّ وَلايَةَ الدَّعْوَى بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ، وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ إِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ، وَإِذَا ثَبَتَ عَتَقَ، لِأَنَّهُ يَسْتَعِدُّ النَّسَبَ إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ. وَإِنْ كَانَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِلتَّعَذُّرِ وَ يَعْتَقُ إِعْمَالًا لِلْفِظِ فِي مَجَازِهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ إِعْمَالِهِ بِحَقِيقَتِهِ. وَ وَجْهُ الْمَجَازِ نَذْرُهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر جمار ہا تو وہ مملوک آزاد ہو جائے گا اور مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ جب اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی سے پیدا ہو سکتا ہو۔ اور اگر قائل سے اس جیسا لڑکا نہ ہو سکتا ہو تو اسے اس کے بعد بیان کیا ہے۔ پھر اگر غلام کا کوئی معروف نسب نہ ہو تو اس شخص سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اس لیے کہ دعویٰ نسب کی ولایت ملک کی وجہ سے ثابت ہے اور غلام کو نسب کی ضرورت بھی ہے لہذا مولیٰ سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور جب نسب ثابت ہوگا تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ نسب نطفہ قرار پانے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اگر غلام کا نسب معروف ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ متعذر ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ اس لیے کہ لفظ کے حقیقی معنی میں عمل کے دشوار ہونے کی وجہ سے اس کے مجازی معنی میں عمل کرایا جاتا ہے۔ اور مجاز کی وجہ ان شاء اللہ بعد میں ہم بیان کریں گے۔

### اللغات:

﴿ثبت﴾ جم گیا۔ ﴿یولد﴾ پیدا ہو سکتا ہو۔ ﴿یستند﴾ منسوب ہوگا۔ ﴿علوق﴾ استقرار حمل۔ ﴿تعذر﴾ عدم امکان۔ ﴿اعمال﴾ عمل دینا۔

**غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا ہذا ابني یہ میرا بیٹا ہے اور اسی پر جما اور ڈنار ہا تو اگر مولیٰ اور غلام کی عمر میں اس قدر تفاوت ہو کہ مولیٰ سے اس غلام جیسے بیٹے کی ولادت ممکن ہو تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے من ملک دارحم محرم عتق علیہ یعنی جو شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا لہذا غلام تو فوراً آزاد

ہو جائے گا اور اگر اس غلام کا کوئی مشہور و معروف نسب نہ ہو تو اسی مولیٰ سے اس کا نسب بھی ثابت ہو جائیگا، اس لیے کہ ثبوت نسب کے لیے دعویٰ نسب کی ولایت مولیٰ کے مالک ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور غلام کو اس کی ضرورت بھی ہے، اس لیے نسب ثابت ہو جائے گا اور جب نسب ثابت ہوگا تو پھر غلام آزاد بھی ہو جائے گا، کیوں کہ اب نسب وقتِ علق یعنی نطفہ اور حمل قرار پانے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور اسی وقت سے آزادی بھی ثابت ہوگی اور مذکورہ غلام کو وقتِ علق ہی سے خراور آزاد مانیں گے۔

وإن كان الخ: فرماتے ہیں کہ اگر غلام کا کوئی معروف نسب نہ ہو تو اس صورت میں مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ جب مولیٰ کے علاوہ دوسرے شخص سے وہ غلام ثابت النسب ہے تو پھر مولیٰ سے اس کے نسب کا اثبات معذور اور دشوار ہے، اس لیے نسب تو ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ غلام آزاد ہو جائے گا تاکہ لفظ کو اپنے معنی مجازی پر محمول کیا جاسکے، کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ جب لفظ کے حقیقی معنی پر عمل کرنا معذور ہو تو اس صورت میں مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں إذا تعدرت الحقيقة يصار إلى المجاز۔

وَلَوْ قَالَ هَذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ اسْمَ الْمَوْلَى وَإِنْ كَانَ يَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ النِّعَمِ وَالْمَوَالَاةَ فِي الدِّينِ وَالْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ فِي الْعَتَاةِ إِلَّا أَنَّهُ تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ فَصَارَ كَاسْمِ خَاصٍ لَهُ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَسْتَصِرُّ بِمَمْلُوكِهِ عَادَةً وَلِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ فَانْتَفَى الْأَوَّلُ وَالثَّانِي، وَالثَّلَاثُ نَوْعٌ مَجَازٍ وَالْكَلامُ لِحَقِيقَتِهِ، وَالإِضَافَةُ إِلَى الْعَبْدِ تَنَافِي كَوْنُهُ مُعْتَقًا فَتَعَيَّنَ الْمَوْلَى الْأَسْفَلُ فَالتَّحَقُّقُ بِالصَّرِيحِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ هَذِهِ مَوْلَانِي لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْمَوْلَى فِي الدِّينِ أَوْ الْكِذْبِ يُصَدِّقُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى، وَ لَا يُصَدِّقُ فِي الْقَضَاءِ لِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرَ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ مُرَادًا فَالتَّحَقُّقُ بِالصَّرِيحِ وَبِالْبَدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِيحِ يَعْتَقُ بَأَنَّ قَالَ يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ فَكَذَا الْبَدَاءُ بِهَذَا اللَّفْظِ، وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَعْتَقُ فِي الثَّانِي، لِأَنَّهُ يُقْصَدُ بِهِ الْإِكْرَامُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَا سَيِّدِي يَا مَالِكِي، فَلَمَّا الْكَلَامُ لِحَقِيقَتِهِ وَقَدْ أُمِكنَ الْعَمَلُ بِهِ بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَا يَخْتَصُّ بِالْعَتِقِ فَكَانَ إِكْرَامًا مَحْضًا.

**ترجمہ:** اور اگر آقا نے (اپنے غلام کو) کہا یہ میرا مولیٰ ہے یا کہا اے میرے مولیٰ تو غلام آزاد ہو جائیگا، بہر حال پہلا تو اس لیے کہ اگرچہ لفظ مولیٰ مددگار، چچا زاد بھائی دینی موالات عتاقہ اعلیٰ اور اسفل وغیرہ کو شامل ہے لیکن یہاں اسفل متعین ہے لہذا وہ اس کا اسم خاص ہو گیا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مولیٰ عادتاً اپنے مملوک سے مد نہیں طلب کرتا اور غلام کا معروف نسب بھی ہے، لہذا پہلا اور دوسرا معنی منطقی ہو گیا اور تیسرے معنی میں ایک طرح کا مجاز ہے جب کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے لیے ہوتا ہے اور غلام کی طرف نسبت کرنا اس کے معتق ہونے کے متنافی ہے، لہذا مولیٰ اسفل متعین ہے اور یہ صریح کے ساتھ لاحق ہو گیا۔ اور ایسے ہی اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا کہ یہ میری موتی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

اور اگر مولیٰ نے کہا کہ میں نے اس سے مولات فی الدین مراد لیا تھا یا جھوٹ مراد لیا تھا تو فیما بینہ وبين اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے، رہی دوسری شکل تو جب اسغل مراد ہونا متعین ہو گیا تو یہ بھی صریح کے ساتھ لاحق ہو گیا اور لفظ صریح کے ساتھ پکارنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے بایں طور کہ مولیٰ کہے اے حر، اے عقیق لہذا اس لفظ کے ساتھ پکارنے سے بھی (غلام آزاد ہو جائے گا) امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ یا سیدی یا مالکی کی طرح اس قول سے بھی اکرام مقصود ہوتا ہے ہم کہتے ہیں کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے لیے ہوتا ہے اور حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ برخلاف امام زفرؒ کے بیان کے، اس لیے کہ اس میں کوئی ایسا کلام ہی نہیں ہے جو عتق کے ساتھ مختص ہو، لہذا وہ صرف اکرام ہوگا۔

### اللغات:

﴿مولیٰ﴾ آزاد کردہ / آزاد کنندہ۔ ﴿ناصر﴾ مدد کرنے والا۔ ﴿لا یستنصر﴾ مدد نہیں مانگتا۔

### اپنے غلام کو "مولیٰ" کہنے کا حکم:

صورت مسئلہ بالکل آسان اور سہل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ اور آقا نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا ہذا مولای یہ میرا مولیٰ ہے یا یوں کہا یا مولای اے میرے مولا تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا خواہ مولیٰ اور قائل ہذہ الجملہ عتق کی نیت کر کے یا نہ کرے جب کہ ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کے یہاں بدون نیت غلام آزاد نہیں ہوگا۔ پہلی صورت (یعنی جب مولیٰ نے ہذا مولای کہا) کی دلیل یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اگرچہ کئی معانی میں مشترک اور مستعمل ہے اور اس سے متعین و مددگار کا معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے وَاِنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَا لَهُمْ میں لا مولیٰ سے لانا صولہم مراد لیا ہے، اسی طرح یہ لفظ پچازاد بھائیوں کا بھی معنی دیتا ہے چنانچہ سورہ مریم میں ہے وَاِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَآئِي اور موالی سے پچازاد بھائی ہی مراد ہیں، نیز اس سے دینی مولات بھی مراد ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی شخص سے کہے کہ تم میرے مولیٰ ہو اگر میں مرجاؤں تو میرے وارث بن جانا اور اگر میں کوئی جرم اور جنایت کروں تو میری طرف سے تاوان اور دیت دینا اور وہ شخص اسے قبول کر لے تو وہ مذکورہ مسلم کا دینی مولیٰ ہوگا، ایسے ہی لفظ مولیٰ سے معتق یعنی آزاد کرنے والا بھی مراد ہو سکتا ہے اور معتق یعنی کسی کا آزاد کیا ہوا غلام بھی مراد ہو سکتا ہے، بہر حال یہ لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے لیکن یہاں اس سے سب سے آخری معنی یعنی معتق بمعنی آزاد کردہ غلام مراد ہے، اس لیے کہ اس سے پہلا یعنی ناصر اور مددگار والا معنی نہیں مراد لے سکتے، کیوں کہ مولیٰ عموماً اور عادتاً غلام سے مدد نہیں طلب کرتا، اسی طرح دوسرا یعنی ابن العم والا معنی بھی مراد نہیں لیا جاسکتا، اس لیے کہ اس غلام کا نسب معروف ہے اس لیے یہ دو معنی تو منقش ہو گئے۔

ربا تیسرا معنی یعنی مولات فی الدین تو وہ بھی نہیں مراد لیا جاسکتا، کیوں کہ مولیٰ فی الدین لفظ مولیٰ کا مجازی معنی ہے اور مجازی کی طرف اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے جب حقیقی معنی پر عمل دشوار ہو اور صورت مسئلہ میں چوں کہ معنی حقیقی پر عمل ممکن ہے، اس لیے اسے معنی مجازی پر نہیں محمول کیا جاسکتا، لہذا یہ معنی بھی مراد لینا مفتی ہو گیا، اب رہا چوتھے معنی کا مراد ہونا یعنی اس سے مولیٰ اعلیٰ اور آزاد

کرنے والا مولیٰ مراد لیا جائے تو وہ بھی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ ہذا مولای میں ہذا اسم اشارہ ہے اور مولای سے غلام مشارالہ ہے جس کی طرف نسبت کی گئی ہے اور چوں کہ اس کا غلام ہونا متعین ہے، اس لیے وہ معتق نہیں ہو سکتا، لہذا جب ان معانی میں سے کوئی بھی معنی مراد نہیں لیا جاسکتا تو اس سے مولیٰ اسفل یعنی معتق والا معنی متعین ہوگا اور لفظ مولیٰ یہاں اس معنی میں صریح ہوگا اور لفظ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ہذا مولای کہنے سے بدون نیت بھی وہ غلام آزاد ہو جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی باندی سے ہذا مولای کہے تو وہ باندی بھی نیت کے بغیر آزاد ہو جائے گی، اس لیے کہ مولائے اسفل کے علاوہ اسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اور اس کی دلیل بھی وہی ہے جو ہذا مولای کی ہے۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر قائل اور مولیٰ یہ کہے کہ ہذا مولای سے میری مراد یہ تھی کہ وہ میرا دینی مولیٰ ہے یا میں نے کذب اور جھوٹ کا ارادہ کیا تو دیاننا یعنی فیما بینہ وبين اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاء اس کی تصدیق و توثیق نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کا ارادہ ظاہر کے خلاف ہے اور خلاف ظاہر امور میں صرف دیانہ ہی تصدیق ہوتی ہے۔

واما الثاني الخ: فرماتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی یا مولای کہنے کی صورت میں بھی ہمارے یہاں بدون نیت غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ جب لفظ مولیٰ سے مولیٰ اسفل یعنی معتق مراد ہے اور یہ لفظ یہاں اسی معنی میں صریح ہے اور صریح لفظ سے پکارنے میں مثلاً یا عتیق کہنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے، لہذا جب لفظ مولیٰ بھی صریح کی طرح ہے تو یا مولیٰ کہنے سے غلام آزاد ہو جائے گا اور صریح کی طرح اس میں بھی نیت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اس کے برخلاف امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں غلام آزاد ہی نہیں ہوگا کیوں کہ اس لفظ سے تعظیم مقصود ہوتی ہے اور تعظیم و تکریم کے حوالے سے یہ یا سیدی اور یا مالکی کے درجے میں ہے اور یا سیدی اور یا مالکی کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا، لہذا اس سے بھی غلام آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم و تکریم لفظ مولیٰ کے مجازی معنی ہیں اور معتق اس کا حقیقی معنی ہے اور چوں کہ اس معنی پر اسے محمول کرنا ممکن بھی ہے، اس لیے لفظ مولیٰ کو حقیقی معنی ہی پر محمول کریں گے اور اس سے مولیٰ اسفل مراد لیں گے نتیجتاً غلام آزاد ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف امام زفر رحمہ اللہ جو کہتے ہیں یعنی یا سیدی اور یا مالکی پر محمول کرنا تو ان لفظوں میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں ہے جو آزادی پر دلالت کرے، لہذا یا سیدی اور یا مالکی میں اکرام محض ہوگا اور اکرام محض سے تو ہم بھی عدم عتق کے قائل ہیں۔ امام زفر رحمہ اللہ کا قول اس معنی کر کے بھی سمجھ سے پرے ہے کہ جب یہاں نداء مولیٰ کی طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ منادی غلام ہوگا اور بھلا آقا بھی کہیں غلام کا اس طرح اکرام کرتا ہے، یہ بات حلق سے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔

وَلَوْ قَالَ يَا اٰبِيْ اَوْ يَا اَخِيْ لَمْ يَعْتَقْ، لِاَنَّ النِّدَاءَ لَا غَلَامَ الْمُنَادِيْ اِلَّا اَنَّهُ اِذَا كَانَ بِوَصْفٍ يُمَكِّنُ اِثْبَاتَهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِتَحْقِيْقِ ذَلِكَ الْوَصْفِ فِي الْمُنَادِيْ اسْتِحْضَارًا لَهُ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوصِ كَمَا فِي قَوْلِهِ يَا حُرٌّ عَلٰی مَا بَيَّنَّاهُ، وَ اِذَا كَانَ النِّدَاءُ بِوَصْفٍ لَا يُمَكِّنُ اِثْبَاتَهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِلْغَلَامِ الْمُبْرَدِ دُونَ تَحْقِيْقِ الْوَصْفِ فِيهِ لِعَدُّرِهِ، وَالْبُتُوَّةُ لَا يُمَكِّنُ اِثْبَاتَهَا حَالَ النِّدَاءِ مِنْ جِهَتِهِ، لِاَنَّهُ لَوْ اِنْخَلَقَ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِهِ لَا يَكُوْنُ اَبْنًا لَهُ بِهٰذَا

الْبَدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْإِعْلَامِ، وَيُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ شَاذًا أَنَّهُ يَعْتَقُ فِيهِمَا، وَالْإِعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ، وَلَوْ قَالَ يَا ابْنَ لَا يَعْتَقُ، لِأَنَّ الْأَمْرَ كَمَا أَخْبَرَ فَإِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ يَا بَنِي أَوْ يَا بَنِيَّةً، لِأَنَّهُ تَصْغِيرٌ لِلْبَنِ وَالْبَنَاتِ مِنْ غَيْرِ إِضَافَةٍ، وَالْأَمْرُ كَمَا أَخْبَرَ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ نداء منادی کو اطلاع کرنے کے لیے ہوتی ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جسے پکارنے والے کی طرف سے ثابت کرنا ممکن ہو تو منادی میں اس وصف کے ثبوت کے لیے ہوگا تا کہ منادی کو اسی وصف خاص کے ساتھ حاضر کیا جائے جیسا کہ مولیٰ کے یا حکم میں ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جب نداء کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کو پکارنے والی کی طرف سے ثابت کرنا ممکن ہو نہ تو یہ نداء صرف اطلاع کے لیے ہوگی نہ کہ منادی میں اس وصف کے اثبات کے لیے، کیوں کہ اس کا اثبات معذور ہے اور بیٹا ہونا ایک ایسا وصف ہے جسے پکارنے کے وقت منادی کی طرف سے ثابت کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ دوسرے کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو اس پکارنے سے وہ اس کا بیٹا نہیں ہوگا، لہذا یہ پکارنا صرف آگاہ کرنے کے لیے ہوگا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے شاذ روایت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا لیکن اعتماد ظاہر الروایۃ ہی پر ہے۔ اور اگر مولیٰ نے اسے بیٹے کہا تو غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ معاملہ وہی ہے جو اس نے خبر دیا ہے، کیوں کہ وہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے یا بھئی یا بھئیہ کہا اس لیے یہ اضافت کے بغیر ابن اور بنت کی تغیر ہے اور معاملہ اس کی خبر کے مطابق ہے۔

### اللغات:

﴿إِعْلَامٌ﴾ خبر دینا، اطلاع کرنا۔ ﴿مَنَادِيٌّ﴾ جس کو پکارا گیا۔ ﴿مَجْرَدٌ﴾ محض، صرف۔ ﴿بَنُوَّةٌ﴾ بیٹا ہونا۔ ﴿أَنخَلَ﴾ پیدا ہوا، تخلیق پائی۔

### اپنے غلام کو بیٹا یا بھائی کہہ کر پکارنا:

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام کو یا حریعتیق اور یا مولای کہہ کر پکارا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ مثلاً یا ابنی اور یا اخئی کہہ کر پکارنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا یہاں اسی کی مزید تشریح و توضیح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابنی اور یا اخئی کہہ کر غلام کو پکارنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر نداء کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جسے منادی کی طرف سے منادی میں ثابت کرنا ممکن ہو تو اس صورت میں منادی میں اس وصف کو ثابت کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ منادی اور پکارنے والا اسی وصف مذکور کے ساتھ منادی کو حاضر کرنا اور بلانا چاہتا ہے جیسے مولیٰ کے یا حریعتیق کہنے کی صورت میں غلام آزاد ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ اسی وصف کے ساتھ غلام کو بلانا اور حاضر کرنا چاہتا ہے، لیکن صورت مسئلہ میں ابن اور اخ یہ دونوں ایسے وصف ہیں جن کا اثبات مولیٰ کی طرف سے بحالت نداء ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر وہ غلام دوسرے آدمی کے نطفے سے پیدا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اسی کا بیٹا ہوگا اور اس کے بیٹوں کا بھائی ہوگا اور اس کے پکارنے سے وہ نہ تو اس کا بیٹا ہوگا اور نہ ہی بھائی، لہذا یہ پکارنا صرف اطلاع اور آگاہی کے لیے ہوگا اور اس سے غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ قائل کی طرف سے منادی یعنی غلام میں مذکورہ

دونوں وصفوں میں سے کسی وصف کا اثبات ممکن نہیں ہے۔ یہ تفصیل ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔

اس کے برخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حسن بن زیاد کی شاذ روایت یہ ہے کہ یا ابنی اور یا اخبی کہنے کی صورت میں بھی غلام آزاد ہو جائے گا، لیکن یہ روایت نہایت معمولی اور پھپھسی ہے اسی لیے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ والا اعتماد علی الظاہر یعنی معتد اور مستند روایت ظاہر الروایہ کی روایت ہے۔

ولو قال النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام سے یا ابنی کے بجائے یا ابن کہا (اے بیٹا) تو اس سے غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ مولیٰ کی بات واقع کے مطابق ہے اور یقیناً وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے لہذا اس میں عتق کا سوال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے غلام سے یا بُنی (اے بچو) تصغیر کے ساتھ کہا یا باندی سے یا بَیْہُ کہا اور اپنی طرف اضافت نہیں کی تو اس صورت میں بھی غلام اور باندی پر آزادی نہیں واقع ہوگی، کیوں کہ اس کا کلام حقیقت کے مطابق ہے اور تصغیر تو شفقت اور مہربانی کیلئے استعمال کی جاتی ہے، لہذا اس صورت میں بھی عتق کا تحقق نہیں ہوگا۔

وَ اِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا اُبْنِي عَتَقَ عِنْدَ اُمِّي حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، وَ قَالَا لَا يَعْتَقُ وَ هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رحمۃ اللہ علیہ، لَهُمْ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيقَتِهِ فَيُرَدُّ وَ يُلْغَوُ كَقَوْلِهِ اَعْتَقْتُكَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ اَوْ قَبْلَ اَنْ تُخْلَقَ، وَ لَا بُدَّ حَنِيفَةَ رحمۃ اللہ علیہ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيقَتِهِ لِكُنْهٖ صَحِيحٌ بِمَجَازِهِ لِاَنَّهُ اِخْبَارٌ عَنْ حُرِّيَّتِهِ مِنْ حِينَ مِلْكِهِ، وَ هَذَا لِاَنَّ الْبُنُوَّةَ فِي الْمَمْلُوكِ سَبَبٌ لِحُرِّيَّتِهِ اِمَّا اِجْمَاعًا اَوْ صِلَةً لِلْقَرَابَةِ، وَ اِطْلَاقُ السَّبَبِ وَ اِرَادَةُ الْمُسَبَّبِ مُسْتَجَازٌ فِي اللُّغَةِ تَجَوُّزًا، وَ لِاَنَّ الْحُرِّيَّةَ لَا زِمَةَ لِلْبُنُوَّةِ فِي الْمَمْلُوكِ، وَ الْمِثَابَهَةُ فِي وَصْفٍ لَا زِمَ مِنْ طَرُقِ الْمَجَازِ عَلَى مَا عُرِفَ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ تَحَرُّرًا عَنِ الْاِلْغَاءِ، بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهِ، لِاَنَّهُ لَا وَجْهَ لَهُ فِي الْمَجَازِ فَتَعَيَّنَ الْاِلْغَاءُ، وَ هَذَا بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ قَطَعْتُ يَدَكَ فَاُخْرِجَهُمَا صَحِيحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُجْعَلْ مَجَازًا عَنِ الْاِقْرَارِ بِالْمَالِ وَ التَّزَامِهِ وَ اِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبَبًا لَوْجُوبِ الْمَالِ، لِاَنَّ الْقَطْعَ خَطَاً سَبَبٌ لَوْجُوبِ مَالٍ مَخْصُوصٍ وَ هُوَ الْاَرْضُ وَ اِنَّهُ يَخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوَصْفِ حَتَّى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي سَتَتَيْنِ، وَ لَا يُمَكِّنُ اِبْنَاتُهُ بَدُونِ الْقَطْعِ وَ مَا اُمَكَّنَ اِبْنَاتُهُ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهُ، اَمَّا الْحُرِّيَّةُ لَا تَخْتَلِفُ ذَاتًا وَ حُكْمًا فَاُمَكَّنَ جَعَلَهُ مَجَازًا عَنْهُ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے ایسے غلام کو ہذا بنی کہا کہ اس سے اس جیسا غلام نہیں پیدا ہو سکتا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں آزاد ہوگا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا کلام ہے جس کو اس کے حقیقی معنی (پر محمول کرنا) محال ہے لہذا وہ رد اور لغو ہو جائے گا جیسے مولیٰ کا یہ قول (مردود ہے) کہ میں نے

تھے اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے آزاد کر دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگرچہ اپنے حقیقی معنی میں محال ہے لیکن مجازی معنی میں صحیح ہے، اس لیے یہ کہ مولیٰ کے مالک ہونے کے وقت سے غلام کے آزاد ہونے کی خبر دینا ہے اور یہ حکم اس لیے ہے کہ مملوک کا بیٹا ہونا اس کی آزادی کا سبب ہے یا تو اجماع کی وجہ سے یا صلہ قرابت کی وجہ سے اور سبب بول کر مسبب مراد لینا لغت عرب میں مجاز ہے۔ اور اس لیے بھی کہ مملوک میں بیٹا ہونے کے لیے حریت لازم ہے اور وصف لازم میں تشبیہ دینا مجاز کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جیسا کہ یہ معلوم ہو چکا ہے، لہذا کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

برخلاف اس مسئلے کے جس سے استنباط کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں مجاز کی کوئی راہ نہیں ہے لہذا اس کا لغو ہونا متعین ہے۔ اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ (غلطی سے) کاٹ دیا لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ صحیح سالم نکال دیے تو اسے اقرار بالمال اور التزام مال سے مجاز نہیں قرار دیا جائے گا اگرچہ غلطی سے ہاتھ کاٹنا مال مخصوص یعنی تاوان کے وجوب کا سبب ہے اور یہ ایک وصف میں مال مطلق کے مخالف ہے یہاں تک کہ عاقلہ پر دو سال میں جرمانہ واجب ہوتا ہے اور قطع ید کے بغیر اس کا اثبات ممکن نہیں ہے اور جس کا اثبات ممکن ہے تو قطع اس کا سبب نہیں ہے۔ رہی آزادی تو وہ ذات اور حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی، لہذا ابن سے مجازا حریت مراد لینا ممکن ہے۔

### اللغات:

﴿لا یولد﴾ نہ پیدا ہو سکتا ہو۔ ﴿یورث﴾ رد کر دیا جائے گا۔ ﴿یبلغو﴾ لغو ہو جائے گا۔ ﴿اخلق﴾ میں پیدا کیا گیا۔ ﴿بنوۃ﴾ بیٹا ہونا۔ ﴿صلۃ﴾ حسن سلوک۔ ﴿تحوز﴾ بچنا۔ ﴿ارش﴾ جرمانہ، تاوان۔ ﴿عاقلۃ﴾ اہل خاندان۔

### اپنے غلام کو اپنا بیٹا قرار دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا ہذا ابنی اور وہ غلام عمر میں اس شخص سے بڑا ہو اور اس جیسے غلام کا اس جیسے آدمی سے پیدا ہونا ممکن نہ ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا لیکن حضرات صاحبین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آزاد نہیں ہوگا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب غلام اپنے مولیٰ سے عمر میں بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کلام اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے وہ کلام رد اور لغو ہوگا جیسے اگر مولیٰ یہ کہتا کہ میں نے اپنی پیدائش سے پہلے یا تیری پیدائش سے پہلے تجھے آزاد کر دیا تھا تو اس طرح اس صورت میں مذکورہ کلام لغو ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مولیٰ کا کلام رد ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ اس کلام کے حقیقی معنی محال اور معذور ہیں اور غلام کے مولیٰ سے کبر سن ہونے کی وجہ سے اسے حقیقت کا جامہ پہنانا ممکن نہیں ہے مگر مجازی معنی یعنی حریت اور آزادی کے حوالے سے یہ کلام درست اور صحیح ہے، اس لیے کہ مولیٰ نے اپنے کلام سے گویا اس بات کی خبر دی ہے کہ جب سے میں اس غلام کا مالک ہوا ہوں اسی وقت سے یہ آزاد ہے، کیوں کہ بیٹا ہونا غلام کی آزادی کا سبب ہے اور یہ سبب اجماع امت سے بھی ثابت ہے اور صلہ قرابت سے بھی ثابت ہے، کیونکہ آزادی صلہ رحمی ہے اور بنوت بول کر مسبب یعنی حق مراد لیا گیا ہے جو لغت عرب میں مجاز ہے اور حقیقی معنی معذور ہونے کے وقت مجازی معنی کو مراد لینا درست اور جائز ہے۔



ولأن الحرية الخ: یہاں سے امام اعظم رحمہ اللہ کی دوسری دلیل بیان کی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مملوک کا بیٹا ہونے کے لیے اس کا آزاد ہونا ضروری ہے تو گویا بنوت اور عتق دونوں لازم اور ملزوم ہیں اور وصف لازم کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ایک قسم کا مجاز ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی کلام کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ ضابطہ یہ ہے کہ إعمال الکلام أولی من إهماله یعنی کلام کو کارآمد بنانا اسے برباد اور بیکار کرنے سے بہتر ہے۔ اس کے برخلاف اعتقتک قبل أن أخلق الخ: والا جملہ جس سے حضرات صاحبین نے استشہاد کیا ہے وہ درست نہیں ہے، کیوں کہ تحقق عتق کے لیے مولیٰ اور مملوک دونوں کا زندہ بخیر رہنا ضروری ہے اور کسی کی بھی پیدائش سے پہلے عتق کا تحقق نہیں ہو سکتا، اس لیے یہ کلام تو سراسر لغو اور رد ہوگا اور حقیقت اور مجاز دونوں اعتبار سے محروم ہو جائے گا۔

وهذا بخلاف الخ: یہاں سے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ پر ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ جب یہ قول آپ کے لازم اور سبب بول کر ملزوم اور مسبب مراد لینا مجاز ہے اور کلام کے حقیقی معنی متعذر ہونے کی صورت میں اسے مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو یہ اصل اور ضابطہ ہر جگہ جاری ہونا چاہیے حالاں کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک جگہ امام صاحب رحمہ اللہ بھی اپنے اس ضابطے پر عمل پیرا نہیں ہیں، چنانچہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا قطعت يدک خطا میں نے غلطی سے تیرا ہاتھ کاٹ دیا، لیکن دوسرے نے جھٹ سے اپنا ہاتھ صحیح سالم نکال کر دکھایا تو یہاں بھی سبب یعنی قطع ید بول کر مسبب یعنی تاوان کے وجوب کو مجاز امراد لینا چاہیے تھا حالاں کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں بھی ایسا نہیں کہا گیا ہے۔

اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قطع ید سے مال مطلق واجب نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک خاص قسم کے مال یعنی ضمان اور تاوان کے وجوب کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ مال تاوان عاقلہ یعنی معاون برادری پر دو سال میں واجب ہوتا ہے جب کہ مال مطلق فوراً واجب ہوتا ہے، اسی طرح ضمان کا وجوب سبب یعنی قطع ید کے بغیر ممکن نہیں ہے اور مال مطلق یعنی قرض کے اقرار سے جو مال واجب ہوتا ہے اس کا سبب قطع ید نہیں، بلکہ اقرار قرضہ ہے، اس لیے ان حوالوں سے ارش یعنی ضمان کا مال مال مطلق سے مختلف ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ سبب یعنی قطع ید پایا نہیں گیا ہے، اس لیے مسبب یعنی مال ضمان بھی واجب نہیں ہوگا اور مال ارش چوں کہ مطلق سے مختلف ہے اس لیے مجاز اس سے قرض اور اقرار بالمال کا بھی فیصلہ نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف حریت اور آزادی کا مسئلہ ہے تو چوں کہ حریت ذات یعنی زوال رقیۃ اور حکم یعنی قضاء اور شہادت وغیرہ کی لیاقت کے حساب سے حقیقت اور مجاز میں مختلف نہیں ہوتی۔ اس لیے أنت حر یا هذا حر کہہ کر حقیقتاً بھی آزادی واقع کی جاسکتی ہے اور ہذا بنی کہہ کر اسے ہذا حر کے معنی میں مجاز امراد لے کر بھی آزادی واقع کی جاسکتی ہے۔

وَلَوْ قَالَ هَذَا أَبِي وَ أُمِّي وَ مِثْلُهُ لَا يُولَدُ لِمِثْلِهِ فَهُوَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ قَالَ لَصَبِي صَغِيرٍ هَذَا جَدِّي قِيلَ هُوَ الْخِلَافُ وَقِيلَ لَا يَعْنِي بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّ هَذَا الْكَلَامَ لَا مُوجِبَ لَهُ فِي الْمِلْكِ إِلَّا بِوَاسِطَةٍ وَهُوَ الْأَبُ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ فِي كَلَامِهِ فَتَعَذَّرَ أَنْ يُجْعَلَ مَجَازًا عَنِ الْمَوْجِبِ، بِخِلَافِ الْآبُوَّةِ وَالْبُنُوَّةِ، لِأَنَّ لَهُمَا مُوجِبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ. وَلَوْ قَالَ هَذَا أَخِي لَا يَعْنِي فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ وَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ

يَعْتَقُ، وَ وَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَا بَيَّنَّاهُ، وَلَوْ قَالَ لِعَبْدِهِ هَذَا ابْنَتِي فَقَدْ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ وَقَدْ قِيلَ هُوَ بِالْجَمَاعِ، لِأَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْمُسَمَّى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمَّى وَهُوَ مَعْدُومٌ فَلَا يُعْتَبَرُ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي النِّكَاحِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے غلام کو کہا یہ میرا باپ ہے (یا باندی کو کہا) یہ میری ماں ہے اور اس جیسا آدمی اس غلام یا باندی سے پیدا نہیں ہو سکتا تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور اگر اس نے کسی چھوٹے بچے کو کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ وہ مختلف فیہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ بالاتفاق وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ ملک (مملوک) میں اس بات سے بدون واسطہ اب کوئی بات واجب نہیں ہوگی اور اس کلام میں واسطہ ثابت ہی نہیں ہے، لہذا اسے (مجازاً) موجب حریت قرار دینا معتد رہے۔ برخلاف باپ ہونے اور بیٹا ہونے کے، کیوں کہ واسطے کے بغیر بھی مملوک میں یہ دونوں موجب حریت ہیں۔ اور اگر مولیٰ نے ہذا اخعی کہا تو ظاہر الروایۃ میں غلام آزاد نہیں ہوگا جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت میں وہ آزاد ہو جائے گا اور دونوں روایتوں کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا یہ میری بیٹی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اجماعی ہے، اس لیے کہ مشار الیہ مسمیٰ کی جنس سے نہیں ہے تو حکم کا تعلق مسمیٰ سے ہوگا اور مسمیٰ معدوم ہے، لہذا یہ کلام معتبر نہیں ہوگا اور کتاب النکاح میں ہم اس سے ثابت کر چکے ہیں۔

## اللُّغَاتُ:

﴿جذ﴾ دادا۔ ﴿موجب﴾ سبب۔

## اپنے غلام باندی کو اپنا ماں باپ قرار دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام کے بارے میں کہا یہ میرا باپ ہے یا اپنی باندی کو کہا یہ میری ماں ہے اور وہ دونوں عمر میں اس سے چھوٹے ہوں یا اس طرح ہوں کہ ان سے مولیٰ جیسے انسان کی ولادت متصور نہ ہو تو یہ مسئلہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کے یہاں مختلف فیہ ہے چنانچہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں کلام کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا اور غلام یا باندی پر آزادی واقع ہو جائے گی جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں یہ کلام لغو اور رد ہوگا اور اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل باقبل والے مسئلے میں گذر چکی ہے۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے کسی چھوٹے بچے کو کہا کہ یہ میرے دادا میاں ہیں تو اس سلسلے میں حضرات مشارح کی دو روایتیں ہیں (۱) پہلی رائے یہ ہے کہ یہ صورت بھی امام صاحب اور صاحبین کے یہاں مختلف فیہ ہے (۲) اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ صورت متفق علیہ ہے اور کسی کے یہاں بھی وہ بچہ غلام آزاد نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس مملوک میں جدیت یعنی دادا ہونے کو ثابت کیا گیا ہے اور اس اثبات کے لیے باپ کا واسطہ ضروری ہے، کیوں کہ باپ کے بغیر جد کا ثبوت اور وقوع نہیں ہو سکتا اور چوں کہ مولیٰ کے اس کلام میں واسطہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لہذا اسے مجازاً موجب حریت قرار دینا محال اور ناممکن ہے اور جب مجازی معنی

کے اعتبار سے اس میں حریت کا اثبات ممکن نہیں ہے تو پھر یہ کلام لغو ہوگا اور وہ بچہ آزاد نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے هذا ابني یا هذا ابی کہا تو مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ ابن اور اب میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے اور بدون واسطہ یہ دونوں موجب حریت ہیں۔

ولو قال هذا اخي الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے هذا اخي کہا تو ظاہر الروایہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا، لیکن امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت کے مطابق غلام آزاد ہو جائے گا اور اس سے پہلے والے مسئلے میں لأن البنوة الخ سے عتق اور عدم عتق دونوں کی دلیل بیان کی جا چکی ہے فلا نعیذ ہہنا۔

ولو قال لعبدہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو اس سلسلے میں بھی مشارخ کے دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کے یہاں مختلف فیہ ہے (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اور کسی کے یہاں بھی غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اسم اشارہ اور مشارالیه میں حکم کا تعلق مشارالیه سے ہوتا ہے اور اگر مشارالیه مستثنیٰ کی جنس سے نہ ہو تو پھر حکم کا تعلق مستثنیٰ سے ہوتا ہے اور اس صورت میں عبد یعنی اسم اشارہ مشارالیه یعنی ابنتی کی جنس سے نہیں ہے اس لیے حکم مستثنیٰ یعنی ابنتی سے متعلق ہونا چاہیے لیکن مستثنیٰ یعنی بنت معدوم ہے، اس لیے اس سے بھی حکم نہیں متعلق ہو سکتا اور یہ کلام لغو ہوگا یعنی نہ تو حقیقتاً اس سے حریت ثابت ہوگی اور نہ ہی مجازاً.....

وَإِنْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بَائِنٌ أَوْ تَحْمَرِي وَ نَوَى بِهَا الْعِتْقَ لَمْ تَعْتَقْ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رحمہ اللہ تَعْتَقُ إِذَا نَوَى، وَ كَذًا عَلَى هَذَا الْخِلَافِ سَائِرُ الْأَلْفَافِ الصَّرِيحِ وَالْكِنَايَةِ عَلَى مَا قَالَ مَشَائِخُهُمْ، لَهُ أَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ، لِأَنَّ بَيْنَ الْمَلِكَيْنِ مَوَافَقَةً إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ، أَمَّا مِلْكُ الْيَمِينِ فَظَاهِرٌ وَ كَذًا مِلْكُ النِّكَاحِ فِي حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتَّى كَانَ التَّائِيدُ مِنْ شَرْطِهِ، وَالتَّائِقُ مَبْطُلًا لَهُ، وَ عَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِي إِسْقَاطِ مَا هُوَ حَقُّهُ وَهُوَ الْمِلْكُ، وَلِهَذَا يَصِحُّ التَّعْلِيْقُ فِيهِ بِالشَّرْطِ، أَمَّا الْأَحْكَامُ تَثَبَّتْ بِسَبَبِ سَابِقٍ وَهُوَ كَوْنُهُ مُكَلَّفًا، وَلِهَذَا يَصْلُحُ لَفْظَةُ الْعِتْقِ وَالتَّحْرِيرِ كِنَايَةً عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذًا عَكْسُهُ، وَلَنَا أَنَّهُ نَوَى مَا لَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ، لِأَنَّ الْإِعْتَاقَ لَفْظًا إِنْثَابُ الْقُوَّةِ، وَالطَّلَاقَ رَفْعُ الْقَيْدِ، وَ هَذَا لِأَنَّ الْعَبْدَ الْحَقَّ بِالْجَمَادَاتِ، وَ بِالْإِعْتَاقِ يَحْيَى فَيَقْدِرُ، وَ لَا كَذَلِكَ الْمُنْكَوْحَةُ فَإِنَّهَا قَادِرَةٌ، إِلَّا أَنَّ قَيْدَ النِّكَاحِ مَانِعٌ، وَ بِالطَّلَاقِ يَرْتَفَعُ الْمَانِعُ فَيُظْهِرُ الْقُوَّةَ، وَ لَا خِفَاءَ أَنَّ الْأَوَّلَ أَقْوَى، وَلِأَنَّ مِلْكَ الْيَمِينِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ إِسْقَاطُهُ أَقْوَى، وَ اللَّفْظُ يَصْلُحُ مَجَازًا عَمَّا هُوَ دُونَ حَقِيقَتِهِ، لَا عَمَّا هُوَ فَوْقَهُ فَلِهَذَا امْتَنَعَ فِي الْمُنَازَعَةِ فِيهِ وَانْسَاعَ فِي عَكْسِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا تو مطلق ہے یا بائنہ ہے یا تو اوڑھنی اوڑھ لے اور اس سے عتق کی نیت کی تو وہ آزاد نہیں ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مولیٰ نے عتق کی نیت کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور تمام الفاظ صریحہ اور کنایہ میں بھی یہی

اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے، کیوں کہ دونوں ملکوں کے مابین موافقت ہے، اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک ذاتی ملک ہے، رہی ملک یمین تو وہ ظاہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک یمین کے حکم میں ہے اسی لیے تابید (ہیئتگی) نکاح کی شرط ہے اور تاقیت (وقت متعین) نکاح کے لیے مبطل ہے اور دونوں لفظوں کا عمل اس کے حق کو ساقط کرنے کے لیے ہے اور وہ ملکیت ہے، اسی لیے اعتاق کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے، رہے احکام تو وہ سب سابق کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور سب سابق مولیٰ کا مکلف ہونا ہے اسی لیے لفظ عتق اور لفظ تحریر کنایہ عن الطلاق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہذا ایسے ہی اس کا برعکس بھی صحیح ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے (اپنے کلام سے) ایسا معنی مراد لیا ہے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا، کیوں کہ لغت میں اثبات قوت کا نام اعتاق ہے جب کہ طلاق رفع قید کا نام ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ غلام کو جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور اعتاق کی وجہ سے وہ زندہ ہو کر تصرفات پر قادر ہو جاتا ہے۔ اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے کیوں کہ وہ تو تصرف پر قادر ہوتی ہے، لیکن قید نکاح اس سے مانع ہے اور طلاق سے مانع ختم ہو جاتا ہے اس لیے قوت ظاہر ہوگی اور اس امر میں کوئی خفاء نہیں ہے کہ پہلا زیادہ قوی ہے اور اس لیے کہ ملک یمین ملک نکاح سے بڑھ کر ہے لہذا اس کا اسقاط بھی زیادہ قوی ہوگا اور لفظ اپنی حقیقت سے کم تر کے لیے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن اپنے سے بلند کے لیے مجاز نہیں بن سکتا، اسی لیے متنازع فیہ میں مجاز متنع ہوگا اور اس کے برعکس میں جائز ہوگا۔

## اللغات:

﴿امة﴾ باندی۔ ﴿تخمری﴾ پردہ کر لے، دوپٹہ اوڑھ لے۔ ﴿عین﴾ ذات۔ ﴿تابید﴾ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہونا۔ ﴿تاقیت﴾ وقت مقرر کرنا۔ ﴿اثبات﴾ ثابت کرنا۔ ﴿انساع﴾ قابل قبول ہوا، جائز ہوا۔

## باندی کو الفاظ طلاق سے آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنی باندی سے أنت طالق کہا یا أنت بائن کہا یا تخمیری کہا اور ان الفاظ سے عتق یعنی آزاد کرنے کی نیت کی تو نیت کے باوجود ہمارے یہاں عتق متحقق نہیں ہوگا، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں اگر نیت ہوگی تو آزادی متحقق ہو جائے گی یہی اختلاف ان تمام الفاظ میں ہے جو صریح یا کنایہ ہیں جیسا کہ مشائخ شافعیہ اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے کلام سے ایسا معنی مراد لیا ہے جس معنی کا اس کا کلام محتمل ہے، اس لیے کہ ملک رقبہ اور ملک نکاح کے درمیان باہم موافقت ہے بایں معنی کہ ان میں سے دونوں ذاتی ملک ہیں اور یہ چیز ملک رقبہ میں تو ظاہر و باہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک ذاتی ہی کے حکم میں ہے اسی لیے نکاح میں تابید یعنی دائمی اور ہیئتگی ہونا شرط ہے اور موقت ہونا اس کے لیے مبطل ہے، اس لیے اس حوالے سے ملک نکاح ملک یمین کے حکم میں ہے اس لیے ان الفاظ سے عتق کی نیت کرنا اور آزادی مراد لینا درست ہے۔

وعمل اللفظین الخ: سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اعتاق کے معنی ہیں قوت کا اثبات، اسی لیے اعتاق کے بعد غلام قضاء، شہادت اور ولایت کا اہل ہو جاتا ہے جب کہ اعتاق سے پہلے اس کے حق میں یہ چیزیں معدوم رہتی ہیں اور

اعتاق کے بعد اس میں ان چیزوں کی قوت اور سکت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے بالمقابل طلاق رفع قید اور اسقاط ملک کا نام ہے لہذا اعتاق اور طلاق دونوں کی حقیقت اور حیثیت میں اختلاف ہے، اس لیے الفاظ طلاق سے مجازاً اور کنایۃً اعتاق مراد لینا درست نہیں ہے، کیوں کہ رفع اور اثبات میں کھلا ہوا تضاد ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اثبات قوت اعتاق کا لغوی معنی ہے اور اسی کے ضمن میں اسقاط ملک بھی ہے، کیوں کہ قوت کا ثبوت اسی وقت ہوگا جب ملکیت رقبہ کا اسقاط ہوگا اس لیے اثبات اور اسقاط دونوں اعتاق میں لازم ملزوم ہیں لہذا اطلاق کے الفاظ سے اعتاق مراد لینا درست اور جائز ہے، طلاق اور اعتاق میں اس طور پر بھی مناسبت موجود ہے کہ جس طرح طلاق کو شرط پر معلق کرنا درست ہے ایسے ہی اعتاق کو بھی شرط پر معلق کرنا درست ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی الفاظ طلاق سے مجازاً اعتاق مراد لیا جاسکتا ہے۔

أما الأحكام الخ: سے بھی ایک اعتراض مقدر کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ جب یہ قول آپ کے اعتاق میں بھی اسقاط کا معنی موجود ہے تو پھر اعتاق کے بعد غلام میں شہادت ولایت اور قضاء وغیرہ کے جو احکام ثابت ہوتے ہیں انہیں بھی ساقط ہو جانا چاہیے، حالاں کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اعتاق کے بعد فوراً ان احکام کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ثبوت احکام کا تعلق اعتاق سے نہیں ہے بلکہ انسان کے مکلف ہونے سے ہے، یعنی ہر انسان فطری طور پر شہادت وغیرہ کا اہل ہوتا ہے مگر بعد میں کچھ عوارض کی وجہ سے یہ اہلیت ختم ہو جاتی ہے جیسے کافر کے حق میں کفر ہے، فاسق کے حق میں فسق ہے اسی طرح غلام کے حق میں رقیت ہے اور یہ ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ إذا زال المانع عاد الممنوع یعنی مانع کے زائل ہوتے ہی ممنوع عود کرتا ہے لہذا رقیت کے زائل ہوتے ہی غلام میں آدمیت عود کر آئے گی اور وہ شہادت اور ولایت کا اہل قرار پائے گا۔ اور لفظ طلاق سے مجازاً اعتق واقع ہونے ہی وجہ سے اعتق اور تحریر کے لفظ سے کنایۃً طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، کیوں کہ دونوں کے دونوں از قبیل اسقاط ہیں لہذا جب طلاق اسقاط رقبہ میں موثر ہے تو اعتاق اسقاط نکاح میں بھی لازمی طور پر موثر ہوگا۔

ولنا الخ: ہماری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے یہاں الفاظ طلاق سے جو معنی مراد لیا ہے یعنی اعتاق کا لفظ اس معنی کا احتمال نہیں رکھتا، اس لیے کہ طلاق اور اعتاق کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے، کیوں کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے جب کہ طلاق رفع قید کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اثبات اور رفع میں زمین آسمان کا فرق ہے، اسی لیے غلام اور مملوک کو جمادات کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے اور اعتاق کے بعد اسے از سر نو زندگی نصیب ہوتی ہے پھر وہ تصرفات پر قادر ہوتا ہے، اس کے برخلاف منکوحہ عورت تصرفات پر قادر ہوتی ہے تاہم قید نکاح کی وجہ سے وہ مجبور رہتی ہے، مگر جب اسے طلاق دیدی جاتی ہے تو اس کی مجبوری ختم ہو جاتی ہے اور اس کی قدرت عود کرتی ہے، اس لیے اگر اس حساب سے دیکھا جائے تو اعتاق اقویٰ ہے اور طلاق ادنیٰ ہے، پھر ملک یمین ملک نکاح سے بلند تر ہے، کیوں کہ ملک یمین ملک نکاح کو سلتزم ہے جب کہ ملک نکاح یمین کو سلتزم نہیں ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی ملک یمین کا معاملہ ملک نکاح سے اقویٰ ہوا اور اس کا اسقاط یعنی اعتاق ملک نکاح کے اسقاط یعنی طلاق سے اقویٰ ہوگا اور ضابطہ یہ ہے کہ لفظ اپنی حقیقت سے کم تر کے لیے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن برتر کے لیے مجاز نہیں بن سکتا اور انت طالق کے ذریعے مجازاً انت حرة مراد نہیں لیا جاسکتا، تاہم اس کا برعکس جائز ہے یعنی انت حرة کہہ کر مجازاً انت طالق مراد لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ابھی ہم نے

عرض کیا کہ لفظ اپنے سے کم تر کے لیے مجاز بن سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يَعْتَقْ، لِأَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِي بَعْضِ الْمَعَانِي عُرْفًا فَوَقَعَ الشُّكُّ فِي الْحُرِّيَّةِ، وَلَوْ قَالَ مَا أَنْتَ إِلَّا حُرٌّ، عَتَقَ، لِأَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ مِنَ النَّفْيِ إِبْثَاتٌ عَلَى وَجْهِ التَّكْيِيدِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ، وَلَوْ قَالَ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ، لَا يَعْتَقُ لِأَنَّهُ تَشْبِيهُ بِحَذْفِ حَرْفِهِ، وَلَوْ قَالَ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ عَتَقَ، لِأَنَّهُ إِبْثَاتٌ الْحُرِّيَّةِ فِيهِ، إِذَا الرَّأْسُ يُعْتَبَرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزاد کے مثل ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ لفظ مثل عرفاً بعض معانی میں مشارکت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے حریت میں شک واقع ہو گیا اور اگر یوں کہا کہ نہیں ہے تو مگر آزاد تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے کفری سے استثناء کرنا تاکیدی طور پر اثبات ہوتا ہے جیسے کلمہ شہادت میں ہے۔ اور اگر کہا تیرا سر آزاد کا سر ہے تو غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ حرف تشبیہ کے حذف کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور اگر یوں کہا تیرا سر آزاد سر ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ غلام میں آزادی ثابت کرنا ہے، اس لیے کہ سر کے ذریعے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

### چند الفاظ اعتاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے اپنے غلام سے أنت مثل الحر کہا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا خواہ مولیٰ نے اعتاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو (عنایہ) اس لیے کہ عرف عام میں لفظ مثل بعض اوصاف میں اشتراک کے لیے مستعمل ہے اور اس سے کامل مماثلت مراد نہیں ہوتی اور چوں کہ یہاں مثل مطلق ہے اور اس کے آگے کوئی وصف مذکور نہیں ہے، اس لیے اسے مثل فی الحریت پر محمول کرنے میں شک ہے اور شک کی وجہ سے حریت ثابت نہیں ہوتی۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے ما أنت إلا حر کہا تو اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ نفی کے بعد جو اثبات ہوتا ہے اس میں تاکید ہوتی ہے جیسے لا إله إلا الله میں نفی کے بعد اثبات موکد ہے اور معنی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے اس طرح ما أنت إلا حر کا معنی ہوگا کہ تم تو آزاد ہی ہو اور ظاہر ہے جب أنت حر (تم آزاد ہو) کہنے سے غلام آزاد ہو جاتا ہے تو پھر تم آزاد ہی ہو کہنے پر کیوں نہیں آزاد ہوگا۔

ولو قال الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے غلام سے ترکیب اضافی کے ساتھ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ کہا تو غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ اس میں حرف تشبیہ یعنی کاف محذوف ہے اور جب أنت مثل الحر کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا تو پھر رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ کہنے سے کہاں سے حریت واقع ہوگی۔

ولو قال الخ: فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ نے مرکب توصیفی کے ساتھ رَأْسُكَ رَأْسُ حُرٍّ کہا تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے اس جملے سے رَأْسُكَ میں حریت ثابت کی گئی ہے اور رَأْسُكَ کے ذریعے چوں کہ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے رَأْسُكَ کے واسطے سے پورے بدن میں آزادی سرایت کر جائے گی۔

## فَصْلٌ

اس سے پہلے اعتاق اختیاری کا بیان تھا اور اس فصل میں  
اعتاق غیر اختیاری کا بیان ہے

وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ، وَهَذَا اللَّفْظُ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَالَ ① الْإِسْلَامُ مَنْ مَلَكَ  
ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ، وَاللَّفْظُ بِعُمُومِهِ يَنْتَظِمُ كُلَّ قَرَابَةٍ مُؤَبَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وَلَا دَا أَوْ غَيْرِهِ، وَالشَّافِعِيُّ  
رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِهِ، لَهُ أَنَّ ثُبُوتَ الْعِتْقِ مِنْ غَيْرِ مَرْصَاةِ الْمَالِكِ يَنْفِيهِ الْقِيَاسُ أَوْ لَا يَنْقُضِيهِ، وَالْأُخُوَّةُ وَ  
مَا يَصْأُهَا نَازِلَةٌ عَنْ قَرَابَةِ الْوِلَادِ فَاِمْتَنَعَ الْإِلْحَاقُ وَالْإِسْتِدْلَالُ وَلِهَذَا امْتَنَعَ التَّكَاتُبُ عَلَى الْمُكَاتَبِ فِي غَيْرِ  
الْوِلَادِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فِيهِ، وَلَنَا مَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّهُ مَلَكَ قَرِيبَهُ قَرَابَةً مُؤَبَّدَةً فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتَقُ عَلَيْهِ وَهَذَا هُوَ  
الْمُؤَثِّرُ فِي الْأَصْلِ، وَالْوِلَادُ مُلْغِي لَأَنَّهَا هِيَ الَّتِي يَقْتَرِضُ وَصْلَهَا وَيَحْرُمُ قَطْعَهَا حَتَّى وَجَبَتِ النِّفَقَةُ وَحَرَّمَ  
النِّكَاحُ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَمَا إِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسْلِمًا أَوْ كَافِرًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِعُمُومِ الْعِلَّةِ. وَالْمُكَاتَبُ إِذَا  
اشْتَرَى أَخَاهُ وَمَنْ يَجْرِي مَجْرَاهُ لَا يَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مِلْكٌ تَامٌ يَقْدِرُهُ عَلَى الْإِعْتَاقِ، وَالْإِفْرَاضُ  
عِنْدَ الْقُدْرَةِ، بِخِلَافِ الْوِلَادِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَاِمْتَنَعَ الْبَيْعُ فَيَعْتَقُ تَحْقِيقًا لِمَقْصُودِ الْعَقْدِ. وَ  
عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْأَخِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا فَلَنَا أَنْ نَمْنَعَ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَلَكَ  
ابْنَةً عَمِّهِ وَهِيَ أُخْتُهُ مِنَ الرِّضَاعِ، لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَا ثَبَتَ بِالْقَرَابَةِ، وَالصَّبِيُّ جُعِلَ أَهْلًا لِهَذَا الْعِتْقِ وَكَذَا  
الْمَجْنُونُ حَتَّى عَتَقَ الْقَرِيبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ، لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَهُ النِّفَقَةُ.

ترجمہ: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور یہ لفظ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد  
گرامی ہے جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا تو وہ (مملوک) آزاد ہے، یہ لفظ اپنے عموم کی وجہ سے ہر اس قرابت کو شامل ہے جس  
کی حریت ابدی ہو خواہ بطریق ولادت ہو یا کسی اور طرح ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ غیر ولادت میں ہمارے مخالف ہیں ان کی دلیل یہ ہے

کہ مالک کی مرضی کے بغیر عتق کے ثبوت کی قیاس نفی کرتا ہے یا قیاس اس کا تقاضا نہیں کرتا اور اخوہ وغیرہ کی قرابت ولادت سے کم تر ہے، اس لیے الحاق اور استدلال دونوں چیزیں ممتنع ہو گئیں، اسی طرح غیر ولاد میں مکاتب پر نکاح کرنا ممتنع ہے جب کے ولاد میں ممتنع نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ایسے قریبی کا مالک ہوا ہے جس کی قرابت محرمیت میں موثر ہے اس لیے وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور اصل میں یہی موثر ہے اور ولادت تو غیر موثر ہے، اس لیے کہ قرابت ہی کو جوڑنا فرض ہے اور اس کو توڑنا حرام ہے حتیٰ کہ نفقہ واجب ہوتا ہے جب کہ نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ مالک مسلمان ہو یا دارالاسلام میں کافر ہو، اس لیے کہ علت عام ہے۔ اور اگر مکاتب نے اپنے بھائی یا بھائی کے قائم مقام کسی کو خریدا تو وہ اس مکاتب پر مکاتب نہیں ہوگا، اس لیے کہ اسے اتنی کامل ملکیت نہیں حاصل ہے جو اس کو اعتاق پر قادر کر دے اور مسئلہ قدرت کے وقت ہی مفروض ہے، برخلاف ولادت کے، اس لیے کہ مقاصد کتابت میں سے عتق بھی ہے، لہذا بیع ممتنع ہوگی۔ اس لیے مقصود عقد کو ثابت کرتے ہوئے وہ آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مکاتب پر اس کا بھائی بھی مکاتب ہوگا یہی صاحبین کا بھی قول ہے، لہذا ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم (اس کے مکاتب نہ ہونے کو) منع کر دیں۔ اور یہ اس صورت کے برخلاف ہے جب آدمی اپنے چچا کی بیٹی کا مالک ہو اور وہ اس کی رضائی بہن بھی ہو اس لیے کہ محرمیت وہ معتبر ہے جو قرابت سے ثابت ہو اور بچے کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے ایسے ہی مجنون کو بھی یہاں تک کہ مالک ہونے کے وقت قریبی شخص ان دونوں پر آزاد ہو جائے گا، اس لیے اس عتق سے بندے کا حق متعلق ہو گیا ہے لہذا یہ نفقہ کے مشابہ ہو گیا۔

## اللغات:

﴿مؤبدہ﴾ ہمیشہ ہمیشہ والی۔ ﴿بضاہی﴾ مشابہہ ہے۔ ﴿نازلہ﴾ کم تر۔ ﴿نکاتب﴾ مکاتب بنانا۔ ﴿ملغی﴾ لغوی گئی ہے۔ ﴿بجری مجراہ﴾ اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ﴿بقدرہ﴾ اس کو قدرت دیتی ہو۔

## تخریج:

① أخرجه الترمذی فی کتاب الاحکام باب فیمن ملک ذارحم محرم، حدیث: ۱۳۶۵.

و ابوداؤد فی کتاب العتق باب ۷ حدیث ۳۹۴۹.

## قریبی رشتہ دار کے مملوک ہوتے ہی آزاد ہوجانے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم یعنی کسی ایسے مرد یا عورت کا مالک ہو جس سے اس کا خونی رشتہ ہو اور ان میں دائمی طور پر نکاح حرام ہو تو مملوک مالک پر آزاد ہو جائے گا چنانچہ خود حدیث پاک میں من ملک ذارحم محرم منہ عتق علیہ اور دوسری حدیث میں فہو حر کے الفاظ موجود ہیں اور اس امر پر دلیل ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا وارث ہوا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا، یہ قول صاحب بنایہ عتق علیہ کا مضمون حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جسے امام نسائی نے بیان کیا ہے اور فہو حر کا مضمون حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے سنن اربعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال حدیث



میں چوں کہ ذارحم مطلق وارد ہوا ہے، اس لیے وہ ہر اس قرہبی رشتہ دار کو شامل ہوگا جس کے ساتھ دائمی طور پر مناکحت حرام ہو خواہ یہ حرمت قرابت ولادت کی وجہ سے ہو جیسے انسان اپنے باپ ماں یا دادا دادی کا مالک ہو یا خود والدین وغیرہ اپنے بیٹے بیٹی اور پوتے پوتی وغیرہ کے مالک ہوئے، یا یہ حرمت غیر ولادت کی قرابت سے ہو جیسے کوئی شخص اپنے بھائی بہن یا ان کی اولاد میں سے کسی کا مالک ہو تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں مملوک آزاد ہو جائے گا، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ غیر ولادت والی قرابت میں ہم سے الگ ہیں چنانچہ ان کے یہاں صرف ولادت قرابت ہی کی صورت میں مملوک آزاد ہوگا اور غیر ولادت والی قرابت حریت اور عتق میں موثر نہیں ہوگی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ من مملک الخ کے فرمان سے مملوک پر جو آزادی ثابت ہوتی ہے وہ مالک کی مرضی کے بغیر خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ مائت علی خلاف القیاس فغیرہ لایقاس علیہ یعنی جو چیز خلاف قیاس ثابت ہونے تو اس پر دوسری چیز کو قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو لے کر کسی دوسری چیز پر دلالت النص کے قاعدے سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور چوں کہ قرابت ولادت میں مالک ہونا حریت کے لیے خلاف قیاس موثر ہے، لہذا یہ اثر صرف قرابت ولادت تک ہی محدود رہے گا اور اس سے متعدی ہو کر غیر ولادت والی قرابت میں اثر انداز نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کا مالک ہو تو چوں کہ قرابت ولادت موجود ہے اس لیے وہ دونوں بھی مکاتب ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی مکاتب شخص اپنے بھائی یا بھتیجے اور ماموں وغیرہ کا مالک ہو تو وہ لوگ مکاتب نہیں ہوں گے، کیوں کہ قرابت ولادت معدوم ہے اس لیے مکاتب مالک کی مکاتبیت ان کے حق میں موثر نہیں ہوگی۔ اس سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ قرابت ولادت کو غیر ولادت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولنا الخ: ہماری پہلی دلیل وہ حدیث ہے جو من مملک الخ کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے، اس حدیث سے وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ اس میں ذارحم مطلق ہے اور ولادت یا عدم ولادت کی کوئی قید نہیں ہے، اس لیے یہ ہر طرح کے قرابت دار کو شامل ہوگی خواہ وہ ولادت ہو یا غیر ولادت۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ حرمت میں قرابت اصل ہے ولادت اصل نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث پاک میں رحم اور محرم کا لفظ آیا ہے اور رحم سے قرابت اور محرم سے حرمت نکاح مراد ہے، لہذا جو شخص کسی ایسے ذی رحم محرم کا مالک ہو جس سے نکاح اس کے لیے حرام ہے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا، معلوم ہوا کہ عتق اور حریت کی اصل علت قرابت ہے اور اگر اس کے ساتھ ولادت بھی مل جائے تو نور علی نور سونے پہ سہاگا ہوگا۔ قرابت کے اصل ہونے کی ایک علت یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں اسی کو جوڑنا فرض قرار دیا گیا ہے اور قطع قرابت ہی پر حرمت کا حکم لگایا گیا ہے، اسی لیے تو محرم سے نکاح حرام ہونے کے باوجود اس کا نفقہ واجب ہے، معلوم ہوا کہ آزادی کو صرف ولادت کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔

ولا فرق الخ: فرماتے ہیں کہ مالک ہونے والا خواہ مسلم ہو یا کافر ہو اور دارالاسلام میں ہو تو اس کا مملوک آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ قرابت محرمہ کی علت عام ہے اور وہ مسلم اور کافر سب کو یکساں طور پر شامل ہے۔

والمکاتب اذا اشتراه الخ: سے امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال ولہذا امتنع التکاتب الخ کا جواب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں آپ کی یہ بات تسلیم ہی نہیں ہے کہ اگر کوئی مکاتب اپنے بھائی یا ماموں وغیرہ کا مالک ہو تو وہ مملوک مکاتب نہیں ہوگا، بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر مکاتب اپنے بھائی وغیرہ کا مالک ہو تو وہ مملوک بھی مکاتب ہو جائے گا۔ (بنایہ ۵۹۳/۵) اور

اگر بھائی یا مومن کے مکاتب نہ ہونے کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو اس کی وجہ عدم ولادت نہیں ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنے کے لیے انسان کا خود خور آزاد ہونا اور ملک تام کا مالک ہونا شرط ہے جب کہ مکاتب کو ایسی ملکیت ہی نہیں حاصل ہے جو اسے اعتاق پر قادر کرے اور مسئلہ اسی صورت میں فرض کیا گیا ہے جب کہ معتق کو پوری قدرت حاصل ہو۔

اس کے برخلاف اگر مکاتب قربات ولادت والے کسی قریبی کا مالک ہوتا ہے تو وہ مملوک بھی مکاتب ہوگا اور جس وقت مالک مکاتب آزاد ہوگا اسی وقت اس کا مملوک بھی آزادی سے ہم کنار ہو جائے گا، اس لیے کہ قربات ولادت میں آزادی بدل کتابت کا مقصد ہے، کیوں کہ غلام بدل کتابت کا معاملہ اسی لیے کرتا ہے تاکہ اس کے سر سے رقیّت کا بوجھ ختم ہو اور وہ آزاد ہو جائے، لہذا جس طرح یہ مقصد مالک کے حق میں ثابت ہے اسی طرح اس کے مملوک کے حق میں بھی ثابت ہوگا۔

صاحب عنایہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے وأما حرية الأخ فليست من مقاصد عقد الكتابة لعدم لحقوق العار بركة ولحقه بوق ابنه وأبيه۔ یعنی بھائی کی حریت (جو قربات ولادت نہیں ہے) عقد کتابت کے مقاصد میں سے نہیں ہے، کیوں کہ انسان اپنے باپ بیٹے کی رقیّت سے تو شرم محسوس کرتا ہے، لیکن بھائی کے رقیق ہونے سے اس کے سر پر جوں تک نہیں ریگتی۔ وعن أبي حنيفة النخ: اس مضمون کو ہم اوپر صاحب بنایہ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

وهذا بخلاف النخ: یہاں سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم کا مالک ہونا اس کے آزاد ہونے کی علت ہے تو پھر انسان کی چچا زاد بہن جو اس کی رضاعی بہن بھی ہو اگر وہ اسے خرید لے تو اس بہن کو بھی آزاد ہو جانا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے، اسی کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ قربات حریت میں موثر ہے جو ابھی حرمت نکاح کو مستلزم ہو اور صورت مسئلہ میں نکاح کی حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ کہ قربات کی وجہ سے اس لیے اس طرح کا بیکار سوال کرنا ضیاع وقت کے سوا کچھ نہیں ہے، یہ سوال ہی غلط ہے اور کوتاہ علمی پر مبنی ہے۔

وكذا المجنون النخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح عاقل اور بالغ آدمی اپنے کسی قربات دار کا مالک ہوا تو وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی بچہ اور مجنون اپنے کسی قریبی شخص کا مالک ہوا تو وہ مملوک بھی ان پر آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ مذکورہ عتق سے بندے کا حق متعلق ہو چکا ہے اور علت حریت بھی موجود ہے فلا يمنع من العتق شيء، اور یہ نفقہ کے مشابہ ہو گیا یعنی جس طرح اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہو اور صرف بچہ یا مجنون ہی اس کے وارث ہوں تو مجنون، اور بچے کے مال میں اس شخص کا نفقہ واجب ہوگا اسی طرح ان کے مالک ہونے کی صورت میں ان کا مملوک بھی آزاد ہوگا۔

وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا تَوَجَّهَ اللَّهُ تَعَالَى أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ لَوْ جُودَ رُكْنِ الْإِعْتَاقِ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ، وَ وَصَفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْأَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَا يَخْتَلُ الْعِتْقُ بَعْدَهُ فِي اللَّفْظَيْنِ الْآخَرَيْنِ.

**ترجمہ:** جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی غلام آزاد کیا یا شیطان یا بت کے لیے آزاد کیا تو غلام آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ اعتاق کا رکن اس کے اہل سے اس کے محل میں موجود ہے۔ اور پہلے لفظ میں قربت کا وصف زیادہ ہے لہذا بعد والے دونوں لفظوں میں اس وصف کے نہ ہونے سے عتق میں خلل نہیں ہوگا۔

## اللَّغَاتُ:

﴿وجه﴾ ذات۔ ﴿صنم﴾ بت۔ ﴿قربة﴾ نیکی۔ ﴿لا یختل﴾ نہیں خراب ہوگا۔

اللہ کے لیے یا جھوٹے خداؤں کے لیے آزاد کیے جانے والے غلام کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا غلام آزاد کیا یا شیطان کے لیے آزاد کیا یا بت کے لیے آزاد کیا تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اعتاق کا رکن یعنی معق کا عاقل بالغ اور مالک ہونا اس کے محل یعنی مملوک میں موجود ہے، اس لیے کوئی چیز مانع عتق نہیں ہوگی۔

ووصف النخ: فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں جب کسی نے لوجه اللہ غلام کو آزاد کیا تو لوجه اللہ کہنے سے بھی غلام اللہ کے لیے آزاد ہوگا اور اگر لوجه اللہ نہ کہتا اور مطلق آزاد کرتا تو بھی وہ آزادی لوجه اللہ ہی ہوتی، اسی لیے صاحب کتاب نے اسے وصف زائد قرار دیا ہے اور بعد کی دونوں صورتوں میں اس کے نہ ہونے سے عتق عبد میں کوئی خلل یا فرق نہیں ہوگا تاہم اگر ایک مسلمان شیطان یا صنم کے لیے غلام آزاد کرتا ہے تو اگرچہ آزادی واقع ہو جائے گی مگر معق گنہگار ہوگا۔

وَعَتَقُ الْمُكْرَهُ وَالسَّكْرَانَ وَاقَعَ لِصُدُورِ الرُّكْنِ مِنَ الْاَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اور مکرہ اور مدہوش کا آزاد کرنا واقع ہے، اس لیے کہ عتق کا رکن اپنے اہل سے محل میں صادر ہوا ہے جیسا کہ طلاق میں ہے اور ماقل میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

## اللَّغَاتُ:

﴿مکرہ﴾ زبردستی کیا گیا، مجبور۔ ﴿سکران﴾ مدہوش، نشئی۔

مکرہ و سکران کا اعتاق:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے آزاد کر دیا۔ یا کوئی شخص نشہ سے چور تھا اور اسی حالت میں اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو دونوں صورتوں میں آزادی واقع ہو جائے گی، کیوں کہ اعتاق کا رکن اپنے اہل سے محل یعنی مملوک میں صادر ہوا ہے، اس لیے بغیر کسی رکاوٹ کے آزادی واقع ہو جائے گی۔ یہ مسئلہ کتاب الطلاق میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

وَإِنْ أَصَافَ الْعَتَقُ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرَطَ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ، أَمَّا الْإِصَافَةُ إِلَى الْمِلْكِ فَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَقَدْ بَيَّنَّا فِي الطَّلَاقِ، وَأَمَّا التَّعْلِيقُ بِالشَّرْطِ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطُ فَيَجْرِي فِيهِ التَّعْلِيقُ، بِخِلَافِ التَّمْلِیْكَاتِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے آزادی کو ملک یا کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو صحیح ہے جیسا کہ طلاق میں (اضافت کرنا) صحیح ہے، لیکن ملک کی طرف اضافت کرنے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے اور کتاب الطلاق میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ رہی تعلیق بالشرط

(تو وہ اس لیے جائز ہے کہ وہ اسقاط ہے لہذا اس میں تعلیق جاری ہوگی۔ برخلاف تملیکات کے جیسا کہ اپنی جگہ معلوم ہو چکا ہے۔

## اللغات:

﴿أَصَافٌ﴾ منسوب کیا، مدار رکھا۔

## اعماق معلق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی غلام کی آزادی کو ملکیت پر معلق کر کے یوں کہا ان ملکیتک فانت حر یعنی اگر میں تیرا مالک ہوا تو تو آزاد ہے یا کسی شرط کی طرف عتق کو منسوب کیا اور کہا ان صلیت الظہر فانت حر یعنی اگر میں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو تم آزاد ہو تو یہ دونوں صورتیں درست ہیں جیسا کہ طلاق کو شرط یا ملک وغیرہ پر معلق کرنا صحیح ہے اور وجود شرط کے وقت غلام آزاد ہو جائے گا۔ لیکن ملکیت کی طرف نسبت کرنے اور ملک پر شرط لگانے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے چنانچہ ملکیت پر معلق کرنے سے ہمارے یہاں تو آزادی واقع ہوگی (وجود شرط کے وقت) لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں آزادی نہیں واقع ہوگی اور کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

واما التعلیق الخ: فرماتے ہیں کہ عتق کو شرط پر معلق کرنا اس لیے درست ہے، کیوں کہ عتق از قبیل اسقاط ہے اور اسقاطات کو شرط پر معلق کرنا درست ہے لہذا عتق کو بھی شرط پر معلق کرنا درست ہوگا۔ اس کے برخلاف تملیکات یعنی مالک کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ اصول فقہ میں یہ واضح ہو چکا ہے۔

وَإِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ إِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ لِقَوْلِهِ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عِبْدِ الطَّائِفِ حِينَ خَرَجُوا إِلَيْهِ مُسْلِمِينَ هُمْ عَتَقَاءُ اللَّهِ، وَلَئِنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ وَهُوَ مُسْلِمٌ وَلَا اسْتِرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ ابْتِدَاءً.

ترجمہ: اور اگر حربی کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف نکل آیا تو وہ آزاد ہوگا، اس لیے کہ طائف کے غلام جب مسلمان ہو کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا یہ اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں اپنی جان کو محفوظ کیا ہے اور کسی بھی مسلمان پر ابتداء غلامی نہیں ہو سکتی۔

## اللغات:

﴿عَبِيدٌ﴾ واحد عبد: غلام۔ ﴿أَحْرَزَ﴾ روکا ہے۔ ﴿اسْتِرْقَاقٌ﴾ غلامی۔

## تخریج:

① أخرجه ابو داؤد في كتاب الجهاد باب عبید المشرکین بلحقون بالمسلمین، حدیث رقم: ۲۷۰۰.

## دار الحرب سے بھاگ کر آنے والا غلام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حربی کا کوئی غلام دار الحرب سے بھاگا اور مسلمان ہو کر دارالاسلام آ گیا تو اب دارالاسلام آ کر وہ آزاد ہوگا، کیوں کہ غلامان طائف کو آپ ﷺ نے عتقاء اللہ کہہ کر آزاد قرار دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس غلام نے اسلام کی حالت

میں خود کو دارالاسلام میں محفوظ کیا ہے اور اتنا تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ابتداء کسی مسلمان پر غلامی نہیں ہو سکتی، لہذا یہ مسلمان کیسے غلام متصور ہوگا۔

وَإِنْ أَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلَهَا تَبَعًا لَهَا إِذْ هُوَ مَتَّصِلٌ بِهَا، وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ دُونَهَا، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إِعْتَاقِهَا مَقْصُودًا لِعَدَمِ الْإِصَافَةِ إِلَيْهَا وَلَا إِلَيْهِ تَبَعًا لَمَّا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ، ثُمَّ إِعْتَاقُ الْحَمْلِ صَحِيحٌ، وَلَا يَصِحُّ بَيْعُهُ وَهَبُهُ، لِأَنَّ التَّسْلِيمَ نَفْسَهُ شَرْطٌ فِي الْهَبَةِ وَالْقُدْرَةَ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ وَلَمْ يَوْجَدْ ذَلِكَ بِالْإِصَافَةِ إِلَى الْجَنِينِ، وَشَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْإِعْتَاقِ فَافْتَرَقَا.

**ترجمہ:** اور اگر کسی نے شخص اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر اس کا حمل بھی آزاد ہوگا کیوں کہ حمل باندی سے متصل ہے۔ اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل آزاد ہوگا نہ کہ باندی، کیوں کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے نہ تو قصد، اس لیے کہ باندی کی طرف اضافت نہیں ہے اور نہ ہی تبعاً، کیوں کہ اس میں قلب موضوع ہے۔ پھر حمل کا اعتاق صحیح ہے لیکن اس کی بیچ اور اس کا ہبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ ہبہ میں ذات کی سپردگی شرط ہے اور بیچ میں سپردگی پر قدرت شرط ہے اور جنین کی طرف اضافت کرنے سے یہ چیز نہیں پائی گئی اور اعتاق میں ان میں سے کوئی چیز شرط نہیں ہے لہذا دونوں جدا ہو گئے۔

### اللغات:

﴿دون﴾ علاوہ۔ ﴿تسلیم﴾ سپرد کرنا۔ ﴿جنین﴾ قبل از پیدائش۔ ﴿اعتاق﴾ آزاد کرنا۔

### اعتاق میں حاملہ باندی کے حمل کی مختلف صورتیں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو اس باندی کے ساتھ ساتھ اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حمل باندی سے متصل ہے اور اس کے تابع ہے لہذا جس طرح باندی کے دیگر اعضاء اس کے تابع ہو کر آزاد ہوں گے اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے صرف حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل ہی آزاد ہوگا اور باندی آزاد نہیں ہوگی کیوں کہ جزء تو کل کے تابع ہو کر اس میں داخل ہو سکتا ہے لیکن کل جزء کے تابع ہو کر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

صاحب ہدایہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں باندی کے آزاد ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ قصداً آزاد کی جائے یا تبعاً اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں، کیوں کہ قصداً باندی کو اس لیے نہیں آزاد قرار دیا جاسکتا کہ مولیٰ نے صرف حمل کو آزاد کیا ہے اور باندی کی طرف عتق کی اضافت نہیں کی ہے۔ اور تبعاً اس لیے اسے آزاد نہیں مان سکتے کیوں کہ اس صورت میں قلب موضوع لازم آئے گا اور باندی جو متبوع ہے اس کا تابع بننا لازم آئے گا جو درست نہیں ہے، اس لیے باندی کسی بھی طرح آزاد نہیں ہو سکتی۔

تم اعتاق الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کو چھوڑ کر صرف حمل کو آزاد کرنا تو درست ہے لیکن باندی کو کنارہ کر کے اس کے حمل کو بچنا اور ہبہ کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ ہبہ میں شئی موهوب کو سپرد کرنا ضروری ہے جب کہ بیچ میں بیچ کی سپردگی پر قدرت

ضروری ہے اور صورت مسئلہ میں چوں کہ جنین ماں کے پیٹ میں رہتا ہے، اس لیے نہ تو اس کو سپرد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی سپردگی کے متعلق سوچا جاسکتا ہے، لہذا جنین اور حمل کی بیع اور اس کا بیہ درست نہیں ہے، ہاں اس کا اعتاق درست ہے، کیوں کہ اعتاق کے لیے نہ تو تسلیم ضروری ہے اور نہ ہی قدرت علی التسلیم شرط ہے۔

وَلَوْ أُعْتِقَ الْحَمْلُ عَلَى مَالٍ صَحَّ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ، إِذْ لَا وَجْهَ إِلَى الْإِزَامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِينِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ، وَلَا إِلَى الْإِزَامِ الْأَمِّ، لِأَنَّهُ فِي حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلَى حَدِّهِ، وَاشْتِرَاطُ بَدَلِ الْعِتْقِ عَلَى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَا يَجُوزُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْخُلْعِ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ قِيَامُ الْحَبْلِ وَقْتُ الْعِتْقِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لَاقِلٌ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مَنَّهُ، لِأَنَّهُ أَذْنَى مُدَّةِ الْحَمْلِ.

**ترجمہ:** اور اگر مولیٰ نے حمل کو کچھ مال کے عوض آزاد کیا تو عقد صحیح ہے لیکن مال نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ جنین پر مال واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے، کیوں کہ اس پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی۔ اور اس کی ماں پر بھی مال لازم کرنے کی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ آزادی کے حق میں جنین ایک الگ جان ہے اور بدل عقد کو معتق کے علاوہ کسی اور پر مشروط کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ خلع میں گذر چکا ہے۔ اور بوقت عقد حمل کا قیام اسی صورت میں معلوم ہوگا جب اس وقت سے چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو، اس لیے کہ یہ حمل کی ادنیٰ مدت ہے۔

### اللغات:

﴿الزام﴾ لازم کرنا۔ ﴿معتق﴾ آزاد کیا جانے والا۔ ﴿حمل﴾ حمل۔ ﴿اذنی﴾ کمتر۔

### حمل کو مال کے عوض آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی کے حمل کو مال کی کسی مقدار کے عوض آزاد کیا تو حمل تو آزاد ہو جائے گا، لیکن مال واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ جنین پر کسی کو ولایت نہیں ہوتی اس لیے اس پر مال نہیں لازم کیا جاسکتا۔ اور عقد اور آزادی کے حوالے سے جنین کو ایک مستقل نفس اور جان کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے اس کی طرف سے اس کی ماں پر بھی مال نہیں لازم کیا جاسکتا، کیوں کہ معتق (جسے آزاد کیا جائے) کے علاوہ کسی دوسرے پر بدل عقد کو لازم قرار دینا درست نہیں ہے جیسا کہ باب الخلع میں گذر چکا۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے یہاں علی ما مر فی الخلع جو کہا ہے اس سے ہدایہ کا باب الخلع نہیں مراد ہے، کیوں کہ یہ مسئلہ ہدایہ کے باب الخلع میں نہیں ہے، اسی لیے صاحب بنایہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یا تو اس سے جامع صغیر کا باب الخلع مراد ہے یا پھر کفایۃ البنتی کا جو ہدایہ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ (بنایہ ۵۹۸/۵ بیروت)

وإنما الخ: فرماتے ہیں کہ جو حمل کے آزاد کرنے کا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے اس میں حمل کا قیام اسی وقت معلوم ہوگا جب عقد کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں باندی بچہ جنے، کیوں کہ چھ ماہ حمل کی اقل مدت ہے لہذا اس مدت سے کم میں بچہ کی ولادت اس بات کا ثبوت ہوگی کہ بوقت عقد باندی حاملہ تھی اور اس کے پیٹ میں بچہ تھا۔

قَالَ وَ وَلَدُ الْأَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ مِنْ مَائِهِ فَيَعْتَقُ عَلَيْهِ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ وَ لَا مُعَارِضَ لَهُ فِيهِ، لِأَنَّ وَلَدُ الْأَمَةِ لِمَوْلَاهَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ باندی کی جو اولاد اس کے مولیٰ سے ہوگی وہ آزاد ہوگی، اس لیے کہ وہ مولیٰ کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر آزاد ہوگی، یہی اصل ہے اور بچے کے متعلق کوئی معارض نہیں ہے، اس لیے کہ باندی کا بچہ اس کے مولیٰ کا ہے۔

### اللغات:

﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿مخلوق﴾ پیدا کیا گیا ہے۔

### باندی کی اولاد کا حکم:

مسئلہ تو واضح ہے کہ مولیٰ کے نطفے سے باندی کے لطن سے پیدا ہونے والا بچہ آزاد ہوگا، کیوں کہ جب اس کے وجود کا سبب یعنی مولیٰ آزاد ہے تو ظاہر ہے کہ بچہ بھی آزاد ہوگا اور اصل بھی یہی ہے کہ نطفہ مولیٰ سے پیدا ہونے والا بچہ آزاد ہو اور یہاں اس بچے کا کوئی معارض بھی نہیں ہے کہ اس کے مولیٰ کے نطفے سے ہونے میں شک پیدا ہو، کیوں کہ جس طرح باندی مولیٰ کی مملوک ہوتی ہے، اسی طرح اس کا بچہ بھی مولیٰ کا مملوک ہوتا ہے۔

وَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوكٌ لِسَيِّدِهَا لِتَرْجُحِ جَانِبِ الْأُمِّ بِاعْتِبَارِ الْحَصَانَةِ أَوْ لِاسْتِهْلَاكِ مَائِهِ بِمَائِهَا، وَالْمُنَافَاةُ مُحَقَّقَةٌ، وَالزَّوْجُ قَدْ رَضِيَ بِهِ، بِخِلَافِ وَلَدِ الْمَغْرُورِ، لِأَنَّ الْوَالِدَ مَا رَضِيَ بِهِ.

**ترجمہ:** اور باندی کا وہ بچہ جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو وہ اس باندی کے مالک کا مملوک ہوگا، کیوں کہ پرورش کے اعتبار سے یا شوہر کے نطفے سے باندی کے نطفے کے ساتھ مل کر ہلاک ہونے کے اعتبار سے ماں کی جہت رائج ہے، اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس پر راضی ہے۔ برخلاف اس شخص کے بچے کے جسے دھوکا دیا گیا ہو، اس لیے کہ والد اس پر راضی نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿سید﴾ آقا۔ ﴿حصانۃ﴾ پرورش۔ ﴿استہلاک﴾ معدوم ہو جانا، ہلاک ہو جانا۔ ﴿مغرور﴾ دھوکہ دیا گیا شخص۔

### باندی کی اولاد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی باندی کا کسی شخص سے نکاح کر دیا اور پھر اس باندی نے بچہ جنا تو وہ بچہ باندی کے آقا کا مملوک ہوگا، اس لیے کہ ماں کو ترجیح حاصل ہے، کیوں کہ بچے کی پرورش کا حق بھی اسی کو ہے اور پھر ماں باپ کا نطفہ جب ایک دوسرے سے ملا تو شوہر کا نطفہ مغلوب ہو گیا اور ماں کا نطفہ غالب رہا نیز بچہ حقیقتاً اور حکماً دونوں اعتبار سے ماں کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے جب کہ باپ کے نطفے سے صرف حکماً پیدا ہوتا ہے، اس لیے ان وجوہ سے ماں کو ترجیح حاصل ہے لہذا ماں جس کے تابع ہے اس کا بچہ بھی اسی کے تابع ہوگا۔

رہا مسئلہ ماں باپ کے نطفے کے منافات کا اور شوہر کے ضرر کا تو اگرچہ منافات متحقق ہے لیکن شوہر کے نطفے کے مغلوب ہونے کی وجہ سے منافات ختم ہے اور جہاں تک شوہر کا ضرر ہے یعنی اس کے بچہ کے دوسرے کا مملوک ہونے سے تو وہ اس وجہ سے معتبر نہیں ہے، کیوں کہ شوہر اپنے ضرر پر راضی ہے، اس لیے کہ دوسرے کی باندی سے نکاح کر کے خود شوہر نے اپنے حق میں ضرر ثابت کیا ہے لہذا اس کا وبال بھی اسی پر عائد ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر دھوکا دے کر اور کسی عورت کو آزاد بنا کر کسی شخص سے اس کا نکاح کیا گیا اور پھر بعد میں وہ عورت باندی نکلی تو اس صورت میں وہ بچہ اپنے باپ کے تابع ہو کر آزاد ہوگا اور ماں کے تابع نہیں ہوگا، کیوں کہ اس بچے کا باپ ضرر یعنی اپنے بچے کے دوسرے کا مملوک ہونے پر راضی نہیں ہے، لہذا اس کا بچہ اس کے حوالے کیا جائے گا۔

وَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّ جَانِبَهَا رَاجِعٌ فَيَتَّبِعُهَا فِي وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتَّبِعُهَا فِي الْمَمْلُوكِيَّةِ وَالْمَرْقُوقِيَّةِ وَالتَّدْبِيرِ وَامْتِنَةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ.

**ترجمہ:** اور آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا کیوں کہ عورت کی جانب راجع ہے لہذا وصف حریت میں بچہ ماں کے تابع ہوگا جیسا کہ مملوک ہونے، مرقوق ہونے، تدبیر ہونے، ام ولد اور مکاتب ہونے میں بھی بچہ ماں ہی کے تابع ہوتا ہے۔

### اللغات:

﴿یتبع﴾ تابع ہوگا۔ ﴿مرقوقیہ﴾ غلام ہونا۔

### آزاد عورت کی اولاد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی بچے کی ماں آزاد ہو تو اس کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا یعنی خواہ اس کا باپ غلام ہو یا آزاد، بچہ بہر صورت آزاد ہوگا، کیوں کہ ماں کی جہت ویسے بھی راجع ہوتی ہے اور پھر ماں جب آزاد ہو تو کیا کہنے ہیں یعنی اس صورت میں تو بدرجہ اولیٰ بچہ اس کے تابع ہوگا اور آزاد ہوگا۔ جیسا کہ اگر بچہ کی ماں کسی کی مملوک ہو یا مرقوق ہو یا وہ مدبر ہو یا ام ولد یا مکاتبہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کا بچہ اسی کے تابع ہو کر مملوک، مرقوق، مدبر اور مکاتب وغیرہ ہوگا اور باپ کے تابع نہیں ہوگا۔





## بَابُ الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهُ

یہ باب اس غلام کے بیان میں ہے جس کا کچھ حصہ آزاد کیا گیا ہو

اس سے پہلے صاحب کتاب نے پورے غلام کی آزادی کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے بعض غلام کی آزادی کو بیان کر رہے ہیں اور چوں کہ مکمل غلام آزاد کرنا متفق علیہ اور کثیر الوقوع ہے، اس لیے اس کو عتق البعض والے سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ (بیانہ ۶۰۲/۵)

وَإِذَا أُعْتِقَ الْمُؤَلَّى بَعْضُ عَبْدِهِ عَتَقَ ذَلِكَ الْقَدْرَ وَيَسْعَى فِي بَقِيَّةِ قِيَمَتِهِ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ لَا يَعْتَقُ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّى عِنْدَهُ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَا أُعْتِقَ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَتَجَزَّى وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فَإِضَافَتُهُ إِلَى الْبَعْضِ كإِضَافَتِهِ إِلَى الْكُلِّ فَلِهَذَا يَعْتَقُ كُلَّهُ، لَهُمْ أَنَّ الْإِعْتَاقَ إِثْبَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةُ حُكْمِيَّةٍ وَإِثْبَاتُهَا بِإِزَالَةِ ضِدِّهَا وَهُوَ الرِّقُّ الَّذِي هُوَ ضَعْفُ حُكْمِيٍّ وَهُمَا لَا يَتَجَزَّيَانِ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ أَوْ هُوَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ، لِأَنَّ الْمِلْكَ حَقٌّ، وَالرِّقُّ حَقُّ الشَّرْعِ أَوْ حَقُّ الْعَامَّةِ، وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وَلَايَةِ الْمُتَصَرِّفِ وَهُوَ إِزَالَةُ حَقِّهِ لَا حَقَّ غَيْرِهِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ التَّصَرُّفَ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْضِعِ الْإِضَافَةِ، وَالتَّعَدِّي إِلَى مَا وَرَاءَهُ صَرُورَةٌ عَدَمِ التَّجَزِّي، وَالْمِلْكُ مُتَجَزِّ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ فَيَقْبَلُ عَلَى الْأَصْلِ، وَيَجِبُ السَّعْيُ لِإِحْتِبَاسِ مَالِيَّةِ الْبَعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ وَالْمُسْتَسْعَى بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إِلَى الْبَعْضِ تَوْجِبُ ثُبُوتِ الْمَالِكِيَّةِ فِي كُلِّهِ، وَبَقَاءُ الْمِلْكِ فِي بَعْضِهِ يَمْنَعُهُ فَعَمِلْنَا بِاللَّيْلَيْنِ بِإِزَالَةِ مُكَاتَبٍ إِذَا هُوَ مَالِكٌ يَدًا لَا رَقَبَةً، وَالسَّعْيُ كَبَدْلِ الْكِتَابَةِ فَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَ وَلَهُ خِيَارٌ أَنْ يُعْتَقَ، لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْإِعْتَاقِ غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا عَجَزَ لَا يَرُدُّ إِلَى الرِّقِّ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لَا إِلَى أَحَدٍ فَلَا يَقْبَلُ الْفُسْخَ بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَفْصُودَةِ، لِأَنَّهُ عَقْدٌ يُقَالُ وَيُفْسَخُ، وَلَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ فَأَثْبَتْنَاهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيحًا لِلْمُحْرِمِ، وَالْإِسْتِيلَادُ مُتَجَزِّ عِنْدَهُ حَتَّى لَوْ اسْتَوْلَدَ نَصِيْبُهُ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ، وَفِي الْقِنَةِ

لَمَّا ضُمِنَ نَصِيبٌ صَاحِبِهِ بِالْإِفْسَادِ مِلْكَهُ بِالضَّمَانِ فَكَمُلَ الْإِسْتِيلَادُ.

**ترجمہ:** اور جب مولیٰ نے اپنے غلام کا کچھ آزاد کیا تو اسی کے بقدر وہ غلام آزاد ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام مولیٰ کے لیے باقی قیمت میں سچی کرے گا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی اصل یہ ہے کہ امام اعظم کے یہاں اعتاق مجزی ہو سکتا ہے لہذا اسی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جو مولیٰ نے آزاد کیا ہے۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں اعتاق مجزی نہیں ہوتا اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لہذا بعض عبد کی طرف اعتاق کی اضافت کرنا کل عبد کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی لیے پورا غلام آزاد ہو جائے گا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیق ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں مجزی نہیں ہو سکتے، لہذا یہ طلاق دینے قصاص معاف کرنے اور ام ولد بنانے کی طرح ہو گیا۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ملک کو زائل کر کے عتق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے، اس لیے کہ ملک معتق کا حق ہے اور رقیق شریعت کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ تصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نہ کہ دوسرے کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا عدم تجزی کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک مجزی ہے جیسا کہ بیع اور ہبہ میں ہے، لہذا تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سچی کرنا واجب ہوگا، کیوں کہ اس کے پاس بعض مالیت محبوس ہے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مستعنی مکاتب کے درجے میں ہے، کیوں کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے عبد میں ثبوت ملکیت کی موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لیے مانع ہے، لہذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دیدیا، کیوں کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کہ رقبہ کا اور کمائی کرنا بدل کتابت کی طرح ہے، لہذا مولیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کرا لے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اسے آزاد کر دے، کیوں کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیق کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا، کیوں کہ یہ اسقاط لالی احد ہے اس لیے فسخ کو نہیں قبول کرے گا۔ برخلاف کتابت مقصودہ کے اس لیے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا اقالہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فسخ بھی ہو سکتا ہے۔

اور طلاق اور غنوعن القصاص میں کوئی درمیانی حالت نہیں ہے لہذا ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کر دیا۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں استیلا یعنی ام ولد بنانا مجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مولیٰ نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو ام ولد بنالیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مملوکہ باندی میں جب کسی نے انساد کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تادان دیدیا تو ضمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا لہذا استیلا پورا ہو گیا۔

## اللغات:

﴿قدر﴾ مقدار۔ ﴿یسعی﴾ کمائے گا، محنت کرے گا۔ ﴿یتجزی﴾ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ ﴿یقصر﴾ منحصر ہوگا۔ ﴿رق﴾ غلامی۔ ﴿عفو﴾ معاف کرنا۔ ﴿قصاص﴾ قتل کا بدلہ۔ ﴿تعدی﴾ تجاوز۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔ ﴿استیلا﴾ ام

ولد بنانا، اولاد حاصل کرنا۔ نصیب حصہ۔

### غلام کا کچھ حصہ آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کے کچھ حصے کو آزاد کیا اور کچھ کو روک لیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس نے جتنے حصے کو آزاد کیا ہے اتنے میں آزادی واقع ہوگی اور باقی حصہ میں بدستور رقیّت باقی رہے گی جس کے لیے غلام کو کمائی کر کے مولیٰ کو دینا ہوگا، اس کے برخلاف حضرات صاحبین کے یہاں پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس پر سعا یہ واجب نہیں ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق میں تجزی کا امکان ہے جب کہ حضرات صاحبین اعتاق میں عدم تجزی کے قائل ہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے لہذا ان کے یہاں اعتاق میں تجزی نہیں ہو سکتی تو نصف اور بعض غلام کو آزاد کرنا ایسا ہے جیسے پورے غلام کو آزاد کرنا اور بعض عبد کی طرف اعتاق کی اضافت کل عبد کی طرف اضافت کی طرح ہوگی اور پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اثبات قوت کا نام عتق ہے اور عتق ایک قوت حکمیہ ہے جس کا ثبوت اسی وقت ہوگا جب اس کی ضد کو یکسر ختم کر دیا جائے گا اور قوت حکمیہ یعنی عتق کی ضد رقیّت ہے جو حکمی ضعیف ہے لہذا جب تک کامل طور پر حکمی ضعیف ختم نہیں ہوگا اس وقت کامل قوت حکمیہ ثابت نہیں ہوگی اور چون کہ ضعیف حکمی اور قوت حکمیہ میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے ان کے ماخذ اور مشتق یعنی عتق میں بھی تجزی نہیں ہوگی اور جس طرح طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، قصاص کو تجزی کر کے معاف نہیں کیا جاسکتا اور ام ولد بنانے میں تجزی نہیں ہو سکتی اسی طرح اعتاق اور عتق میں بھی تجزی ممکن نہیں ہے، لہذا ان حوالوں سے بھی بعض غلام آزاد کرنے سے پورا غلام ہی آزاد ہوگا۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کا اصل معنی ہے ملکیت دور کر کے غلام میں عتق کو ثابت کرنا، کیوں کہ مولیٰ غلام کا مالک رہتا ہے اور یہی ملکیت ہی مولیٰ کا حق ہے، رہی رقیّت تو وہ یا تو شریعت کا حق ہے یا پھر عوام الناس کا، رقیّت شریعت کا حق تو اس طرح ہے جب کافر نے اللہ کا بندہ اور غلام ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح بدلہ دیا کہ اسے اپنے بندوں کا غلام بنادیا۔ اور عوام کا حق اس طور پر ہے کہ جس طرح مجاہدین اموال غنائم کو تقسیم کرتے ہیں اسی طرح قیدی غلام اور باندیوں کو بھی آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں (عنایہ و بنایہ) بہر حال یہ بات طے ہے کہ ملک ہی مولیٰ کا حق ہے اور کوئی بھی مالک اسی دائرہ میں رہ کر تصرف کر سکتا ہے جتنا کہ اس کے بس میں ہو اور صورت مسئلہ میں مالک کے بس میں صرف ملکیت ہے اس لیے وہ اپنی ملکیت ہی کو ختم کر سکتا ہے اور چون کہ انسان کی ملکیت میں تجزی ممکن ہے اس لیے اعتاق کے ذریعے مولیٰ اپنی جتنی ملکیت کو ختم کرے گا اتنی ہی ملکیت ختم ہوگی اور پھر تصرف وہیں تک منحصر رہتا ہے جہاں تک اس کا نفاذ اور اس کی نسبت ہو اور اضافت کے علاوہ دوسری اور آگے کی طرف اسی وقت تصرف متعدی ہوتا ہے جب منسوب اور مملوک یعنی ملکیت کی تجزی نہ ہو سکے، لیکن صورت مسئلہ میں چون کہ مولیٰ کی ملک تجزی ہو سکتی ہے اس لیے اعتاق میں بھی تجزی ہوگی چنانچہ جس طرح مولیٰ اپنے نصف غلام کو بیچ سکتا ہے اور نصف غلام کا ہبہ کر سکتا ہے اسی طرح وہ اپنے نصف یا ثلث غلام کو آزاد بھی کر سکتا ہے، تا کہ تصرف کا اپنی اصل یعنی موضع تصرف تک برقرار رہنا برقرار ہے۔

ویجب السعا یہ الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب بعض ہی غلام میں عتق متحقق ہوگا تو پھر باقی

بعض کی رہائی اور خلاصی کے لیے غلام کو ہاتھ پیر مارنا ہوگا اور امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مذکورہ غلام مکاتب کے درجے میں ہوگا کیوں کہ یہاں دو باتیں ہیں (۱) بعض غلام کی طرف اعتاق کی نسبت کرنے سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ پورے غلام سے مولیٰ کی ملکیت ختم ہے، کیوں کہ عتق میں تجزی نہیں ہے (۲) بعض غلام میں مولیٰ کی ملکیت باقی رہنے سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ وہ پورا غلام ابھی بھی مولیٰ کا مملوک ہو، اس لیے کہ رقیق بھی متجزی نہیں ہوتی اور صورت مسئلہ میں غلام کو مکاتب کے درجے میں اتار کر ان دونوں باتوں پر عمل کرنا ممکن ہے اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ نے اسے مکاتب کے درجے میں اتار دیا کیوں کہ مکاتب بھی بعض آزاد ہوتا ہے اور بعض رقیق چنانچہ رقیقاً تو وہ مملوک اور رقیق ہوتا ہے اور یداً و تصرفاً وہ آزاد اور مالک ہوتا ہے، اور چون کہ مکاتب میں مولیٰ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس سے کمائی کرا کر ماقبی حصے کی قیمت وصول کرے اور چاہے تو آزاد کر دے، لہذا متعلق بعض میں بھی اسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔

البتہ مکاتب اور متعلق بعض میں فرق صرف اتنا ہے کہ اگر متعلق بعض کمائی سے عاجز ہو جائے تو پھر اسے رقیق کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا لیکن مکاتب اگر کسب سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیق اور عبدیت کی طرف پھر دیا جائے گا، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر متعلق بعض کو بھی ہم رقیق کی طرف لوٹانے کا حکم دیدیں تو یہ اسقاط لارالی اُحد ہوگا یعنی بلا وجہ اور بدون مالک اسقاط ہوگا، اس لیے کہ اسقاط میں معاوضہ کے معنی موجود ہیں اور معاوضہ دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے اور یہاں صرف ایک ہی آدمی ہے اور وہ متعلق ہے، اس لیے متعلق بعض کو کمائی سے عاجز ہونے کی صورت میں رقیق کی طرف نہیں پھیرا جائے گا۔ اس کے برخلاف مکاتب کا مسئلہ ہے تو بصورت عجز اس لیے مکاتب کو رقیق کی طرف پھیرا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں اسقاط الی المکاتب ہوگا اور معاوضہ کے معنی متحقق ہو جائیں گے اسی لیے تو بدل کتابت کا اقالہ بھی کیا جاسکتا ہے اور اسے فسخ بھی کیا جاسکتا ہے۔

ولیس فی الطلاق الخ: یہاں سے امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین کے اس قیاس کا جواب دیا جا رہا ہے جو ان حضرات نے اعتاق کو طلاق اور قصاص وغیرہ پر کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اعتاق اور مملوکی کے درمیان ایک حالت اور واسطہ ہے جیسا کہ مکاتب ذات کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لیکن تصرف کے اعتبار سے مالک ہوتا ہے جب کہ نکاح اور طلاق کے درمیان یا قصاص اور عفو کے درمیان کوئی واسطہ اور اسٹاپ نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے نصف بیوی کو طلاق دی تو جس نصف کو طلاق دی گئی ہے وہ حرام ہے اور بقیہ نصف حلال ہے اسی طرح اگر نصف قصاص معاف کر دیا تو اب اس میں بدلہ لینا حرام ہو گیا اور ماقبی نصف میں قصاص حلال ہے لہذا ان میں حلال اور حرام دونوں کا اجتماع ہو گیا اور ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں حلال اور حرام دونوں جمع ہو جائیں تو حرام اور جہت حرام کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ضابطہ کے الفاظ یہ ہیں ”إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبیح غلب المحرم والمعہوم“ لہذا طلاق اور قصاص والے مسئلے میں اسی ضابطے کے پیش نظر احتیاطاً ہم نے جانب حرمت کو ترجیح دی اور کامل طلاق اور کامل عفو کے قائل ہو گئے۔

اسی طرح استیلا پر بھی ان حضرات کا قیاس درست نہیں ہے، کیوں کہ فریق مخالف یعنی امام صاحب رحمہ اللہ کو استیلا کی عدم تجزی قبول نہیں ہے، بلکہ ان کے یہاں استیلا بھی متجزی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مولیٰ نے مدبر باندی میں صرف اپنے حصے کو ام ولد بنایا تو کہ جائز ہے اور صرف اسی کے حصے کے بقدر باندی ام ولد ہوگی۔ اور قنہ یعنی مکمل مملوکہ باندی کو لے کر اعتراض کرنا

درست نہیں ہے، اس لیے کہ اگر کسی نے کسی مملوکہ باندی کے نصف کو ام ولد بنادیا اور پھر اس نے باندی کا ضمان دیدیا تو ضمان کی وجہ سے چوں کہ یہ باندی پورے طور پر اس کی مملوک ہوگئی ہے اور جو شخص نصف باندی کو ام ولد بنا سکتا ہے وہ پوری کو بھی بنا سکتا ہے اس لیے اس حوالے سے قنہ میں نصف استیلا کو کامل کا درجہ دیا گیا ہے۔

وَ إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ عَتَقَ، فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيكُهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدُ، فَإِنْ ضَمَّنَ رَجَعَ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَبْدِ، وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتَقِ، وَ إِنْ أَعْتَقَ أَوْ اسْتَسْعَى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا، وَ إِنْ كَانَ الْمُعْتَقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَ إِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدُ، وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوُجْهَيْنِ، وَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَ قَالَ لَا يَسْ لَهٗ إِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ، وَالسَّعَايَةُ مَعَ الْإِعْسَارِ وَ لَا يَرْجِعُ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتَقِ، وَ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَبْتَنِي عَلَى حَرْفَيْنِ أَحَدُهُمَا تَجْزِي الْإِعْتَاقِ وَ عَدَمُهُ عَلَى مَا بَيْنَا، وَ الثَّانِي أَنَّ يَسَارَ الْمُعْتَقِ لَا يَمْنَعُ سَعَايَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهُ، وَ عِنْدَهُمَا يَمْنَعُ، لَهُمَا فِي الثَّانِي قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ يُعْتَقُ نَصِيبُهُ إِنْ كَانَ غَنِيًّا ضَمَّنَ وَ إِنْ كَانَ فَقِيرًا سَعَى فِي حِصَّةِ الْآخَرِ، فَسَمَّ، وَ الْقِسْمَةُ تَنَافِي الشَّرْكَةِ، وَ لَهُ أَنَّهُ احْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيبِهِ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهُ أَنْ يُضَمَّنَهُ كَمَا إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ بِثَوْبٍ إِنْسَانٍ وَ أَلْقَتْهُ فِي صَبْغٍ غَيْرِهِ حَتَّى انْصَبَغَ بِهِ فَعَلَى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيمَةُ صَبْغِ الْآخَرِ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لَمَّا قُلْنَا، فَكَذَا هُنَا، لِأَنَّ الْعَبْدَ فَقِيرًا فَيُسْتَسْعَى، ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ يَسَارُ التَّيْسِيرِ وَهُوَ أَنْ يَمْلِكَ مِنَ الْمَالِ قَدْرَ نَصِيبِ الْآخَرِ، لَا يَسَارُ الْغِنَاءِ، لِأَنَّ بِهِ يَعْتَدِلُ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيقِ مَا قَصَدَهُ الْمُعْتَقُ مِنَ الْقَرَابَةِ وَ إِيصَالِ بَدَلِ حَقِّ السَّائِكِ إِلَيْهِ.

**ترجمہ:** اور اگر ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اس کے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لے لے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔ چنانچہ اگر اس نے ضمان لے لیا تو معتق غلام سے رجوع کرنے کا اور اس کا ولاء معتق کو ملے گا۔ اور اگر شریک ثانی نے اپنے حصے کو آزاد کر دیا یا اس سے کمائی کرایا تو ولاء ان دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔ اور اگر معتق تنگدست ہو تو بھی شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے اور دونوں صورتوں میں ولاء دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک اول کے مالدار ہونے کی صورت میں شریک ثانی کو صرف ضمان کا حق ہوگا جب کہ اس کے تنگدست ہونے کی صورت میں اسے صرف کمائی کرائے حق ہوگا۔ اور معتق غلام سے رجوع نہیں کرے گا اور ولاء صرف معتق کے لیے ہوگا۔ اور یہ مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے،

ان میں سے ایک اعتاق کا متجری ہونا اور نہ ہونا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور دوسری اصل یہ ہے کہ معق کا خوشحال ہونا امام صاحبؒ کے یہاں اس کے کسب سے مانع نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں مانع ہے۔ اصل دوم میں حضرات صاحبینؒ کی دلیل آپؐ منیٰ کا ارشاد گرامی ہے اس شخص کے متعلق جو اپنا حصہ آزاد کر دے ”اگر یہ مالدار ہو تو (دوسرے کے حصے میں قیت کا) ضامن ہوگا اور اگر وہ فقیر ہو تو غلام دوسرے کے حصے کے لیے کمائی کرے گا، آپؐ نے تقسیم فرمادی ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی مالیت غلام کے پاس مجبوس ہے لہذا اسے تاوان لینے کا اختیار ہوگا جیسے اگر ہوانے کسی آدمی کے کپڑے کو اڑا کر دوسرے کے رنگ میں ڈال دیا اور وہ کپڑا رنگین ہو گیا تو مالک ثوب پر دوسرے کے قیت واجب ہے خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے، لہذا یہی حکم صورت مسئلہ میں بھی ہوگا لیکن اگر غلام فقیر ہو تو شریک ثانی اس سے کمائی کرائے۔

پھر (مالداری سے) یسار تیسیر مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنی مالیت کا مالک ہو کہ دوسرے کے حصے کی قیمت اداء کر سکے اور یسار غناء مراد نہیں ہے، کیوں کہ یسار تیسیر سے دونوں کی طرف شفقت برابر رہتی ہے، کیوں کہ معق کے لیے اس کا چاہا ہوا یعنی قربت کا ثبوت ہو جائے گا اور سکت کو اس کے حق کا بدل مل جائے گا۔

### اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔ ﴿ضمنن﴾ تاوان لے لے۔ ﴿استسغی﴾ غلام سے محنت کرائے۔ ﴿معسر﴾ تنگ دست، غریب۔ ﴿هبت﴾ اڑا دیا۔ ﴿ثوب﴾ کپڑا۔ ﴿القت﴾ ڈال دیا۔ ﴿صبغ﴾ رنگ۔ ﴿انصبغ﴾ وہ رنگا گیا۔ ﴿يعتدل﴾ برابر ہوگی۔ ﴿ایصال﴾ پہنچانا، ادائیگی۔ ﴿ساکت﴾ خاموش، آزاد نہ کرنے والا۔

### مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کرنے کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کا حصہ بلاشبہ آزاد ہو جائے گا کیوں کہ اس نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے اور اپنی ملکیت میں انسان کا ہر تصرف درست اور جائز ہوتا ہے، اس لیے اس کے حصہ کے بقدر تو غلام آزاد ہو جائے گا، لیکن دوسرے شریک کا کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ معق یعنی جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے اگر وہ مالدار اور خوشحال ہو تو دوسرے شریک کو تین باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہوگا (۱) وہ چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی قیمت بطور ضمان لے لے (۲) یا تو غلام سے کمائی کرائے اور اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے (۳) یا پھر وہ خود بھی غلام کو آزاد کر دے۔ اب اگر وہ پہلی صورت اختیار کرتا ہے یعنی اپنے شریک سے ضمان وصول کر لیتا ہے تو وہ شریک اب غلام کا کان پکڑے گا اور اس سے مال مضمون کی واپسی کا مطالبہ کرے گا اور اس غلام کا ولاء بھی اسی معق اول ہی کو ملے گا۔ اور اگر شریک ثانی نے دوسری یا تیسری راہ اختیار کی یعنی اسے آزاد کر دیا یا اس کو کمائی پر لگا دیا تو ان دونوں صورتوں میں اس غلام کا ولاء ان کے مابین مشترک ہوگا یعنی اس غلام کی وارثت میں یہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

اور اگر شریک اول معسر یعنی تنگدست ہو تو اس صورت میں شریک ثانی کو صرف دو اختیار ملیں گے (۱) یا تو وہ غلام کو آزاد کرے (۲) یا پھر اس سے کمائی کرا کے اپنے حصے کی قیمت وصول کرے، ان میں سے وہ جو بھی اختیار کرے گا وہ صحیح ہوگا اور دونوں

صورتوں میں غلام کا ولاء دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔ یہ تمام تفصیلات سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک و مذہب کے مطابق ہیں۔ اس کے برخلاف حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اگر شریک اول مالدار ہو تو شریک ثانی کے پاس ضمان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور پھر معق مال مضمون کا غلام سے مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ متکدست ہو تو پھر شریک ثانی کو صرف غلام سے کمائی کرا کر اپنے حصے کی قیمت لینے کا حق ہے اور دونوں صورتوں میں ولاء معق ہی کا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین کا یہ اختلاف دراصل دو ضابطوں پر مبنی ہے (۱) پہلا ضابطہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتاق میں تجزی ہو سکتی ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اعتاق میں تجزی نہیں ہو سکتی۔ (۲) دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ اگر معق موسر ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا یار غلام کی کمائی سے مانع نہیں ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک معق کا یار غلام کی کمائی کرنے سے مانع ہے۔

ان دونوں ضابطوں میں سے پہلے والے ضابطے (یعنی اعتاق کے تجزی ہونے یا نہ ہونے) کی دلیلیں اس کے پہلے والے مسئلے میں گزر چکی ہیں اور دوسرے ضابطے کے متعلق حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قیاس دو باتوں کا متقاضی ہے (۱) شریک اول پر مطلق ضمان واجب ہو خواہ وہ معسر ہو یا موسر، کیوں کہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر کے شریک ثانی کے حصے خراب اور ناقابل انتفاع بنا دیا (۲) دوسری بات یہ ہے کہ شریک اول پر ضمان ہی واجب نہ ہو، اس لیے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنی ملک میں کیا ہے اور انسان کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔ قیاس انہی دونوں باتوں کا متقاضی ہے مگر یہ دونوں باہم متصادم ہیں، اس لیے قیاس سے کوئی آس نہیں لگائی جاسکتی۔ بہتر یہ ہے کہ اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی سے استدلال کیا جائے گا جو آپ نے ایسے شخص کے متعلق ارشاد فرمایا تھا جس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تھا ”إن كان غنيا ضمن و إن كان فقيرا سعى في حصة الآخر“ صاحب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث اس طرح نقل فرمائی ہے ”من أعتق شقصا له في عبد فخلاصه في ماله إن كان له مال فإن لم يكن له مال يستسعى العبد غير مشقوق عليه (۶۱/۵) دونوں مضمونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معق موسر ہو تو اس پر شریک ثانی کے حصے کی قیمت کا ضمان واجب ہے اور اگر وہ معسر ہو تو پھر غلام پر کمائی کرنا واجب ہے، اس حدیث سے حضرات صاحبین کا وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معق کے یار اور اعسار کے پیش نظر تقسیم کار فرمادیا ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر معق مالدار ہے تو پھر اس پر ضمان ہی واجب ہے اور اس صورت میں غلام سے کمائی نہیں کرائی جائے گی۔ (عنایہ مع فتح القدیر)۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں شریک اول یعنی معق مجرم نہیں ہے کہ اس پر ضمان تھوپ دیا جائے، کیوں کہ اس نے جو بھی تصرف کیا ہے وہ اپنی ملکیت میں کیا ہے اور انسان کی ملکیت میں اس کا ہر تصرف جائز ہے۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی قیمت اور مالیت خود غلام کے پاس مجبوس ہے اس لیے اسے غلام سے کمائی کرانے کا پورا حق ہے خواہ معق موسر ہو یا معسر، شریک ثانی کو اس سے کچھ نہیں لینا دینا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسے ہوا کسی آدمی کا کپڑا اڑالے گئی اور اسے کسی رنگریز کے ٹب وغیرہ میں ڈال دیا جس سے وہ کپڑا رنگین ہو گیا۔ تو چوں کہ کپڑے میں رنگ جذب ہو گیا ہے اس لیے مالک ٹوب پر رنگریز کے رنگ کی قیمت دینا واجب ہے خواہ وہ موسر ہو یا معسر، کیوں کہ جب رنگریز کا رنگ صاحب ٹوب کے کپڑے میں لگ گیا

ہے تو رگز کے لیے تاوان لینے کا کلی حق ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی شریک ثانی غلام ہی سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لے گا۔ لیکن اگر غلام محتاج اور فقیر ہو تو اس سے کمائی کرا لے اور کمائی کرا کر اپنا حصہ وصول کر لے۔

صاحب بنایہ حضرات صاحبین کی پیش کردہ حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم بھی فرمان نبوی کو تقسیم مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تقسیم شرکت کے منافی ہے، لیکن یہاں مطلق تقسیم نہیں ہے، بلکہ یہ تقسیم بطور شرط ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے معتق کے معسر ہونے کی صورت میں ہی غلام پر کمائی کرنا واجب کیا ہے لیکن اگر معتق معسر نہ ہو بلکہ موسر ہو تو پھر کمائی کرنا تقسیم کے منافی نہیں ہوگا، کیوں کہ معلق بالشرط کا وجود شرط کے وقت پایا جاتا تو ضروری ہے، لیکن عدم شرط کے وقت اس کا بھی معدوم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ دیگر طرق سے اس کے وجود کا قوی امکان رہتا ہے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر معتق مفلس نہ ہو اور مالدار ہو تو یہ غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ مانع تو اس کا مفلس ہونا ہے اور وہ یہاں معدوم ہے۔ (بنایہ ۲/۵-۶۱۱)

ثم المعتبر الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ معتق پر وجوب ضمان کے لیے اس کے حق میں یسار تیسیر معتبر ہے یعنی اگر اس کے پاس اس کی ضروریات سے فارغ اتنا مال ہو کہ وہ اپنے شریک کے حصے کی قیمت ادا کر دے تو اسے موسر قرار دیا جائے گا۔ اور یہاں یسار غناء مراد نہیں ہے کہ اس کے پاس بہت زیادہ بینک بیلنس وغیرہ ہو۔ اس لیے کہ یسار تیسیر یعنی بہ آسانی ضمان دینے کو واجب کرنے میں دونوں شرکاء کا نفع ہے اور دونوں کے حق میں نظر شفقت ہے، اس لیے کہ اس سے معتق کو اس کا مقصود (یعنی حصول ثواب اور تقرب خداوندی) حاصل ہو جائے گا اور شریک ثانی کو بھی اس کے حق کا عوض اور بدل مل جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

ثُمَّ التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ فَقَدْ رُجِعَ الْمُعْتَقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ السَّعَايَةِ فِي حَالَةِ الْيَسَارِ وَالْوِلَاءِ لِلْمُعْتَقِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّجَرُّي، وَأَمَّا التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِ فَيُخَيَّرُ الْإِعْتَاقَ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِي الْبَاقِي إِذِ الْإِعْتَاقُ يَتَجَرَّي عِنْدَهُ، وَالتَّضْمِينُ، لِأَنَّ الْمُعْتَقَ جَانَ عَلَيْهِ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ حَبْتُ امْتِنَاعٍ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهَبَةُ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِمَّا سِوَى الْإِعْتَاقِ وَتَوَابِعِهِ وَالْإِسْتِسْعَاءُ لِمَا بَيَّنَّا، وَيَرْجِعُ الْمُعْتَقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ، لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَ السَّائِكِ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ، وَقَدْ كَانَ لَهُ ذَلِكَ بِالْإِسْتِسْعَاءِ فَكَذَلِكَ لِلْمُعْتَقِ، وَلِأَنَّهُ مَلِكُهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ ضَمْنًا فَيَصِيرُ كَأَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَقَدْ أَعْتَقَ بَعْضَهُ فَلَهُ أَنْ يُعْتَقَ الْبَاقِي أَوْ يَسْتَسْعَى إِنْ شَاءَ، وَالْوِلَاءُ لِلْمُعْتَقِ فِي هَذَا الْوَجْهِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مَلِكُهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ.

ترجمہ: پھر حضرات صاحبین کے قول پر تخریج ظاہر ہے، لہذا معتق کا غلام سے مال ضمان واپس نہ لینا مالدار کی حالت میں سعایہ واجب نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ولایہ معتق کا ہے، کیوں کہ پورا حق اسی کی طرف سے واقع ہے، اس لیے کہ حق تجزی نہیں ہوتا۔ رہا امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر تخریج کرنا تو شریک کو اس لیے خیار اعتاق ملتا ہے کیوں کہ بقیہ غلام میں اس کی ملکیت باقی ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں اعتاق تجزی ہو سکتا ہے۔ اور ضمان لینے کا حق اس لیے ہے، کیوں کہ معتق اس کے حصے کو خراب کر کے اس پر ظلم کر رہا ہے چنانچہ شریک ثانی کے لیے اعتاق، اس کے توابع اور استسعاء کے علاوہ بیع اور ہبہ وغیرہ کی راہیں مسدود ہیں اس دلیل کی وجہ



سے جو ہم بیان کر چکے۔ اور (ان کے یہاں) متفق مال ضمان کو غلام سے واپس لے گا، اس لیے کہ ضمان اداء کرنے کی وجہ سے وہ ساکت کے قائم مقام ہو گیا ہے اور جب ساکت کے لیے استعفاء کے ذریعے یہ اختیار تھا تو متفق کو بھی یہ حق حاصل ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ متفق ادائے ضمان کی وجہ سے اس غلام کا ضمان مالک ہو چکا ہے، لہذا یہ ایسا ہو گیا کہ گویا پورا غلام اسی کا ہے حالانکہ اس نے بعض ہی غلام آزاد کیا ہے تو اسے یہ اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کر دے یا اگر چاہے تو اس سے کمائی کرا لے۔ اور اس صورت میں ولاء متفق کو ملے گا، کیوں کہ پورا متفق اسی کی طرف سے واقع ہوا ہے کیوں کہ ضمان اداء کر کے وہ اس کا مالک ہو چکا ہے۔

### اللغات:

﴿یسار﴾ مال داری۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿جانی﴾ جرم کرنے والا۔

### مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تحریر:

چوں کہ ما قبل والا مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے اور یہ دونوں اصول امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کے مابین مختلف فیہ ہیں، اس لیے مسئلے کی تخریج بھی دونوں اصولوں کے مطابق الگ الگ ہوگی چنانچہ حضرات صاحبین کے یہاں اس کی تخریج اس طرح ہوگی کہ ان کے یہاں جب اعتناق میں تجزی نہیں ہو سکتی تو دونوں شریکوں میں سے جس نے بھی غلام آزاد کیا پورا غلام اسی کی طرف سے آزاد ہوگا اور چوں کہ ان حضرات کے یہاں متفق کا یار غلام کے استعفاء سے مانع ہے، اس لیے شریک ثانی کے لیے صرف اپنے حصے کی قیمت لینے کا حق ہوگا جو وہ شریک اول سے (معتق سے) لے گا اور اس غلام کا ولاء پورے کا پورا متفق کو ملے گا کیوں کہ پورا غلام اسی کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر مسئلے کی تخریج اس طرح ہوگی کہ شریک اول نے چوں کہ صرف اپنا حصہ آزاد کیا ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں متفق میں تجزی ہو سکتی ہے، اس لیے شریک ثانی کا حصہ برقرار ہے اور اس میں اس کی ملکیت بھی باقی ہے لہذا شریک ثانی کو اپنا حصہ آزاد کرنے کا اختیار ہوگا نیز اسے متفق سے اپنے حصے کی قیمت کا ضمان لینے کا بھی حق ہوگا، اس لیے کہ جب شریک اول نے اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو پھر شریک ثانی کے لیے غلام کو آزاد کرنے اور اس کے توابع یعنی ام ولد یا مکاتب اور مدبر بنانے کے علاوہ اس غلام کو بیچنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کی ساری راہیں مسدود ہو گئیں ہیں، کیوں کہ شریک اول یعنی متفق نے اپنا حصہ آزاد کر کے اس کے حصے کو خراب و برباد کر دیا ہے اور یہ اس کے حق میں ایک طرح کا ظلم ہے، لہذا شریک ثانی کو ضمان لینے کا بھی اختیار ہے، مگر جب شریک اول ضمان دے گا تو وہ اس مقدار مال کو غلام سے واپس لینے کا حق دار ہوگا، کیوں کہ شریک اول ضمان کی ادائیگی کے بعد شریک ثانی کے قائم مقام ہو گیا اور شریک ثانی کو غلام سے کمائی کرا کے اپنا حصہ وصول کرنے کا حق تھا لہذا شریک اول کو بھی یہ حق حاصل ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ متفق نے جب ضمان اداء کر دیا تو وہ ضمان اس پورے غلام کا مالک ہو گیا اور چوں کہ اس نے پہلے صرف اپنا حصہ ہی آزاد کیا تھا اس لیے اب اسے اس غلام کو آزاد کرنے کا بھی حق ہوگا اور کمائی کرا کے اپنا حصہ وصول کرنے کا بھی حق ہوگا۔ اور ضمان دینے کے بعد اسی متفق کو اس غلام کا پورا ولاء ملے گا، کیوں کہ پورا اعتناق اسی کی طرف سے متحقق ہوا ہے۔

نوٹ: ولاء کے معنی ہیں وہ میراث جو آزاد کردہ غلام سے حاصل ہوا یا عقد موالات کے ذریعے حاصل ہو۔

وَفِي حَالِ إِعْسَارِ الْمُعْتَقِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ لِبَقَاءِ مَلِكِهِ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى لِمَا بَيْنَنَا وَالْوَلَاءُ لَهُ فِي الْوُجْهِينِ، لِأَنَّ الْعِتْقَ مِنْ جِهَتِهِ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَسْعَى عَلَى الْمُعْتَقِ بِمَا أَذَى بِإِجْمَاعِ بَيْنَنَا، لِأَنَّهُ يَسْعَى لِفِكَاكِ رَقَبَتِهِ وَلَا يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الْمُعْتَقِ إِذْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِعُسْرَتِهِ، بِخِلَافِ الْمُرْهُونِ إِذَا أَعْتَقَهُ الرَّاهِنُ الْمُعْسِرُ لِأَنَّهُ يَسْعَى فِي رَقَبَتِهِ قَدْ فُكَّتْ أَوْ يَقْضِي دَيْنًا عَلَى الرَّاهِنِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ وَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمُوَسَّرِ كَقَوْلِهِمَا وَقَالَ فِي الْمُعْسِرِ يَنْطَى نَصِيبُ السَّائِكَةِ عَلَى مَلِكِهِ يَبَاعُ وَيُوهَبُ، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى تَضْمِينِ الشَّرِيكَ لِإِعْسَارِهِ وَلَا إِلَى السَّعَايَةِ، لِأَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ بِجَانٍ وَلَا رَاضٍ بِهِ وَلَا إِلَى إِعْتَاكِ الْكُلِّ لِلِإِضْرَارِ بِالسَّائِكَةِ فَتَعَيَّنَ مَا عَيْنَاهُ، فَلَنَّا إِلَى الْإِسْتِعْءَاءِ سَبِيلٌ، لِأَنَّهُ لَا يَنْتَقِرُ إِلَى الْجَنَائَةِ بَلْ يَنْتَقِي عَلَى احْتِبَاسِ الْمَالِيَّةِ فَلَا يُضَارُّ إِلَى الْجَمْعِ بَيْنَ الْقُوَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْمَالِكِيَّةِ وَالضَّعْفِ السَّالِبِ لَهَا فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ.

**ترجمہ:** اور معتق کے معسر ہونے کی حالت میں اگر شریک ثانی چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کر دے، کیوں کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور اگر چاہے تو اس سے کمائی کرائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور دونوں صورتوں میں اس کو بھی ولاء ملے گا، کیوں کہ اس کی طرف سے بھی حق واقع ہوا ہے۔ اور غلام مستعنی معتق سے اپنا اداء کردہ مال واپس نہیں لے سکتا باقفاق فقہائے احناف، کیوں کہ وہ تو اپنی گردن چھڑانے کے لیے کمائی کرتا ہے اور معتق پر کوئی قرضہ نہیں اداء کرتا ہے، اس لیے کہ معتق کے عسری وجہ سے اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہے۔ برخلاف عبد مرہون کے جب اسے معسر راہن آزاد کر دے، اس لیے کہ عبد مرہون اپنی اس گردن کے لیے کمائی کرتا ہے جو چھوٹ چکی ہے یا وہ ایسا قرضہ اداء کرتا ہے جو راہن پر تھا، لہذا وہ راہن سے واپس لے لے گا۔

اور موسر کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا قول حضرات صاحبین کے قول کی طرح ہے جب کہ معسر کے متعلق ان کا قول یہ ہے کہ سائک کا حصہ اس کی ملکیت پر قرار رہے گا جسے بیچا بھی جاسکے گا اور ہبہ بھی کیا جاسکے گا، کیوں کہ شریک اول کے معسر ہونے کی وجہ سے اس سے ضمان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی غلام سے کمائی کرانے کا اختیار ہے، کیوں کہ نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ ہی آزادی پر راضی ہے۔ اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں سائک کا ضرر ہے، لہذا ہم نے جو کچھ متعین کیا ہے وہی متعین ہے۔ ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ شریک ثانی کے لیے غلام سے کمائی کرانے کی راہ ہے، کیوں کہ استعفاء کے لیے جنایت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ استعفاء اس کی مالیت کے احتباس پر مبنی ہے، لہذا ایک ہی غلام میں قوت جو موجب ملکیت ہے وہ اور ضعف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے وہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی۔

## اللغات:

﴿اعسار﴾ تنگدستی، غربت۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿فکاک﴾ چھڑانا، آزاد کرانا۔ ﴿فکک﴾ آزاد کرائی گئی۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿یباع﴾ بیچا جاسکتا ہے۔ ﴿یوہب﴾ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ ﴿تضمن﴾ تاوان ڈالنا، ضمان کا ذمہ دار بنانا۔

﴿لا یفتقر﴾ محتاج نہیں ہے۔ ﴿بیتنی﴾ یعنی ہے۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔ ﴿لا بصر﴾ نہیں پھرا جائے گا۔ ﴿سالب﴾ سلب کرنے والا، نافی۔

### مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک تخریج:

اس سے پہلے بیان کردہ مسئلوں کا تعلق معتق کے یار سے تھا اور اب معتق کے اعسار سے متعلق مسائل بیان کیے جا رہے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے کہ اگر معتق اول مفلس اور معسر ہو تو پھر اس کے شریک کو دو اختیار حاصل ہوں گے (۱) چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے، کیوں کہ اس غلام کے باقی اعضاء میں اس کی ملکیت باقی ہے (۲) اور اگر چاہے تو اس غلام سے کمائی کرائے، اس لیے کہ اس کے حصے کی مالیت غلام کے پاس رکی ہوئی ہے اور دونوں صورتوں میں شریک ثانی کو اس کے اپنے حصے کا ولاء ملے گا، کیوں کہ اس کی طرف سے بھی عتق کا وقوع صادر ہوا ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شریک ثانی غلام سے کمائی کرائے تو امام صاحب اور صاحبین سب کے یہاں غلام مذکورہ مال معتق سے واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ غلام تو اپنی گردن آزاد کرانے کے لیے کمائی کرتا ہے اور کوئی ایسا قرضہ نہیں ادا کرتا جو معتق کے ذمہ واجب ہوتا، کہ غلام کو رجوع کا حق ملے، کیوں کہ معتق تو پہلے ہی سے معسر اور مفلس ہے، لہذا اس پر کسی چیز کے وجوب کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، اس لیے غلام معتق سے مال مکتسب کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس کے برخلاف اس غلام کے جور بن ہو اور راہن نے اسے آزاد کر دیا ہو تو غلام پہلے کمائی کر کے مرہن کو دے گا اس کے بعد راہن سے واپس لے لے گا، کیوں کہ غلام نے اپنی گردن کے لیے کمائی کی ہے حالاں کہ اس کی گردن پہلے ہی آزاد ہو چکی ہے، اس لیے غلام راہن سے وہ مال واپس لے گا۔

وقول الشافعی رحمۃ اللہ علیہ الخ: فرماتے ہیں کہ معتق کے موسر ہونے کی صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صاحبین ہم خیال ہیں لیکن اگر معتق مفلس ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ شریک ساکت کا حصہ اس کی ملکیت پر باقی رہے گا چاہے تو وہ غلام کو بیچ دے یا بیہ کر دے، اس لیے کہ نہ تو وہ شریک اول سے ضمان لے سکتا ہے کیوں کہ وہ تو (شریک اول) پہلے ہی سے قلاش ہے اور نہ ہی غلام سے کمائی کرا سکتا ہے اس لیے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں غلام کا کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ہی غلام معتق اول کے اعتاق پر راضی ہے، لہذا جب اس کی کوئی حضا نہیں ہے تو پھر اس سے کیوں کمائی کرائی جائے، اسی طرح پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں شریک ثانی کا ضرر ہے، لہذا بس ایک ہی راہ متعین ہے یعنی شریک ثانی اپنے حصے کا مالک ہے اور اس میں اسے ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔

قلنا الخ: صاحب ہدایہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے جو غلام سے کمائی نہ کرانے کی علت عدم جنایت بیان کی ہے وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ غلام سے کمائی کرانے کی علت یہ ہے کہ شریک ثانی کی مالیت اور اس کی ملکیت اسی غلام کے پاس محبوس ہے، اس لیے اس حوالے سے اس غلام سے کمائی کرنا ممکن ہے، لہذا اس سے کمائی کرائے جائے گی، تاکہ ایک ہی غلام میں موجب مالکیت قوت یعنی عتق اور اس قوت کو سلب کرنے والی چیز یعنی رقیق کا اجتماع نہ ہو سکے۔

قَالَ وَ لَوْ شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى صَاحِبِهِ بِالْعِتْقِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيْبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَ كَذَا إِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَ الْآخَرُ مُعْسِرًا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّ صَاحِبَهُ أَعْتَقَ نَصِيْبَهُ فَصَارَ مَكَاتِبًا فِي رُغْمِهِ عِنْدَهُ، وَ حَرَمَ عَلَيْهِ الْإِسْتِرْقَاقُ فَيُصَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَيُمنَعُ مِنَ اسْتِرْقَاقِهِ وَ يَسْتَسْعِيهِ، لِأَنَّا تَقِنَّا بِحَقِّ الْإِسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ أَوْ صَادِقًا، لِأَنَّهُ مُكَاتِبُهُ أَوْ مَمْلُوكُهُ فَلِهَذَا يَسْتَسْعِيَانِهِ، وَ لَا يَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِالْيَسَارِ وَ الْإِعْسَارِ، لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الْحَالَيْنِ فِي أَحَدِ شَيْئَيْنِ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ، وَ قَدْ تَعَدَّرَ التَّضْمِينُ لِإِنْكَارِ الشَّرِيكِ فَتَعَيَّنَ الْآخَرُ وَهُوَ السَّعَايَةُ، وَ الْوَلَاءُ لَهُمَا، لِأَنَّ كِلَا مِنْهُمَا يَقُولُ عَتَقَ نَصِيْبُ صَاحِبِي عَلَيْهِ بِإِعْتَاقِهِ، وَ وَلَاءُهُ لَهُ، وَ عَتَقَ نَصِيْبِي بِالسَّعَايَةِ وَ وَلَاءُهُ لِي، وَ قَالَ أَبُو يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَا مُوسِرَيْنِ فَلَا سَعَايَةَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُ عَنْ سَعَايَتِهِ بِدَعْوَى الضَّمَانِ عَلَى صَاحِبِهِ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عَنْهُمَا إِلَّا أَنَّ الدَّعْوَى لَمْ تَثْبُتْ لِإِنْكَارِ الْآخَرِ، وَ الْبَرَاءَةُ عَنِ السَّعَايَةِ قَدْ تَثْبُتُ لِإِفْرَادِهِ عَلَى نَفْسِهِ، وَ إِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لَهُمَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدَّعِي السَّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًا كَانَ أَوْ كَاذِبًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، إِذَا الْمُعْتِقُ مُعْسِرٌ وَ إِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَ الْآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوسِرِ مِنْهُمَا، لِأَنَّهُ لَا يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِإِعْسَارِهِ، وَ إِنَّمَا يَدَّعِي عَلَيْهِ السَّعَايَةَ، وَ لَا يَتَبَرَّأُ عَنْهُ وَ لَا يَسْعَى لِلْمُعْسِرِ مِنْهُمَا، لِأَنَّهُ يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِإِسَارِهِ فَيَكُونُ مَبْرِيًّا لِلْعَبْدِ عَنِ السَّعَايَةِ، وَ الْوَلَاءُ مَوْقُوفٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عَنْهُمَا، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُحِيلُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَهُوَ يَتَبَرَّأُ عَنْهُ فَيَقْبَلُ مَوْقُوفًا إِلَى أَنْ يَتَّفِقَا عَلَى إِعْتَاقِ أَحَدِهِمَا.

**ترجمہ:** فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حصے میں کمائی کرے گا خواہ وہ دونوں مالدار ہوں یا تنگ دست۔ اور ایسے ہی اگر ان میں ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگ دست ہو، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے، لہذا غلام اس کے گمان کے مطابق مکاتب ہوگا اور اس پر اس غلام کو رقیق بنانا حرام ہو گیا، اس لیے اس شریک کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس شریک کو استرقاق غلام سے روکا جائے گا البتہ وہ اس سے کمائی کرے گا، کیوں کہ ہمیں استعواء کا یقین ہے خواہ وہ شریک سچا ہو یا جھوٹا، اس لیے کہ وہ اس کا مکاتب ہے یا اس کا مملوک ہے اسی لیے وہ دونوں غلام سے کمائی کرائیں گے۔ اور پیر اور عمر سے یہ حکم مختلف نہیں ہوگا، اس لیے کہ دونوں حالتوں میں دو باتوں میں سے کسی ایک میں مولیٰ کا حق ہے، کیوں کہ معتق کا مالدار ہونا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے اور شریک کے انکار کی وجہ سے تاوان لینا متعذر

ہے لہذا دوسری بات متعین ہوگی اور وہ کمائی کرانا ہے۔ اور ولاء دونوں کو ملے گا، کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس بات کا قائل ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہوا ہے اور اس کا ولاء میرے لیے ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریک خوشحال ہوں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر رمضان کا دعویٰ کر کے غلام کو کمائی کرنے سے بری کر رہا ہے، کیوں کہ ان کے یہاں معق کا مالدار ہونا غلام کی کمائی سے مانع ہے۔ لیکن دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہوا اور غلام کا کمائی سے بری ہونا کبھی اس کی ذات پر اس کے اپنے اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر دونوں شریک تنگدست ہوں تو غلام دونوں کے لیے کمائی کرے گا، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک شریک غلام پر استعلاء کا مدعی ہے خواہ وہ صادق ہو یا کاذب جیسا کہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ معق معسر ہے۔ اور اگر شریکین میں سے کوئی مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو غلام ان میں سے موسر کے لیے کمائی کرے گا، اس لیے کہ معسر ہونے کی وجہ سے وہ اپنے شریک پر رمضان کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے، وہ صرف سعایہ کا دعویٰ کر رہا ہے لہذا غلام سعایہ سے بری نہیں ہوگا۔ اور غلام معسر کے لیے کمائی نہیں کرے گا کیوں کہ شریک ثانی کے مالدار ہونے کی وجہ سے معسر اس پر رمضان کا دعویٰ کر رہا ہے لہذا وہ غلام کو سعایہ سے بری کرنے والا ہوگا اور حضرات صاحبین کے یہاں ان تمام میں ولاء موقوف ہوگا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنا ولاء دوسرے پر ڈال رہا ہے جب کہ دوسرا اس سے براءت ظاہر کر رہا ہے، لہذا اس کا ولاء موقوف رہے گا یہاں تک کہ دونوں شریک کسی ایک کے غلام آزاد کرنے پر اتفاق کر لیں۔

## اللغات:

﴿شہد﴾ گواہی قائم کر دی۔ ﴿یزعم﴾ گمان رکھتا ہے۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿یصدق﴾ تصدیق کی جائے گی۔ ﴿یمنع﴾ روکا جائے گا۔ ﴿نصب﴾ حصہ۔ ﴿مبری﴾ بری کرنے والا۔ ﴿یحیل﴾ حوالہ کر رہا ہے۔

## مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک مختصر تجزیہ:

عبارت تو بڑی دراز ہے لیکن اس میں بیان کردہ مسئلہ نہایت آسان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے یہ اقرار کیا کہ اس نے غلام آزاد کیا ہے تو اس صورت میں امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں اس غلام پر دونوں کے لیے کمائی کرنا واجب ہے خواہ وہ دونوں مالدار ہوں یا مفلس ہوں یا ان میں سے ایک مفلس ہو اور دوسرا مالدار ہو، اس لیے کہ ان میں سے ہر شریک یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے لہذا فہم کے پیش نظر اس کے یہاں وہ غلام مکاتب ہو گیا اور اس کے لیے غلام کو رقیق بنانا حرام ہو گیا، لہذا خاص اس کے حق میں اس شخص کی تصدیق کی جائے گی اور اس غلام کو رقیق بنانا اس شخص کے لیے حرام ہوگا اور اس کے لیے صرف اس غلام سے کمائی کرانے کا حق ہوگا کیوں کہ ہمیں کمائی کرانے کے حق کا یقین ہے، خواہ وہ شریک اپنے اقرار اور اپنے قول میں صادق ہو یا کاذب، چنانچہ اگر وہ شخص سچا ہوگا تو غلام مکاتب ہوگا اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو غلام مملوک ہوگا اور مکاتب اور مملوک دونوں کی کمائی اس کے مولیٰ کے لیے ہوتی ہے، اس لیے صدق اور کذب دونوں صورتوں میں اس شریک کو کمائی کرانے کا اختیار ہوگا اور عسر و یسر کی وجہ سے یہ حکم مختلف نہیں ہوگا، کیوں کہ مدعی اعتقاد کا حق دونوں حالتوں میں دو باتوں میں سے ایک میں ہے اور وہ خوش حالی کی صورت میں ضمان یا استعلاء یعنی کمائی کرنا ہے، کیوں کہ معق کا یسر امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں

غلام سے کمائی کرانے سے مانع نہیں ہے اور یہاں تاوان لینا معذور ہے، کیوں کہ جب یہ شریک اپنی طرف سے اعتاق عبد کا منکر ہے اور دوسرے کی طرف سے اعتاق کا مدعی ہے، تو اس شریک کے لیے تاوان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا اسے صرف استعفاء ہی کا حق ہوگا تاہم اس غلام کا ولاء دونوں شریکوں کے مابین مشترک ہوگا، کیوں کہ دونوں میں ہر شریک اس بات کا مدعی ہے کہ اس کا حصہ دوسرے کے آزاد کرنے سے ہی آزاد ہوا ہے اس لیے اس کے حصے کا ولاء اس کا ہے اور چوں کہ میرا حصہ استعفاء کی وجہ سے آزاد ہوا ہے اس لیے میرے حصے کا ولاء مجھے ملے گا۔

اس کے برخلاف حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اگر دونوں شریک موسر ہوں تو غلام پر استعفاء نہیں ہے، اس لیے کہ جب ہر شریک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس دعوے سے وہ غلام کو کمائی سے بری کر رہا ہے اور پھر ان کے یہاں معتق کے موسر ہونے کی صورت میں غلام پر سعایت بھی واجب نہیں ہوتی، اس لیے اس حوالے سے بھی غلام سے کمائی نہیں کرائی جاسکتی۔ مگر چوں کہ دوسرا شریک اس کے دعوے کا منکر ہے اس لیے غلام کا عتق ثابت نہیں ہوگا، البتہ اس شریک کا (جو مدعی ہے) کا دعویٰ اور اقرار اس کے اپنے حق میں ثابت ہے اور وہ موسر بھی ہے اس لیے اس کا اقرار اس کی ذات پر لازم ہوگا اور غلام پر سعایہ واجب ہوگی۔

وإن كانا الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریک معسر ہوں تو اس صورت میں غلام دونوں کے لیے کمائی کرے گا خواہ مدعی صادق ہو یا کاذب، اس لیے کہ معتق کے مفلس ہونے کی وجہ سے اس پر استعفاء کے وجوب کا یقین ہے اس لیے اس صورت میں واحد راستہ استعفاء (کمائی کرانا) کا ہے اور وہ متعین ہے۔

وإن كان أحدهما الخ: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ایک موسر ہو اور دوسرا معسر ہو تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ غلام موسر کے لیے کمائی کرے اور معسر کے لیے اس کے شریک پر ضمان واجب ہوگا کیوں کہ جو شریک مالدار ہے وہ اپنے مفلس شریک پر ضمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ افلاس کی وجہ سے وہ کچھ نہیں دے سکتا، لہذا شریک موسر کی طرف سے استعفاء کا دعویٰ متعین ہے اور چوں کہ مفلس اپنے خوشحال شریک پر ضمان اور تاوان کا دعویٰ کر رہا ہے اور مدعی علیہ کے مفلس ہونے کی وجہ سے یہ ممکن بھی ہے اس لیے اس کے لیے استعفاء کی راہ مسدود ہوگئی اور ان دونوں صورتوں میں مذکورہ غلام کا ولاء موقوف رہے گا، اس لیے کہ جب دونوں شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اعتاق کو تھوپ رہا ہے اور دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ معاملہ الجھا رہا ہے گا اور جب تک دونوں شریک کسی کے اعتاق پر اتفاق نہیں کر لیتے اس وقت تک ولاء بھی موقوف رہے گا۔

وَلَوْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ إِنَّمَا يَدْخُلُ فَلَانٌ هَذِهِ الدَّارَ عَدَا فُهْوٍ حُرٌّ، وَقَالَ الْآخَرُ إِنَّمَا دَخَلَ فُهْوٌ حُرٌّ قَمَضَى  
الْعَدُوَّ وَلَا يُدْرَى دَخَلَ أَمْ لَا، عَتَقَ النَّصْفُ وَسَعَى لهُمَا فِي النَّصْفِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا وَابْنِ  
يُوسُفَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِمَا يَسْعَى فِي جَمِيعِ قِيمَتِهِ، لِأَنَّ الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِسُقُوطِ السَّعَايَةِ مَجْهُولٌ  
وَلَا يُمْكِنُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُولِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ لَكَ عَلَى أَحَدِنَا أَلْفُ دِرْهَمٍ، فَإِنَّهُ لَا يُقْضَى  
بِشَيْءٍ لِلْجَهَالَةِ، كَذَا هَذَا، وَلَهُمَا أَنَا تَقِينًا بِسُقُوطِ تَصْفِ السَّعَايَةِ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا حَانِثٌ بَيِّنٌ، وَمَعَ التَّيَقُّنِ

بِسْقُوطِ النِّصْفِ كَيْفَ يُقْضَىٰ بِوُجُوبِ الْكُلِّ، وَالْجِهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوعِ وَالتَّوْزِيعِ كَمَا إِذَا أُعْتِقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ لَا بَعِيْنَهُ أَوْ بَعِيْنَهُ وَنَسِيَهُ وَمَاتَ قَبْلَ التَّذَكُّرِ أَوْ الْبَيَانِ، وَيَتَأْتِي التَّفْرِيعُ فِيْهِ عَلَى أَنَّ الْيُسَارَ هَلْ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ أَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الْإِخْتِلَافِ الَّذِي سَبَقَ.

**ترجمہ:** اور اگر ایک شریک نے کہا کہ اگر فلاں شخص آئندہ کل اس گھر میں داخل نہ ہو تو وہ (غلام) آزاد ہے اور دوسرے نے کہا اگر داخل ہوا تو وہ آزاد ہے چنانچہ غدر گیا اور یہ نہ معلوم ہوسکا کہ فلاں داخل ہوا ہے یا نہیں تو نصف غلام آزاد ہو جائے گا اور نصف کے لیے وہ سعی کرے گا اور یہ حکم حضرات شیخین کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوری قیمت کے لیے وہ سعی کرے گا، کیوں کہ جس شریک پر سقوط سعایہ کا حکم آیا گیا ہے وہ مجہول ہے اور مجہول پر کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں، لہذا یہ ایسا ہو گیا کہ جیسا کہ کسی نے دوسرے سے کہا کہ ہم میں سے کسی ایک پر تیرے لیے ایک ہزار درہم ہیں، لہذا جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ایسے ہی یہ بھی ہے۔ حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں نصف سعایت کے سقوط کا یقین ہے، اس لیے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک یقیناً حاث ہے اور نصف سعایہ کے سقوط کا یقین ہوتے ہوئے کل سعایہ کے وجوب کا کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور شیوع و توزیع سے جہالت دور ہو جاتی ہے جیسے کسی شخص نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک غیر معین کو آزاد کیا، یا معین کر کے آزاد کیا لیکن جسے معین کیا تھا بھول گیا اور اسے یاد کرنے یا بیان کرنے سے پہلے مر گیا۔ اور اس مسئلے میں تفریع کا حاصل یہ ہے کہ یسر سعایہ سے مانع ہے یا نہیں، اسی اختلاف پر جو ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔

### اللغات:

﴿غدر﴾ آئندہ کل۔ ﴿مضی﴾ گزر گیا۔ ﴿لا یدری﴾ معلوم نہ ہوا۔ ﴿شیوع﴾ پھیل جانا۔ ﴿توزیع﴾ پھیلا نا۔ ﴿تفریع﴾ قیاس کرنا۔

### دو مالکوں کے اعتاق معلق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک آدمی یہ کہے کہ ان لم یدخل فلاں هذه الدار غذا فهو حر یعنی اگر آئندہ کل فلاں شخص اس گھر میں داخل نہ ہوا ہو تو وہ آزاد ہے اور دوسرے نے کہا ان دخل فلاں هذه الدار فهو حر یعنی اگر فلاں شخص اس گھر میں داخل ہوا تو وہ آزاد ہے گویا کہ ایک نے حریت کو عدم دخول پر اور دوسرے مالک نے دخول پر معلق کیا، لیکن غدا آیا اور گذر گیا مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ فلاں شخص اس گھر میں داخل ہوا ہے یا نہیں، تو اس صورت میں حضرات شیخین کے یہاں حکم یہ ہے کہ نصف غلام آزاد ہوگا اور باقی نصف کی رہائی کے لیے وہ غلام اپنے دونوں مولیٰ کے لیے کمائی کرے گا جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ غلام کا کوئی حصہ آزاد نہیں ہوگا اور وہ غلام اپنی پوری رقیّت کے لیے کمائی کرے گا۔

امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جب صورت مسئلہ میں غدر کے اندر دخول اور عدم دخول دونوں میں سے کسی چیز کا یقین نہیں ہے تو پھر شریکین میں سے جس کے حق میں سقوط سعایت کا فیصلہ کیا جائے گا وہ مجہول ہوگا اور مجہول پر شریعت میں کوئی حکم نہیں لگایا

جاتا، اس لیے کسی بھی کے حق میں سعایت ساقط نہیں ہوگی اور وہ غلام دونوں شریکوں کے لیے کمائی کرے گا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے سے کہا ہم میں سے کسی ایک پر تمہارے ایک ہزار درہم ہیں تو اس صورت میں کسی پر کچھ نہیں واجب ہوگا، کیوں کہ مقروض اور مقرر علیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے کوئی حکم لگانا دشوار ہے، لہذا جس طرح یہاں جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جہالت کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ولہما الخ: حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں دونوں مالکوں میں سے ایک کا حادث ہونا یقینی اور لابدی ہے، اس لیے کہ غلام یا تو دخول ہوا ہوگا یا عدم دخول، ایک چیز ضرور پائی گئی ہوگی اور اس ایک چیز کے وجود سے نصف غلام کا حقیقی طور پر متحقق ہوا ہے اور جس آقا کے حصے میں آزادی واقع ہو جائے اس کے لیے غلام سے کمائی کرانے کا حق ساقط ہو جاتا ہے، لہذا جب یقین کے ساتھ ہمیں نصف قیمت کے سلسلے میں سقوط سعایہ کا علم ہے تو آخر کس بنیاد پر ہم پوری قیمت کے سعایہ کا فیصلہ کر دیں، اس لیے صحیح بات وہی ہے جو ہم نے بیان کیا یعنی غلام پر صرف نصف قیمت کے لیے سعایہ کرنا واجب ہے۔

والجہالة الخ: یہاں سے امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مقضیٰ علیہ بسقوط السعایہ یہاں مجہول ہے، لیکن جب غلام کی نصف آزادی کو دونوں شریکوں پر تقسیم کر دیا جائے گا تو یہ جہالت ختم ہو جائے گی اور جب جہالت ختم ہو جائے گی تو بغیر ممانعت کے غلام کا نصف حصہ آزاد ہو جائے گا اور باقی نصف کے لیے اس پر سعایہ واجب ہوگی جو دو نوں شریکوں کے مابین مشترک ہوگی، مثلاً ایک شخص نے اپنے دو غلاموں میں سے کسی غیر معین غلام کو آزاد کیا، یا ایک معین غلام کو آزاد کیا لیکن وہ بھول گیا کہ اس نے کلو کو آزاد کیا تھا یا پو کو اور پھر وہ شخص ان میں سے کسی ایک کی تعیین سے پہلے مر گیا تو اب اس کے دونوں غلام کا نصف نصف حصہ آزاد ہوگا اور نصف نصف کی رہائی کے لیے دونوں پر سعایہ واجب ہوگی، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی نصف غلام کی آزادی کو دونوں شریک پر تقسیم کریں گے اور باقی نصف کی آزادی کے لیے وہ غلام دونوں شریکوں کے واسطے کمائی کرے گا۔

وبنائی الخ: فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس بات پر مبنی ہے کہ مالدار ہونا سعایہ کے لیے مانع ہے یا نہیں اور اس میں امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو گذر چکا، یعنی امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں یُسْر مانع سعایہ نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں مانع ہے۔

وَلَوْ حَلَفَا عَلَى عَبْدَيْنِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَحَدِهِمَا لَمْ يَتَّقِ وَاحِدٌ مِنْهُمَا، لِأَنَّ الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِالْعِتْقِ مَجْهُولٌ وَكَذَلِكَ الْمُقْضَى لَهُ فَتَفَاحَشَتِ الْجَهَالَةُ فَاِمْتَنَعَ الْقَضَاءُ، وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ الْمُقْضَى بِهِ مَعْلُومٌ فَغَلَبَ الْمَعْلُومُ الْمَجْهُولُ.

ترجمہ: اور اگر دو آدمیوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے لیے کھائی تو ان میں سے ایک بھی غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ جس پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ مجہول ہے اور ایسے ہی مقضیٰ نہ بھی مجہول ہے، لہذا جہالت فاحشہ ہوگی اس لیے فیصلہ کرنا متنع ہو گیا۔ اور ایک غلام میں مقضیٰ بہ معلوم ہے، اس لیے معلوم مجہول پر غالب ہو گیا۔



## اللغات:

﴿تفاحشت﴾ بہت واضح ہوگئی، فاحشہ ہوگئی۔

## دو مالکوں کے اعتاق معلق کی ایک صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو غلام ہوں اور دونوں الگ الگ شخص کے ہوں اور مالکان میں سے ایک یوں کہے کہ ان دُخْل فلان هذه الدار غدا فعبدي حر کہ اگر فلاں شخص آئندہ کل اس گھر میں داخل ہوا تو میرا غلام آزاد ہے اور دوسرے نے کہا ان لم يدخل فلان هذه الدار غدا فعبدي حر کہ اگر فلاں شخص داخل نہیں ہوا تو میرا غلام آزاد ہے اور غدا میں فلاں کے دخول یا عدم دخول کا کوئی علم نہ ہو سکا تو اس صورت میں کسی بھی مالک کا غلام آزاد نہیں ہوگا، کیوں کہ صورت مسئلہ میں جہالت کئی طرح سے ہے مقضیٰ علیہ یعنی وہ موٹی جس کے غلام پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ بھی مجہول ہے اسی طرح مقضیٰ لہ یعنی جس غلام پر آزادی کا حکم لگایا گیا ہے وہ بھی مجہول ہے اور دونوں کی جہالت مل کر جہالت فاحشہ ہوگئی اور جہالت فاحشہ کے ہوتے ہوئے شرعاً کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

البتہ اگر دونوں مالک کے درمیان ایک ہی غلام ہوتا اور وہ ان میں مشترک ہوتا تو اس صورت میں نصف نصف کر کے دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا اور جہالت ختم ہو جاتی۔ اسی لیے اس سے پہلے والے مسئلے میں غلام کی آزادی کو نصف نصف کر کے تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہاں منع کر دیا گیا ہے۔

وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيبُ الْآبِ، لِأَنَّهُ مَلَكَ شِقْصَ قَرِيبِهِ وَشِرَاؤُهُ إِعْتَاقٌ عَلَى مَا مَرَّ، وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِلْمَ الْآخَرِ أَنَّهُ ابْنُ شَرِيكِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَكَذَلِكَ إِذَا وَرَّثَهُ، وَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ <sup>رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ</sup> وَقَالَ فِي الشِّرَاءِ يَضْمَنُ الْآبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا، وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْإِبْنُ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ لِشَرِيكِ أَبِيهِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَلَكَاهُ بِهَبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ، وَعَلَى هَذَا إِذَا اشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَ أَحَدُهُمَا قَدْ حَلَفَ بِعَتَقِهِ إِنْ اشْتَرَى نِصْفَهُ، لَهُمَا أَنَّهُ أَبْطَلَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِعْتَاقِ، لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ وَ صَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ أَجْنَبِيَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ، وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ فَلَا يَضْمَنُهُ كَمَا إِذَا أَدِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيبِهِ صَرِيحًا، وَ دَلَالَةً ذَلِكَ أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيمَا هُوَ عِلَّةُ الْعِتْقِ وَهُوَ الشِّرَاءُ، لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عَهْدَةِ الْكُفَّارَةِ عِنْدَنَا، وَ هَذَا ضَمَانُ إِفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطَ بِالرِّضَا، وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَ عَدَمِهِ وَ هُوَ ظَاهِرُ الرَّوَايَةِ عَنْهُ، لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى السَّبَبِ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ كُلِّ

هَذَا الطَّعَامُ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْأَمِيرِ وَلَا يَعْلَمُ الْأَمِيرُ بِمِلْكِهِ.

**ترجمہ:** اور اگر دو آدمیوں نے ان میں سے کسی کے بیٹے کو خریدنا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ اپنے قریب کے حصے کا مالک ہو گیا اور اس کا خریدنا اعتناق ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا خواہ دوسرے کو اس بات کا علم ہو کہ وہ غلام اس کے پائسر کا بیٹا ہے یا یہ علم نہ ہو۔ اور ایسے جب دونوں اس کے وارث ہوئے۔ اور دوسرے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔ اور یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شراے کی صورت میں اگر باپ مالدار ہو تو غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر وہ تنگ دست ہو تو غلام بیٹا اپنے باپ کے شریک کے لیے اپنی نصف قیمت کے کمائی کرے گا۔ اور اسی اختلاف پر ہے جب وہ دونوں بہہ، صدقہ یا وصیت کے ذریعے اس کے مالک ہوئے۔

اور یہی اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب دو آدمیوں نے کسی غلام کو خریدنا اور ان میں سے ایک نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ اگر اس نے اس غلام کا آدھا حصہ خریدنا تو غلام آزاد ہے۔ حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے کو باطل کر دیا، کیوں کہ قریبی شخص کو خریدنا اعتناق ہے، لہذا یہ ایسا ہوگا جیسا کہ غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اور ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک اپنا حصہ خراب ہونے پر راضی ہو گیا ہے، لہذا معق اس کا ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ جب اس نے دوسرے کو صراحتاً اپنا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دی ہو۔ اور اس رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ ایسی چیز میں شرکت کی ہے جو عتق کی علت ہے اور وہ چیز شراے ہے، اس لیے کہ قریب کا شراے اعتناق ہے، یہاں تک کہ ہمارے یہاں شراے قریب کی وجہ سے مشتری کفارہ سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔

اور حضرات صاحبین کے ظاہری قول میں یہ ضمان افساد ہے یہاں تک کہ یسر اور عسر کی وجہ سے اس کا حکم مختلف ہوتا رہتا ہے لہذا رضاء کی وجہ سے ضمان ساقط ہو جائے گا۔ اور علم اور عدم علم کی صورت میں بھی حکم مختلف نہیں ہوگا، یہی امام صاحب رحمہ اللہ سے ظاہر الروایہ ہے، کیوں کہ حکم کا مدار تو علت پر ہے جیسے کسی نے دوسرے سے کہا یہ کھانا کھا لو حالاں کہ وہ آمر کا مملوک ہے اور آمر کو اپنی ملک کا پتا ہی نہیں ہے۔

### اللغات:

﴿نصيب﴾ حصہ۔ ﴿شقص﴾ ٹکڑا، حصہ۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿افساد﴾ فاسد کرنا۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوتا ہے۔

**دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:**

صورت مسئلہ یہ ہے کہ بکر زید کا بیٹا ہے اور عمر زید کا شریک اور پائسر ہے چنانچہ عمر اور زید نے مل کر زید کے بیٹے یعنی بکر کو خریدنا تو خریدتے ہی باپ یعنی زید کا حصہ اس کے مملوک بیٹے سے آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث من ملک ذا رحم محرم منه عتق علیہ کے فرمان سے شراے قریب کو علت عتق قرار دیا گیا ہے۔ اور باپ یعنی زید پر کسی طرح کا کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا خواہ اس کے پائسر یعنی عمر کو اس بات کا علم ہو کہ بکر زید کا بیٹا ہے یا یہ علم نہ ہو اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب زید اور عمر بکر کے وارث ہوئے

ہوں تو اس صورت ميں بھی زيء كا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ يہ حکم حضرت امام اعظم ؒ کے يہاں ہے۔ اور ميراث والے مسئلے ميں حضرات صاحبين بھی امام صاحب ؒ کے ہم خيال ہيں، ليکن شراء والے مسئلے ميں ان کے يہاں تفصيل ہے اور وہ يہ ہے کہ اگر باپ مالدار ہو تو اس پر اپنے شريک کے حصے کا ضمان واجب ہوگا اور اگر باپ تنگ دست ہو تو اس صورت ميں غلام اپنے باپ کے شريک کے ليے کمائي کرے گا۔ اور ان حضرات کا يہي اختلاف بہتہ، صدقہ اور وصيت ميں بھی ہے چنانچہ اگر ان حوالوں سے بھی وہ دونوں اس کے مالک ہوئے تو ان صورتوں ميں بھی باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا، ليکن امام صاحب ؒ کے يہاں اس پر ضمان نہيں واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبين ؒ کے يہاں يسار کی صورت ميں ضمان واجب ہوگا اور اگر باپ معسر ہو تو پھر غلام پر سعايہ واجب ہے۔

حضرات صاحبين ؒ کی دليل يہ ہے کہ باپ کا اپنے بيٹے کو خريءنا اعتناق ہے اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر کے اپنے شريک کے حصے کو باطل کر ديا ہے، اس ليے اس پر شريک کے حصے کا ضمان واجب ہوگا اور يہ ايسا ہے جيسے کوئی غلام دو آدميوں کے درميان مشترک ہو اور ايک آدمي اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر معتق موسر ہو تو اس پر ضمان واجب ہوتا ہے اور اگر معسر ہو تو غلام پر سعايہ واجب ہوتی ہے، اسی طرح صورت مسئلہ ميں بھی اگر باپ موسر ہو تو اس پر ضمان واجب ہے اور اگر معسر ہو تو غلام پر سعايہ واجب ہے۔

ولہ الخ: حضرت امام اعظم ؒ کی دليل يہ ہے کہ صورت مسئلہ ميں جب شريک کو يہ پتا ہے کہ غلام ميرے ساتھی کا بيٹا ہے اور اس کا شراء اس ساتھی کی طرف سے اعتناق ہوگا تو گویا وہ خود ہی اپنا حصہ باطل اور خراب کرنے پر راضی ہے اور جب اس اعتناق ميں اس کی رضامندی شامل ہے تو پھر باپ پر ضمان واجب کرنا سراسر ظلم ہے اور ہماری شريعت ميں ظلم کی کوئی گنجائش نہيں ہے۔ اس ليے باپ پر ضمان نہيں واجب ہوگا جيسے اگر ايک غلام دو اجنبی آدميوں ميں مشترک ہو اور ايک آدمي دوسرے کو اپنا حصہ آزاد کرنے کی صراحتاً اجازت ديدے تو معتق پر ضمان نہيں ہوگا، اسی طرح يہاں بھی باپ پر کوئی ضمان نہيں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے شريک ثاني کی رضامندی پر دليل يہ بيان کی ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ اس کے قریبی کی شراء ميں شرکت کی ہے اور شراء القريب حق کی علت ہے، تو گویا اس شريک کی شرکت اس کی رضا کی علت اور دلالت ہے، کیوں کہ يہ بات تو بہت ہی مشہور ہے کہ شراء القريب اعتناق، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص پر حق رقبہ کا کفارہ واجب ہو اور وہ اپنے کسی قریبی کو خريء لے تو وہ شخص کفارہ سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ شراء القريب اعتناق ہے۔

وهذا ضمان الخ: فرماتے ہيں کہ حضرات صاحبين کے ظاہری قول ميں مذکورہ ضمان ضمان افساد ہے اسی ليے عسر اور ير کے اختلاف سے يہ بھی بدلتا رہتا ہے اور ضمان افساد رضامندی سے ساقط ہو جاتا ہے، اس ليے يہ ضمان بھی شريک ثاني کی رضامندی سے ساقط ہو جائے گا۔

ولا يختلف الخ: اس کا حاصل يہ ہے کہ ماقبل ميں بيان کردہ حکم يعني غلام کی آزادی اور باپ پر عدم ضمان کا حکم اپنی جگہ برقرار رہے گا خواہ شريک ثاني کو يہ معلوم ہو کہ غلام ميرے ساتھی کا بيٹا ہے يا يہ نہ معلوم ہو، اس ليے کہ حکم کا مدار علت پر ہے اور علت يعني شراء ميں شريک ثاني باپ کا شريک ہے۔ جيسے اگر کسی نے دوسرے آدمي سے کہا يہ کھانا کھا لو اور وہ کھانا آمر يعني کہنے والے کا ہے، ليکن اسے يہ پتا نہيں ہے تو اس صورت ميں بھی مامور پر کوئی ضمان نہيں ہوگا، اس ليے کہ آمر کا حکم دينا اس کی طرف سے رضا ہے اور

آپ کو معلوم ہے کہ رضا کے ساتھ ضمان نہیں واجب ہوتا ہے۔

وَإِنْ بَدَأَ الْأَجْنَبِيُّ فَاشْتَرَى نِصْفَهُ ثُمَّ اشْتَرَى الْأَبَ نِصْفَهُ الْأَخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا أَجْنَبي بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَبَ، لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيْبِهِ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْإِبْنَ فِي نِصْفِ قِيَمَتِهِ لِاحْتِبَاسِ مَالِيَّتِهِ عِنْدَهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ، وَقَالَ لَا خِيَارَ لَهُ، وَيُضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيَمَتِهِ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُمَا.

**ترجمہ:** اور اگر اجنبی نے ابتداء کی اور غلام کا نصف خرید لیا پھر باپ نے نصف آخر کو خرید لیا اور وہ مالدار بھی ہے تو اجنبی کو اختیار ہے اگر چاہے تو باپ سے تاوان لے، کیوں کہ وہ اپنا حصہ خراب کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ اور اگر چاہے تو ابن سے اس کی نصف قیمت کے لیے کمائی کرے اس لیے کہ ابن کے پاس اجنبی کی مالیت محبوب ہے۔ اور یہ حکم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں ہے کیوں کہ ان کے یہاں معق کا یار سعایہ سے مانع نہیں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اجنبی کو استعواء (کمائی کرانا) کا اختیار نہیں ملے گا اور باپ نصف قیمت کا ضامن ہوگا، کیوں کہ معق کا یار صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں سعایہ سے مانع ہے۔

## اللغات:

﴿بدا﴾ پہل کی۔ ﴿یسر﴾ مالدار۔ ﴿احتباس﴾ رکا ہوا ہونا۔

**دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:**

یہ مسئلہ امام صاحب رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین کے اپنے اپنے قاعدے اور ضابطے پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر معق موسر اور مالدار ہو تو امام صاحب کے یہاں شریک ثانی کو ضمان اور استعواء دونوں میں کسی ایک چیز کا حق ملتا ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں صرف ضمان ہی کا حق ملتا ہے، اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ اگر کسی غلام کے نصف حصے کو پہلے اجنبی نے خریدا اور پھر باقی نصف کو اس غلام کے باپ نے خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور چوں کہ اسے موسر اور مالدار فرض کیا گیا ہے، اس لیے حضرات صاحبین کے یہاں شریک ثانی یعنی اجنبی کو صرف ضمان لینے کا حق ہوگا اور وہ غلام سے کمائی نہیں کرا سکتا کیوں کہ ان حضرات کے یہاں معق کا یار سعایہ سے مانع ہے، اس کے برخلاف امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں اس اجنبی کے لیے ضمان لینے کا بھی حق ہوگا اور سعایہ کا بھی حق ہوگا جسے وہ اختیار کرے گا اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ کیوں کہ ان کے یہاں معق کا یار مانع سعایہ نہیں ہے۔

وَمَنْ اشْتَرَى نِصْفَ ابْنِهِ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ لَا يَضْمَنُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا، وَمَعْنَاهُ إِذَا اشْتَرَى نِصْفَهُ مِمَّنْ يَمْلِكُ كُلَّهُ فَلَا يَضْمَنُ لِإِنِّه شَيْئًا عِنْدَهُ، وَالْوَجْهُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ.

**ترجمہ:** اور جس شخص نے اپنا نصف بیٹا خریدا اور وہ مالدار ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں اس پر ضمان نہیں ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر باپ موسر ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ نے اس شخص سے بیٹے کا نصف خریدا جو اس

کے کل کا مالک تھا، لہذا باپ اپنے بائع کے لیے امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں کسی بھی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

### دو مالکوں میں سے ایک مالک کے حصے کی خود بخود یا کسی سبب قدیم کی وجہ سے آزادی کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ سالم سہیل کا بیٹا ہے، لیکن سلمان کا غلام اور مملوک ہے اب اگر یہ باپ یعنی سہیل اپنے لڑکے سالم کے نصف حصے کو سلمان سے خریدتا ہے اور باپ مالدار بھی ہے تو اس صورت میں امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں مشتری یعنی سہیل بائع یعنی سلمان کو ضمان اور تادان کے نام پر ایک رتی بھی نہیں دے گا، جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں مشتری بائع کو نصف قیمت کا ضمان دے گا، اس کی دلیل گذر چکی ہے، والوجہ قد ذکرناہ سے صاحب کتاب نے اس سے دو مسئلہ پہلے والے مسئلے میں بیان کردہ حضرات صاحبین اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیلوں کی طرف اشارہ کیا ہے جسے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَ إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ نَفَرٍ فَدَبَّرَ أَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوسِرٌ ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ فَأَرَادُوا الضَّمَانَ فَلِلْسَاكِتِ أَنْ يُضْمِنَ الْمُدَبِّرَ ثُلُثَ قِيَمَتِهِ قَبْلًا وَ لَا يُضْمِنُ الْمُعْتِقُ، وَلِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضْمِنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيَمَتِهِ مُدَبِّرًا وَ لَا يُضْمِنُهُ الثَّلَاثُ الَّذِي ضَمَّنَ، وَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ، وَ قَالَ الْعَبْدُ كُلُّهُ لِلَّذِي دَبَّرَهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ يُضْمِنُ ثُلَاثِي قِيَمَتِهِ لِشَرِيكِيهِ، مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا.

**ترجمہ:** اور اگر غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے اسے مدبر بنادیا اور وہ مالدار بھی ہے پھر دوسرے نے اسے آزاد کر دیا اور وہ بھی مالدار ہے اور پھر ان دونوں نے ضمان دینا چاہا تو ساکت کو چاہیے کہ وہ مدبر کرنے والے سے رقیق خالص کی تہائی قیمت کا ضمان لے اور معق سے ضمان نہ لے اور مدبر کو یہ حق ہے کہ وہ معق سے غلام کے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی تہائی قیمت کا ضمان لے اور اس تہائی کا ضمان نہ لے جس کا وہ خود ضامن ہوا ہے اور یہ حکم امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ پورا غلام اسی شخص کا ہے جس نے پہلی مرتبہ اس کو مدبر بنایا ہے اور مدبر بنانے والا غلام کی دو تہائی قیمت کا اپنے شریکین کے لیے ضامن ہوگا خواہ وہ موسر ہو یا معسر ہو۔

### اللغات:

﴿دبّر﴾ مدبر بنادیا۔ ﴿قن﴾ خالص غلام۔

### تین مالکوں کے درمیان مشترک غلام کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اور ان میں سے ایک شخص نے اسے مدبر بنادیا اور وہ شخص مالدار ہے پھر دوسرے نے اسے آزاد کر دیا اور وہ بھی مالدار ہے اور تیسرا شریک خاموش رہا اور اس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا پھر ساکت اور مدبر نے معق سے ضمان کا مطالبہ کیا تو حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں اس کا حکم یہ ہے کہ تیسرا شریک جو خاموش تھا اسے یہ حق ہے کہ تدبیر کرنے والے ساتھی سے خالص غلام (جو مدبر اور مکاتب نہ ہو) کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے یعنی اگر خالص

غلام کی قیمت ۱۵۰ روپیڑھ سودراہم ہوں تو ساکت مدبر سے ۵۰ روڈراہم لے لے اور پھر سکوت اختیار کر لے یعنی اب معتق سے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، البتہ مدبر معتق سے غلام مدبر کی قیمت کا ایک تہائی ضمان لے لے اور ساکت کو جو ضمان اس نے خود اداء کیا ہے اس سلسلے میں ساکت رہے اور کچھ نہ لے۔

حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس شریک نے پہلے غلام کو مدبر بنایا ہے پورا غلام اسی کا ہے اور وہ مدبر اپنے دونوں ساتھیوں کے لیے اس غلام کی دو تہائی قیمت کا ضامن ہوگا خواہ وہ معسر ہو یا موسر ہو، بہر صورت اس پر دو تہائی ضمان واجب ہوگا۔

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّدْبِيرَ يَتَجَرَّى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ خِلَافًا لِهَاتَمَا كَالِإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ شُعْبَةٌ مِّنْ شُعْبَةٍ فَيَكُونُ مُعْتَبَرًا بِهِ، وَلَمَّا كَانَ مُتَجَرِّيًا عِنْدَهُ اقْتَصَرَ عَلَى نَصِيْبِهِ وَقَدْ أَفْسَدَ بِالتَّدْبِيرِ نَصِيْبَ الْآخَرَيْنِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَنْ يُدَبِّرَ نَصِيْبَهُ أَوْ يَعْتِقَ أَوْ يَكْتَابَ أَوْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ أَوْ يَسْتَسْلِيَ الْعَبْدَ أَوْ يَتْرُكَهُ عَلَى حَالِهِ، لِأَنَّ نَصِيْبَهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ فَاسِدًا بِإِفْسَادِ شَرِيْكِهِ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ بَيْعًا وَهَبَةً عَلَى مَا مَرَّ، فَإِذَا اخْتَارَ أَحَدُهُمَا الْعَتَقَ تَعَيَّنَ حَقُّهُ فِيهِ وَسَقَطَ اخْتِيَارُ غَيْرِهِ فَتَوَجَّهَ لِلْسَّائِكِ سَبَّانِ ضَمَانِ تَدْبِيرِ الْمُدَبِّرِ وَإِعْتَاقُ هَذَا الْمُعْتَقِ، غَيْرَ أَنَّ لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ لِيَكُونَ الضَّمَانُ ضَمَانًا مَعَاوِضَةً، إِذْهُوَ الْأَصْلُ حَتَّى جُعِلَ الْغُصْبُ ضَمَانًا مَعَاوِضَةً عَلَى أَصْلِنَا وَامْكُنَ ذَلِكَ فِي التَّدْبِيرِ لِكُونِهِ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِّلْكٍ إِلَى مِلْكٍ وَقَتِ التَّدْبِيرِ، وَلَا يُمْكِنُ ذَلِكَ فِي الْإِعْتَاقِ، لِأَنَّهُ عِنْدَ ذَلِكَ مُكَاتَبٌ أَوْ حُرٌّ عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْلَيْنِ، وَلَا بَدَّ مِنْ رِضَاءِ الْمُكَاتَبِ بِفَسْخِخِهِ حَتَّى يَقْبَلَ الْإِنْتِقَالَ فَلِهَذَا يُضَمِّنُ الْمُدَبِّرُ، ثُمَّ لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتَقَ ثُلُثَ قِيَمَتِهِ مُدَبِّرًا، لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيْبَهُ مُدَبِّرًا، وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيَمَةِ الْمُتَلَفِ، وَقِيَمَةُ الْمُدَبِّرِ ثُلَاثًا قِيَمَتِهِ فَنَا عَلَى مَا قَالُوا، وَلَا يُضَمِّنُهُ قِيَمَةَ مَا مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّائِكِ، لِأَنَّ مِلْكَهُ ثَبَتَ مُسْتَنَدًا، وَهَذَا ثَابِتٌ مِنْ وَجْهِ دُونَ وَجْهِ فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ التَّضْمِينِ، وَالْوَلَاءُ بَيْنَ الْمُعْتَقِ وَالْمُدَبِّرِ أَثَلَاثًا، ثَلَاثًا لِلْمُدَبِّرِ، وَالثَّلَاثُ لِلْمُعْتَقِ، لِأَنَّ الْعَبْدَ عَتَقَ عَلَى مِلْكِهِمَا عَلَى هَذَا الْمِقْدَارِ، وَإِذَا لَمْ يَكُنِ التَّدْبِيرُ مُتَجَرِّيًا عِنْدَهُمَا صَارَ كُلُّهُ مُدَبِّرًا لِلْمُدَبِّرِ وَقَدْ أَفْسَدَ نَصِيْبَ شَرِيْكِهِ لَمَّا بَيَّنَّا قِيَمَتَهُ، وَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ، لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَاشْتَبَاهُ الْإِسْتِيلَادَ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ ضَمَانُ جَنَائَةٍ وَالْوَلَاءُ كُلُّهُ لِلْمُدَبِّرِ، وَهَذَا ظَاهِرٌ.

**ترجمہ:** اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے یہاں تدبیر میں تجزی ہوتی ہے لیکن حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے جیسا کہ اعتاق (میں) ہے، اس لیے کہ مدبر بنانا بھی اعتاق کا ایک شعبہ ہے، لہذا تدبیر کو اعتاق پر قیاس کیا جائے گا، اور جب امام

صاحب رحمۃ اللہ کے یہاں تدبیر متجری ہے تو مدبر ہی کے حصے پر منحصر رہے گا اور چوں کہ مدبر نے تدبیر کے ذریعے دوسروں کے حصے کو خراب کر دیا ہے تو ان دونوں ساتھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے کو مدبر بنائے یا آزاد کرے یا مکاتب بنائے یا مدبر اول سے ضمان لے یا غلام سے کمائی کرائے یا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے، کیوں (ان دونوں میں سے) ہر ایک کا حصہ اس کی ملک پر باقی ہے لیکن مدبر اول کے افساد کی وجہ سے یہ ملک فاسد ہے، اس لیے کہ اس نے بیع اور ہبہ کے طور پر اس غلام سے فائدہ اٹھانے کی راہیں مسدود کر دی ہیں جیسا کہ یہ گذر چکا ہے۔

پھر جب ان میں سے کسی ایک نے عقد کو اختیار کیا تو عقد میں اس کا حق متعین ہو گیا اور عقد کے علاوہ کا اختیار ساقط ہو گیا اور ساکت کے لیے ضمان کے دو سبب ثابت ہوئے مدبر کرنے والے کا مدبر کرنا اور آزاد کرنے والے کا آزاد کرنا لیکن اسے مدبر سے ضمان لینے کا اختیار ہے تاکہ یہ تاوان تاوان معاوضہ ہو جائے، اس لیے کہ تاوان معاوضہ ہی اصل ہے۔ یہاں تک کہ ہماری اصل پر ضمان غاصب کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا گیا ہے اور تدبیر میں یہ ممکن ہے، کیوں کہ بوقت تدبیر غلام ایک ملک سے دوسری ملکیت میں منتقل ہونے کے لائق رہتا ہے جب کہ اعتاق میں یہ ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ بوقت اعتاق یہ غلام مکاتب ہے یا آزاد ہے (علی اختلاف الاصلین) اور عقد کتابت فسخ کرنے کے لیے مکاتب کی رضا مندی ضروری ہے، تاکہ وہ انتقال ملک کو قبول کر لے اسی لیے ساکت مدبر سے ضمان لے گا پھر مدبر کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ معتق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے، اس لیے کہ معتق نے غلام کے مدبر ہونے کی حالت میں ہی اس کا حصہ خراب کیا ہے اور ضمان تلف کردہ چیز کے قیمت کے بقدر ہی ثابت ہوتا ہے۔

اور مدبر کی قیمت خالص غلام کی دو تہائی قیمت ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے۔ اور مدبر نے شریک ساکت کو جو قیمت دی ہے معتق سے اس کا ضمان نہیں لے سکتا، اس لیے کہ مدبر کی ملکیت اس کے تدبیر کرنے کے وقت کی طرف منسوب ہو کر ثابت ہے، اسی لیے یہ من وجہ ثابت ہے اور من وجہ ثابت نہیں ہے، لہذا ضامن بنانے کے حق میں یہ ملکیت ظاہر نہیں ہوگی۔

اور مدبر و معتق کے مابین تین تہائی کے حساب سے ولاء مشترک ہوگا یعنی مدبر کے لیے دو تہائی اور معتق کے لیے ایک تہائی ہوگا، اس لیے کہ غلام ان دونوں کی ملکیت پر اسی مقدار میں آزاد ہوا ہے۔ اور جب حضرات صاحبین کے یہاں تدبیر متجری نہیں ہے تو پورا غلام مدبر کے لیے مدبر ہوگا اور چوں کہ مدبر نے اپنے دونوں شریک کا حصہ خراب کر دیا ہے اس لیے وہ دونوں کے حصے کا ضامن ہوگا اور یسر اور عسری وجہ سے یہ ضمان مختلف نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ضمان تحصیل ملک کا معاوضہ ہے اس لیے استیلا کے مشابہ ہوگا۔ برخلاف اعتاق کے، کیوں کہ وہ جنایت کا ضمان ہے اور پورا ولاء مدبر کا ہوگا اور یہ ظاہر ہے۔

## اللغات:

﴿تدبیر﴾ مدبر بنانا۔ ﴿اقتصر﴾ موقوف ہوگا، منحصر ہوگا۔ ﴿نصب﴾ حصہ۔ ﴿سُدَّ﴾ بند کر دیا گیا۔ ﴿غصب﴾ ناجائز قبضہ۔ ﴿معتق﴾ آزاد کرنے والا۔ ﴿استیلا﴾ ام ولد بنانے والا۔ ﴿جنایۃ﴾ جرم، غلطی۔

## تین مالکوں کے درمیان مشترک غلام کا مسئلہ:

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ اور حضرات صاحبین کا جو اختلاف ہے وہ دراصل ان حضرات کے اپنے

اپنے اصول اور ضابطوں پر مبنی اور متفرع ہے چنانچہ صاحبین کے یہاں نہ تو مدبر بنانا متجزی ہوتا ہے اور نہ ہی آزاد کرنا جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعتناق اور تدبیر دونوں متجزی ہوتے ہیں اور دونوں فریق کی دلیل یہ ہے کہ تدبیر اعتناق کی ایک شاخ ہے، لہذا جو حکم ان حضرات کے یہاں اعتناق کا ہے وہی تدبیر کا بھی ہوگا۔ بہر حال جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تدبیر میں تجزی ممکن ہے تو جس شریک نے اپنا حصہ مدبر بنایا ہے اس کی تدبیر اس کے حصے تک محدود رہے گی مگر چوں کہ شریک مدبر نے اپنے دونوں شریکوں کا حصہ خراب کر دیا ہے تو اب ان دونوں کو اپنے حصے میں ہر طرح کا اختیار ہوگا خواہ وہ اپنا حصہ آزاد کریں یا مدبر و مکاتب کریں یا مدبر سے تاوان وصول کریں یا غلام سے کمائی کرائیں یا غلام کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں اس لیے کہ ہر شریک کا حصہ اس کی ملکیت میں باقی اور قائم ہے، لیکن شریک مدبر کے افساد سے ان کی املاک فاسد ہو چکی ہیں اور اس نے اپنا حصہ مدبر کر کے بیع اور ہبہ کے طور پر اس غلام سے فائدہ اٹھانے کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔

فإذا اختار الخ: فرماتے ہیں کہ مدبر کے علاوہ دوسرے دونوں ساتھیوں میں جب کسی ساتھی نے حق کو اختیار کیا تو محقق ہی کے لیے اس کا حصہ متعین ہو گیا اور اب محقق کے علاوہ اسے تدبیر یا مکاتب وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور تیسرا شخص جو بالکل خاموش ہے اب اس کے لیے ضمان کے دو سبب پیدا ہو گئے (۱) شریک مدبر کی تدبیر کا ضمان (۲) اور محقق کے اعتناق کا ضمان، لیکن اسے صرف مدبر ہی سے ضمان لینے کا حق ہوگا اور محقق سے ضمان لینے کا حق نہیں ہوگا تاکہ یہ ضمان ضمان معاوضہ ہو جائے اس لیے کہ ضمانات میں ضمان معاوضہ ہی اصل ہے اسی لیے غصب کے تاوان کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا گیا ہے اور مدبر سے اس طرح کے ضمان کی وصولیابی ممکن بھی ہے، کیوں کہ غلام ایک ملک سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اعتناق میں ضمان معاوضہ کا جریان اور نفاذ ممکن نہیں ہے، کیوں کہ غلام بوقت اعتناق یا تو مکاتب رہتا ہے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے یا پھر آزاد ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا موقف ہے۔

ولا بد الخ: فرماتے ہیں کہ نسخ کتابت کے لیے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے تاکہ وہ انتقال ملک کو قبول کر لے اسی لیے مدبر سے ساکت جو ضمان لے گا وہ ضمان معاوضہ ہوگا۔ اس کے بعد مدبر کو یہ حق ہوگا کہ وہ محقق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان لے لے، اس لیے کہ محقق نے اس مدبر کے حصے کو مدبر ہونے کی حالت ہی میں برباد کیا ہے اور چوں کہ ضمان ہلاک کردہ چیز ہی کے بقدر واجب ہوتا ہے اس لیے مدبر کے لیے غلام کی تہائی قیمت واجب ہوگی۔

اور مشائخ کا فیصلہ یہ ہے کہ مدبر کی قیمت خالص غلام کی قیمت کا دو تہائی ہوتی ہے۔ اور مدبر نے شریک ساکت کو جو ضمان دیا ہے وہ محقق سے نہیں لے سکتا، اس لیے کہ اس نے جو کچھ بھی شریک ساکت کو دیا ہے وہ اس لیے دیا ہے کہ بوقت تدبیر اس کے حصے کا مالک ہے، لیکن یہ ملکیت چوں کہ تاوان دینے کی وجہ سے ثابت ہے اصلی حالت یا کسی اور سبب سے ثابت نہیں ہے اس لیے موجب ضمان نہیں ہوگی اور مدبر کے لیے محقق سے مزید کچھ اور مال کی وصولیابی کا سبب نہیں بنے گی۔

اور اس غلام کی ولاء محقق اور مدبر دونوں کے مابین تین تہائی کے حساب سے مشترک ہوگی یعنی دو تہائی مدبر کی ہوگی اور ایک تہائی محقق کی ہوگی، اس لیے کہ اسی تناسب سے ان کی ملکیت پر حق کا وقوع ہوا ہے۔

و إذا لم یکن الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں تدبیر یعنی مدبر بنانا متجزی نہیں ہو سکتا تو جیسے ہی



پہلے ساتھی نے تدبیر کا فعل انجام دیا اسی وقت پورا غلام اس کی طرف سے مدبر ہو گیا اور چوں کہ اس تدبیر سے اس نے اپنے دیگر دونوں ساتھیوں کا حصہ خراب کر دیا ہے، اس لیے وہ دونوں ساتھیوں کے لیے ان کے حصے کے بقدر ضامن ہوگا اور یہ ضمان عسر اور یسر دونوں حالتوں میں یکساں رہے گا اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوگی، اس لیے کہ یہ تو تحصیل ملک کا ضمان ہے اور استیلا کے مشابہ ہے اور استیلا میں اگر دو شریکوں میں سے کوئی ایک باندی کے بچہ کا دعویٰ کر دے تو دوسرے پر نصف جاریہ کا ضمان واجب ہوگا، کیوں کہ مدعی نے دوسرے ساتھی کے حصے کو خراب کر دیا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تدبیر کرنے والے نے چوں کہ اپنے دیگر ساتھیوں کے حصص کو خراب کر دیا ہے اس لیے اس پر ان دونوں کے حصوں کے بقدر ضمان واجب ہوگا، اس کے برخلاف اعتاق کا مسئلہ ہے تو وہ تدبیر سے جدا ہے، کیوں کہ اعتاق کی صورت میں واجب ہونے والا ضمان ضمان جنایت ہوتا ہے۔ اور اس تقریر کے پیش نظر پوری ولاء مدبر کرنے والے شریک کی ہوگی، کیوں کہ پورا غلام اسی کی ملکیت پر آزاد ہوا ہے۔

وَإِذَا كَانَتْ جَارِيَةً بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَزَعَمَ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِّصَاحِبِهِ وَانْكُرَ ذَلِكَ الْآخَرُ فِيهِ مَوْقُوفَةٌ يَوْمًا وَ يَوْمًا تَخْدُمُ لِلْمُنْكَرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ لَا إِنْ شَاءَ الْمُنْكَرُ اسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِي نِصْفِ قِيمَتِهَا ثُمَّ تَكُونُ حُرَّةً لَا سَبِيلَ عَلَيْهَا، لَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَصْدَقْهُ صَاحِبُهُ انْقَلَبَ إِقْرَارُ الْمُقَرَّرِ عَلَيْهِ كَأَنَّهُ اسْتَوْلَدَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ أَنَّهُ اعْتَقَ الْمُبْعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ اعْتَقَ، كَذَا هَذَا، فَيَمْتَنِعُ الْخِدْمَةُ وَ نَصِيبُ الْمُنْكَرِ عَلَى مِلْكِهِ فِي الْحُكْمِ فَيُخْرَجُ إِلَى الْإِعْتَاقِ بِالسَّعَايَةِ كَأَمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْمُقَرَّرَ لَوْ صَدَّقَ كَانَتْ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُنْكَرِ وَلَوْ كَذَبَ كَانَ لَهُ نِصْفُ الْخِدْمَةِ، فَيُثْبِتُ مَا هُوَ الْمُتَيَقِّنُ بِهِ وَهُوَ النِّصْفُ، وَ لَا خِدْمَةٌ لِلشَّرِيكِ الشَّاهِدِ وَ لَا اسْتِسْعَاءٌ، لِأَنَّهُ يُتَبَرَّأُ عَنْ جَمِيعِ ذَلِكَ بِدَعْوَى الْإِسْتِيلَادِ وَالضَّمَانِ، وَالْإِقْرَارُ بِأُمُوَّةِ الْوَلَدِ يَتَضَمَّنُ الْإِقْرَارَ بِالنَّسَبِ وَ هَذَا أَمْرٌ لَازِمٌ وَ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُجْعَلَ الْمُقَرَّرُ كَالْمُسْتَوْلَدِ.

**ترجمہ:** اور اگر ایک باندی دو آدمیوں کے مابین مشترک تھی اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کے ساتھی کی ام ولد ہے اور دوسرے نے اس کا انکار کیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں وہ ایک دن توقف کرے اور ایک دن شریک منکر کی خدمت کرے۔ حضرات صاحبین رحمہم فرماتے ہیں کہ اگر منکر چاہے تو نصف قیمت میں جاریہ سے کمائی کر لے پھر وہ باندی آزاد ہوگی اور اس پر کوئی رادہ نہیں ہوگی۔ حضرات صاحبین رحمہم کی دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کنندہ کی اس کے ساتھی نے تصدیق نہیں کی تو مقرر کا اقرار اسی پر اوت آیا گویا کہ اسی نے باندی کو ام ولد بنایا ہے، لہذا یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے بیچنے سے پہلے ہی بیع کو آزاد کر دیا ہے اور اسے ایسا اقرار کر دیا ہے کہ گویا مشتری نے خود آزاد کیا ہے یہی حکم یہاں بھی ہوگا۔ لہذا خدمت لینا ممتنع ہوگا اور حکم میں منکر کا حصہ اس کی ملکیت پر باقی ہے، لہذا اعتاق کے لیے سعایہ کے ذریعے خرچ کی جائے گی، جیسے نصرانی کی ام ولد جب وہ

مسلمان ہوگئی ہو۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقرر کی تصدیق کر لی جاتی تو پوری خدمت منکر کے لیے ہوتی اور اگر اس کی تکذیب کر دی گئی تو منکر کے لیے نصف خدمت ہوگی، لہذا جو چیز متیقن ہے وہی ثابت ہوگی اور وہ نصف ہے اور شریک شاہد کے لیے نہ تو خدمت ہوگی اور نہ ہی اسے استعفاء کا حق ہوگا، اس لیے کہ یہ شریک استیلا اور ضمان کا دعویٰ کر کے ان سب سے بری ہے اور ام ولد ہونے کا اقرار اقرار بالنسب کو شامل ہے۔ اور یہ امر لازم ہے جو رد کرنے سے رد ہوگا، لہذا مقرر کو مستولد کی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

## اللغات:

﴿جاریہ﴾ باندی۔ ﴿انقلب﴾ بدل جائے گا، پھر جائے گا۔ ﴿مقرر﴾ اقرار کرنے والا۔

## دو شریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی اور ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ میرے ساتھی کی ام ولد ہے، لیکن دوسرے نے اس کا انکار کر دیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ وہ باندی ایک دن توقف کرے اور ایک دن شریک منکر کی خدمت کرے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر منکر شریک چاہے تو اس باندی سے کمائی کرائے اور نصف قیمت وصول کر لے، اس کے بعد وہ باندی آزاد ہو جائے گی اور شریک مقرر کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب شریک مقرر اور مدعی ام ولد کی دوسرے شریک کی طرف سے تصدیق نہیں کی گئی تو مقرر کا اقرار خود اس کے اوپر عود کر آیا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ خود اسی مدعی اور مقرر نے اس باندی کو ام ولد بنایا ہے اس لیے اس کا اقرار اس کے حق میں معتبر اور لازم ہوگا اور اس شریک کے لیے باندی پر کوئی راہ نہیں ہوگی اور اس شریک کے لیے اس باندی سے خدمت لینا ممنوع ہوگا۔ جیسے اگر بیع غلام ہو اور مشتری یہ دعویٰ کرے کہ بائع نے عقد بیع سے پہلے ہی اسے آزاد کر دیا تھا لیکن بائع نے اس کا انکار کر دیا تو اس صورت میں بھی مشتری کا اقرار اعتاق اسی کی جانب عود کر آئے گا اور وہ غلام اسی کی طرف سے آزاد کیا ہوا مانا جائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی باندی کے ام ولد ہونے کا دعویٰ خود شریک مدعی و مقرر کی طرف عود کر آئے گا اور وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور اس کے لیے اب اس باندی سے خدمت لینا درست نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ باندی اس کے خیال میں دوسرے کی ام ولد ہے لیکن جب دوسرا اس کا منکر ہے تو اس کا حصہ ظاہر میں اس کی ملکیت پر باقی ہے لہذا باندی کی رہائی کے لیے اس سے کمائی اور مزدوری کرائی جائے گی۔ جیسے نصرانی شخص کی ام ولد اگر مسلمان ہو جائے تو اس کی آزادی کا راستہ بھی سعایہ ہی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ باندی کی آزادی اور رہائی کا راستہ صرف سعایہ ہے۔

ولابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الخ: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر باندی کے ام ولد ہونے کا اقرار کرنے والا شریک اپنے قرار میں سچا ہوتا اور اس کی تصدیق کر دی جاتی تو باندی شریک منکر کی ام ولد ہو جاتی اور اس کی پوری خدمت اسی شریک کے لیے ہوتی اور اگر شریک مقرر کی تکذیب کر دی جاتی تو منکر کے لیے نصف خدمت ہوتی، اس لیے کہ باندی دونوں کے مابین مشترک ہے لہذا اس شریک کے انکار کے باوجود اسے صرف نصف خدمت ہی کا حق ملتا اور چوں کہ نصف متیقن ہے، اس لیے شریک

منکر کے لیے وہی ثابت ہوگا اور شریک مقرر اور مدعی کے لیے نہ تو خدمت کا حق ہوگا اور نہ ہی استعفاء کا، اس لیے کہ وہ شریک منکر پر باندی کے ام ولد ہونے اور اس حوالے سے اس پر وجوب ضمان کا دعویٰ کر چکا ہے، اس لیے اس کے علاوہ اسے کوئی اور حق نہیں ہوگا۔  
والإقرار الخ: یہاں سے حضرات صاحبین کے دلیل کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ باندی کے ام ولد ہونے کا اقرار اقرار بالنسب کو شامل ہے اور اقرار بالنسب ایک امر لازم ہے جو تردید سے رد نہیں ہوتا، اس لیے شریک مقرر کو ام ولد بنانے والا نہیں قرار دیا جاسکتا اور مدعی علیہ کو اس سے من کل وجہ بری بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اسے نصف خدمت کا حق دیا جائے گا۔

وَإِنْ كَانَتْ أُمُّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَأَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ، وَ قَالَ لَا يَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا، لِأَنَّ مَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ وَ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا، وَ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ تَبَتَّى عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ أَوْرَدْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى، وَجْهٌ قَوْلُهُمَا إِنَّهَا مُنْتَفَعٌ بِهَا وَطِيًّا وَ إِبْرَارَةً وَاسْتِخْدَامًا وَ هَذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقَوُّمِ، وَ بِامْتِنَاعِ بَيْعِهَا لَا يَسْقُطُ تَقَوُّمُهَا كَمَا فِي الْمُدَبَّرِ، أَلَا تَرَى أَنَّ أُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السَّعَايَةُ وَ هَذَا آيَةُ التَّقَوُّمِ غَيْرُ أَنَّ قِيمَتَهَا ثُلُثُ قِيمَتِهَا فَنَّةً عَلَى مَا قَالُوا لِقَوَاتِ مَنْفَعَةِ الْبَيْعِ وَ السَّعَايَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ، لِأَنَّ الْفَائِتَ مَنْفَعَةُ الْبَيْعِ، أَمَّا السَّعَايَةُ وَ الْإِسْتِخْدَامُ فَبَاقِيَانِ، وَ لِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا عَلَيْهِ أَنَّ التَّقَوُّمَ بِالْإِحْرَارِ وَ هِيَ مُحَرَّرَةٌ لِلنَّسَبِ لَا لِلتَّقَوُّمِ، وَ الْإِحْرَارُ لِلتَّقَوُّمِ تَابِعٌ وَ لِهَذَا لَا تَسْعَى لِعَرِيمٍ وَ لَا لِوَارِثٍ، بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ، وَ هَذَا لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا مُتَحَقِّقٌ فِي الْحَالِ وَ هُوَ الْجُزْئِيَّةُ الثَّابِتَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمَصَاهِرَةِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ عَمَلُهُ فِي حَقِّ الْمَلِكِ ضَرُورَةُ الْإِنْتِفَاعِ فَعَمِلَ السَّبَبُ فِي إِسْقَاطِ التَّقَوُّمِ وَ فِي الْمُدَبَّرِ يَنْعَقِدُ السَّبَبُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَامْتِنَاعُ الْبَيْعِ فِيهِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُودِهِ فَافْتَرَقَا وَ فِي أُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ قَضَيْنَا بِمُكَاتَبَتِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَ بَدَلُ الْكِتَابَةِ لَا يَفْتَقِرُ وَجُوبُهُ إِلَى التَّقَوُّمِ.

**ترجمہ:** اور اگر ام ولد دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا اس حال میں کہ وہ مالدار ہے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اس پر ضمان نہیں ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا، کیوں کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے یہاں ام ولد کی مالیت مقوم نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں مقوم ہے۔ اور اس اصل پر کئی مسائل مبنی ہیں جنہیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کر دیا ہے۔ حضرات صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وطی، اجارہ اور خدمت لینے کے طور پر اس باندی سے نفع اٹھانا ممکن ہے اور یہ مقوم ہونے کی علامت ہے اور اس کی بیع متنع ہونے سے اس کا مقوم ہونا ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ مدبر میں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ نصرانی کی ام ولد اگر مسلمان ہو جائے تو اس پر سعاہ واجب ہے اور یہ مقوم ہونے کی علامت ہے لیکن اس کی قیمت خالص باندی کی تہائی قیمت ہوگی جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے، اس لیے کہ موت کے بعد بیع اور سعاہ کی منفعت فوت ہو جاتی

ہے۔ برخلاف مدبر کے، اس لیے کہ (مدبر میں) منفعت بیع ہی فوت ہوئی ہے، رہا کمائی کرنا اور خدمت لینا تو وہ دونوں باقی ہیں۔  
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ متقوم ہونا احراز کی وجہ سے ہوتا ہے اور ام ولد نسب کے لیے محرز ہوتی ہے نہ کہ تقوم کے لیے اور تقوم کے لیے احراز تابع ہے اسی لیے ام ولد کسی قرض خواہ اور وارث کے لیے کمائی نہیں کرتی۔ برخلاف مدبر کے۔  
اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اس میں فی الحال سبب متحقق ہے اور وہ ولد کے واسطے سے ثابت ہونے والی جزیت ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں جانا گیا ہے، لیکن ضرورت انتفاع کی وجہ سے ملک کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہیں ہوا لہذا سبب ہی اسقاط تقوم میں موثر ہو گیا۔ اور مدبر میں موت کے بعد سبب منعقد ہوتا ہے اور اس کی بیع کا ممتنع ہونا اس کے مقصود کے متحقق ہونے کی وجہ سے ہے، اس لیے دونوں میں فرق ہو گیا۔ اور نصرانی کی ام ولد میں جانبین سے دفع ضرر کے پیش نظر ہم نے اس کے مکاتب ہونے کا فیصلہ کیا ہے، اور بدل کتابت کا وجوب تقوم کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

### اللغات:

﴿موسر﴾ مالدار۔ ﴿آوردنا﴾ ہم نے پیش کیا ہے۔ ﴿منتفع بہ﴾ اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ﴿فائت﴾ فوت شدہ چیز۔ ﴿محرزۃ﴾ روکی ہوئی، محفوظ کی ہوئی۔ ﴿عزیم﴾ قرض خواہ۔ ﴿مصاہرۃ﴾ سسرالی رشتہ۔

### دو شریک مالکوں کی باندی کے ام ولد ہونے میں اختلاف ہونے کی صورت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی اور اس کے لطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اور دونوں لوگوں نے اس بچے کا دعویٰ کیا اور وہ مشترک طور پر ان دونوں کی ام ولد ہو گئی، اس کے بعد ایک شریک نے اسے آزاد کر دیا اور وہ شریک خوش حال تھا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معتق پر کوئی ضمان نہیں واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں اس پر ام ولد کی نصف قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین کے اس اختلاف کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ام ولد کی مالیت غیر متقوم ہے اور حضرات صاحبین کا یہاں متقوم ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اصل پر اور بھی بہت سے مسائل مبنی ہیں جنہیں کفالیۃ الہتمی میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

صورت مسئلہ میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد سے وطی بھی کی جاسکتی ہے، اسے اجارہ پر بھی دیا جاسکتا ہے اور اس سے خدمت بھی لی جاسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں تقوم کے بغیر ممکن نہیں ہیں معلوم ہوا کہ ام ولد مال متقوم ہے اور مال متقوم کو ہلاک کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئلہ میں ام ولد کو آزاد کرنے والے شریک پر اس کی نصف قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس کی بیع کے عدم جواز سے اس کے غیر متقوم ہونے کا اعتراض نہ کیا جائے، کیوں کہ مدبر کی بھی بیع ممتنع ہوتی ہے حالانکہ مدبر متقوم ہوتا ہے، اسی طرح ام ولد بھی ممتنع البیع ہونے کے باوجود متقوم ہوگی۔ اسی لیے تو اگر کسی نصرانی کی ام ولد مسلمان ہو جائے تو اس پر سعایہ کر کے اپنے کو آزاد کرانا واجب ہے اور سعایہ کرنا تقوم کی واضح دلیل ہے، اس سے بھی ام ولد کا متقوم ہونا ہی سمجھ میں آ رہا ہے البتہ ام ولد میں چوں کہ استیلاؤ کا وصف لگ جاتا ہے، اس لیے اس کی قیمت خالص باندی کی قیمت کا تہائی حصہ ہوگی یہی مشائخ کا فیصلہ ہے، اس لیے کہ استیلاؤ کے بعد ام ولد کو فروخت کرنے کی منفعت فوت ہو جاتی ہے اور موٹی کی موت کے بعد اس سے کمائی بھی نہیں کرائی جاسکتی ہے، جب کہ خالص باندی کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے اور اس سے کمائی بھی کرائی جاسکتی

ہے، اس لیے ام ولد لامحالہ خالص باندی سے کم قیمت کی ہوگی۔

اس کے برخلاف مدبر کا مسئلہ ہے تو اس کے حق میں تدبیر سے صرف بیع کی منفعت فوت ہوتی ہے لیکن سعایہ اور استخدا ام دونوں باقی رہتے ہیں، اسی لیے اس کی قیمت خالص غلام کی دو تہائی قیمت ہوتی ہے۔

ولایہی حنیفۃ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِہِ النِّح: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مقوم ہونا اس احراز کی وجہ سے ہوتا ہے جو مالدار کی کے لیے اپنے پاس رکھی جائے اور ام ولد نسب کے لیے محرز کی جاتی ہے نہ کہ مقوم کے لیے اور احراز لتقوم نسب کے تابع ہوتا ہے، اور ام ولد کے محرز لنسب ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ مولیٰ کی موت کے بعد یہ عورت مولیٰ کے کسی قرض خواہ اور وارث کے لیے کمائی نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف مدبر ہے تو وہ صرف مقوم اور مالدار کی کے لیے محرز کیا جاتا ہے، اس لیے ام ولد اور مدبر میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ ام ولد میں سبب فی الحال متحقق ہوتا ہے اور وہ سبب لڑکے کے واسطے سے مولیٰ اور ام ولد کے درمیان جزئیت اور بعضیت کا ثبوت ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں اس کی تفصیل آچکی ہے، البتہ ضرورت انتفاع کے پیش نظر ملکیت کے حق میں اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوگا، لہذا مولیٰ پر اس کی ملکیت باقی رہے گی اور وہ اس سے خدمت لیتا رہے گا، ہاں اسقاط مقوم کے حق میں سبب موثر ہوگا اور ام ولد کی مالیت کو ختم کر دے گا اور جب مالیت ختم ہو جائے گی تو پھر اس کے آزاد کرنے سے متفق پر ضمان بھی واجب نہیں ہوگا۔

اور مدبر میں فی الحال سبب متحقق نہیں ہوتا، بلکہ مولیٰ موت کے بعد سبب اسقاط پیدا ہوتا ہے اور حصول مقصود کے پیش نظر ہی اس کی بیع ممتنع ہوتی ہے، اس لیے ام ولد اور مدبر میں فرق واضح ہے۔ اور نصرانی کی ام ولد میں ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مکاتبہ ہو جاتی ہے تاکہ نہ تو ام ولد کو کچھ ضرر ہو اور نہ ہی نصرانی کو اور چوں کہ بدل کتابت کا وجوب مال کے مقوم ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس لیے ان حوالوں سے ام ولد، مدبر اور نصرانی کی ام ولد وغیرہ میں فرق ہے لہذا کسی کو بھی ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ الحمد لله: آج مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۷ اپریل ۲۰۰۷ء کو احسن الہدایہ کی یہ جلد اختتام پذیر ہوئی۔ اللہم اغفر لشارحہ ولوالدہیہ ولأساتذتہ ولمن قام بنشرہ وطبعہ۔ عبدالحلیم قاسمی بستوی

بجہ تعالیٰ! آج بروز بدھ مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۵ نومبر ۲۰۰۹ء محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے احسن الہدایہ کی جلد نمبر پانچ کی تحریر، اعراب، عنوانات اور حل لغات کے ساتھ تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

